ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ

آسان بیانُ القرآن

جلد دوم

از سورۂ مائدہ تا ختم سورۂ ہود

تصنیفِ لطیف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

تسہیل نگار

حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دار العلوم دیوبند)

نظرِ ثانی

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش

مفتی عبد الرؤف غزنوی

فاضل و سابق استاذ و خطیب دار العلوم دیوبند (انڈیا)

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ غزنوی کراچی

0333-2114000

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

آسان بیان القرآن

جلد دوم

از سورۂ مائدہ تا ختم سورۂ ہود

تصنیفِ لطیف

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسہیل نگار

حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

نظرِ ثانی

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش

مفتی عبد الرؤف غزنوی

فاضل و سابق استاذ و خطیب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ غزنوی کراچی

0333-2114000

نام کتاب ۔۔۔۔۔۔۔ آسان بیان القرآن جلد دوم

مؤلف ۔۔۔۔۔۔۔ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ

تسہیل نگار ۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی (فاضل دارالعلوم دیوبند)

نظر ثانی ۔۔۔۔۔۔۔ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

اہتمام و پیشکش ۔۔۔۔۔۔۔ مفتی عبدالروف غزنوی
فاضل و سابق استاذ و خطیب دارالعلوم دیوبند (انڈیا)
استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

قانونی مشیر ۔۔۔۔۔۔۔ خواجہ سیف الاسلام ایڈوکیٹ ہائی کورٹ سندھ

اشاعت اول پاکستان میں ۔۔۔۔۔۔۔ ١٤٤٠ھ-2019ء

ناشر ۔۔۔۔۔۔۔ مکتبہ غزنوی، سلام کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون ۔۔۔۔۔۔۔ 0333-2114000

پریس :hafizsaeedalam@gmail.com :+92-321-4283 199
Karachi, Pakistan.

دوکان نمبر 13، سلام کتب مارکیٹ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 0333-2114000

فہرست مضامین

سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ اور تفسیر

سورۃ المائدہ

سورۃ الانعام

سورۃ الاعراف

سورۃ الانفال

سورۂ براءت متعلق ضروری فوائد

سورۂ یونس

سورۂ ہود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ اور تفسیر

از سعید احمد پالن پوری

(جلد اول میں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے آخر میں حاشیہ میں وعدہ کیا تھا کہ دوسری جلد کے شروع میں سورۃ الفاتحہ کی مختصر تفسیر لکھوں گا، جس میں یہ بتاؤں گا کہ سورۃ الفاتحہ ام الکتاب کیسے ہے؟ أم کے معنی ہیں: ماں، اور أم الکتاب کے معنی ہیں: قرآنِ کریم کی ماں، اور ماں سے اولاد پھیلتی ہے، ماں اصل ہوتی ہے، پس سورۃ الفاتحہ میں اسلام کے بنیادی عقائد بیان ہوئے ہیں، اسی لئے اسے بار بار پڑھنے کا حکم ہے۔ اور باقی تفصیلات قرآنِ کریم میں پھیلی ہوئی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے الفوز الکبیر میں علومِ قرآنی کو پانچ قسموں میں منحصر کیا ہے:

(۱) علم الأحکام (جس میں بنیادی عقائد بھی داخل ہیں)

(۲) علم الجدل: یعنی چار گمراہ فرقوں سے یعنی مشرکین، منافقین اور یہود و نصاریٰ سے مباحثہ۔

(۳-۵) تذکیرات ثلاثہ یعنی اللہ کی نعمتیں ذکر کر کے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں جو نصرت فرمائی اور موت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کر کے لوگوں کو نصیحت کی جائے، یہ پانچ مضامین قرآنِ کریم کا خلاصہ ہیں۔

اور ان پانچوں کا مصَبّ (گرنے کی جگہ) توحید ہے یعنی معبود صرف ایک ہے، ان کے علاوہ کوئی معبود نہیں لا إلٰہ إلا اللہ!

اس لئے سورۃ الفاتحہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ سے شروع ہوئی ہے، قرآنِ کریم میں جہاں بھی ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ آیا ہے، اکثر جگہ اس میں توحیدِ الوہیت ہی کا بیان ہے، الف لام استغراقی ہے یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور حمد (تعریف) کمالات (خوبیوں) پر ہوتی ہیں، اور سب سے بڑی خوبی معبود ہونا ہے، اور جب سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں تو یہ بڑی خوبی بھی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

اور ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کے ذریعہ توحیدِ الوہیت کا اثبات مثبت پہلو سے ہے اور قرآنِ کریم میں جہاں بھی ﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ ﴾ آیا ہے اس سے منفی پہلو سے توحیدِ الوہیت ثابت کی گئی ہے، کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ پاک ہیں یعنی ان میں کوئی

عیب (کمی) نہیں، اور معبودیت میں ساجھا سب سے بڑا عیب ہے، اس لئے کہ دیگ شراکت بجوش می آید (بھاگی داری کی ہانڈی کبھی نہ کبھی کھد کھداتی ہے) اس لئے حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ اپنی بندگی شرکاء کے پاس لے جا: انا أغنی الشرکاء مجھے تیری بندگی کی ضرورت نہیں، میرے پاس تیری بندگی کا صلہ نہیں۔

پھر ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ میں توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کیا گیا ہے، تمام جہانوں کے پالنہار اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اور جو پالتا پوستا ہے وہی آقا ہوتا ہے اور آقا ہی معبود ہوتا ہے، پس پروردگار عالَم کے علاوہ کوئی معبود کیسے ہوسکتا ہے؟

پھر توحید ربوبیت پر ﴿ الرَّحْمٰنِ ﴾ صفت کے ذریعے استدلال کیا گیا ہے، رحمان میں پانچ حروف ہیں (ر، ح، م، الف اور نون) اور رحیم میں چار حروف ہیں (ر، ح، ی اور م) اور عربی کا قاعدہ ہے کہ حروفِ ہجا کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، پس دونوں صفتوں کا مادہ اگرچہ (رحمة) ہے مگر رحمان میں معنی کی زیادتی ہے، اس کا تعلق تمام جہانوں سے ہے، وہ سب پر مہربان ہیں، کافروں کو بھی روزی روٹی دیتے ہیں (یہاں تک توحید کی بات پوری ہوئی)

اور ﴿ الرَّحِيْمِ ﴾ کا تعلق آخرت (آنے والی دنیا) سے ہے، آخرت میں مہربانی صرف مؤمنین پر ہوگی، کفار اللہ کی رحمت سے محروم ہوں گے، اور یہ آخرت کے مسئلے کی پہلی دلیل لائی گئی ہے، پھر ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ آیا ہے یہ آخرت کا مسئلہ ہے، آنے والی دنیا میں یہ بات پہلے رحیم صفت لاکر بیان کردی کہ جزا کے دن کے مالک اللہ تعالیٰ ہی ہوں گے، خاص مؤمنین ہی کو اپنی رحمت سے نوازیں گے، کفار اس سے محروم رہیں گے۔

جاننا چاہئے کہ توحید کے بعد رسالت کا ذکر آنا چاہئے تھا، کلمے کا دوسرا جزء محمد رسول اللہ ہے، مگر رحمٰن کے ساتھ رحیم صفت لائی گئی، اس لئے آخرت کے مسئلے کو رسالت پر مقدم کردیا، ایک تو اس وجہ سے کہ اس کا بیان مختصر ہے، اور رسالت کا مسئلہ مفصل ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اگلی سورت کی ابتداء سے اس کا گہرا ربط ہے، اگلی سورت میں دلیلِ رسالت یعنی قرآنِ کریم کا ذکر آرہا ہے جو نبی ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔

اس کے بعد ایک آیت ذو طرفین ہے یعنی ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ ہم آپ ہی کی بندگی کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ کا تعلق توحید و آخرت دونوں مسئلوں سے ہے، جس نے اللہ ہی کی بندگی کی ہے وہی آخرت میں کامیاب ہوگا، اور ﴿ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کا تعلق آنے والے مسئلے رسالت سے ہے، جب بندے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں گے، اور اہم مدد روحانی ہے تو وہ مدد کسی واسطے سے آئے گی، وہی واسطہ 'رسول' کا ہے، اس طرح آگے رسالت کا مسئلہ ہے، اور ایک حدیثِ قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: هذا بيني وبين

عبدی: یعنی یہ آیت ہاف ہاف ہے، آدھی کا تعلق مجھ سے ہے اور آدھی کا تعلق میرے بندے سے ہے۔

بندے مادی مدد بھی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے ہیں، کیوں کہ ان کے علاوہ کوئی مددگار نہیں اور روحانی مدد تو مادی مدد سے بھی اہم ہے، اس کا سوال تو اللہ تعالیٰ ہی سے کیا جاسکتا ہے، اس لئے اگلی آیت آئی ﴿ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ﴾ اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا، اور اللہ کی مادی امداد تو مختلف اسباب سے آتی ہے، آسمان پانی برساتا ہے اور زمین اگاتی ہے، پس حیوانات کی معیشت کا انتظام ہوتا ہے۔

اور روحانی امداد پہنچنے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہی مسئلۂ رسالت ہے، روحانی رہنمائی وحی کے ذریعہ کی جاتی ہے اور تشریعی وحی بڑے انبیاء پر نازل ہوتی ہے اور وہی رسول کہلاتے ہیں اور تبلیغی وحی انبیاء پر بھی نازل ہوتی ہے اور سب سے بڑے نبی آخری رسول ہیں، پس آخری راہنمائی نبی ﷺ کی معرفت آئی ہے، یوں ضمناً رسالت کا مسئلہ شروع ہوگیا۔

پھر روحانی راہنمائی ایک معنوی چیز ہے، اور معنویات کو سمجھنا ہر ایک کے لئے آسان نہیں، اس کو حسی مثال سے مشخص کرنا پڑتا ہے، اس لئے آگے مثبت ومنفی مثالوں سے ہدایت کو محسوس کیا ہے۔

مثبت مثال: ﴿ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡهِمۡ ﴾ ان بندوں کی راہ جن پر آپ نے احسان فرمایا۔ اور سورۃ النساء میں ہے کہ یہ چار قسم کے بندے ہیں: انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، پس مؤمنین انبیاء کی سیرتیں پڑھیں اور صدیق تو ہر زمانے میں ہوتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو صدیق اکبر تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ تھیں، اور سورۃ الحدید میں صراحت ہے کہ ہر زمانے میں مردوزن صدیق ہوتے ہیں۔ اور صدیق وہ ہے جو حق کو اس طرح قبول کرلے جیسے معدہ مٹھائی کو قبول کرلیتا ہے، ایسے بندوں کی صحبت اختیار کی جائے۔

اور شہداء: ہر زمانے میں ہوتے ہیں، ان کی بھی سیرت پڑھی جائے اور ان کے اسوہ کی پیروی کی جائے اور نیک بندے: تو زندہ ہوتے ہیں ان کی چال ڈھال دیکھو سمجھ میں آجائے گا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے؟

پھر آخری آیت ہے: ﴿ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ﴾: ان بندوں کا راستہ نہیں جو مغضوب علیہم ہیں یعنی جن سے آپ سخت ناراض ہیں اور نہ (ان لوگوں کا راستہ جو) راہ سے بے راہ ہوگئے ہیں۔

مغضوب علیہم یعنی جو دور تک گمراہی میں پہنچ گئے ہیں، جیسے یہود اور ضالین: گمراہ یعنی غلط راہ پر پڑنے والے: جیسے نصاریٰ۔ جیسے جنکشن پر پٹریاں ایک انچ کے فاصلہ سے جدا ہوتی ہیں، پھر ایک راستہ مشرق میں جاتا ہے دوسرا مغرب میں، یہ دور کی گمراہی کی مثال ہے، نبی ﷺ نے اس کی مثال یہود سے دی ہے اور آج کی مثال شیعہ اور قادیانی وغیرہ ہیں، مگر لائنیں شروع میں ایک انچ کے فاصلے سے جدا ہوتی ہیں، یہ راہِ راست سے ہٹنے کی مثال ہے۔ نبی ﷺ نے اس کی مثال نصاریٰ سے دی ہے، اس لئے کہ وہ مودت کے اعتبار سے مسلمانوں سے قریب ہیں، اور آج کی مثال: اہل السنہ

کے طریقہ سے تھوڑے ہٹے ہوئے فرقے ہیں، یعنی بریلوی، غیر مقلدین اور مودودی وغیرہ، اس وقت صراطِ مستقیم: اہل السنہ والجماعہ کا راستہ ہے اور وہ ائمہ اربعہ کے متبعین میں منحصر ہے، حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے مأۃ دروس کے سبق نمبر ۹۵ میں اس کی صراحت کی ہے۔

اور ہدایت (روحانی راہنمائی) کے لئے قرآنِ کریم نازل ہوا ہے، چنانچہ اگلی سورت کے شروع میں یہی مضمون ہے کہ قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں ادنی شبہ نہیں، اور وہ ان بندوں کی راہنمائی کے لئے نازل ہوا ہے جو متقی بننا چاہتے ہیں یعنی شرک سے بچنا چاہتے ہیں اور صرف ایک خدا کی بندگی کرنا چاہتے ہیں، اس طرح بات پھر توحیدِ الوہیت پر پہنچ گئی جس سے سورۃ الفاتحہ شروع ہوئی تھی۔

جاننا چاہئے کہ ہدایت میں پانچوں علوم قرآنی آجاتے ہیں، اس طرح پورا قرآن سورۃ الفاتحہ کی شرح ہے، اور یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ سورۃ الفاتحہ کا جزء نہیں، وہ قرآنِ کریم کی مستقل آیت ہے۔

حدیثِ قدسی: مسلم شریف میں حدیثِ قدسی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں نے نماز کو یعنی سورۂ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھا آدھا بانٹا ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا ہے، پس جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ: میرے بندے نے میری تعریف کی، اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ: میرے بندے نے میری ستائش کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، یعنی آدھی آیت کا تعلق اللہ سے ہے اور آدھی کا بندے سے، اور میں اپنے بندے کو وہ دوں گا جو وہ مانگے گا، پھر جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ تو اللہ فرماتے ہیں: اس کا تعلق میرے بندے سے ہے، اور میں اپنے بندہ کو وہ دوں گا جو اس نے مانگا ہے (مشکوٰۃ شریف حدیث ۸۲۳)

(۵) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۲)
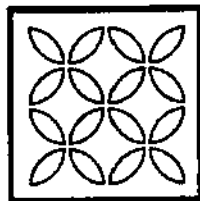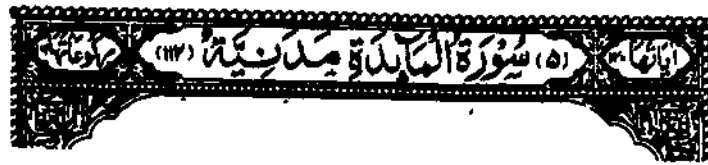
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ ﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ اے ایمان والو عہدوں کو پورا کرو۔

ربط: گذشتہ سورت کے ختم پر فرمایا تھا ﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے شرائع (احکام دینیہ) بیان کرتے ہیں، اب اس سورت کے شروع میں فرماتے ہیں کہ تم ہمارے بیان کئے ہوئے احکام شرعیہ پر پوری طرح عمل کرو، یہ مناسبت دونوں سورتوں کے ختم اور شروع میں ہے، باقی پوری پوری دونوں سورتوں میں احکام شرعیہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ربط ظاہر ہے، اور خود اس سورت کے اجزاء میں ایک انوکھا ربط ہے، اس کی پہلی آیت متن کے درجے میں ہے اور باقی پوری سورت اس کی شرح کے درجے میں ہے، اس لئے کہ لفظ عقود تمام احکام شرعیہ کو شامل ہے، یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے، جس کو روح المعانی میں نقل کیا ہے اور قاموس میں العقد کی تفسیر العھد (قول وقرار) سے کی ہے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس سورت میں احکام شرعیہ کی تفصیل ہے، پہلے اجمالی اور کلی عنوان سے احکام پر عمل کا حکم فرماتے ہیں۔

احکامِ شرعیہ پر عمل کے واجب ہونے کا بیان:

اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضا یہ ہے کہ اپنے عہدوں کو (یعنی جب تم اللہ پر ایمان لائے تو تم نے اللہ سے قول وقرار کیا کہ ہم آپ کے احکام کو بجالائیں گے، پس ان کو) پورا کرو (یعنی احکام شرعیہ کو بجالاؤ) کیونکہ ایمان لا کر تم نے ان کا التزام کیا ہے، اور التزام (سر لینے) کا تقاضا ان کو پورا کرنا ہے۔

﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱ ﴾

ترجمہ: تمہارے لئے تمام چوپائے جو مشابہ انعام کے ہوں حلال کیے گئے ہیں، مگر جن کا ذکر آگے آتا ہے، لیکن شکار کو حلال مت سمجھنا جس حالت میں کہ تم احرام میں ہو، بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم کریں۔

ربط: اوپر اجمالی اور کلی عنوان سے احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کا حکم تھا، اب ان احکامِ شرعیہ کی تفصیل ہے، جن میں سے بعض فروعی احکام ہیں، اور بعض مضامین مخالفین کے احوال پر مشتمل ہیں، اور بعض ان کے مقدمات و تتمے ہیں۔

پہلا حکم: چوپایوں کا حلال اور حرام ہونا:

تمہارے لئے تمام چوپائے جو انعام (یعنی اونٹ، بکری، گائے) کے مشابہ ہیں (جن کا حلال ہونا اس سورت سے پہلے سورۃ الانعام میں معلوم ہو چکا ہے جو کہ مکی سورت ہے، پس ان کے مشابہ جتنے چوپائے ہیں سب) حلال کئے گئے ہیں (جیسے ہرن، نیل گائے وغیرہ: اونٹ، بکری گائے کے مشابہ ہیں، اس وجہ سے کہ وہ درندے وشکاری نہیں، البتہ وہ چوپائے جو دوسرے دلائل شرعیہ حدیث وغیرہ سے مستثنیٰ ہیں، جیسے گدھا، خچر وغیرہ، ان مستثنیٰ جانوروں کے سوا دیگر تمام بہائم اہلی و وحشی حلال ہیں) مگر جن کا ذکر آگے (آیت ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ﴾ الی آخرہ میں) آتا ہے (اگر چہ وہ بھی ﴿ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ ﴾ میں داخل ہیں [1] اور حدیث وغیرہ میں مستثنیٰ نہیں کئے گئے، پھر بھی وہ حرام ہیں، اور باقی تمہارے لئے حلال ہیں) لیکن (ان میں جو) شکار (ہیں ان) کو حلال مت سمجھنا، جس حالت میں کہ تم احرام (یا حرم) میں ہو (مثلاً حج یا عمرے کا احرام باندھے ہوئے ہو، اگر چہ حرم سے باہر ہو یا حرم کے اندر ہو، پس اکثر شکار بھی حرم کے اندر ہوگا، اصل مدارِ حکم کا شکار کا حرم کے اندر ہونا ہے اگر چہ احرام نہ باندھے ہو، ہر حال میں حرم کا شکار برّی اور وحشی حرام ہے) بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم کریں (وہی مصلحت ہوتا ہے، وہ جس جانور کو چاہیں ہمیشہ کے لئے فی نفسہ مجبوری کی حالت کے علاوہ میں حرام کر دیتے ہیں اور جس کو چاہیں ہمیشہ کے لئے حلال کر دیتے ہیں، اور جس کو چاہیں کسی حالت میں حلال اور کسی حالت میں حرام کر دیتے ہیں، تمہیں ہر حالت میں حکم کی تعمیل کرنی ہوگی۔

فائدہ: اور حلال پرندوں کا یہاں ذکر نہیں کیا، ان کا حلال ہونا چوپایوں کی طرح دوسری دلیلِ شرعی سے ثابت ہے، پس آیت کا خلاصہ اور اس کی تفصیل درجِ ذیل مسائل ہیں۔

مسئلہ (۱): اونٹ، گائے، بھینس، بکری اور بھیڑ فی نفسہ حلال ہیں، البتہ طبعی موت اور گلا گھٹ کر مرنے وغیرہ کی حالت میں حرام ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

---

(۱) ﴿ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ ﴾ میں مفسرینِ کرام عام طور پر عام کی خاص کی طرف اضافت مانتے ہیں، جیسے ثوبُ الحریر (ریشمی کپڑا) کپڑا عام ہے اور حریر خاص ہے، لیکن حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے مشبہ کی مشبہ بہ کی طرف اضافت مانی ہے یعنی وہ چوپائے جو پالتو چوپایوں کے مشابہ ہیں، اس لئے کہ اگر عام کی خاص کی طرف اضافت مانیں گے تو ﴿ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ ﴾ کی قید بے فائدہ ہو جائے گی، بهيمة میں جانوروں کے آٹھ جوڑے ہی داخل ہوں گے، اس لئے کہ انعام کا اطلاق عرف میں ان ہی پر ہوتا ہے۔ اور ان میں صید (شکار) داخل نہیں، پس ان کو نکالنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی، اور اگر مشبہ کی اضافت مشبہ بہ کی طرف مانی جائے تو شکار بھی اس میں داخل ہوگا، اس لئے غیر کے ذریعے ان کے اخراج کی ضرورت ہوگی ۱۲ تبیان

مسئلہ(۲): خنزیر حرام ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

مسئلہ(۳): ہرن، نیل گائے، گھوڑا وغیرہ جو مویشیوں کے مشابہ ہیں، حلال ہیں۔

مسئلہ(۴): لیکن ہرن وغیرہ جو وحشی (یعنی غیر پالتو) جانور ہیں، ان کا حرم کے اندر اور احرام کی حالت میں شکار کرنا اور اسی طرح ان کا ذبح کرنا حرام ہے، اگر وہ جانور حرم کے اندر ہو اور شکاری باہر ہو تب بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ(۵): دریائی شکار یعنی مچھلی حرم اور احرام میں بھی حلال ہے۔

مسئلہ(۶): درندہ (کو مارنا بھی) حرام ہے۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُحِلُّوا۟ شَعَٰٓئِرَ ٱللَّهِ وَلَا ٱلشَّهْرَ ٱلْحَرَامَ وَلَا ٱلْهَدْىَ وَلَا ٱلْقَلَٰٓئِدَ وَلَآ ءَآمِّينَ ٱلْبَيْتَ ٱلْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَٰنًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَٱصْطَادُوا۟ ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا۟ ۘ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلْعِقَابِ ۞﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جارہے ہوں، اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں۔ اور جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کیا کرو اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض ہے کہ انھوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جاوے کہ تم حد سے نکل جاؤ اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ و زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

ربط: اوپر ﴿غَيْرَ مُحِلِّى ٱلصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ﴾ یعنی احرام کی حالت میں شکار کو حلال کئے بغیر کی قید لگا کر ایک امر کو جو کہ احرام اور حرم کی تعظیم میں مخل ہے، حرام فرمایا ہے، اب مزید چند امور کے بارے میں جو کہ شعائر اللہ کی تعظیم میں مخل ہیں یعنی وہ باتیں محترم و معظم ہیں: بیان فرماتے ہیں:

دوسرا حکم: شعائر کو پامال کرنے کی ممانعت:

اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ تعالیٰ (کے دین) کی نشانیوں کی (یعنی جن چیزوں کے ادب و تعظیم کی حفاظت کے واسطے اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام مقرر فرمائے ہیں، ان احکام کی خلاف ورزی کر کے ان کی بے ادبی نہ کرو، مثلاً حرم اور احرام کا یہ ادب مقرر کیا ہے کہ اس میں شکار نہ کرو، تو شکار کرنا بے ادبی اور حرام ہوگا) اور نہ حرمت والے مہینے کی (بے ادبی کرو، کہ اس میں کافروں سے لڑنے لگو) اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی (بے ادبی کرو کہ ان سے چھیڑ چھاڑ

کرنے لگو) اور نہ ان جانوروں کی (بے ادبی کرو) جن کے گلے میں (اس نشانی کے لئے) پٹے پڑے ہوں (کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں، حرم میں ذبح ہوں گے) اور نہ ان لوگوں کی (بے حرمتی کرو) جو کہ بیت الحرام (یعنی بیت اللہ) کے ارادے سے جارہے ہوں (اور) اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں (یعنی ان چیزوں کے ادب کی خاطر کافروں سے بھی چھیڑ چھاڑ مت کرو) اور (اوپر کی آیت میں جو احرام کے ادب سے شکار کو حرام فرمایا گیا ہے وہ احرام ہی تک ہے، ورنہ (جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو اجازت ہے کہ) شکار کیا کرو (بشرطیکہ وہ شکار حرم میں نہ ہو) اور (اوپر جن چیزوں سے تعرض یعنی چھیڑ چاڑ سے منع کیا گیا ہے، اس میں) ایسا نہ ہو کہ تمہیں کسی قوم سے جو اس وجہ سے بغض ہے کہ انھوں نے (تمہیں حدیبیہ کے سال میں) مسجد حرام (میں جانے) سے روک دیا تھا (قریش کے کفار مراد ہیں) وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہوجائے کہ تم حد سے تجاوز کر جاؤ (یعنی مذکورہ احکام کی خلاف ورزی کر بیٹھو، ایسا نہ کرنا) اور نیکی اور تقوی (کی باتوں) میں ایک دوسرے کی اطاعت کرتے رہو) مثلاً یہ احکام ہیں، ان میں دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دو) اور گناہ اور زیادتی (کی باتوں) میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو (مثلاً یہی احکام ہیں اگر کوئی ان کے خلاف کرنے لگے تو تم اس کی اعانت مت کرو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو (کہ اس سے تمام احکام کی پابندی سہل ہوجاتی ہے) بیشک اللہ تعالیٰ (احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزا دینے والے ہیں)

فائدہ: حدیبیہ کا قصہ اور اشہر حرم یعنی حرام مہینوں کے حکم کا منسوخ ہونا سورۂ بقرہ کے نویں حکم کے مسائل میں گذر چکا اور گیارہویں حکم میں ھدی کے معنی گذر چکے اور قلائد کے معنی یہاں ترجمہ سے واضح ہوگئے اور ﴿ وَلَا الْهَدْيَ ﴾ سے ﴿ آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ ﴾ تک یہ احکام اس وقت تھے جب کفار حج وعمرہ کے لئے آتے تھے۔ اب خود ان کا حج وعمرہ کے لئے آنا ممنوع ہے، اس کو بیضاوی نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ کے تحت نقل کیا ہے۔ اور شعائر اللہ اگرچہ عام ہے، مگر اس کے بعض خاص افراد کا ذکر اہتمام کے لئے کیا ہے، جیسا کہ ھدی کے بعد قلائد کا ذکر بھی اسی غرض سے کیا ہے، کیونکہ ھدی کبھی قلادہ والی ہوتی ہے اور کبھی بغیر قلادہ کے۔ اور آمین کا عطف فرق کرنے کے لئے ہے، کیونکہ حرم کے لئے جانے والے بعض لوگ اپنے ساتھ ہدی لے کر نہیں جاتے، اور کفار کو جو فضل اور رضوان کا طالب فرمایا ہے ان کے زعم کی بنا پر حج اور عمرہ سے کنایہ ہے، جو کہ فضل اور رضوان کا سبب ہے۔ اور آیت کے شروع میں ﴿ لَا تُحِلُّوْا ﴾ حطم بن ہند البکری کے بارے میں نازل ہوا ہے، وہ اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہوگیا تھا، اور ذیقعدہ میں اس کے مکہ جانے کی بات سن کر مسلمانوں نے اس کو روکنے کا ارادہ کیا تھا اور آیت کے آخر میں ﴿ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ ﴾ بعض مشرکوں کے بارے میں نازل ہوا ہے، حدیبیہ کے واقعہ کے بعد ان کے مکہ کو عمرہ کے ارادہ سے جانے کے بارے میں مسلمانوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے روکنا چاہا اول کو ابن جریر نے عکرمہ سے اور دوسرے کو ابن ابی حاتم نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے جیسا کہ لباب میں ہے۔

مسئلہ: اور جس طرح احرام سے نکل کر شکار کرنا درست ہے، جس کا بیان ﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ﴾ میں ہے، اسی طرح حرم سے باہر کا شکار غیر محرم کو حلال ہے۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾

ترجمہ: تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے اور جو کسی ضرب سے مر جاوے اور جو اونچے سے گر کر مر جاوے اور جو کسی کی ٹکر سے مر جاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے، لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے، یہ سب گناہ ہیں۔

ربط: اوپر مویشی چوپایوں کو حلال قرار دینے میں اجمالی طور پر بعض کو مستثنیٰ فرمایا تھا، اب ان بعض کی تفصیل ہے۔

تیسرا حکم: جانوروں کو حرام قرار دینے کے اسباب:

تم پر (یہ جانور وغیرہ) حرام کئے گئے ہیں: مردار (جانور یعنی جس کا ذبح کیا جانا واجب ہو وہ شرعی طور پر ذبح کئے بغیر مر جائے) اور خون (جو بہتا ہو) اور خنزیر کا گوشت (اسی طرح اس کے سب اجزا) اور جو جانور (کہ قربت کی نیت سے) اللہ کے علاوہ کسی کے لئے مقرر کر دیا گیا ہو۔ اور جو گلا گھٹنے سے مر جائے، اور جو کسی چوٹ سے مر جائے اور جو کسی اونچائی سے گر کر مر جائے (مثلاً پہاڑ وغیرہ سے یا کنویں میں) اور جو کسی کی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ (پکڑ کر) کھانے لگے (اور اس کے صدمے سے مر جائے) (سوائے اس کے کہ ﴿ وَ الْمُنْخَنِقَةُ ﴾ سے ﴿ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ ﴾ تک جن کا ذکر ہے ان میں سے) جس کو (دم نکلنے سے پہلے قاعدۂ شرعیہ کے مطابق) ذبح کر ڈالو (وہ اس حرمت سے مستثنیٰ ہے) اور جو جانور (اللہ کے سوا دوسروں کی) پوجا کی جگہ پر ذبح کیا جائے (حرام ہے، چاہے اللہ کے علاوہ کسی کے لئے نامزد یا مخصوص نہ کرے، کیونکہ حرام ہونے کا دارومدار خبیث نیت پر ہے اور اس کا ظہور کبھی قول سے ہوتا ہے کہ زبان سے نامزد کر دے اور کبھی فعل و عمل سے کہ ایسے مقام پر لے جا کر ذبح کرے۔ اور یہ (بھی حرام ہے) کہ (گوشت وغیرہ) تیروں کے قرعہ کے ذریعہ تقسیم کرو، یہ سب گناہ (اور حرام) ہیں۔ مردار، خون، خنزیر اور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا جائے، ان سب سے متعلق مسائل سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۳ کے تحت بیان ہو چکے ہیں، دوبارہ دیکھ لئے جائیں۔ اور جاہلیت کے زمانہ میں ان سب چیزوں کی اور گلا گھٹنے سے مرنے والے وغیرہ کی کھا لینے کی عادت تھی، اس لئے ان کی تصریح فرما دی اور زیادہ تصریح بھی اسی لئے فرمائی، ورنہ بہت سی چیزیں خود مردار کے عموم میں داخل ہیں اور شرعی قاعدہ کے

مطابق ذبح کرنے کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں اور ﴿ الْمُتَرَدِّيَةُ ﴾ یعنی اونچائی سے گر کر مرنے والے کے احکام کی تفصیل بھی فقہ کی کتابوں میں ہے، اور اُس زمانہ میں یہ بھی ایک رسم تھی کہ کوئی جانور مشترکہ طور پر خرید کر ذبح کرتے، لیکن اس کے گوشت کو خریداروں کی رقم کے حساب سے تقسیم نہیں کرتے تھے بلکہ اس مقصد سے دس عدد تیر مقرر رکھتے تھے، جن میں سے سات پر کچھ لکیریں بنی ہوئی تھیں اور باقی سادہ تھے اور ان سے متعلق کچھ اصطلاحیں مقرر کر رکھی تھیں، مثلاً ایک کے نام پر تھیلی میں سے ایک تیر نکالا اور اس اصطلاح کے مطابق اس کا جتنا حصہ ہوتا اس کو اتنا گوشت دیدیتے اور جس اصطلاح کے مطابق کچھ حصہ نہ ہوتا اسے محروم کردیتے۔ اسی طرح سارے شریکوں کے لئے یہی عمل کرتے تھے، ظاہر ہے یہ جوئے کی صورت تھی جس کی حرمت سورۂ بقرہ کے پندرہویں حکم میں گذر چکی ہے، جیسے آج کل پرچی ڈالنے کی رسم ہے جسے لاٹری کہتے ہیں۔ اور شریعت میں جو قرعہ ثابت ہے وہ اس صورت میں ہے کہ جہاں بغیر قرعہ کے بھی اس پر آپس میں اتفاق جائز ہو، جیسے مکان تقسیم کیا، پس یہ جائز ہے کہ دونوں فریق اپنی رضامندی سے ایک ایک حصہ لے لیں اور ان دونوں حصوں کے بارے میں قرعہ ڈالنا بھی جائز ہے کہ ایک فریق ایک طرف کا حصہ لے اور دوسرا فریق دوسری طرف کا، اور اگر دو آدمی گوشت خریدنے کے لئے برابر روپیہ دیں پھر اس بات پر اتفاق کرلیں کہ ایک کو ایک تہائی گوشت دیا جائے اور دوسرے کو دو تہائی تو یہ ربوا ہے اور حرام ہے، لہٰذا یہ عمل اس شکل میں قرعہ سے بھی حرام ہے، خوب سمجھ لو۔

فائدہ: باوجودیکہ اوپر بہائم یعنی چوپایوں کا ذکر ہے، لیکن یہ استثناء ان کی بہیمیت یعنی چوپائے ہونے کی خصوصیت کے اعتبار سے نہیں، بلکہ موت اور اختناق یعنی گلا گھٹنے وغیرہ کی علت کے اعتبار سے ہے، جس میں بہائم اور غیر بہائم سب شامل ہیں، اور یہ عموم استثنا کی صحت کے لئے مضر نہیں، کیونکہ استثنا عام عنوان سے بھی جائز ہے، جیسے کہیں: جاء نی القوم إلا العمیان: یعنی میرے پاس ساری قوم آئی سوائے نابینا لوگوں کے، اس میں نابینا اس قوم کے نابینا لوگوں کے مقابلہ میں عام ہیں، یعنی نابینا صرف اس قوم میں ہی نہیں ہوتے، بلکہ ہر قوم میں ہوتے ہیں، مگر یہاں بیان خاص اس قوم کے نابینا لوگوں کا ہے کہ اس قوم کے نابینا لوگ نہیں آئے جبکہ اس قوم کے دوسرے سارے لوگ آئے، لہٰذا طیور منخنقہ یعنی جن پرندوں کا گلا گھونٹ دیا جائے، وہ بھی حرام قطعی ہیں، ایسا نہیں جیسا قرآن وشریعت میں تحریف کرنے والے بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔

﴿ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: آج کے دن ناامید ہوگئے کافر لوگ تمہارے دین سے، سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا، آج کے

دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کردیا، اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کرلیا پھر جو شخص شدت کی بھوک میں بیتاب ہوجاوے، بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں، رحمت والے ہیں۔

ربط: جن چیزوں کو اوپر حرام فرمایا ہے، اضطرار و مجبوری کی حالت میں ان کو حلال قرار دیا ہے جو آگے ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ ﴾ الخ میں بیان ہوگا، درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر دین کی تکمیل کی بشارت دیتے ہیں، اس میں تمام امر و نہی پر عمل کا اہتمام ہے، جن میں یہ حرام کی ہوئی اور حلال کی ہوئی چیزیں بھی داخل ہیں۔

تیسرے حکم کا تتمہ: دین مکمل کرنے کی بشارت:

آج کے دن (یعنی اب) کافر لوگ تمہارے دین (کے مغلوب و گم ہوجانے) سے نا امید ہوگئے (کیونکہ ماشاء اللہ اسلام خوب پھیل گیا) تو ان (کفار) سے مت ڈرنا (کہ تمہارے دین کو گم کرسکیں) اور مجھ سے ڈرتے رہنا (یعنی میرے احکام کی مخالفت مت کرنا) آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو (ہر طرح) کامل کردیا (قوت میں بھی جس سے کفار کو مایوسی ہوئی اور احکام و قواعد میں بھی) اور (اس کامل کرنے سے) میں نے تم پر اپنا انعام تام کردیا (دینی انعام میں بھی کہ احکام کی تکمیل ہوئی اور دنیاوی انعام میں بھی کہ قوت حاصل ہوئی اور دین کو کامل کرنے میں دونوں آگئے) اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بنانے کے لئے (ہمیشہ کے لئے) پسند کرلیا (یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا اس کو منسوخ کرکے کوئی دوسرا دین تجویز نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ میری نعمتوں کا شکر ادا کرکے اس دین پر پورے پورے قائم رہو) پھر (مذکورہ بالا اشیاء کی حرمت معلوم ہوجانے کے بعد یہ بھی معلوم کرلو کہ) جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہوجائے (اور اس وجہ سے مذکورہ بالا اشیاء کو کھالے) بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو (یعنی نہ ضرورت کی مقدار سے زیادہ کھائے اور نہ کھانے سے اس کی لذت مقصود ہو، جس کو سورۂ بقرہ آیت ۱۷۳ میں ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے) تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں (اگر ضرورت کی مقدار کا پورا اندازہ ہوا اور ایک آدھ لقمہ زیادہ بھی کھا گیا) تو رحمت والے ہیں (کہ ایسی حالت میں اجازت دیدی)

فائدہ: جیسا کہ شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں جو کہ ۱۰ھ میں تھا، ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو جمعہ کے روز عصر کے وقت نازل ہوئی اور اس کے نزول کے تین ماہ بعد تک حضور ﷺ زندہ رہے، اور آج کے دن سے مراد خاص وہی دن نہیں، بلکہ وہ زمانہ مراد ہے جس میں اس دن سے پہلے کا اور بعد کا زمانہ بھی شامل ہے، لہٰذا اگر اس آیت کے بعد بھی کسی حکم کا نازل ہونا ثابت ہو تو احکام کی تکمیل پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا۔ اور ﴿ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ ﴾ کی تفسیر میں جو منسوخ نہ ہونے کی بات کہی گئی ہے، یہ حضور

ﷺ کی حیات میں بھی اسی طرح عام ہے کہ کوئی ایسا دین جو اس کو منسوخ کرنے والا ہو وحی کے ذریعہ نہیں بھیجیں گے، اور وفات کے بعد اس طرح کہ کوئی نبی اپنی مستقل نبوت کے ساتھ نہیں آئے گا۔

یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ بہت سے احکام دوسرے دلائل سے بھی ثابت ہیں تو پھر کامل کہاں رہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث تو کامل کرنے والے ذرائع میں داخل ہی ہے، اور قیاس واجماع اور غیر اجماع والے احکام کا ماخذ استنباط بھی قرآن وحدیث ہیں، لہٰذا کامل کرنے سے معارض نہ ہوا اور اسی لئے احقر نے ترجمہ میں احکام کے ساتھ لفظ قواعد بھی وضاحت کے طور پر کہہ دیا۔ اور اضطرار کا حکم سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۳ کے ذیل میں بھی تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝﴾

ترجمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں؟ آپ فرمادیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے گئے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو چھوڑو بھی، اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو، جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

ربط: اوپر بعض ان حرام کی ہوئی چیزوں کا ذکر تھا جن کا تعلق غیر اضطراری حالت سے تھا، اب کچھ حلال کی ہوئی چیزوں کا ذکر ہے، جو حلال کرنے کے لحاظ سے پہلے حکم میں مذکور امور کی تفصیل ہے، اور اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکاری کتے اور باز کے شکار کا حکم دریافت کیا تھا، اس سوال کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔

چوتھا حکم: بعض حیوانوں کے حلال ہونے کے اسباب:

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ (کتے اور باز کے شکار کئے ہوئے جانوروں میں سے) کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں؟ (یعنی جتنے حلال شکار ذبح سے حلال ہوجاتے ہیں کیا وہ کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرنے سے بھی سب حلال رہتے ہیں یا ان میں سے کچھ مخصوص جانور حلال ہوتے ہیں یا مطلقاً حلال نہیں ہوتے اور جو حلال ہوتے ہیں تو کیا ان کی کوئی شرط بھی ہے؟) آپ (جواب میں) فرمادیجئے کہ تمہارے لئے تمام حلال جانور (جو شکار کی قسم سے پہلے سے حلال ہیں، وہ سب کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرنے سے بھی) حلال رکھے گئے ہیں (یہ سوال کے ایک جز کا جواب ہوگیا، آگے دوسرے جز کا جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ) حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ (جن شکاری جانوروں کو) (ان میں کتا

اور باز بھی آگئے) تم (خاص طور پر جس کا بیان آگے آتا ہے) تربیت کرو (یہ ایک شرط ہے) اور تم ان کو چھوڑو بھی (یہ دوسری شرط ہے) اور ان کی (جو تربیت کرو جس کا ذکر اوپر آیا ہے تو) اس طریقہ سے تربیت کرو جو تمہیں اللہ نے (شریعت میں) سکھایا ہے (وہ طریقہ یہ ہے کہ کتے کو تو یہ تربیت دی جائے کہ وہ شکار کو پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ تو چاہے وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو، فوراً چلا آئے، یہ پہلی شرط کا بیان ہے) تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ (یہ تیسری شرط ہے جس کی علامت تعلیم و تربیت کے طریقہ میں بیان ہو چکی، تو اگر کتا اس شکار کو کھانے لگے یا باز بلانے سے نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب وہ بلانے والے کے کہنے میں نہیں ہے تو اس نے شکار بھی اس کے لئے نہیں پکڑا، بلکہ اپنے لئے پکڑا ہے) اور (جب شکار پر جانور چھوڑنے لگو تو) اس (جانور) پر (یعنی اس کو چھوڑنے کے وقت) اللہ کا نام بھی لیا کرو (یعنی بسم اللہ کہہ کر چھوڑو، یہ چوتھی شرط ہے) اور (تمام امور میں) اللہ سے ڈرتے رہا کرو (مثلاً شکار میں ایسے منہمک نہ ہو کہ نماز وغیرہ سے غافل ہو جاؤ، یا اتنی حرص مت کرو کہ حلت کی شرائط نہ پائی جائیں، تب بھی شکار کو کھا جاؤ) بیشک اللہ تعالیٰ جلدی ہی حساب لینے والے ہیں (جس کے بعد سب کو جزا و سزا مل جائے گی، اس لئے ڈرنا چاہئے)

مسئلہ (۱): امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ وہ شکار اس جانور کو زخمی بھی کردے، اس کو جوارح کا مادہ جرح (زخمی کرنا) ظاہر کرتا ہے۔

مسئلہ (۲): شکار کا ایک طریقہ تیر یا نیزہ وغیرہ بھی ہے، یہ بھی حلت کی شرائط کے ساتھ حلال ہے۔

مسئلہ (۳): جو حلال جانور وحشی نہیں ہیں یعنی پالے جانے والے ہیں، وہ بغیر ذبح کے حلال نہیں ہوتے یہاں صرف وحشی جانوروں کا ذکر ہے، اسی طرح اگر شکاری جانور کے پکڑنے کے بعد ذبح کی مہلت مل جائے تو وہ بھی بغیر ذبح کے حلال نہیں ہوگا، شکار کے احکام و مسائل کی باقی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

ع

ترجمہ: آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے، اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں، اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ

آشنائی کرو۔اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اس شخص کا عمل غارت ہو جاوے گا اور وہ شخص آخرت میں بالکل زیاں کار ہوگا۔

ربط: اوپر شکاری جانوروں کے شکار کے حلال ہونے کا ذکر تھا، اب اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کے حلال ہونے کا بیان ہے، اور ساتھ ہی اہل کتاب سے متعلق ایک اور حکم بھی یعنی کتابیات سے نکاح کرنے کے جواز کا بیان ہے کہ اہل کتاب سے فائدہ اٹھانا دونوں حکموں میں مشترک ہے، اگرچہ ایک نفس سے متعلق ہے اور دوسرا مال سے۔

پانچواں حکم: اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور کا حلال ہونا

اور چھٹا حکم: اہل کتاب عورتوں سے نکاح کا حلال ہونا:

آج (تم پر جس طرح ہمیشہ کے لئے دینی انعام ہوا کہ دین کے کمال سے مشرف کئے گئے، اسی طرح ایک قابل ذکر دنیاوی انعام بھی ہوا، بلکہ) تمہارے لئے حلال چیزیں (جو اس سے پہلے حلال کردی گئی ہیں ہمیشہ کے لئے) حلال رکھی گئیں (کہ ان کا حکم کبھی منسوخ نہیں ہوگا) اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے آسمانی) کتاب دی گئی ہے (یعنی یہود و نصاری) ان کا ذبیحہ (بھی) تمہارے لئے حلال ہے اور اس کا حلال ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسا) تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے، اور وہ پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں (تمہارے لئے حلال ہیں) جبکہ تم ان کو ان کا معاوضہ دیدو (یعنی مہر دینا اگرچہ شرط نہیں ہے، مگر یہ واجب ہے اور یہ جو مذکورہ عورتیں حلال کی گئی ہیں تو) اس طرح کہ تم (ان کو) بیوی بناؤ (یعنی نکاح میں لاؤ جس کی شرطیں شریعت میں معلوم ہیں) نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو (یہ سب شرعی احکام ہیں جن پر ایمان لانا فرض ہے) اور جو شخص ایمان (لانے کی چیزوں) کے ساتھ کفر کرے گا (مثلاً قطعی حلال کے حلال ہونے کا یا قطعی حرام کے حرام ہونے کا انکار کرے گا) تو اس شخص کا (ہر نیک) عمل غارت اور ضائع جائے گا، اور وہ شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگا (لہٰذا حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو)

فائدہ: اعمال کے ضائع ہو جانے کی تحقیق سورۂ بقرۃ کے پندرہویں حکم سے پہلے گذر چکی ہے اور احقر کے نزدیک ﴿ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ ﴾ کا اس مقام پر ایک اور فائدہ بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ اوپر کتابی مرد یا عورت کے ذبیحہ اور کتابی عورت کے نکاح کے حلال ہونے کا ذکر ہے، چونکہ بعض مسلمان دین اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت یا یہودیت اختیار کر لیتے ہیں، اس لئے شبہ ہو سکتا تھا کہ ان کا حکم بھی اہل کتاب جیسا ہوگا، اس لئے اس فقرہ میں اس شبہ کو دور کرنے کی طرف اشارہ کردیا کہ جو شخص اپنے سابق ایمان کے حق ہونے کا انکار کرے یعنی اسلام کو حق نہ سمجھ کر مرتد ہو جائے۔ اس کا عمل مثلاً نکاح یا ذبح وغیرہ بے اثر ہو جائے گا، یعنی وہ حلال نہ ہوگا، اور آخرت کا خسارہ تو ظاہر ہے اور بعض نے یہ فائدہ بیان کیا ہے کہ اہل کتاب کو دنیا میں اتنی سی عزت دیدی ہے آخرت میں کفر کی وجہ سے خراب ہوں گے۔

مسئلہ(۱): کتابی کا ذبیحہ دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے، ایک یہ کہ اصلی کتابی ہو، یعنی مرتد نہ ہو، البتہ اگر کوئی غیر مسلم نصرانی بن جائے تو اس کا حکم نصرانی جیسا ہوگا۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لے ورنہ حرام ہوگا (درمختار) اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر نصاری برائے نام عیسائی ہیں، ایسے لوگوں کا حکم نصاری جیسا نہیں ہے اور یہی ساری تفصیل نکاح میں بھی سمجھو۔

مسئلہ(۲): اگر کتابیہ عورت پارسا (یعنی پرہیزگار خود کو گناہوں سے بچانے والی) نہ ہو تب بھی نکاح حلال ہے، لیکن مناسب نہیں، اس لئے آیت میں جو پارسا کی تخصیص ہے یہ بہتر ہونے کے لئے ہے اور سورۂ بقرہ کے اٹھارہویں حکم میں گذر چکا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح کتابی مرد سے اور اسی طرح غیر کتابی سے درست نہیں۔

مسئلہ(۳): نکاح میں اگر مہر کا ذکر نہ ہو یا ادا نہ کیا جائے تب بھی نکاح ہو جائے گا، آیت میں اس کا وجوب بیان فرمانا مقصود ہے، شرط قرار دینا مقصود نہیں۔

تنبیہ: بعض لوگ اس شبہ کا اظہار کرتے ہیں کہ جب اہل کتاب کا ذبیحہ تک درست ہے اور ذبیحہ کے علاوہ دوسرا کھانا مطلق کفار کا بھی درست ہے تو کفار کے ساتھ کھانے پینے سے کیوں منع کیا جاتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ خود کھانے پینے کو ممنوع قرار نہیں دیا جاتا بلکہ دوسرے مفاسد مثلاً بلاضرورت خلط ملط اور دوستی یا نجاستوں و محرمات کے ساتھ خلط ملط ہونے کے قوی شبہ کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے، اور یہ بھی کہاں ضروری ہے کہ اگر ممانعت کی ایک دلیل ختم ہو جائے تو دوسری دلیلیں بھی دور ہو جائیں؟

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت۔

ربط: اوپر دنیا سے متعلق بعض قوانین و احکام کا ذکر تھا۔ اب دین کے تعلق سے بعض قوانین کا ذکر ہے۔

ساتواں حکم: وضو کی فرضیت:

اے ایمان والو! جب تم نماز کو اٹھنے لگو[1] (یعنی نماز پڑھنے کا ارادہ کرو) اور اس وقت تمہارا وضو نہ ہو تو (وضو کر لو یعنی)

(۱) مفسرین نے آیت میں لفظ ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ سے قیام فی الصلوۃ مراد لیا ہے اور جب اس پر شبہ ہوا کہ وضو اس قیام کے بعد نہیں کیا جاتا تو اردتم القیام سے تاویل کی، حضرت تھانویؒ نے ''اٹھنے لگو'' کے لفظ سے یہ بتا دیا کہ یہاں قیام صلوۃ مراد نہیں بلکہ وہ قیام مراد ہے جو نماز کے ارادہ کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا اب قیام اپنے معنی پر ہے اور اس میں ←

اپنے چہروں کو دھولو، اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں سمیت (دھولو) اور اپنے سروں پر (بھیگا ہوا) ہاتھ پھیر لو۔ اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت (دھولو)

فائدہ: وضو میں یہ چار چیزیں فرض ہیں، باقی امور مسنون و مستحب ہیں، جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

أَرْجُلِكُمْ (مجرور) کی توجیہات:

پہلی توجیہ: اور ایک قراءت میں ﴿ أَرْجُلِكُمْ ﴾ (لام پر زیر کے ساتھ) ہے، جس کی وجہ سے بعض لوگوں (شیعوں) کو شبہ ہوگیا ہے کہ پاؤں پر بھی سر کی طرح مسح کرنے کا حکم ہے —— لیکن چونکہ دو قراءتوں کا دو آیتوں کی طرح متوافق (ایک دوسرے کے موافق ہونا) بلکہ اس سے بھی زیادہ ہم معنی ہونا ضروری ہے، اس لئے ان میں تعارض (باہم مخالفت) محال ہے، پس لازمی طور پر غسلِ أرجل اور مسح أرجل سے ایک ہی معنی مراد ہوں گے یعنی مسح کو بمعنی غسل لینا ہوگا، اور ابو زید انصاری وغیرہ اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ مسح بمعنی غسل آتا ہے، چنانچہ متوضی کو مُتَمَسِّح کہتے ہیں، اور مَسَحَ الأرضَ المطرُ بولتے ہیں، جبکہ بارش سے زمین دھل جائے۔

پھر پیروں کے دھونے پر احادیث صحیحہ متفق ہیں، اور شیخین کی احادیث میں ایڑیاں خشک رہ جانے پر آگ کی وعید کی صراحت ہے، جس سے مسح کا جائز نہ ہونا دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہے، پھر اہل حق کا اس پر اجماع بھی ہے، اس لئے پیروں کے مسح کو دھونے پر محمول کیا جائے گا، اور ایک اِمْسَحُوْا مقدر مان لیا جائے گا، تاکہ (پہلے امسحوا میں) حقیقت و مجاز کو جمع کرنا لازم نہ آئے۔

اور اس صورت میں پیروں کو دھونے کے لئے لفظ مسح لانے میں یہ اشارہ ہوگا کہ پاؤں دھونے میں اسراف نہ کیا جائے، جیسا کہ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔

دوسری توجیہ: یا ﴿ أَرْجُلِكُمْ ﴾ کے جر کو جر جوار[1] (پاس کا اثر) کہا جائے، اور یہ کہنا کہ عطف میں جر جوار نہیں ہوتا:

← تاویل کی ضرورت نہیں رہی اور آیت میں لفظ إلی اس کا قرینہ ہے کہ قیام سے نماز کے ارادہ کے لئے قیام ہی مراد ہے، ورنہ قیام فی الصلوٰۃ او نحوہ فرمایا جاتا۔ تبیان۔

(۱) اور جر جوار کے لئے جو یہ شرط ہے کہ وہاں التباس سے امن ہو: تو یہ شرط یہاں متحقق ہے۔ ﴿ أَرْجُلِكُمْ ﴾ کے بعد ﴿ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ فرمانا اس کا قرینہ ہے، اس لئے کہ حد مقرر کرنا دھونے ہی میں ہوسکتا ہے، جیسے ﴿ أَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ ﴾ اس پر شاہد ہے، اور جو لوگ ننگے پیروں پر مسح کے قائل: ان کے نزدیک ﴿ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ کی ضرورت نہیں۔ دوسرے: اس پر سب کا اجماع ہے کہ مسح پیروں کے اوپر کیا جاتا ہے، پس اگر اس کی حد مقرر کی جاتی تو إلی الساق (پنڈلی تک) مقرر کی جاتی، نہ کہ ﴿ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ یعنی ٹخنوں تک۔

تیسری توجیہ: اور ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ ﴿ أَرْجُلِكُمْ ﴾ کا ﴿ رُءُوسِكُمْ ﴾ پر عطف ہے، مگر پیروں کا حکم دھونا ہے، ←

ناقابلِ تسلیم ہے، چنانچہ نابغہ کے درج ذیل شعر میں موثق کا اسیر پر عطف ہے، اور پھر بھی اس پر منفلت کے پڑوس کی وجہ سے زیر ہے:

لم یبقَ إلا أسیرٌ غیرُ منفلتٍ ❁ وموثقٍ فی حبال القدِّ مَجْنُوبِ

ترجمہ: نہیں بچا مگر ایک قیدی جو بھاگ نہ سکا ÷ وہ چمڑے کے تسمے کی رسیوں میں بندھا ہوا ہے، پہلو میں لیا ہوا ہے)
خوب سمجھ لو، اور اس (دوسری توجیہ) کی پوری بحث روح المعانی میں ہے، لیکن انصاف پسند کے لئے اتنی بھی کافی ہے۔

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا﴾

ترجمہ: اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارا بدن پاک کرو۔
ربط: اوپر وضو کی فرضیت کا بیان تھا، اب غسل کی فرضیت کا بیان ہے۔

آٹھواں حکم: غسل کی فرضیت:

اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو (نماز سے پہلے [1]) سارا بدن پاک کرو۔
فائدہ: اس کے مسائل بھی فقہ کی کتابوں میں ہیں۔

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾

ترجمہ: اور اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین پر سے۔

← کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک لفظ کا دوسرے پر عطف کر دیا جاتا ہے اور حکم دونوں کا مختلف ہوتا ہے، جیسے کہ عربی کا یہ شعر ہے:

یا لیتَ بعلکَ قد غدا ❁ مُتَقَلِّدًا سیفًا ورمحًا

ترجمہ: اے کاش! تیرا شوہر صبح کو جاتا ÷ پر تلے میں تلوار لٹکائے اور بھالا اٹھائے۔
اس میں رمحًا کا سیفًا پر عطف ہے، حالانکہ اس پر متقلدًا (پرتلے میں لٹکانے) کا حکم صحیح نہیں، بلکہ حاملاً رمحًا بولا جاتا ہے ۱۲ تبیان

(۱) یہ لفظ بڑھا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ آیت بھی گذشتہ آیت ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ﴾ کے ساتھ مربوط ہے کہ اُس میں نماز کے لئے وضو کا حکم تھا اور یہاں نماز کے لئے غسل کا حکم ہے اور دونوں نماز سے پہلے ہیں۔ تبیان

ربط: اوپر وضو اور غسل کا ذکر ہو چکا ہے، اب تیمم کا بیان ہے۔

نواں حکم: تیمّم کی مشروعیت:

اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال نقصان پہونچاتا ہو[1]) یا سفر کی حالت میں ہو (اور پانی نہیں ملتا جیسا کہ آگے آتا ہے، یہ تو عذر کی حالت ہوئی) یا (اگر مرض و سفر کا عذر بھی نہ ہو بلکہ ویسے ہی وضو یا غسل ٹوٹ جائے، اس طرح کہ مثلاً) تم میں سے کوئی شخص (پیشاب یا پاخانہ کے) استنجے سے (فارغ ہوکر) آیا ہو (جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو (جس سے غسل ٹوٹ گیا ہو اور) پھر (ان ساری صورتوں میں) تمہیں پانی (کے استعمال کا موقع[2]) نہ ملے (خواہ ضرر و نقصان کی وجہ سے) یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے) تو (ان سب حالتوں میں) تم پاک زمین سے تیمّم کرلیا کرو، یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر اس زمین (کی جنس) پر سے (ہاتھ مار کر) ہاتھ پھیر لیا کرو۔

فائدہ: اس کی تفسیر اور مسائل سورۂ نساء کے سترہویں حکم[3] میں گذر چکے ہیں، یہاں مکرر شاید اس لئے آیا ہو کہ طہارت کی تمام قسمیں یعنی وضو و غسل و تیمّم سب ایک جگہ جمع ہوجائیں تا کہ آگے جو احسان کے اظہار کا مضمون ہے وہ اچھی طرح دلوں میں بیٹھ جائے۔ احسان کا اظہار نعمت کے مطابق ہی ہے۔

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک و صاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا انعام تام فرمادے تا کہ تم شکر ادا کرو۔

ربط: اوپر طہارت کے احکام کا ذکر ہوا ہے، جن میں بندوں کی مصلحت و سہولت کی رعایت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اب اس طہارت و رعایت پر احسان ظاہر فرماتے ہیں اور شکر کی تحریک دیتے ہیں۔

(۱) یہ عبارت اس لئے بڑھائی ہے کہ مطلق مرض کی وجہ سے تیمّم کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ پانی کے استعمال سے نقصان کا اندیشہ ہو۔ تبیان

(۲) ﴿لَمْ تَجِدُوْا﴾ کی یہ تفسیر اس لئے کی گئی تا کہ اس میں مرض کی حالت بھی شامل ہوجائے، کیونکہ ظاہر میں ﴿لَمْ تَجِدُوْا﴾ تمام متعاطفات کی قید ہے، اگر اس صورت میں ﴿لَمْ تَجِدُوْا مَآءً﴾ کا ترجمہ ''پانی نہ پاؤ'' کیا جاتا تو مرض کی حالت میں تیمّم کے جائز ہونے کی بات نہ سمجھی جاتی، کیونکہ مرض میں پانی تو ہوتا ہے، البتہ استعمال نہیں ہوسکتا۔ تبیان

(۳) اس آیت میں غسل اور تیمّم کا ذکر تھا، وضو کا ذکر نہ تھا، یہاں سب کو جمع کردیا گیا، دونوں مقاموں میں یہ فرق ہے، لہٰذا تکرار محض نہیں ہوئی۔ تبیان

سابقہ احکام: اللہ کا بڑا احسان ہیں:

اللہ تعالیٰ کو (ان احکام کے مقرر فرمانے سے) یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں (یعنی یہ منظور ہے کہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے، چنانچہ مذکورہ احکام میں خصوصاً اور تمام شرعی احکام میں عموماً سہولت و مصلحت کی رعایت ظاہر ہے) لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک وصاف رکھے (اس لئے طہارت کے قواعد اور طریقے مقرر کئے اور کسی ایک طریقہ پر بس نہیں کیا، کہ اگر وہ نہ ہو تو طہارت ممکن ہی نہ ہو، مثلاً صرف پانی کو پاک کرنے والا قرار دیا جاتا تو پانی نہ ہونے کے وقت طہارت حاصل نہ ہوسکتی، بدن کی یہ طہارت تو خاص طہارت ہی کے احکام میں سے ہے اور دلوں کی طہارت تمام طاعتوں میں عام ہے، لہٰذا پاکی میں دونوں شامل ہیں، اور اگر یہ احکام نہ ہوتے تو کوئی طہارت حاصل نہ ہوتی) اور یہ (منظور ہے) کہ تم پر اپنا انعام پورا فرمادے (اس لئے احکام کی تکمیل فرمائی تاکہ ہر حال میں جسم اور دل کی طہارت [1] جس کا ثمرہ رضا اور قرب ہے جو سب سے زیادہ عظیم نعمت ہے حاصل کرسکو) تاکہ تم (اس عنایت کا) شکر ادا کرو (شکر میں اطاعت وفرماں برداری بھی داخل ہے [2])

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جب کہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر متعدد احکام کا مشروع ہونا اور ان کا نعمت ہونا بیان فرمایا ہے، اب ان پر عمل کی کئی طریقوں سے تاکید ہے: نعمتوں کی یاد دہانی، مخاطبوں کو عہد کا یاد دلانا، نافرمانی اور احکام کی خلاف ورزی سے ڈرانا۔

شرعی احکام پر عمل کی تاکید:

اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو جو تم پر ہوئے ہیں یاد کرو (جن میں بڑا انعام یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہاری فلاح وکامیابی کے طریقے مقرر کردیئے) اور اس کے اس عہد کو بھی (یاد کرو) جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جبکہ تم نے (اس کو قبول

(۱) مطلب یہ ہے کہ آیت میں ﴿ لِيُطَهِّرَكُمْ ﴾ سے عموم مجاز کے طور پر جسم اور دل دونوں کی طہارت مراد ہے، کیونکہ نعمت پوری کرنے کو تطہیر پر مرتب فرمایا ہے اور یہ نعمت پورا کرنا اس وقت ہے کہ ظاہری بدن کے ساتھ دل بھی پاک ہو ورنہ نعمت پوری نہ ہوگی، کیونکہ دل کے ملوث ہونے کے ساتھ رضا کا حاصل ہونا ممکن نہیں، اور بڑی نعمت یہی ہے اور جب یہ نہیں تو نعمت تام کہاں؟ تبیان

(۲) مطلب یہ ہے کہ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ سے صرف یہ مراد نہیں ہے کہ زبان سے الحمد للہ، الشکر للہ کہتے رہو، بلکہ شکر میں احکام پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ تبیان

بھی کرلیا تھا[1] کہ عہد لینے کے وقت تم نے) کہا تھا کہ ہم نے (ان احکام کو) سنا اور مان لیا (کیونکہ اسلام قبول کرنے[2] کے وقت ہر شخص اس مضمون کا عہد کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ (کی مخالفت[3]) ڈرو، یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں (اس لئے جو کام کرو اس میں اخلاص اور اعتقاد بھی ہونا چاہئے، صرف منافقانہ عمل کافی نہیں، مطلب یہ کہ ان احکام میں ایک تو تمہارا ہی نفع ہے، پھر تم نے اس کو قبول بھی کرلیا ہے، پھر مخالفت میں تمہارا ہی نقصان ہے، ان وجوہ سے عمل ضروری ہوا اور وہ بھی دل سے ہونا چاہئے، ورنہ عمل کرنا اور نہ کرنا برابر ہی ہے)

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ؗ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو، اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جاوے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

ربط: یہاں تک ان احکام کا ذکر ہوا ہے جن کا تعلق عمل کرنے والے کی ذات سے ہے۔ اب ایسے حکم کا ذکر کیا جارہا ہے جس میں غیر سے بھی تعلق ہے، شہادت یعنی گواہی اور عدل یعنی انصاف کا غیر سے تعلق ظاہر ہے۔ اس طرح عبادات اور معاملات دونوں جمع کردیئے گئے۔

دسواں حکم: عدل وانصاف اور حق کے اظہار کا واجب ہونا:

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ (کی خوشنودی[4]) کے لئے (احکام کی پابندی کرنے والے (اور شہادت[5] کی نوبت

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ ﴿ قُلْتُمْ سَمِعْنَا ﴾ اسی عہد کا بیان ہے، اس میں اس کا جواب دینا مقصود ہے کہ میثاق تو عہد لینے کے بغیر تحقق نہیں ہوتا اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔ تبیان (۲) مطلب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ لفظ ﴿ سَمِعْنَا ﴾ ہی کہا ہو، بلکہ خود اسلام قبول کرنا ہی ﴿ سَمِعْنَا ﴾ کہنا ہے اور حضرت تھانویؒ کی اس تقریر کے بعد اب کوئی ضرورت نہیں رہی کہ اس ﴿ سَمِعْنَا ﴾ سے یوم میثاق کا ﴿ سَمِعْنَا ﴾ مراد لیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے تا کہ کتاب کے نازل ہونے کے بعد ﴿ سَمِعْنَا ﴾ کہنے پر دلیل قائم کرنا ضروری نہ ہو۔ تبیان (۳) اس لفظ کے بڑھانے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ کا پہلے والی بات سے کیا ربط ہے؟ پہلے عمل کرنے کا حکم تھا، یہاں خلاف ورزی سے منع کیا گیا ہے۔ تبیان (۴) اس لفظ کے بڑھانے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک لله: قوامین سے متعلق ہے، تبیان۔ (۵) یہ عبارت بڑھا کر یہ بتایا کہ لفظ شہداء خبر کے بعد خبر ہے، حال وغیرہ نہیں ہے اور یہ بھی بتادیا کہ قرآن کا مقصد یہ نہیں کہ خواہ مخواہ شہادت دیتے پھرا کرو، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر تمہیں ایسا موقع پیش آجائے تو اس میں عدل سے کام لو۔ تبیان

آئے تو) انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص گروہ کی عداوت تمہارے لئے اس کی باعث نہ ہو جائے کہ تم (ان کے معاملات[1] میں) عدل نہ کرو (یاد رکھو[2]، ہر معاملہ میں) عدل کیا کرو کہ وہ (یعنی عدل کرنا) تقوی سے زیادہ قریب ہے (یعنی ایسا کرنے والا متقی کہلاتا ہے) اور (تقوی اختیار کرنا تم پر فرض ہے[3]، چنانچہ حکم ہوا ہے کہ) اللہ تعالیٰ (کی مخالفت سے) ڈرو۔ یہی تقوی کی حقیقت ہے، لہٰذا عدل بھی جس پر تقوی کا فرض موقوف ہے، فرض ہوگا) یقیناً اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے (لہٰذا احکام کی خلاف ورزی یا مخالفت کرنے والوں کو سزا ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے)

فائدہ: سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں بھی یہی مضمون گذر چکا ہے، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ناانصافی کی وجہ دو چیزیں ہوتی ہیں یا تو ایک فریق کی رعایت یا کسی فریق کی عداوت، وہاں پہلے سبب کا ذکر تھا، یہاں دوسرا سبب بیان کیا گیا ہے، چنانچہ وہاں یہ الفاظ تھے ﴿وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا﴾ اور یہاں یہ لفظ ہے ﴿شَنَاٰنُ قَوْمٍ﴾ یہ صاف دلیل ہے، لہٰذا اس فرق کو سمجھنے کے بعد تکرار نہیں رہی۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لے آئے اور اچھے کام کئے، وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور ثواب عظیم ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتلایا، ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

ربط: اوپر احکام مذکور تھے، اب تعمیل کرنے والوں سے وعدہ اور خلاف کرنے والوں کو وعید سناتے ہیں۔

اطاعت واختلاف پر وعدہ اور وعید:

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لے آئے، اور انھوں نے اچھے کام کئے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت

(۱) کیونکہ کسی قوم سے عداوت ودشمنی کا اثر اگر عدل پر پڑے گا تو انہی کے معاملات میں پڑے گا، نہ کہ مطلق عدل پر، اگرچہ وہ دوسروں کے معاملہ میں ہو۔ تبیان

(۲) اس عبارت سے ایک تو مقصود ﴿اِعْدِلُوْا﴾ کا ربط ظاہر کرنا ہے، دوسرے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ حکم عام ہے چاہے معاملہ دشمن کا ہو جس کا اوپر ذکر تھا یا دوست کا۔ تبیان

(۳) اس عبارت کو بڑھا کر یہ بتا دیا کہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کا ماقبل سے کیا ربط ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ عدل کا شرط ہونا اس کے وجوب اور ضروری العمل ہونے کے لئے کیسے مستلزم ہوا جو کہ تعلیل کا تقاضا ہے جو کہ ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ﴾ سے سمجھ میں آتی ہے، ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ میں اس کا جواب ہے چونکہ تم پر تقوی واجب ہے اور وہ عدل پر موقوف ہے اس لئے وہ بھی واجب ہوگا۔ تبیان

اور ثواب عظیم ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتلایا ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

فائدہ: اس آیت میں تو پوری مخالفت کرنے والوں کا حال ہے اور جو تھوڑی بہت نافرمانی اور احکام کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں یعنی ﴿ اٰمَنُوْا ﴾ کے تو مصداق ہیں، مگر ﴿ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ کے مصداق نہیں ہیں، ان کا حال دوسری نصوص میں ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ع

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے، جبکہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر دست درازی کریں، سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہئے۔

ربط: اوپر آیت ۶ میں شرعی احکام کا نعمت ہونا بیان کر کے عمل کی تاکید کے لئے اس نعمت کی یاددہانی فرمائی تھی جو کہ دینی نعمت تھی، اب ایک دنیاوی نعمت کی یاددہانی فرماتے ہیں، اور مقصود اس سے بھی وہی عمل کی تاکید ہے، کیونکہ نعمت کا خیال کرنا نعمت دینے والے کی اطاعت کا محرک ہوتا ہے۔

بعض نعمتوں کی یاددہانی:

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جبکہ ایک قوم (یعنی قریش کے کفار اسلام کے شروع میں جبکہ مسلمان کمزور تھے) اس فکر میں تھی کہ تم پر (اس طرح) دست درازی کریں (کہ تمہارا خاتمہ ہی کردیں) تو اللہ تعالیٰ نے تم پر ان کا قابو (اس قدر) نہ چلنے دیا (اور آخر میں تمہیں غالب کردیا، لہٰذا اس نعمت کو یاد کرو) اور (احکام کی تعمیل و فرماں برداری میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرو (کہ اس نعمت کا یہ شکر ہے) اور (آئندہ بھی) اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہئے (جس نے پہلے بھی تمہارے سب کام بنائے ہیں، آئندہ بھی آخرت تک اس پر امید رکھو۔ ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ میں خوف دلایا اور توکل کے حکم میں امید دلائی، اور یہی دو عمل احکام کی تعمیل اور فرماں برداری میں مددگار ہوتے ہیں)

فائدہ (۱): اور قابو میں جو "اس قدر" کی قید لگائی اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ مضرتیں تو کفار سے پہنچ ہی جاتی تھیں۔

فائدہ (۲): شروع سورت سے یہاں تک اکثر آیتوں میں حق تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم فرمایا ہے، ایک جگہ لفظ خشیت کے ذریعہ اور باقی جگہوں پر لفظ تقویٰ کے ذریعہ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام کی تعمیل اور فرماں برداری میں اس کا بڑا دخل ہے، جیسا کہ ظاہر بھی ہے۔

﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۗ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۗ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ

قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے، اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرمادیا کہ میں تمہارے پاس ہوں، اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے، تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کروں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور جو شخص اس کے بعد بھی کفر کرے گا، تو وہ بیشک راہِ راست سے دور جا پڑا۔

ربط: اوپر آیت ۷ ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ﴾ میں صراحت کے ساتھ اور بعد کی آیتوں میں دلالت کے طور پر شرعی احکام پر عمل کا حکم فرمایا ہے جو اللہ کا معاہدہ ہے اس کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اب زیادہ اہتمام کے لئے بنی اسرائیل سے معاہدہ لینے کی بات اور ان کی عہد شکنی سے ان کو جو وبال پہنچا اس کو بیان فرماتے ہیں تا کہ اطاعت کی ترغیب اور معصیت کا ڈر زیادہ ہو۔

بنی اسرائیل سے عہد لینے کا بیان:

اور اللہ تعالیٰ نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے) بنی اسرائیل سے (بھی) عہد لیا تھا (جس کا بیان عنقریب آتا ہے) اور (ان عہدوں کی تاکید کے لئے) ہم نے ان میں سے (ان قبیلوں کی تعداد کے مطابق) بارہ سردار مقرر کئے (کہ ہر ہر قبیلہ پر ایک ایک سردار رہے جو اپنے ماتحت لوگوں پر ہمیشہ عہدوں کو پورا کرنے کی تاکید رکھے) اور (مزید عہد کی تاکید کے لئے ان سے) اللہ تعالیٰ نے یوں (بھی) فرمادیا کہ میں تمہارے پاس ہوں (تمہارے سب برے بھلے کی مجھ کو خبر رہے گی، مطلب یہ کہ عہد لیا پھر اس کی تاکید در تاکید فرمائی اور اس عہد کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ) اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور (زکوٰۃ کے علاوہ خیر و بھلائی کے دوسرے مصارف میں بھی صرف کر کے) اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر (یعنی اخلاص کے ساتھ) قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور تمہیں (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے (محلوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس (عہد و پیمان لینے) کے بعد بھی کفر کرے گا تو وہ بیشک سیدھے راستہ سے دور جا پڑا۔

فائدہ: خیر و بھلائی کے کاموں میں صرف کرنے کو بطور مجاز 'قرض' اس لئے فرمادیا کہ جس طرح قرض کا ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ضرور دیں گے۔ اور یہاں اس شخص کا حال بیان نہیں فرمایا جو کفر تو نہ کرے، لیکن اعمال کی پوری پابندی بھی نہ کرے اور اکثر جگہ قرآن مجید میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ زیادہ ذکر انہی لوگوں کا ہوتا ہے

جو اطاعت میں کامل ہوں، اسی طرح جو مخالفت و نافرمانی میں کامل ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں جانب کے حال سے اہل عقل و دانش کو بیچ کا حال خود قیاس اور اندازہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ نہ ان کی ایسی جزا ہوگی اور نہ ہی ایسی سزا ہوگی، پھر حدیثوں میں پوری تفصیل معلوم ہوگئی اور چونکہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سارے نبی آنے والے تھے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ عہد میں ﴿ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ ﴾ کا ذکر کیا گیا۔

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا، وہ لوگ کلام کو اس کے مواقع سے بدلتے ہیں، اور وہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی، اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے اور آپ کو آئے دن کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے، جو ان سے صادر ہوتی ہے، بجز ان میں کے معدودے چند شخصوں کے، سو آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے۔

ربط: اوپر بنی اسرائیل کے میثاق کا بیان تھا، اب ان کی عہد شکنی کا اور اس کے وبال کا بیان ہے۔

بنی اسرائیل کے عہد کو توڑنے کے وبال کا بیان:

(لیکن بنی اسرائیل نے مذکورہ بالا عہد کو توڑ ڈالا اور توڑنے کے بعد طرح طرح کی عقوبتوں یعنی سزاؤں جیسے صورتوں کا مسخ ہونا اور ذلت وغیرہ میں گرفتار ہوئے، لہٰذا ان کو اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات سے جو دوری ہوئی) تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت (یعنی اس کے آثار) سے دور کر دیا (اور یہی لعنت کی حقیقت ہے) اور (اس لعنت کے آثار میں سے یہ ہے کہ) ہم نے (ان کے دلوں کو سخت کر دیا (کہ ان پر حق بات کا اثر ہی نہیں ہوتا اور اس سخت دلی کے آثار میں سے یہ ہے کہ) وہ لوگ (یعنی ان میں کے علماء اللہ تعالیٰ کے) کلام (یعنی توریت) کو اس کے (الفاظ یا مطالب کے) مواقع سے بدلتے ہیں (یعنی لفظی یا معنوی تحریف کرتے ہیں) اور اس تحریف کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جو کچھ ان کو (توریت میں نصیحت کی گئی تھی، اس میں سے اپنا (نفع کا) ایک بڑا حصہ (جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا) ضائع کر بیٹھے (کیونکہ ان کی زیادہ مشق رسالت محمدیہ کی تصدیق سے متعلق مضامین کی اس تحریف میں ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ ایمان سے زیادہ بڑا حصہ کیا ہوگا؟ غرض عہد شکنی پر لعنت مرتب ہوئی اور بعثت پر سخت دلی وغیرہ۔ اور سخت دلی پر تحریف اور تحریف پر بڑے عظیم حصہ کا فوت ہونا اور ترتیب کی وجہ ظاہر ہے) اور (پھر یہ بھی تو نہیں کہ جتنا کر چکے اسی پر اکتفا

کریں بلکہ حالت یہ ہے کہ) آپ کو آئے دن (یعنی ہمیشہ دین کے بارے میں) کسی نہ کسی (نئی) خباثت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے، جو ان سے صادر ہوتی رہتی ہے، سوائے ان میں سے گنتی کے چند لوگوں کے (جو مسلمان ہو گئے تھے) تو آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگذر کیجئے (یعنی جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کو فضیحت نہ کیجئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے (اور بلاضرورت فضیحت نہ کرنا خوش معاملگی ہے)

فائدہ: نئی خیانت کی چند مثالیں یہ ہیں: ایک بار رجم یعنی سنگسار کے حکم کو چھپالیا، ایک بار حضور ﷺ کے دریافت کرنے پر توریت کا ایک مضمون غلط بیان کردیا۔ جس پر سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۸۸ ﴿ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا ﴾ نازل ہوئی۔ اور جیسے ایک بار پاکیزہ چیزوں کے حرام ہونے کا دعویٰ کیا، جس پر سورۂ آلِ عمران ہی کی آیت ۹۳ ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ ﴾ نازل ہوئی۔ اور تمام تر وہ غلط بیانیاں جن کی حکایتیں ان کو باطل قرار دیے سمیت قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان کی گئی ہیں، اس میں داخل ہیں، جیسے: ﴿ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾ (البقرہ ۸۰) ﴿ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ﴾ (البقرہ ۱۱۱) اور ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (المائدہ ۱۸) وغیرہ۔

﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی ان کا عہد لیا تھا، سو وہ بھی جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے تو ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لے بغض و عداوت ڈال دیا، اور عنقریب ان کو اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔

ربط: اوپر یہود کا حال تھا، اب کچھ نصاریٰ کا حال بیان فرماتے ہیں۔

نصاریٰ کے بعض مذموم امور کا بیان:

اور جو لوگ (دین کی نصرت کے دعویٰ سے) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے بھی ان کا عہد (یہود کے عہد کی طرح) لیا تھا تو وہ بھی جو کچھ ان کو (انجیل وغیرہ میں) نصیحت کی گئی تھی، اس میں سے (نفع کا) اپنا ایک بڑا حصہ (جو کہ انہیں عمل کرنے سے نصیب ہوتا) ضائع کر بیٹھے، کیونکہ وہ جس امر کو ضائع کر بیٹھے وہ توحید ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا ہے جس کا حکم انہیں بھی ہوا تھا، اور اس کا عظیم حصہ ہونا ظاہر ہے، جب وہ توحید کو چھوڑ بیٹھے) تو ہم نے ان میں آپس میں قیامت تک کے لئے بغض و عداوت ڈال دیا، (یہ تو دنیوی عقوبت ہوئی) اور عنقریب (آخرت میں کہ وہ بھی قریب ہی ہے) اللہ تعالیٰ ان کو ان کا کیا ہوا جتادیں گے (پھر سزا دیں گے)

فائدہ: بیضاوی کے حاشیہ میں تیسیر سے نقل کیا ہے کہ نصاریٰ میں اصلاً تین فرقے تھے: (۱) نسطوریہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے (۲) یعقوبیہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا جز یا حصہ مانتے تھے (۳) ملکائیہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو تین معبودوں میں کا ایک جز مانتے تھے، اور یہ فرق توحید کو ترک کرنے کی وجہ سے ہوا تھا، اور ظاہر ہے کہ عقائد کے اتنے بڑے اختلاف کے ساتھ آپس میں عداوت ودشمنی کا ہونا ضروری ہے، البتہ ان میں جو شخص ان عقائد ہی کا پابند نہ ہو وہ بحث ہی سے خارج ہے، لہٰذا اگر ان میں اتفاق ہو جائے تو اعتراض کا موقع نہیں، لہٰذا آج کل جہاں عیسائی اصل عیسائی ہی نہیں ہیں ان کے آپس میں اتفاق واتحاد پر شبہ نہیں ہوسکتا، البتہ ان کے مذہبی لوگوں میں مذہبی عداوت اب بھی موجود ہے، اور ہمیشہ رہے گی، اور دنیاوی سلطنتوں میں بھی اکثر تو اختلاف ونزاع سنا ہی جاتا ہے، لیکن قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، نہ مثبت طور پر اور نہ ہی منفی طور پر۔

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ ﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں کتاب میں سے جن امور کا تم اخفا کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور بہت سے امور کو واگزاشت کر دیتے ہیں، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح، کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو کہ رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں، اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں، اور ان کو راہِ راست پر قائم رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر یہود ونصاریٰ کا الگ الگ ذکر تھا، اب دونوں کو جمع کر کے نصیحت کے انداز میں خطاب فرماتے ہیں۔

رسالت محمدیہ کی تصدیق کی ترغیب (تمام اہل کتاب کو خطاب)

اے اہل کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ) تمہارے پاس ہمارے یہ رسول (محمد ﷺ) آئے ہیں (جن کے علم کی تو یہ شان ہے کہ) کتاب (کے مضامین) سے جن (علمی) امور کو تم چھپاتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو (جن کے اظہار میں کوئی شرعی مصلحت بھی ہوتی ہے، ظاہری طور پر علم حاصل نہ فرمانے کے باوجود محض وحی سے مطلع ہو کر) تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں، اور (خوش اخلاقی جو عملی قوت کی لطافت کا شعبہ ہے، اس کی یہ حالت ہے کہ جن امور کو تم چھپاتے ہو، ان میں سے) بہت سے امور کو (اطلاع کے باوجود اظہار سے) درگذر کر دیتے ہیں (جن کے اظہار میں

تمہاری فضیحت کے سوا کوئی شرعی ضرورت نہیں ہوتی، اور ایسا علم نبوت کی دلیل ہے، اور یہ دلیل ایسے عمل کی تاکید کرتی ہے، غرض تمہاری دینی خیانت ہی سے متعلق آپ کا جو برتاؤ ہے وہی نبوت پر دلالت کے لئے کافی ہے، پھر ضرور تصدیق کرنی چاہئے اور ان رسول کے ذریعہ سے) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے، اور (وہ) ایک واضح کتاب ہے (یعنی قرآن مجید جو کہ نبوت کی دلیل ہونے کے علاوہ خود ان ذاتی اوصاف کی حامل ہے) اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو کہ حق کی رضا کے طالب ہوں، سلامتی کی راہیں بتاتے ہیں (یعنی جنت میں جانے کے طریقے جو کہ خاص عقائد و اعمال ہیں، تعلیم فرماتے ہیں، کیونکہ پوری سلامتی بدنی اور روحانی جنت میں نصیب ہوگی) اور ان کو اپنی توفیق اور (فضل) سے (کفر و معصیت کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان و طاعت کے) نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو (ہمیشہ) راہِ راست پر قائم رکھتے ہیں۔

فائدہ: سلامتی کی راہیں بتانا قرآن کے ذریعہ سے عام ہے، لیکن یہاں ''حق کی رضا طلب کرنے والوں'' کی تخصیص اس وجہ سے کی گئی کہ اس سے نفع وہی لوگ اٹھاتے ہیں۔

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے، آپ یوں پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالیٰ سے ان کو ذرا بھی بچا سکے، اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں اور وہ جس چیز کو چاہیں پیدا کر دیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى ﴾ میں نصاریٰ کی عہد شکنی کا اجمالی طور پر بیان تھا، اب ان کے بعض عقائد کی تعیین ہے کہ وہ توحید میں خلا پیدا کرنے والے ہیں۔

مسیح علیہ السلام کے خدا ہونے کے عقیدہ کا باطل ہونا:

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہیں (یعنی دونوں کے ایک ہونے کے قائل ہیں، کفر کی وجہ ظاہر ہے کہ توحید کا انکار ہے) آپ (اس قول کو باطل کرنے کے لئے ان سے) یہ پوچھئے کہ اگر ایسا ہے تو یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم (جن کو تم اللہ تعالیٰ کا عین کہتے ہو) اور ان کی والدہ (حضرت مریم رضی اللہ عنہا) کو اور (بلکہ) جتنے زمین میں (آباد) ہیں ان سب کو (موت سے) ہلاک کرنا چاہیں تو (کیا) کوئی شخص ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ان کو ذرا

بھی بچا سکے (یعنی اس کو تم بھی مانتے ہو کہ ایسا کوئی نہیں ہے، اور ظاہر ہے یہ خدائی کے لوازم سے ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کی قدرت کا تعلق پھر وہ بھی فنا و ہلاک کرنے کے ساتھ محال ہو، اور یہ لازم یہاں مفقود ہے، لہٰذا مسیح کی خدائی بھی باطل ہے، یہ شان تو حضرت مسیح کی ہوئی) اور اللہ تعالیٰ (کی یہ شان ہے کہ) آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان (موجود) ہیں ان سب پر حکومت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے، اور وہ جس چیز کو (جس طرح) چاہیں پیدا کردیں، اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے (اور یہ صفات کمالیہ خدائی کے خواص میں سے ہیں، لہٰذا حق تعالیٰ کی خدائی ثابت ہے اور مسیح کی خدائی اس مجموعہ سے منفی ہو چکی تھی، چنانچہ توحید ثابت ہوگئی)

فائدہ: یہاں بظاہر نصاریٰ کے ایک ہی قول کو باطل قرار دیا گیا ہے، لیکن جو دلیل قائم کی گئی ہے وہ توحید کے ہر منکر کے مقابلہ میں چل سکتی ہے، اس لئے معنی کے لحاظ سے توحید کے تمام منکروں کا جواب ہے اور ان کے مسلک کو باطل کیا گیا ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیوں کیا؟ اور ان کی تو وفات ہوگئی پھر ہلاک کرنے کا کیا مطلب؟

اور حضرت مریم کے ذکر سے متعلق دو امر قابل تحقیق ہیں: ایک یہ کہ ان کا ذکر کیوں کیا گیا؟ اس کی وجہیں دو ہو سکتی ہیں: یا تو مسیح علیہ السلام کی عاجزی کی تاکید ہے کہ وہ نہ خود کو بچا سکتے ہیں اور نہ اپنی ماں کو، جن کی وہ ہر طرح خدمت اور حفاظت کرتے تھے اور ماں کی حمایت طبعی امر بھی ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بعض نصاریٰ ان کو بھی خدائی کے تین اجزاء کا ایک حصہ مانتے تھے، ان کے اضافہ سے ان کے قول کی بھی نفی ہوگئی۔

دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت مریم کی موت تو متحقق ہو چکی، پھر اس کے فرض کرنے کے کیا معنی ہیں؟ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو مبنی بر تغلیب ہے [یعنی ﴿مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ کے عموم میں ان کو بھی لے لیا ہے] یا مضمون کی اس طرح تاکید کرنی ہے کہ دیکھو اس مضمون کا ایک نمونہ تو ہم تمہیں دکھاتے ہیں کہ حضرت مریم پر ہم موت کو مسلط کر چکے ہیں، اس طرح بقایا پر مسلط کر سکتے ہیں۔ اور ﴿وَمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ کا جو ذکر آیا ہے اس کی بھی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ تمام باطل خداؤں کی خدائی واضح طور پر باطل ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کے عاجز ہونے کی اور تاکید ہو جائے کہ وہ اور تمام اہل دنیا عاجزی کی صفت میں برابر ہیں، اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ کا فائدہ:

اور ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ میں ایک فائدہ تو وہی ہے جو ترجمہ کے ضمن میں بیان کیا گیا کہ مقصود توحید پر استدلال

ہے۔ دوسرا فائدہ جیسا کہ روح المعانی میں ہے: ایک یہ بھی ہے کہ اس میں ان عقیدہ والوں کے شبہ کو دور کرنے کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۵۹ ﴿اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ میں صراحت ہے یعنی اگر کسی کو ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے یا ان کے مُردوں کو زندہ کرنے اور پرندوں میں پھونک مارنے سے شبہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ یہ سب صورتیں اللہ تعالیٰ کے ہی پیدا کرنے کی ہیں کہ وہ جس طرح چاہیں پیدا کر سکتے ہیں، مثلاً کبھی وہ بغیر مادہ کے پیدا کرتے ہیں جیسے زمین وآسمان بنائے اور کبھی ہم جنس کے مادہ سے پھر اس میں کبھی صرف مذکر سے جیسے حضرت آدم علیہ السلام سے حوا کو پیدا کیا اور کبھی صرف مؤنث سے جیسے حضرت مریم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، کبھی دونوں سے جیسے اکثر حیوانات کو پیدا کیا جاتا ہے، پھر کبھی کسی مخلوق کے تصرف کے توسط کے بغیر جیسے اکثر مخلوقات اور کبھی کسی مخلوق کے تصرف کے توسط سے جیسے مردوں کو زندہ کرنا اور پرندوں میں پھونک مارنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوتا تھا۔ غرض ان صورتوں میں کوئی صورت کسی غیر کی خدائی کے شبہ کے پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں ہونی چاہئے۔

﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾

ترجمہ: اور یہود و نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، آپ یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض عذاب کیوں دیں گے؟ بلکہ تم بھی منجملہ اور مخلوقات کے ایک معمولی آدمی ہو، اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے اور جس کو چاہیں گے سزا دیں گے، اور اللہ ہی کی ہے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، ان میں بھی اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

ربط: اوپر یہود و نصاریٰ کی بعض بعض برائیوں کا ذکر تھا، ان دونوں میں ایک امر مشترک ہے اور وہ باطل ہے۔ اب اس کا مع اس کے بطلان کے بیان ہے، یعنی دونوں جماعتیں کفر و معصیت کے باوجود دعوے دار تھیں کہ وہ مقرب اور مقبول عند اللہ ہیں (جو قطعاً غلط ہے)

اہل کتاب کا مقرب عند اللہ ہونے کا دعویٰ باطل ہے:

اور یہود و نصاریٰ (دونوں فریق) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں (یعنی معشوقوں کی طرح مقبول ہیں، مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اس وجہ سے کہ ہم انبیاء کی اولاد اور نسل ہیں دوسرے لوگوں کی بہ نسبت خواہ وہ ہمارے ہی ہم مذہب کیوں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ زیادہ خصوصیت ہے کہ ہم سے نافرمانی و معصیت کے باوجود

دوسروں کی برابر ناراض نہیں ہوتے، جیسے باپ کے ساتھ اولاد کو خصوصیت ہوتی ہے کہ اگر وہ نافرمانی بھی کرے تب بھی اس کے دل پر وہ اثر نہیں ہوتا جیسا کہ غیر آدمی کے اسی شخص کی نافرمانی کرنے پر اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا رد فرماتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ) آپ (ان سے) یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے بدلہ (آخرت میں) عذاب کیوں دیں گے؟ جس کے تم بھی قائل ہو، جیسا کہ یہود کا قول ہے ﴿ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۸۰) اور حضرت مسیح کا ارشاد اس آیت میں منقول ہے: ﴿ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ﴾ جو التزام کی وجہ سے نصاریٰ کے اقرار کی طرح ہے غرض یہ کہ پھر تم دونوں فرقوں کو عذاب کیوں ہوگا، کیونکہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو اور محب اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیتا، اگرچہ تادیب کرتا ہے یعنی ادب سکھاتا ہے، لیکن آخرت میں تو تادیب کا احتمال ہی نہیں، کیونکہ تادیب میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آئندہ ایسا کام نہ کرے جبکہ آخرت میں ایسا کام کرنے کا احتمال ہی نہیں تو تادیب کی کیا گنجائش ہے، لہٰذا وہاں جو سزا ہوگی وہ یقینی طور پر عذاب ہی ہوگا، جس سے جرم پر سزا و تکلیف دینا ہی مقصود ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ تمہارا یہ دعوی بالکل لغو اور بے بنیاد ہے، تمہیں دوسرے لوگوں کی بہ نسبت کوئی امتیاز اور خصوصیت حاصل نہیں) بلکہ تم بھی ساری مخلوقات میں سے ایک معمولی آدمی ہو (جیسے دوسرے آدمی ہیں اور کسی امتیاز کے بغیر تم سب ایک قاعدہ میں داخل ہو کہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے، جس کو چاہیں گے سزا دیں گے (اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ مغفرت کی شرط ایمان ہے اور کافر کو ہمیشہ کا عذاب ہے اور تم نبوت محمدی کو جھٹلا کر کافر بن چکے تو ہمیشہ عذاب ہی میں رہو گے۔ اور جب مطلق عذاب ہی تمہارے دعوی کو باطل کرنے والا ہے تو ہمیشہ کا عذاب تو بدرجہ اولیٰ باطل کرنے والا ہے، لہٰذا خصوصیت تو دور تم معمولی مومنوں کے برابر بھی نہیں رہے) اور آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان میں بھی ساری حکومت اللہ ہی کی ہے (تو ان کو عذاب دینے سے کون روک سکتا ہے جس کے لئے سزا تجویز کر لی ہے اس کو ضرور سزا دیں گے، پھر ایسی حالت میں ایسے بے ہودہ دعوے بے کار ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (کسی سفارش وغیرہ کی کوئی پناہ بھی نہیں جو بچ سکیں)

فائدہ: یہ مذکورہ دعوی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا ہمارے زمانہ کے جاہل پیرزادوں کو ولادت یعنی نسل کی نسبت یا سلسلہ کے تعلق کی بنیاد پر گھمنڈ ہوتا ہے کہ ہمارے ساتھ حق تعالیٰ کو ایک طرح کی ذاتی خصوصیت اور نسبت ہے جو معاصی وغیرہ سے ٹوٹتی نہیں ہے اور ہم کیسے ہی ہوں مگر اس نسبت یا تعلق کے زور سے کھڑے جنت میں جائیں گے۔

﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۟ ﴾ ع

ترجمہ: اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ پہنچے جو کہ تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا تا کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا، سو تمہارے پاس بشیر اور نذیر آ چکے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر یہود و نصاریٰ کے طریقہ کو اصل کے لحاظ سے بھی اور فرع کے لحاظ سے بھی باطل کر دیا، اب حجت پوری کرنے کے لئے اور عذر کو ختم کرنے کے لئے دونوں فرقوں کو مخاطب بنا کر رسالت محمدی کا اظہار فرماتے ہیں، جیسا کہ پہلے آیت ۱۵ میں بھی ایسا ہی عام خطاب تھا۔ اس دوسرے خطاب میں تاکید کے علاوہ جو کہ تکرار سے ظاہر ہے عذر کو ختم کرنے کا عنوان زیادہ ہے۔

رسالت محمدی کے بارے میں حجت پوری کرتے ہوئے اہل کتاب سے عام خطاب:

اے اہل کتاب! تمہارے پاس یہ ہمارے رسول (محمد ﷺ) ایسے وقت میں آ گئے ہیں جب رسولوں کے (آنے کا) سلسلہ (مدت سے) موقوف تھا، جو کہ تمہیں (شریعت کی باتیں) صاف صاف بتاتے ہیں (اور حوادث [1] کی وجہ سے سابق شریعتیں مفقود ہو گئی تھیں اور رسولوں کے آنے کے سلسلہ کے موقوف ہونے کی وجہ سے ان کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اور اس لئے کسی رسول کے آنے کی بہت ضرورت تھی تو ایسے وقت آپ کی تشریف آوری کو نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ سمجھنا چاہئے) تا کہ تم (قیامت میں) یہ نہ کہنے لگو کہ (ہم دین [2] کے بارے میں کوتاہی کرنے میں اس لئے معذور ہیں کہ) ہمارے پاس کوئی (رسول جو کہ) بشیر (یعنی اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی، جنت کے حصول کی خوشخبری دینے والا اور نذیر یعنی اللہ کے غیظ و غضب اور آخرت کی ناکامی اور جہنم کے عذاب سے ڈرانے والا ہو جس سے ہمیں دین کے بارے میں صحیح علم مع تنبیہ کے حاصل ہوتا) نہیں آیا (اور پہلی شریعتیں ضائع ہو چکی [3] تھیں، اس لئے ہم سے کوتاہیاں ہو گئیں) تو (سمجھ لو کہ اب عذر کی گنجائش نہیں رہی، کیونکہ) تمہارے پاس بشیر اور نذیر (یعنی محمد ﷺ) آ چکے ہیں (اب ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے اس کو تم دیکھ لو) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں (لہٰذا مدت تک رسولوں کا

---

(۱) یہ عبارت یہ ظاہر کرنے کے لئے بڑھائی ہے کہ آیت سے مقصود احسان جتانا ہے کہ رسول کا آنا تمہارے لئے نعمت ہے اور یہ نعمت بھیجنا اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب انہیں ضرورت ہو نبی کی، جس کو ﴿عَلٰی فَتْرَةٍ﴾ میں ظاہر کیا گیا ہے اور صرف فترۃ سے یہ ضرورت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ احتمال یہ رہے گا کہ اگرچہ سلسلہ منقطع ہو جائے، لیکن ممکن ہے کہ ان کی شریعتیں باقی رہیں، پھر کیا ضرورت ہوگی؟ تو اس عبارت سے ﴿عَلٰی فَتْرَةٍ﴾ کا مقصود ظاہر ہو گیا۔ تبیان

(۲) اس کو بڑھا کر یہ بتا دیا کہ ﴿مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ﴾ خود مقصود نہیں ہے، بلکہ عذرِ مقصود کی دلیل ہے۔ تبیان

(۳) مطلب یہ ہے کہ صرف ﴿مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ﴾ کہنا عذر کے لئے کافی نہیں، کیونکہ اگر شریعتیں باقی ہوں تو نہ آنے سے کیا نقصان ہے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پہلی شریعتیں محفوظ نہ رہی ہوں۔ تبیان

سلسلہ موقوف رہا[۱] اس پر بھی قادر تھے اور اب نیا رسول بھیج دیا، اس پر بھی قادر ہیں۔ یہاں یہ شبہ کرنا کہ جب نبیوں کے آنے کا سلسلہ موقوف ہو گیا تو اب کیا پیغمبر آتے! اور اس بنا پر آپ کی رسالت کا انکار جہل محض ہے، اس لئے کہ زمانہ ماضی میں گذرے ہوئے انبیاء میں سے کسی پر نبوت کا ختم ہونا تو ثابت نہیں ہوا، بلکہ حضور ﷺ کی نسبت پیشین گوئیاں فرماتے رہے پھر آپ کی رسالت میں کونسی چیز مانع ہے)

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نبی کریم ﷺ کے درمیان جو زمانہ ہے وہ زمانہ فترت کہلاتا ہے۔ بخاری میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ زمانہ چھ سو سال پر مشتمل ہے کہ اس درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: أنا أولی الناس بعیسی الی قوله ولیس بیننا نبی: متفق علیہ۔ اور سورۂ یٰسین میں جن رسولوں کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے تھے، جن کو آپ نے اس قریہ میں بھیجا تھا اور بعض اہل علم نے جو خالد بن سنان عربی کو اس زمانہ میں بتایا ہے، روح المعانی میں شہاب کی تصحیح نقل کی ہے کہ وہ نبی تھے، مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور بعض تاریخوں میں جو یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ ان کی صاحبزادی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی، اس سے صلبی بیٹی مراد نہیں، بلکہ بالواسطہ طور پر نسلی بیٹی مراد ہے، اور اس مذکورہ زمانہ سے پہلے کبھی بھی اتنا طویل زمانہ انبیاء سے خالی نہیں رہا جیسا کہ اہل علم نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس موقع پر ایک اور سوال ہے کہ اہل کتاب کے پاس تو اس زمانہ فترت میں بھی توریت اور انجیل موجود تھیں اور انہی کتابوں پر مبنی ان کی شریعت تھی، پھر اس قول کی نوبت آنے کا کیا احتمال ہے کہ ﴿ مَا جَآءَنَا مِنۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ﴾؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کی تحریر اظہار الحق اور صاحب تفسیر حقانی کے مقدمہ کے مطابق علماء محققین کی نقل سے یہ ثابت ہے کہ اصلی توریت اور انجیل حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی گم ہو چکی تھیں، اس وقت توریت وانجیل جن کتابوں کا نام تھا، وہ جھوٹی اور من گھڑت روایتوں کا مجموعہ تھا، اور ظاہر ہے کہ غیر شریعت پر عمل کرنے سے شریعت کے اصلی احکام ادا نہیں ہوتے، اور چاہے اہل کتاب کے علماء اس امر کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں تاہم آخرت میں تو یقینی طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ اصلی شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے، اس وقت وہ اپنی اس غلط کاری اور اس ترک عمل کا ثمرہ جو کہ کمال کے مراتب سے محرومی ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عذر میں یہ بات کہہ سکتے تھے، اگرچہ قواعد شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور میں گرفت نہیں ہوگی جس کے علم پر انسان قادر نہ ہو اور اس لئے امید ہے کہ حضرت

---

(۱) اس عبارت کے بڑھانے سے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ کا ربط اور مقصود ظاہر ہو گیا کہ رسولوں کا بھیجنا اور بھیجنے کے بعد سلسلہ بند کرنا اور بند کرنے کے بعد پھر بھیجنا یہ سب لکھا ہوا ہے۔ یہ تو ربط تھا اور مقصود وہ ہے جس کی صراحت اس قول سے کر دی ہے: تو "کسی کا یہ شبہ" ۔تبیان

محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے جو اہل کتاب اس وقت پائی جانے والی اپنی شریعت پر اس کے صحیح ہونے کے گمان کی بنیاد پر عمل پیرا تھے، ان کی نجات ہو جائے، اور اس سے شرک و کفر کے مضامین اس لئے خارج ہیں کہ ان پر صحت کے گمان کی گنجائش نہیں، مگر جب آپ مبعوث ہو چکے اور دوسری یعنی آپ کی شریعت کے احکام پر عمل واجب ہو گیا تو اب شریعت کا ترک کرنا قدرت کے باوجود ہوا، اس لئے عذر کی گنجائش نہیں رہی۔

اور اس شریعت کی حفاظت کا وعدہ خود قرآن و حدیث میں منصوص ہے، اس میں حوادث سے کبھی خلل نہ آئے گا، اس لئے اب کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر یہ شبہ ہو کہ جو لوگ زمانہ فترت میں مر گئے خواہ ان کو نجات ہو مگر وہ یہ بات کہہ سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں اس مضمون سے مقصود امتنان یعنی اظہار احسان ہے جیسا کہ احقر کے اس جملہ "آپ کی تشریف آوری کو الخ" میں اس کو ظاہر بھی کر دیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ نعمت عظمیٰ جس کو چاہیں دیں، البتہ عذاب رسولوں کو بھیجے بغیر نہیں ہوتا۔

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ ع ۸

ترجمہ: اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے یاد کرو، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے اور تم کو صاحب ملک بنایا اور تم کو وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔ اے میری قوم! اس متبرک ملک میں داخل ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے، اور پیچھے واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارے میں پڑ جاؤ گے، کہنے لگے اے موسیٰ! وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی ہیں اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نہ نکل جائیں، ہاں اگر وہ وہاں سے کہیں اور چلے جاویں تو ہم بیشک جانے کو تیار ہیں۔ ان دو شخصوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل

کیا تھا کہا کہ تم ان پر دروازہ تک تو چلو، سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے، اسی وقت غالب آجاؤ گے اور اللہ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ کہنے لگے اے موسیٰ! ہم تو ہرگز بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، تو آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جایئے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے، ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔ موسیٰ دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! اپنی جان اور اپنے بھائی پر البتہ اختیار رکھتا ہوں، سو آپ ہم دونوں کے اور اس بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ ارشاد ہوا تو یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگے گا، یوں ہی زمین میں سر مارتے پھرتے رہیں گے، سو آپ اس بے حکم قوم پر غم نہ کیجئے۔

ربط: اوپر یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی کا بیان تھا، اب خاص یہود کی ایک عہد شکنی کا قصہ بیان ہوا ہے کہ انھوں نے جہاد سے جو کہ فرض تھا انکار کیا اور ظاہر ہے کہ فرض کے ترک یا انکار میں جس عہد کے التزام کی بات تھی اس کو توڑا گیا، اور یہ قصہ اس طرح ہوا کہ جب فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل اس کی سلطنت اور مملکتوں پر اطمینان کے ساتھ قابض ہو گئے تو اب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان کا آبائی وطن ملک شام جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلی بار ہجرت کرنے کے بعد آ کر بس گئے تھے، ان کو عطا فرما دیں، اس وقت وہاں قوم عمالقہ کی حکومت تھی، اس لئے ان کو اس قوم کے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم ہوا اور یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ جہاد کے ارادہ سے چلے، جب شام کے قریب پہونچے تو انہی بارہ سرداروں کو جن کا ذکر اوپر آیت ۱۲ میں آیا ہے، جاسوسی کے طور پر تحقیق حال کے لئے وہاں بھیجا، عمالقہ نہایت تندرست و توانا اور زور آور نظر آئے، سب نے باہم عہد کیا کہ اس کا اظہار لشکر میں پہنچ کر نہ کیا جائے، مگر صرف دو افراد تو جن میں ایک کا نام یوشع بن نون اور دوسرے کا کالب بن یوقنا تھا اس عہد پر قائم رہے، باقی سب نے واپس آ کر بنی اسرائیل کو ڈرا دیا جس سے ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، انھوں نے گھبرا کر واپس مصر جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ انھوں نے جواب دیا اور جو نتیجہ برآمد ہوا اس کا تذکرہ ان آیتوں میں ہے۔

قوم عمالقہ کے ساتھ جہاد کے بارے میں بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو:

اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم (یعنی بنی اسرائیل میں) سے (اولاً جہاد کی ترغیب[1] کی تمہید میں یہ) فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو، جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے (جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور

(۱) یہ ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو جہاد کے لئے لے کر چلے تھے، چاہئے تو یہ تھا کہ پہلے اس کا حکم فرماتے، مگر اس کو چھوڑ کر دوسری باتیں کرنے لگے، حضرت تھانویؒ کی اس تقریر سے یہ شبہ زائل ہو گیا، کیونکہ یہ باتیں بھی جہاد سے متعلق ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام وغیرہ، اور کسی قوم میں پیغمبروں کا ہونا یقیناً ان کا دنیاوی اور دینی شرف ہے، یہ تو معنوی نعمت دی کہ) تمہیں حکمراں بنایا (چنانچہ فرعون کے ملک پر ابھی قابض ہو چکے ہو) اور تمہیں (بعض [1]) وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں (جیسا کہ دریا میں راستہ دینا، دشمن کو عجیب طریقہ سے غرق کرنا، جس کے بعد یکا یک انتہائی ذلت وزحمت سے انتہائی رفعت وراحت پر پہونچ گئے، یعنی اس میں تمہیں خاص امتیاز دیا، پھر اس تمہید کے بعد اصلی مقصود کے ساتھ خطاب فرمایا کہ) اے میری قوم (ان نعمتوں اور احسانوں کا تقاضا یہ ہے کہ جہاد سے متعلق تمہیں جو حکم خداوندی ہوا ہے، اس پر قائم اور آمادہ رہو اور) اس (متبرک و) مقدس ملک (یعنی شام کے دار الحکومت) میں (جہاں یہ عمالقہ [2] حکمراں ہیں، جہاد کے ارادہ سے داخل ہو جاؤ کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے (اس لئے [3]) قصد کرتے ہی فتح حاصل ہو جائے گی) اور پیچھے نہ ہٹو (واپس اپنے ملک مصر کی طرف لوٹنے کی بات مت سوچو) کہ پھر بالکل گھاٹے میں پڑ جاؤ گے (دنیا میں بھی کہ ملک کو توسیع دینے سے محروم رہو گے اور آخرت میں کہ فریضۂ جہاد کو ترک کرنے سے گنہ گار ہو گے) کہنے لگے: اے موسیٰ! وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی (رہتے) ہیں اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہیں رکھیں گے جب تک کہ وہ (کسی طرح) وہاں سے نہ نکل جائیں، ہاں اگر وہ وہاں سے کہیں اور چلے جائیں تو ہم بیشک جانے کو تیار ہیں (موسیٰ علیہ السلام کی بات کی تائید کے لئے) ان دو افراد نے (بھی) جو کہ (اللہ سے) ڈرنے والوں (یعنی متقیوں) میں سے تھے، (اور) جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا (کہ اپنے عہد پر ثابت وقائم رہے تھے، ان کم ہمتوں کو سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تم ان پر (چڑھائی کرکے اس شہر کے دروازہ تک تو چلو، جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے، اسی وقت غالب آجاؤ گے [4] (مطلب یہ کہ یہ ملک جلدی ہی فتح ہو جائے گا، خواہ وہ رعب کی وجہ سے ملک چھوڑ کر بھاگ جائیں یا تھوڑا ہی مقابلہ کرنا پڑے) اور اللہ پر نظر رکھو، اگر تم ایمان رکھتے ہو (یعنی ان کی صحت وتندرستی اور توانائی نیز جسامتوں کو دیکھ کر مت گھبراؤ، مگر ان لوگوں پر فہمائش کا کوئی اثر نہ ہوا، بلکہ ان دو بزرگوں کو انہوں نے بات کرنے کے قابل بھی نہ سمجھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انتہائی ناگواری کے ساتھ اور گستاخانہ انداز میں) کہنے لگے کہ اے موسیٰ! ہم تو ہرگز بھی وہاں قدم نہیں رکھیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں (اگر ایسا ہی لڑنا ضروری ہے) تو آپ اور آپ کے اللہ میاں

(۱) حضرت تھانویؒ نے ﴿ مَّا لَمْ يُؤْتِ ﴾ میں لفظ ما کو عام مخصوص للبعض لیا ہے اور عالمین کو عام لیا ہے، سارے جہاں کے لئے اور اس تقریر سے فضیلت کلی یا فضیلت دینی کا شبہ جاتا رہا ۱۲ تبیان۔

(۲) یہ عبارت بڑھا کر بتا دیا کہ داخل ہونے سے مراد مطلق داخل ہونا نہیں، بلکہ جہاد کی غرض سے داخل ہونا مراد ہے۔ تبیان

(۳) کیونکہ جب وہ تکوینی طور پر تمہارے ہی لئے ہے تو صرف تمہارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی دیر ہے، اور یہ بھی بتا دیا کہ ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ فرما دینے سے مقصود بنی اسرائیل کی ہمت بڑھانا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں ہمت نہ ہارو، وہ مقام تمہیں ضرور ملے گا اور تم بہت جلد غالب آجاؤ گے۔ تبیان

چلے جائیں اور دونوں (جا کر) لڑو، ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام نہایت تنگ اور پریشان ہوکر) دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! میں کیا کروں؟ ان پر میرا کچھ بس نہیں چلتا، ہاں میرے اختیار میں تو (اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کوئی نہیں ہے، لہٰذا آپ ہم دونوں کے اور اس نافرمان قوم کے درمیان (مناسب) فیصلہ فرما دیجئے (یعنی جس کی حالت کا جو تقاضا ہو ہر ایک کے لئے تجویز فرما دیجئے) ارشاد ہوا تو (ٹھیک ہے ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ) یہ ملک چالیس برس تک ان کے ہاتھ نہیں لگے گا (اور گھر جانا بھی نصیب نہ ہوگا، راستہ ہی نہیں ملے گا) وہ یوں ہی (چالیس برس تک) زمین میں مارے مارے پھرتے رہیں گے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس فیصلہ کا خیال وگمان بھی نہیں تھا، آپ نے سوچا تھا کہ کوئی معمولی تنبیہ ہوجائے گی، لیکن اب یہ سنا تو طبعاً مغموم ہونے لگے، ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! جب ان سرکش لوگوں کے لئے ہم نے یہ تجویز کیا ہے تو یہی مناسب ہے) اس لئے آپ اس نافرمان قوم (کی اس حالت زار پر) ترس نہ کھائیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق وہ لوگ چالیس برس تک زمین کے ایک محدود خطہ میں حیران وپریشان پھرتے رہے، حتی کہ اس وقت موجود سب لوگ وہاں ہی مرکھپ کر ختم ہوگئے، بعد میں جو ان کی اولاد پیدا ہوئی ان لوگوں کو رہائی حاصل ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے کچھ ہی دن پہلے حضرت ہارون علیہ السلام بھی اس وادی میں جسے وادی تیہ کہتے ہیں انتقال فرما گئے۔ اور حضرت یوشع جن کا ذکر اوپر آچکا ہے پیغمبر ہوئے اور پھر ان کی معرفت بنی اسرائیل کی اس نئی نسل کو اس ملک کو فتح کرنے کا حکم ہوا، چنانچہ ان سب نے حضرت یوشع کے ساتھ مل کر جہاد کیا جس میں انہیں فتح حاصل ہوئی۔

اس موقع پر چند سوال ہیں:

پہلا سوال: جب اس وادی تیہ میں رہنا سزا تھا تو موسیٰ[1] اور ہارون علیہما السلام اس میں کیوں رکھے گئے؟ خاص طور سے ﴿فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ کی دعا کے بعد؟

جواب: اصل سزا وعقوبت دل کی تنگی اور پریشانی تھی، اور یہ صورت حال بنی اسرائیل کے نافرمان لوگوں کے ساتھ مخصوص تھی اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام اس سے محفوظ تھے، ان حضرات کا وہاں تشریف فرما ہونا قوم کی اصلاح وہدایت کے لئے تھا جو کہ ان کا فرض منصبی اور عین سرمایۂ راحت تھا، جیسے جہنم کے اندر دوزخیوں کا رہنا دوسرے طریقہ پر ہوگا اور جہنم میں عذاب دینے والے اور دوسرے مقاصد کے لئے فرشتوں کا رہنا دوسرے طور پر ہوگا۔

دوسرا سوال: چالیس سال تک ایک محدود حصہ یا خطہ میں بھٹکتے رہنا عقل وقیاس سے دور کی بات ہے کیونکہ راستوں اور سمتوں کا پتہ لگانے کے لئے دن میں سورج اور رات میں ستارے اور چاند علوی علامتیں موجود تھیں اور خود زمین پر

(۱) اور اگر کسی روایت سے حضرت یوشع اور کالب کا رہنا بھی ثابت ہو تو اس بارے میں یہ کہا جائے گا کہ ان حضرات کا رہنا بھی اصلاح وہدایت کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے معاون کے طور پر تھا نہ کہ ان پر عذاب کرنے کے لئے۔ تبیان

درخت اور پہاڑ وغیرہ علامات سفلی بھی موجود تھیں، ان علامات کے موجود ہوتے ہوئے بھی بنی اسرائیل ان نشانوں سے نکلنے کی راہ نہ پا سکے: یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کسی ستارہ ہی کی سیدھ باندھ کر چلتے تو کبھی نہ کبھی نکل ہی جاتے۔

جواب: کسی علامت کا علامت ہونا اور ادراک یا احساس وشعور کی قوتوں کی صحت وسلامتی پر موقوف ہے، جبکہ ان قوتوں میں کبھی کبھی فتور کا آجانا مشاہد ہے۔ اس لئے اگر قید خداوندی سے اجتماعی طور پر سب کے قوائے مدرکہ ماؤف ہو جائیں تو کوئی محل تعجب نہیں۔

تیسرا سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں اپنے آپ کو اور اپنے بھائی کو مستثنیٰ فرمایا تھا حالانکہ اُن دونوں بزرگوں پر بھی مطیع اور فرماں بردار ہونے کی وجہ سے آپ کو اختیار حاصل تھا؟

جواب: حضرت موسیٰ نے یہ کلام ظاہر ہے تنگ دلی کی حالت میں فرمایا تھا اور تنگ دلی کے وقت کلام، الفاظ کی صورت میں بھی تنگ اور مختصر ہوتا ہے، خواہ بطور دلالت اس میں عموم اور توسع ہو، لہٰذا چونکہ وہ دونوں بزرگ بھی تابع تھے، اس لئے استثنا کے معنی میں ان کو تابع قرار دے کر داخل سمجھ لینا کافی ہے، یا یوں کہا جائے کہ چونکہ ان بارہ سرداروں میں سے دس کی حالت توقع کے خلاف ناپسندیدہ پائی گئی، اس لئے انتہائی رنج کی حالت میں یہ احتمال ہوا، خواہ بعید ہی سہی کہ اگر چہ اس وقت تو یہ تابع ہیں، مگر عین وقت پر کیا بھروسہ! اور یہ احتمال حضرت ہارون علیہ السلام کے سلسلہ میں اس لئے نہیں تھا کہ وہ علانیہ نبی بنائے جا چکے تھے، جبکہ نبی کے لئے عصمت یعنی معصوم ہونا لازم ہے، اور حضرت یوشع کی نبوت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت تک اعلان نہیں ہوا تھا۔

چوتھا سوال: جو لوگ ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ کے مخاطب تھے، ان کو تو وہ ملک نہیں ملا، اس سے وعدہ خلافی کا وہم ہوتا ہے۔

جواب: اگر لفظ ﴿ لَكُمْ ﴾ میں مخاطب خاص اشخاص کو قرار دیا جائے تو ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ ﴾ میں جہاد کی شرط تھی، اور جب ان لوگوں کی طرف سے شرط پوری نہیں ہوئی تو مشروط یعنی جزا کے پورا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر مخاطب قوم کو قرار دیا جائے تو ان کی اولاد بھی قوم میں داخل ہے، اور ان کو وہ ملک عنایت کر دیا گیا، لہٰذا وعدہ خلافی کسی بھی طرح لازم نہیں آتی۔

پانچواں سوال: اشکال نہیں بلکہ تحقیق ہے، یعنی بنی اسرائیل کا یہ قول ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ ﴾ الخ کفر ہے یا نہیں؟

جواب: اگر تاویل نہ کی جائے تو کھلا کفر ہے، البتہ اگر اس تاویل کے ساتھ مان لیا جائے کہ آپ لڑیئے اور اللہ تعالیٰ مدد کریں گے، اور مجازی طور پر اس کو بھی ذہاب کہہ دیا تو کفر نہیں، البتہ حکم کی خلاف ورزی کا معصیت ہونا ظاہر ہے، اور ہر حال میں غالباً ان سے توبہ بھی کرائی ہوگی، اگر چہ اس کا ذکر نہیں ہے، باقی اس شریعت کے قواعد اور جزئی فروع کا پورا احاطہ ہمارے سامنے نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر اس کے مطابق قطعی حکم لگایا جا سکے۔

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۞ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۞ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اور آپ اہل کتاب کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنایئے جب کہ دونوں نے ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی تو مقبول ہوگئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔ دوسرا کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کرونگا۔ اس ایک نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں، اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں، میں تو خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔ میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر پر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جاوے اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی۔ سو اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اس کو قتل ہی کر ڈالا، جس سے بڑا نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہوگیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ زمین کھودتا تھا تاکہ وہ اس کو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریقہ سے چھپاوے، کہنے لگا افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گذرا کہ اس کوے ہی کی برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا سو بڑا شرمندہ ہوا۔

ربط: اوپر اہل کتاب کی دوسری برائیوں میں سے ایک ان کا یہ قول نقل فرمایا تھا ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ جس کا منشاء انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں ہونے پر فخر تھا، حق تعالیٰ اس گھمنڈ کو توڑنے کے لئے اب ہابیل وقابیل کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہونے کی حیثیت سے وہ ان مدعیوں سے بڑھ کر تھے اور آپس میں دونوں برابر تھے، مگر ان میں بھی مقبول وہی ہوا جو مطیع وفرماں بردار رہا، دوسرے نے حکم عدولی اور نافرمانی کی تو وہ مردود ہوگیا، اور آدم کا صلبی بیٹا ہونا بھی کوئی کام نہ آیا۔

قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جو لڑکا پیدا ہوتا تھا اس کے ساتھ ہی ایک لڑکی پیدا ہوتی تھی، اسی طرح دوسرے بطن میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی تھی اور ایک بطن کے لڑکے کا دوسرے بطن کی لڑکی سے، اسی طرح دوسرے بطن کے لڑکے کا پہلے بطن کی لڑکی سے نکاح کر دیا جاتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں اُس وقت کی

ضرورت کے تحت بطن [1] کے فرق کو نسب کے فرق کے درجہ میں قرار دیا گیا تھا، اسی سلسلہ میں دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہابیل رکھا اور دوسرے کا قابیل، اسی طرح دونوں کے ساتھ ایک ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس وقت کے قاعدہ کے مطابق ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن سے تجویز ہوا، روایات کے مطابق قابیل کی بہن زیادہ حسین تھی، قابیل نے اس کا مطالبہ کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے سمجھایا مگر اس نے نہ مانا، آخر آدم علیہ السلام نے اس کی ضد توڑنے کی غرض سے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں اللہ کے نام کی کچھ نیاز کرو، جس کی نیاز قبول ہو جائے گی اس لڑکی کا نکاح اس سے ہو جائے گا، حضرت آدم علیہ السلام کو وحی اور قاعدہ کے مطابق کامل یقین تھا کہ ہابیل کے حق میں ہی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا، وہ حق پر ہے، اس کی نیاز قبول ہوگی، اس طرح قابیل کو پھر بحث و تکرار کی گنجائش نہ رہے گی، اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ قابیل کے لئے اس لڑکی کے حلال ہونے کا احتمال تھا۔ غرض دونوں نے اپنی اپنی نیاز پیش کی، ہابیل تو ایک عمدہ دنبہ لایا، اور قابیل نے کسی غلہ کی چند بالیں لا کر رکھ دیں، آسمان سے ایک آگ آئی جو ہابیل کی نیاز کو کھا گئی، اس وقت قبولیت کی یہ علامت مقرر تھی، جب قابیل اس فیصلہ میں بھی ہار گیا تو بقول شاعر:

چو حجت نماند جفا جوئے را ❁ بپرخاش درہم کشد روئے را [2]

بیچارے ہابیل کی جان کے پیچھے پڑ گیا، یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا، مگر پھر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی لاش کو کس طرح چھپائے کہ آدم علیہ السلام کو خبر نہ ہو، یہاں تک کہ کوے کے ذریعہ اس کو دفن کا طریقہ بتایا گیا، اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی، ابن جریر نے ابن مسعود اور متعدد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس کو روایت کیا ہے جیسا کہ روح المعانی میں نقل کیا ہے، ان آیتوں میں اسی کا ذکر ہے۔

قصہ ہابیل و قابیل:

اور (اے محمد ﷺ) آپ ان اہل کتاب کو (حضرت) آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں (یعنی ہابیل و قابیل) کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنایئے (تاکہ انبیا اور صالحین کے ساتھ نسبت [3] کا ان کا گھمنڈ جاتا رہے جس کا ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ میں اظہار ہو رہا ہے، اور وہ قصہ اس وقت پیش آیا تھا) جب دونوں نے (اللہ تعالیٰ کے نام کی) ایک

(۱) اس تقریر کے بعد اس بات کا قائل ہونا بغیر دلیل کے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا بلکہ بہن سے نکاح میں یہ قید تھی کہ دوسرے بطن سے ہو، لہٰذا یہ فرق ایسا تھا جیسا آج خالہ کی لڑکی سے نکاح جائز ہے، حالانکہ ماں کی لڑکی اور خالہ کی لڑکی میں بہت زیادہ فرق نہیں، کیونکہ نانی میں یہ دونوں ایک ہی ہو جاتی ہیں، دونوں کی ماں اس ایک ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ تبیان (۲) جب ظالم کے پاس حجت نہیں رہتی ÷ تو لڑنے کے لئے چہرے پر تاؤ آ جاتا ہے۔

(۳) اس سے آیت کا ربط ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ ﴾ سے ظاہر کرنا مقصود ہے جیسا کہ خود حضرت نے صراحت کی ہے۔ تبیان

ایک [1] نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک (یعنی ہابیل) کی نیاز تو قبول ہوگئی اور دوسرے (یعنی قابیل) کی مقبول نہ ہوئی (کیونکہ جس معاملہ کے فیصلہ کے لئے یہ نیاز پیش کی گئی تھی اس میں ہابیل حق پر تھا [2] اس لئے اس کی نیاز قبول ہوگئی، اور قابیل حق پر نہ تھا اس کی نیاز قبول نہ ہوئی، ورنہ فیصلہ نہ ہوتا، بلکہ معاملہ مزید الجھ جاتا جب) وہ دوسرا (یعنی قابیل [3] اس میں بھی ہارا تو جھلا کر) کہنے لگا کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا، اس ایک (یعنی ہابیل) نے جواب دیا (کہ تیرا ہارنا [4] تو تیری ناحق پرستی کی وجہ سے ہے، اس میں میرا کیا قصور ہے؟ کیونکہ) اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں، میں نے تقوی اختیار کیا اور اللہ کے حکم پر عمل پیرا رہا، اللہ تعالیٰ نے میری نیاز قبول کی، تو نے تقوی چھوڑ دیا اور اللہ کے حکم سے منہ موڑا، تیری نیاز قبول نہیں کی، اس میں تیری غلطی ہے یا میری؟ تو ہی انصاف کر لے، لیکن [5] اگر پھر بھی تیرا یہی ارادہ ہے تو تو جانے، میں نے تو پختہ عزم کر لیا ہے کہ) اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے مجھ پر دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں ہوں (کیونکہ) میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو کہ پروردگار عالم ہے (کہ اس کے باوجود کہ تیرے قتل کے جواز کا بظاہر ایک سبب موجود ہے، یعنی یہ کہ تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، مگر اس وجہ سے کہ اس جواز کی اب تک کسی جزئی نص سے مجھے تحقیق نہیں ہوئی، اس لئے اس کے ارتکاب کو احتیاط کے خلاف سمجھتا ہوں، اور اس شبہ کی وجہ سے اللہ سے ڈرتا ہوں اور یہ ہمت تجھے ہی ہے کہ اس کے باوجود کہ میرے قتل کے جواز کا کوئی امر تقاضہ کرنے والا نہیں ہے، بلکہ مانع موجود ہے، پھر بھی تو خدا سے نہیں ڈرتا) میں یہ چاہتا ہوں کہ (مجھ سے کوئی گناہ کا کام نہ ہو خواہ تو مجھ پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ کرے جس سے کہ) تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر لے لے، پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور ظلم کرنے والوں کی یہی سزا تو ہوتی ہے سو (یوں تو وہ پہلے [5] ہی سے قتل کا ارادہ کر چکا تھا، جب یہ سنا کہ یہ مدافعت بھی نہ کرے گا تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ نرم پڑ جاتا، مگر بے فکر ہو کر اور بھی) اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کو قتل کرنے پر آمادہ کر دیا، پھر (آخرکار) اس کو قتل ہی کر ڈالا، جس سے (کمبخت) بڑے نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا (دنیا میں تو یہ نقصان کہ اپنا بھائی جو کہ قوت بازو اور راحت جان ہوتا ہے کھو بیٹھا، اور آخرت میں یہ نقصان کہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا،

---

(۱) لفظ ایک کو دوبار اس لئے لکھا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ لفظ قربانا جو نکرہ لایا گیا ہے وہ ہر ایک کے اعتبار سے ہے، یہ مراد نہیں کہ دونوں کی نیاز صرف ایک ہی چیز تھی۔ تبیان (۲) اس لفظ کو بڑھا کر اس شبہ کا جواب دیا ہے کہ جب اللہ ہی نے نیاز قبول نہ کر کے قابیل کو ہرا دیا تو نذر قبول نہ ہونے میں قابیل کا کیا قصور؟ وجہ صاف ظاہر ہے کہ یہ قبول نہ ہونا اس کے حق پر نہ ہونے کی وجہ سے ہوا، لہٰذا اب وہ معذور نہیں سمجھا جا سکتا۔ (۳) ﴿ لَأَقْتُلَنَّكَ ﴾ کا ماقبل پر مرتب ہونا ظاہر فرمایا ہے۔ تبیان
(۴) مقصود یہ ہے کہ ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ ﴾ جواب کی علت ہے، اصل جواب یہ ہے کہ تیرا ہارنا الخ اور اس سے مقصود اپنا بے قصور ہونا ظاہر کرنا ہے جس کی علت یہ بیان کی: ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ ﴾ الخ تبیان (۵) اس سے ﴿ لَئِنْ بَسَطْتَّ ﴾ کا ماقبل سے ربط ظاہر ہو گیا۔ تبیان

اب جب قتل کر چکا تو پھر حیران و پریشان ہوا کہ لاش کا کیا کروں، جس سے یہ راز پوشیدہ رہے، جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو) پھر (آخر) اللہ تعالیٰ نے (وہاں) ایک کوا بھیجا کہ وہ (چونچ اور پنجوں سے) زمین کو کھودتا تھا (اور کھود کر ایک دوسرے کوے کو جو کہ مرا ہوا تھا اس کو گڈھے میں دھکیل کر اس پر مٹی ڈالتا تھا) تا کہ وہ (کوا) اس (قابیل) کو تعلیم دے کہ اپنے بھائی (ہابیل) کی لاش کو کس طریقہ سے چھپاوے (قابیل یہ دیکھ کر اپنے دل[۲] میں بڑا ذلیل ہوا کہ مجھے کوے کے برابر سمجھ نہیں اور انتہائی حسرت کے ساتھ) کہنے لگا: افسوس ہے میری حالت پر! کیا میں اس سے بھی گیا گذرا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا (اور اس بدحالی پر) بڑا شرمندہ ہوا۔

فائدہ: قصہ کے شروع کی سند تو تمہید میں ذکر کی جا چکی ہے اور کوے کے زمین کھودنے کی حکایت مذکورہ بالا طریقہ پر عبدالرحمٰن بن حمید اور ابن جریر نے عطیہ سے نقل کیا ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے اور قصہ کا تتمہ نعیم بن حماد نے عبدالرحمٰن بن فضالہ سے نقل کیا ہے کہ اس کے بعد قابیل کی عقل مسخ ہو گئی اور اس کا دل قابو میں نہ رہا، مخبوط الحواس ہو گیا اور اسی بدحواسی و پریشانی میں مر گیا۔ روح المعانی میں اسی طرح ہے۔

یہ حالت بھی دنیا کے نقصان میں داخل ہو سکتی ہے، اور آخرت کے نقصان کا ذکر صحیحین (بخاری و مسلم) کی حدیث میں ابن مسعودؓ سے اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت تک جتنے ناحق خون ہوتے ہیں، ہر ایک کا گناہ قاتل کے برابر قابیل کے نامۂ اعمال میں بھی اس کے قتل کا سلسلہ شروع کرنے والا ہونے کی وجہ سے لکھا جاتا ہے، یہ آخرت کا نقصان اور بھی زیادہ ہوا۔

اور اوپر ہابیل کے قول ﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ کے ذیل میں جس مسئلہ کی وضاحت کی گئی اس کے متعلق اس شریعت میں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو قتل کرنا چاہے اور یہ شخص قرائن قویہ سے سمجھے کہ اس کو قتل کئے بغیر نہیں بچ سکتا تو اس کو قتل کر دینا جائز ہے، اور اگر اسی کشمکش میں یہ مارا گیا تو شہید ہوگا اور اگر یہ اپنا دفاع نہ کرے بلکہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مارا جائے تب بھی جائز ہے، بلکہ بعض احادیث سے جیسا کہ ابوداؤد و ترمذی میں ہے اس کا افضل ہونا ثابت ہوتا ہے، یہ سب مضامین احادیث میں ہیں، البتہ جہاں انتقام اور مدافعت میں اسلامی مصلحت اور ضرورت ہو وہاں مدافعت و انتقام واجب ہے، جیسے کافروں اور باغیوں سے قتال کرنا، حدود اور قصاص جاری کرنا اور اس وضاحت سے تمام نصوص اور دلائل جمع ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ قابیل کو اس کے نفس نے تو پہلے ہی اس پر آمادہ کر دیا تھا پھر ہابیل کے اس جواب پر طوّعت کے ساتھ فا کیوں لایا گیا؟ جواب کا حاصل ظاہر ہے کہ اس جواب سے وہ بالکل بھڑک اٹھا، لہٰذا تفریع بہت صحیح ہے۔

(۲) دل میں لئے بڑھایا کہ ندامت کا اظہار جو ﴿ قَالَ یٰوَیْلَتٰٓی ﴾ کا مدلول ہے وہ اول دل میں ندامت ہونے پر موقوف ہے، اس لئے اس کو مقدر کی طرح مانا جائے گا۔ تبیان

اور ہابیل نے جو خود کو متقیوں میں داخل کیا یہ تفاخر کے طور پر نہیں، بلکہ اللہ کی نعمت کے اظہار کے طور پر کیا ہے، قبول کا سبب بتانے کی ضرورت کے تحت کہا ہے، اور یہ جو کہا کہ "میرا گناہ بھی تیرے ہی اوپر رہے" تو اس کی وجہ وہ ہے جو حدیثوں میں آئی ہے کہ قیامت کے دن مظلوم کے گناہ ظالم کے اوپر ڈالے جائیں گے کہ اس کا عذاب شدید اور مظلوم ہلکا ہو جائے، اور قابیل کے کفر و ایمان کے سلسلہ میں کسی روایت میں صراحت کے ساتھ نظر سے نہیں گذرا لیکن روح المعانی میں سورۂ حم السجدہ کی آیت ۲۹ ﴿ رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا ﴾ الخ کے تحت لکھا ہے کہ قابیل گنہ گار مؤمن ہے۔ واللہ اعلم۔

اور آخر آیت میں جو اس کی ندامت کا ذکر ہے مفسرین کے مطابق اس کی یہ ندامت قتل پر نہیں کہ جس سے توبہ کا شبہ ہو، بلکہ قتل پر جو مضرتیں مرتب نظر آئیں ان پر ہے، جیسے لاش کے دفن میں حیران و پریشان رہنا اور کوے کی تعلیم کا محتاج ہونا اور بدحواس ہو جانا وغیرہ، یا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بدن سیاہ ہو جانا اور آدم علیہ السلام کا ناراض ہو جانا، اس پر نادم ہوا۔ احقر کہتا ہے کہ اگر قتل ہی پر ندامت ہو تب بھی توبہ کا شبہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہر ندامت توبہ نہیں، بلکہ توبہ وہ ندامت ہے جس کے بعد معذرت و انکساری اور تدارک کی فکر بھی ہو، اور یہ ندامت تو طبعی تھی جو محض عقل کے تقاضہ سے پیدا ہو جاتی ہے، اس میں شریعت اور تقویٰ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدوں کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ اور جو شخص کسی شخص کو بچا لیوے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا۔ اور بنی اسرائیل کے پاس ہمارے بہت سے پیغمبر بھی دلائل واضحہ لے کر آئے، پھر اس کے بعد بھی بہتیرے ان میں سے دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے۔

ربط: مذکورہ بالا قصہ کا ایک جز تو وہ تھا جس کے اعتبار سے وہ ماقبل کی دلیل ہے، جس کی تقریر قصہ کی تمہید میں گذر چکی ہے کہ انتساب پر قناعت کر لینا لغو و بے کار بات ہے، قابیل کو اس کا انتساب آدم علیہ السلام کی طرف کچھ کام نہ آیا، اور اس کا ایک جز یہ بھی ہے کہ بے خطا قتل کرنا انتہائی برا عمل ہے، جس سے قابیل کو کیسے کیسے نقصانات اٹھانے پڑ گئے، اس جز کے اعتبار سے اس پر بعد والے ایک مضمون متفرع فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ ناحق قتل کرنا انتہائی نقصان دہ عمل ہے، اس لئے ہم نے اس کی ممانعت شریعتوں میں بہت اہتمام کے ساتھ فرمائی ہے، جن میں بنی اسرائیل کی شریعت بھی داخل ہے، جن کا اوپر سے ذکر چلا آ رہا ہے اور آگے بھی عنقریب پھر آئے گا۔

ناجائز قتل کی سنگینی کی اطلاع:

اسی (واقعہ کی) وجہ سے (جس سے قتل ناحق کے مفاسد ثابت ہوتے ہیں) ہم نے (تمام مکلف لوگوں پر عموما اور) بنی اسرائیل پر (خصوصاً) یہ (حکم) لکھ دیا (یعنی مقرر کر دیا) کہ قتل ناحق اتنا بڑا گناہ ہے کہ) جو شخص کسی آدمی کو دوسرے شخص کے معاوضہ کے بغیر (جو ناحق قتل کیا گیا ہو) یا کسی ایسے (شرو) فساد کے بغیر جو اس سے زمین میں پھیلا ہو (خواہ مخواہ) قتل کر ڈالے (تو اس کو بعض اعتبار سے ایسا گناہ ہوگا کہ) گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا (وہ بعض اعتبار یہ ہے کہ اس نے گناہ پر جرأت کی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوئے، وہ دنیا میں قصاص کا مستحق ہوا اور آخرت میں دوزخ کا حقدار ہوا۔ یہ امور ایک کے قتل اور ہزار کے قتل میں مشترک ہیں، خواہ شدت اور اشدیت کا فرق ہو، اور یہ دو قیدیں اس لئے لگائیں کہ قصاص میں قتل کرنا جائز ہے، اسی طرح قتل کے جواز کے دوسرے اسباب سے بھی جن میں قطع طریق یعنی رہزنی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے اور کفر حربی یعنی دار الحرب میں رہنے والا کافر، جس کا ذکر جہاد کے احکام میں ہے سب داخل ہیں۔ ان سب کا قتل کرنا جائز، بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے) اور (یہ بھی[1] لکھ دیا تھا کہ جس طرح کسی کا ناحق قتل کرنا گناہ ہے، اسی طرح غیر واجب قتل سے کسی کو بچا لینے میں بھی ایسا ہی ثواب عظیم ہے کہ (جو شخص کسی ایک آدمی کو بچالے تو اس کو ایسا ثواب ملے گا کہ) گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچالیا (غیر واجب کی قید اس لئے لگائی کہ جس شخص کو قتل کرنا شرعاً واجب ہو، اس کی امداد یا سفارش حرام ہے، اور بچا لینے کے اس مضمون کو 'لکھنے سے' بھی قتل کی شدت ظاہر ہوگئی کہ جب بچانا ایسا محمود ہے تو لازمی امر ہے کہ قتل مذموم ہوگا، اس لئے ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ﴾ کے عطف کے واسطہ سے اس کو سبب قرار دینا بھی صحیح ہوگیا) اور بنی اسرائیل کے پاس (اس[2] مضمون کے لکھ دینے کے بعد) ہمارے بہت سے پیغمبر بھی (نبوت کے) واضح دلائل لے کر آئے (اور وقتاً فوقتاً اس مضمون کی تاکید کرتے رہے مگر) پھر اس (تاکید و اہتمام) کے بعد بھی ان میں سے بہت سے دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے (اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا حتی کہ بعض نے خود ان انبیاء ہی کو قتل کر دیا)

فائدہ: اور ''بہت سے'' اس لئے فرمایا کہ ان میں سے بعض مطیع و فرمان بردار بھی تھے —— اور ''بچالیا'' میں تشبیہ کو ''بعض وجوہ'' کے ساتھ مقید نہیں کیا، اس لئے کہ نیکیوں میں اضافہ کے لئے کوئی دلیل مانع نہیں، اور برائی میں اضافہ شرعی

---

(۱) اس سے ﴿مَنْ اَحْيَاهَا﴾ کا ﴿مَنْ قَتَلَ﴾ پر عطف ظاہر کر کے یہ بتادیا کہ یہ بھی ﴿كَتَبْنَا﴾ کا معلول اور ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ﴾ کی علت سے معلل ہے اور چونکہ ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ﴾ کا ظاہری طور پر ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا﴾ میں تو دخل ہے لیکن ﴿مَنْ اَحْيَاهَا﴾ میں نہیں اس لئے تقریر تعلیل کو اس عبارت سے ظاہر کیا اور اس مضمون احیا کو ''لکھ'' سے بھی۔ تبیان

(۲) اس عبارت سے ﴿لَقَدْ جَآءَتْهُمْ﴾ کا ماقبل سے ربط ظاہر ہوگیا جیسا کہ اپنے اس بیان سے صراحت کی اور وقتاً فوقتاً اس کی تائید الخ۔

دلیل سے ممنوع ہے۔

اور اگر یہ شبہ ہو کہ پھر ایک کو بچانے والا اور ہزار کو بچانے والا دونوں برابر ہونے چاہئیں (کیونکہ دونوں نے گویا سب کو بچایا ہے)

اس کے دو جواب ہیں:

۱- ممکن ہے ہزار کے بچانے والے کو عددِ مضاعف (ہزار) کا ثواب مل جائے (یعنی جس نے ہزار کو بچایا ہے اس کو ہر ہر کے بچانے پر گویا سبھی لوگوں کو بچانے کا ثواب مل جائے، پس اس کا ثواب تو اربوں کھربوں تک پہنچ جائے گا)

۲- اور یہ بھی ممکن ہے کہ عملِ حقیقی (ایک کو بچانا اور ہزار کو بچانا) اور عملِ حکمی (سبھی لوگوں کو بچانا) تعداد کے اعتبار سے برابر ہو اور کیفیت میں تفاوت ہو، اس لئے کہ پہلے کا حقیقی عمل ایک ہے، اور دوسرے کے حقیقی عمل دو یعنی متعدد ہیں، بہر حال برابری لازم نہیں آتی، خوب سمجھ لو۔

(ایک تیسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مقصودِ کلام ثواب وعتاب کا بیان نہیں ہے، بلکہ بچانے کی اہمیت اور قتل کی سنگینی بیان کرنا ہے، پس شبہ سرے سے نہیں ہوگا، اور ﴿ كَاَنَّمَا ﴾ (گویا) اس کا قرینہ ہے ۱۲ سعید احمد)

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ع ۹

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جائیں۔ یہ ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں عذابِ عظیم ہوگا۔ ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرلو توبہ کرلیں تو جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بخش دیں گے مہربانی فرمائیں گے۔

ربط: اوپر ناحق قتل کی یعنی جو کسی شخص کے قتل یا زمین میں فساد پھیلانے کے عوض کے بغیر ہو، شناعت وقباحت یعنی برائی بیان فرمائی تھی[1] اب قتل اور اس کے تحت آنے والے امور مثلاً ہاتھ پاؤں کاٹنے اور تعزیر دوسری سخت سزاؤں کا جو کہ

(۱) مفسرین نے اس موقع پر دو ربط لکھے ہیں ایک تو یہ کہ اوپر قتل ناحق کو بیان کیا تھا، اس کی مناسبت سے یہاں بھی ایک قتل ناحق کو بیان کرتے ہیں، جو راہزنوں سے سرزد ہوا ہے، اور دوسرا وہ ربط ہے جو مولانا نے بیان کیا ہے اور وہ زیادہ احسن ہے، جیسا کہ لفظ ﴿ جَزٰٓؤُا ﴾ سے آیت کو شروع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ تبیان

حق کی بنیاد پر ہو یعنی زمین میں فساد اور جنایت یعنی کسی جرم و گناہ کے سبب سے ہو، شریعت میں مشروع اور مطلوب ہونا بیان فرماتے ہیں، اس لئے پہلے راہزنوں کا حکم اور پھر چور کا حکم بیان کیا جاتا ہے، اور اس کے درمیان میں ایک اور مضمون خاص مناسبت کی وجہ سے لایا گیا ہے جس کی وضاحت اس کی تمہید میں ہوگی۔

گیارہواں حکم: رہزنی کی سزا:

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے لڑتے ہیں۔ اور (اس لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ) ملک میں فساد (یعنی بدامنی) پھیلاتے پھرتے ہیں (اس سے مراد رہزنی یعنی ڈکیتی ہے، ایسے شخص پر جسے اللہ تعالیٰ نے شرعی قانون کے ذریعہ ـــ جس کا اظہار رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہوا ہے ـــ امن دیا ہو، یعنی مسلمان اور ذمی پر اور اسی لئے اس کو اللہ سے لڑنا کہا گیا ہے کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے امن کو توڑا اور چونکہ رسول کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہوا، اس لئے رسول کا تعلق بھی بڑھا دیا، غرض جو لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں) ان کی یہی سزا ہے کہ (ایک حالت میں تو) قتل کئے جائیں (وہ حالت یہ ہے کہ ان رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو) یا (اگر دوسری حالت ہوئی ہو تو) ان کو سولی دی جائے (یہ وہ حالت ہے کہ جب انھوں نے مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو) یا (اگر تیسری حالت ہوئی ہو تو) ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے (یعنی[1] داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیئے جائیں) یہ وہ حالت ہے کہ صرف مال لیا ہو قتل نہ کیا ہو) یا (اگر چوتھی حالت ہوئی ہو تو) زمین پر (آزادانہ آباد رہنے سے محروم کر کے) ملک سے نکال دیئے جائیں (یا جیل خانہ میں بھیج دیئے جائیں) یہ وہ حالت ہے کہ نہ مال لیا ہو نہ قتل کیا ہو، قصد کرنے کے بعد منصوبے بناتے ہوئے ہی گرفتار کر لئے گئے ہوں، یہ (مذکورہ سزا تو) ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی (اور ذلت) ہے، اور ان کو آخرت میں (جو) عظیم عذاب ہوگا (وہ الگ) ہاں! مگر جو لوگ اس سے پہلے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کر لیں تو (اس حالت میں) جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ (اپنے حقوق) بخش دیں گے (اور توبہ قبول کرنے میں) مہربانی فرمائیں گے (مطلب یہ کہ اوپر جس سزا کا ذکر ہوا ہے، وہ حد اور اللہ کے حقوق کے طور پر ہے جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتی، قصاص اور بندوں کے حقوق کے طور پر نہیں جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، لہٰذا جب گرفتاری سے پہلے ان لوگوں کا توبہ کر لینا ثابت ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی جو کہ اللہ کا حق تھا، البتہ بندوں کا حق باقی رہ جائے گا چنانچہ اگر مال لیا ہوگا تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر قتل کیا ہوگا تو اس کا قصاص لیا جائے گا[2] لیکن اس ضمان و قصاص کے معاف

(۱) یہی حکم حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ آیا ہے، اور اس کے خلاف جائز نہیں کہ بایاں ہاتھ اور داہنا پاؤں کاٹ دیا جائے، لہٰذا ﴿ مِّنْ خِلَافٍ ﴾ کی یہی تفسیر حدیث میں آئی ہے۔ تبیان

(۲) یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب ان سے حق العبد یعنی قتل فی القصاص اور ضمان ساقط نہیں ہوا تو قدرت سے پہلے توبہ کرنے سے مطلق معافی نہیں ہوئی، جو استثنا کا تقاضا تھا، لہٰذا انہیں اس سے کیا نفع ہوا؟ اس کا جواب دیا ہے کہ نفع یہ ہوا کہ اگر صاحب ←

کرنے کا حق صاحب مال اور مقتول کے ولیوں کو حاصل ہوگا)

فائدہ: اس آیت میں سزا دینے کی جو چار حالتیں بیان کی گئی ہیں ان کا مقسم مال لینے، آدمی کو قتل کرنے یا نہ کرنے مع توبہ نہ کرنے کے ہے، تو ان قسموں میں ان بنیادوں کا انحصار عقلی ہے، کیونکہ عقل کے اعتبار سے بھی اس کے چار احتمال ہیں کہ یا تو دونوں یعنی مال کا لینا اور قتل دونوں پائے جائیں یا دونوں نہ پائے جائیں یا قتل پایا جائے اور مال کا لینا نہ پایا جائے یا اس کے برعکس اور حد یعنی سزا اس بنیاد کے ساتھ خاص ہے، اور استثنا کی حالت اس بنیاد کے بالمقابل ہے۔

اب اس موقع سے متعلق چند مسائل لکھے جاتے ہیں:

مسئلہ (۱): پہلی حالت میں اور اسی طرح دوسری حالت میں بھی قتل کی جنایت یعنی جرم سے مراد عام ہے، خواہ آلۂ جارحہ یعنی زخم لگانے والی چیز سے ہو یا غیر جارحہ سے۔

مسئلہ (۲): دوسری حالت میں حاکم اسلام کو چار اختیار ہیں: (۱) صرف سولی دینا (۲) صرف قتل کرنا (۳) ہاتھ پاؤں کاٹ کر سولی دینا (۴) ہاتھ پاؤں کو کاٹ کر قتل کرنا۔ ان میں سے پہلا تو قرآن میں منصوص ہے اور بعد والے تین دوسرے دلائل سے ثابت ہیں۔

مسئلہ (۳): اس حالت میں اگر سولی دی جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ زندہ دار پر کھینچا جائے پھر برچھی سے اس کا پیٹ چاک کر دیا جائے، یہاں تک کہ مر جائے۔

مسئلہ (۴): تیسری حالت میں ہاتھ گٹے سے اور پاؤں ٹخنے سے کاٹا جائے پھر اس کو داغ دیدیا جائے، تاکہ بدن کا سارا خون نہ نکل جائے۔

مسئلہ (۵): چوتھی حالت میں حبس سے پہلے تعزیر بھی ہے اور حبس کی حد وہ توبہ ہے جس کا صادق ہونا قرائن سے معلوم ہو۔

مسئلہ (۶): چاروں حالتوں میں وہ مال یا وہ جان جس سے جنایت واقع ہوئی ہے: شریعت کے نزدیک محترم و مامون ہو یعنی کسی مسلم یا ذمی کا مال و جان ہو اور ﴿ يُحَارِبُونَ ﴾ کی تفسیر میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔

مسئلہ (۷): ان چاروں حالتوں کی سزائیں حقوق اللہ اور حدود ہیں اگر مال کا مالک یا مقتول کا ولی معاف کر دے تب بھی معاف نہیں ہو سکتا۔ اور ﴿ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا ﴾ میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔

مسئلہ (۸): یہ سزا جو رہزنوں پر جاری ہوگی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں سے ہر ہر شخص کے جرم کی تعیین کا الگ الگ

← حق معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا، برخلاف قدرت سے پہلے توبہ نہ کرنے کی صورت میں کہ معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوگا اور یہ بھی نفع ہوا کہ مثلاً دوسری صورت میں جب کہ صرف مال ہو، اگر قدرت سے پہلے توبہ کرتے تو ہاتھ اور پیر کاٹے جاتے اور اس توبہ کے بعد صرف ضمان لیا جائے گا، لہٰذا استثناء مطلق سزا کے اعتبار سے نہیں، بلکہ صرف اللہ کے حق کے اعتبار سے ہے۔ تبیان

ثبوت لیا جائے بلکہ اگر ان چاروں حالتوں کے جرم کا ان میں سے ایک بھی مرتکب ہوا ہو تو بھی سب کی وہی سزا ہوگی[1]۔ غرض اس گروہ میں اس جنایت یعنی جرم کا پایا جانا کافی ہے، کیونکہ ایک شخص نے بھی جو کچھ کیا ہے سب کی قوت وطاقت کے بل پر کیا ہے۔

مسئلہ (۹): اگر مال کا چھیننا یا قتل نہیں پایا گیا لیکن زخمی کر دیا تو حد کی چاروں حالتوں سے خارج ہونے کی وجہ سے اس کا حکم عام زخموں کی طرح ہے، جس میں قصاص یا ضمان لازم ہوگا، اور بندہ کا حق ہونے کی وجہ سے معافی کا بھی اختیار ہوگا۔

مسئلہ (۱۰): اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد یعنی اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق دونوں جمع ہو جائیں مثلاً مال بھی چھینا ہو جو کہ حد کا سبب ہے اور کوئی زخمی بھی ہوا ہو جو کہ قصاص کا سبب ہے تو صرف حد کے سبب پر حکم جاری کیا جائے گا۔

مسئلہ (۱۱): ڈکیتی شہر میں یا شہر کے قریب معتبر نہیں اس میں صرف تعزیر اور قصاص ہوگا، حد نہ ہوگی، اور بعض مسائل ترجمہ کے ضمن میں آ گئے، جیسے کاٹنے میں داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں، یہ سب مسائل ہدایہ میں ہیں، صرف ایک مسئلہ کہ ایک کا فعل سب کا فعل سمجھا جائے گا در مختار سے لکھا ہے۔

مسئلہ (۱۲): اس حد کے سوا باقی دوسری حدود جیسے شراب پینے کی حد، زنا کا بہتان لگانے کی حد، چوری کی حد توبہ سے ختم نہیں ہوتیں، جیسا کہ بنایہ میں ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

ربط: اوپر بعض معاصی کی ممانعت کی گئی ہے یعنی گناہوں سے روکا گیا ہے، جیسے قتل اور فساد فی الارض اور اس پر جو عقوبت لازم ہوتی ہے اس کے بیان سے نہی کی مزید تاکید کی گئی ہے، اور بعض طاعتوں کا امر یعنی کرنے کا حکم تھا، جیسے ﴿ مَنْ اَحْيَاهَا ﴾ میں جان کا بچانا اور ﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا ﴾ میں فساد کا دور کرنا اور ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ﴾ میں توبہ واستغفار کا، اب عام عنوان کے تحت ﴿ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ میں تمام معاصی سے اجتناب اور ﴿ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ﴾ میں تمام ضروری طاعتوں کے اختیار کرنے کا حکم فرماتے ہیں اور طاعتوں میں جہاد کی تصریح فرماتے ہیں، تاکہ کوئی شخص جہاد کو فساد میں داخل نہ سمجھے۔

(۱) اسی طرح اگر جنایتیں مختلف صادر ہوئی ہوں مثلاً بعض شدید بعض خفیف تو سارے گروہ کو شدید جنایت کا مرتکب سمجھا جائے گا، اور اس کے مطابق سزا ہوگی۔

عام طاعتوں کا حکم اور معاصی کی ممانعت:

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ (کے احکام کی مخالفت) سے ڈرو (یعنی گناہ[1] چھوڑ دو) اور (طاعات[2] کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو (یعنی ضروری طاعتوں کے پابند رہو) اور طاعتوں[3] میں سے خاص طور سے) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا کرو، امید ہے کہ (اس طریقہ سے) تم (پورے) کامیاب ہو جاؤ گے (اور کامیابی: اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہونا اور دوزخ سے نجات پانا ہے)

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں اور ان چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تا کہ وہ اس کو دے کر روزِ قیامت کے عذاب سے چھوٹ جاویں تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جاویں گی اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ اس بات کی خواہش کریں گے کہ دوزخ سے نکل آویں اور وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو عذاب دائمی ہوگا۔

ربط: اوپر طاعات کا امر اور معاصی کی ممانعت تھی، طاعات میں سب سے بڑا عمل ایمان اور معاصی میں سب سے برا عمل کفر ہے، تو گویا اوپر عام عنوان میں امر ونہی بھی آ گیا، لیکن اس کے اہتمام شان یعنی برائی بیان کرنے کی غرض سے اب خصوصیت کے ساتھ کفر کا نقصان بتاتے ہیں، جس سے ایمان کا نفع بھی خود ہی معلوم ہو جائے گا، اور اہتمام شان کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ سب سے برا عمل ہے اور انبیاء کی تبلیغ میں سب سے مقدم ہے اور دونوں آیتوں کے مجموعہ سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اصل وسیلہ طاعات ہیں بغیر طاعات کے دنیا بھر کے تمام خزانے بھی وسیلہ نہیں بن سکتے۔

کفر کا نقصان:

یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر (بالفرض) ان (میں سے ہر ایک) کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں اور بھی ہوں جن میں تمام دفینے اور خزانے بھی آ گئے) اور (انہی چیزوں پر کیا منحصر ہے اگر) ان چیزوں کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں، تا کہ وہ ان کو دے کر قیامت کے دن کے عذاب سے چھوٹ جائیں تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جائیں گی (اور وہ

(۱) مطلب یہ ہے کہ محض خوف مقصود نہیں بلکہ اس کا ثمرہ (یعنی معاصی کا ترک کرنا) مقصود ہے۔ (۲) وسیلہ تلاش کرنے کی صورت بیان فرمائی۔ تبیان (۳) مطلب یہ کہ ﴿ جَاهِدُوْا ﴾ تعمیم کے بعد تخصیص ہے۔

عذاب[1] سے نہ بچیں گے بلکہ) ان کو دردناک عذاب ہوگا (پھر عذاب میں داخل ہوجانے کے بعد) اس بات کی خواہش (اور تمنا) کریں گے کہ دوزخ سے (کسی طرح) نکل آئیں اور (یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی اور) وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو ہمیشہ کا عذاب ہوگا (یعنی کسی بھی تدبیر سے نہ سزا ٹلے گی نہ ہمیشہ کی سزا میں کمی ہوگی)

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، سو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے قوت والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

ربط: اوپر آیت ۳۳ ﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ ﴾ میں قطع طریق یعنی رہزنی اور ڈاکہ زنی کا بیان تھا جو کہ سرقۂ کبریٰ کہلاتا ہے، آگے چھپ کر چوری کرنے یعنی سرقۂ صغریٰ اور اس کی سزا کا بیان ہے۔

بارہواں حکم: چوری کی سزا:

اور جو مرد چوری کرے اور (اسی طرح) جو عورت چوری کرے تو (ان کا حکم یہ ہے کہ اے حاکمو!) ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو، ان کے (اس) کردار کے عوض میں (اور یہ عوض) اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر (ہے) اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والے ہیں (جو سزا[2] چاہیں مقرر فرمائیں اور) بڑی حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں)

اب چند مسائل لکھے جاتے ہیں:

مسئلہ (۱): جس مال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے اس کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، اس کو عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ہاتھ ایک دینار یا دس درہموں اور ان کے برابر سے کم پر نہیں کاٹے جائیں گے، اسی طرح طبرانی اور احمد نے اپنی مسند میں اور اسحاق بن راہویہ اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے جیسا کہ ہدایہ کے حاشیہ میں ہے۔

مسئلہ (۲): چور کا داہنا ہاتھ (جیسا کہ ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں الحرث بن ابی عبد بن ابی ربیعۃ سے خود نبی ﷺ کا عمل روایت کیا ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے) گٹے پر سے (جیسا کہ العینی نے کامل ابن عدی سے نقل کیا ہے) کاٹا

(۱) یہ عبارت اس لئے بڑھائی ہے کہ فدیہ دینے کا مقصود یہی ہوگا کہ عذاب سے نجات پائیں، لہٰذا قبولیت کی نفی سے نجات کی نفی ہوگئی۔ (۲) یہ عبارت بڑھا کر اس موقع کے ساتھ ﴿ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ کی مناسبت ظاہر کردی، عزیز سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ہماری تجویز پر کسی کو اعتراض کی مجال نہیں اور حکیم فرما کر یہ بتادیا کہ وہ اپنے آپ میں اعتراض کے قابل ہے بھی نہیں۔ تبیان

جاتا ہے، پھر اس کو داغ دیتے ہیں، تاکہ سارے بدن کا خون نہ نکل جائے (جیسا کہ عینی نے مستدرک الحاکم سے نقل کیا ہے)

مسئلہ (۳): یہ سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ حد ہے، اس میں معافی نہیں ہوسکتی، اور ﴿ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

مسئلہ (۴): اگر دوبارہ چوری کرے تو بایاں پاؤں ٹخنے پر سے کاٹا جائے گا (جیسا کہ دارقطنی اور طبرانی کی حدیث میں آیا ہے، ایسا تخریج الزیلعی میں ہے)

مسئلہ (۵): اگر پھر چوری کرے تو اب باقی ہاتھ پاؤں نہیں کاٹیں گے (اس کو محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں اور ابن ابی شیبہ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے) بلکہ جب تک ایسی توبہ نہ کرے کہ جس کا سچ ہونا قرائن سے معلوم ہوجائے، قید خانہ میں رکھیں گے، یہ سارے مسائل ہدایہ میں ہیں، اس باب سے متعلق باقی دوسرے مسائل فقہ کی کتابوں میں ملیں گے۔

﴿ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر جو شخص توبہ کرلے اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی درستی رکھے تو بیشک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرماویں گے۔ بیشک خدا تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں، بڑی رحمت والے ہیں۔

ربط: اوپر دنیا میں چوری کی سزا کا بیان تھا، اب توبہ کے ذریعہ آخرت کی سزا سے بچ جانے کا ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ قطع طریق یعنی راہزنی میں بھی سزا کے بیان کے بعد توبہ کا ذکر آیا تھا۔

چور کی توبہ کا حکم:

پھر جو شخص (شریعت کے قاعدہ کے مطابق) اپنی اس زیادتی (یعنی چوری) کے بعد توبہ کرلے اور (آئندہ کے لئے) اعمال درست رکھے (یعنی چوری وغیرہ نہ کرے اپنی توبہ پر قائم رہے) تو بیشک اللہ تعالیٰ اس (کے حال) پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائیں گے (کہ توبہ کرنے پر پچھلا گناہ معاف فرمادیں گے اور توبہ پر قائم رہنے سے مزید عنایت فرمائیں گے) بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں (کہ اس کا گناہ معاف کردیا) اور بڑی رحمت والے ہیں (کہ آئندہ بھی مزید عنایت فرمائیں گے)

فائدہ: توبہ میں جو شریعت کے قاعدہ کے مطابق کی قید لگائی گئی ہے اس میں یہ امر بھی آگیا کہ جو چیز چرائی ہے وہ مالک کو واپس کرے اور اگر تلف ہوگئی تو ضمان دے، اگر ضمان نہ دے سکے تو معاف کرائے کہ یہ توبہ کی تکمیل کی شرائط میں سے ہے۔

﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

ترجمہ: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی۔ وہ جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں، اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

ربط: اوپر گیارھویں اور بارھویں حکم میں چونکہ سزا میں قتل اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا تجویز ہوئی ہے جو کہ اس کی حکمت کو دیکھنے سے پہلے نوع انسانی کی شرافت سے بہت بعید معلوم ہوسکتی تھی، اس لئے حق تعالیٰ ﴿ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ ﴾ میں اپنا مالک حقیقی ہونا اور ﴿ قَدِيْرٌ ﴾ میں اپنا قادر حقیقی ہونا بیان فرماتے ہیں اور درمیان میں ﴿ يُعَذِّبُ ﴾ کے ساتھ ﴿ يَغْفِرُ ﴾ کو اور دونوں کے ساتھ ان کے معمول اور مفعول کو جن کا ذکر اوپر عقوبت اور توبہ کے ضمن میں آچکا ہے ذکر فرما کر مالک اور قادر ہونے کے ساتھ اپنے حکیم ہونے کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں کہ ہم صرف عذاب ہی نہیں دیتے، بلکہ معاف بھی کرتے ہیں، مگر جو جس کے لائق ہو، جس کی لیاقت کا حال اوپر ان لوگوں کی حالت میں غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔

حق تعالیٰ کے لئے قدرت ومشیت اور ملک کا اثبات:

(اے مخاطب) کیا تم نہیں جانتے (یعنی سب جانتے ہیں) کہ سب آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے لئے ثابت ہے، وہ جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں، اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

فائدہ: چنانچہ سرقۂ کبریٰ وصغریٰ کی سزا دنیا میں بھی دی اور اگر اس پر اصرار رہا تو آخرت میں بھی ہوگی، جیسا کہ کبریٰ میں ﴿ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ ﴾ کی تصریح ہے، اور صغریٰ میں ﴿ فَمَنْ تَابَ ﴾ پر مغفرت عطا کرنے میں اس طرف صراحت کے ساتھ اشارہ قریب ہے، اور توبہ کرنے سے آخرت میں دونوں جگہ معافی ہوئی اور کبریٰ میں قید سے پہلے توبہ سے دنیا میں معافی ہوگئی۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اے رسول! جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں آپ کو مغموم نہ کریں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل یقین لائے نہیں اور خواہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں، آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر سے کان دھر دھر سنتے ہیں، جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ وہ آپ کے پاس نہیں آئے کلام کو بعد اس کے کہ وہ اپنے مواقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو احتیاط رکھنا۔ اور جس کا خراب ہونا خدا ہی کو منظور ہو تو اس کے لئے اللہ سے تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا، یہ لوگ ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہیں ہوا، اور ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے سزائے عظیم ہے۔

ربط: سورت کی آیت ۱۲ سے اہل کتاب کا ذکر چلا آرہا تھا، درمیان میں تھوڑے سے بعض مضامین خاص خاص مناسبتوں سے آگئے تھے، اب آگے پھر اسی اہل کتاب کے ذکر کی طرف لوٹ رہے ہیں، جن میں یہود اور ان یہود میں جو منافق تھے وہ بھی اور نصاریٰ سب داخل ہیں، اہل کتاب کے انہی تینوں فرقوں کا ذکر ملے جلے انداز میں یہاں سے آگے دور تک چلا گیا ہے، پھر سورت کے ختم کے قریب خاص نصاریٰ سے متعلق کچھ بیان آئے گا۔

ان آیتوں کے سبب نزول کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ کے یہود کی ایک جماعت کے ایک شخص کے ہاتھ سے دوسری جماعت کا ایک آدمی قتل ہو گیا، انھوں نے پرانے زمانہ کے ایک معاہدہ کے مطابق خون بہا کم دینا چاہا، دوسری جماعت نے اس معاہدہ کی بنیاد ایک مجبوری پر ہونے اور اب اسلامی سلطنت آنے کی وجہ سے اس مجبوری کے دور ہو جانے کی بنیاد پر پورا خون بہا لینا چاہا، آخر مقتول کے فریق نے جناب رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانے کی بات رکھی، چونکہ قاتل کا فریق جانتا تھا کہ آپ حق کی بنیاد پر فیصلہ کریں گے، اس لئے اس درخواست کے منظور ہونے سے پہلے چند آدمیوں کو جو کہ منافق تھے حضور ﷺ کی خدمت میں اس امر کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا کہ پہلے کسی طرح تذکرہ کر کے آپ کی رائے معلوم کر لی جائے کہ اگر ہمارے موافق ہوا تو آپ سے فیصلہ کرانے کی درخواست کو منظور کر لیں گے، ورنہ نامنظور کر دیں گے۔ غرض وہ منافق اس غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

اور دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ فدک کے یہود میں سے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا، شریعت موسوی میں یہ حکم تھا کہ اگر زنا کرنے والے دونوں کنوارے نہ ہوں تو رجم کیا جائے، مگر یہود نے اس حد کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری ہلکی سزا مقرر کر لی تھی، ان لوگوں نے مدینہ کے یہود کے پاس لکھ بھیجا اور روایت کے بعض الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرم کو بھی ساتھ بھیجا کہ اس بارے میں محمد (ﷺ) سے فتویٰ معلوم کرو، اگر وہ رجم کا حکم دیں تو عمل نہ کرنا اور اگر ہماری رسم کے مطابق کوئی ہلکی سزا بتاویں تو عمل کر لینا۔ غرض وہ یہود اس غرض سے یہاں حاضر ہوئے تھے۔

ان واقعات کی اطلاع کے واسطے یہ آیتیں نازل ہوئیں، جن میں منافقوں اور حاضر و غیر حاضر یہود کی مذمت ہے۔

پہلے واقعہ کو جیسا کہ روح المعانی میں ہے، احمد وابوداؤد اور ابن جریر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، اور اللباب میں روح المعانی کے مقابلہ میں کچھ مختصر الفاظ میں نقل کیا ہے، جبکہ دوسرے واقعہ کو جیسا کہ روح المعانی میں ہے الحمیدی نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔

اور چونکہ یہ حرکتیں رسول اللہ ﷺ کے لئے رنج کا باعث تھیں، اس لئے وحی کے ذریعہ شروع میں تسلی بھی فرمادی، اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے ایک زانی پر وہی تعزیر جاری کی تھی، بعد میں آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے بحث ومباحثہ اور رجم کے اثبات کے بعد رجم کا حکم دیا، اس کو مسلم نے روایت کیا ہے، اگر یہ وہی زانی تھا جس کا ذکر اوپر ہوا تو ممکن ہے کہ یہود نے پہلے خود ہی قصہ ختم کر دینا چاہا ہو، پھر اطلاع ہو جانے پر سوال وجواب ہوا ہو، اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے ان کو بلایا اور بعض میں ہے کہ آپ ان کے مدرسہ میں تشریف لے گئے، ممکن ہے کہ پہلے ان کو بلایا ہو چونکہ یہاں چند لوگ ہی آئے تھے، اس لئے بعد میں آپ ان کے مدرسہ میں تشریف لے گئے ہوں تا کہ معاملہ خوب محقق ہو جائے اس طرح کہ سارا مجمع بھی بری الذمہ نہ ہوسکا اور اس سے حق خواب واضح ہو جائے۔

رہا یہ سوال کہ وہ یہود آپ کی خدمت میں کیوں آئے تھے؟ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے شریعت محمدیہ کے اکثر احکام کو دیکھا کہ شریعت موسویہ کے مقابلہ میں بہت آسان ہیں، اس لئے امید ہوئی کہ شاید اس سلسلہ میں بھی کوئی ہلکا حکم ہو تو کام بن جائے کہ رجم سے بھی بچ جائیں اور ایک آڑ بھی مل جائے کہ نبوت محمدیہ کے ماننے والوں سے تو یہ کہہ دیں گے کہ یہ بھی ایک نبی کا فتوی ہے، اور منکرین کے سامنے یہ کہ سلطان کا حکم ہے کہ آپ صاحب سلطنت بھی تھے۔

منافقوں اور یہود کے معاملہ میں نبی ﷺ کی تسلی اور ان کی مذمت:

اے رسول (ﷺ) جو لوگ دوڑ دوڑ کر کفر (کی باتوں) میں گرتے ہیں (یعنی بے تکلفی اور رغبت کے ساتھ ان باتوں کو کرتے ہیں) آپ کو وہ مغموم نہ کریں (یعنی آپ ان کی کفریہ باتوں سے مغموم نہ ہوں اور کوئی رنج وافسوس نہ کریں) خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو (جھوٹ موٹ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کے دلوں میں یقین (یعنی ایمان) نہیں (ان سے منافق مراد ہیں جو کہ ایک واقعہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے) اور چاہے وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں (جیسا کہ دوسرے واقعہ میں یہ لوگ حاضر ہوئے تھے) یہ (دونوں قسم کے) لوگ (پہلے سے دین میں تحریف کرنے والے اپنے علماء سے) غلط باتیں سننے کے عادی ہیں (اور [1] انہی غلط باتوں کی تائید کی جستجو میں یہاں آکر) آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر کان لگا لگا کر سنتے ہیں، جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ

(۱) اس عبارت کو بڑھا کر یہ بتادیا کہ ﴿سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴾ کا ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ سے کیا تعلق ہے کہ اسے اس کے فوراً بعد ذکر کیا گیا یعنی دونوں وصف جدا جدا نہیں ہیں، بلکہ ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ تبیان

(ایک تو) وہ آپ کے پاس (تکبر وعداوت کی زیادتی کی وجہ سے خود) نہیں آئے (بلکہ دوسروں کو بھیجا اور بھیجا بھی تو حق طلب کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے تحریف شدہ احکام کے مطابق بات ملنے کی امید میں، کیونکہ پہلے سے) کلام (الٰہی) کو باوجودیکہ وہ اپنے صحیح موقع پر قائم ہوتا ہے لفظاً یا معنًی یا دونوں طرح سے) اس کے موقع سے بدلتے رہتے ہیں (چنانچہ اسی عادت کے مطابق خون بہا اور رجم کے حکم کو بھی اپنی گھڑی ہوئی رسم سے بدل دیا، اور پھر اس امید پر کہ شاید شریعت محمدیہ سے اس رسم کو کچھ سہارا مل جائے، یہاں اپنے جاسوسوں کو بھیجا، تیسرے صرف یہی نہیں کہ اپنی تحریف شدہ رسم کے مطابق بات کی تلاش تک ہی رہتے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جانے والوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تمہیں (وہاں جا کر) یہ حکم (تحریف شدہ) ملے تب تو اس کو قبول کر لینا (یعنی اس کے مطابق عمل کرنے کا اقرار کر لینا) اور اگر تمہیں (تحریف شدہ) حکم نہ ملے تو اس کے قبول کرنے سے) احتیاط رکھنا (لہٰذا اس بھیجنے والی قوم میں جن کے لئے جاسوسی کرنے کی غرض سے یہ لوگ آتے ہیں چند خرابیاں ہوئیں، اول تکبر وعداوت جو خود حاضر نہ ہونے کا سبب ہے، دوسرے حق کی طلب نہ ہونا بلکہ حق میں تحریف کر کے اس کی تائید کی فکر ہونا، تیسرے دوسروں کو بھی حق کو قبول کرنے سے روکنا، یہاں تک کہ آنے والوں اور بھیجنے والوں دونوں کی الگ الگ مذمت تھی۔ آگے ان سب کی مذمت ہے) اور (اصل یہ ہے کہ) جس کا خراب (اور گمراہ) ہونا اللہ ہی کو منظور ہو (اگرچہ یہ تخلیقی گمراہی اس اختیاری گمراہی کے عزم کے بعد ہوتی ہے) تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے (اے عام مخاطب!) کچھ زور نہیں چل سکتا، یہ لوگ ایسے (ہی) ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دلوں کا (کفریہ باتوں سے) پاک کرنا منظور نہیں ہوا (کیونکہ یہ عزم ہی نہیں کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ تخلیقی پاکیزگی نہیں فرماتے، بلکہ ان کے گمراہی کے عزم کی وجہ سے تخلیقی طور پر ان کا خراب ہی ہونا منظور ہے۔ لہٰذا قاعدہ مذکورہ کے مطابق کوئی شخص ان کو ہدایت نہیں کر سکتا، مطلب یہ کہ جب خود یہ لوگ خراب رہنے کا عزم رکھتے ہیں اور عزم کے بعد اللہ تعالیٰ کی عادت اس فعل کی تخلیق ہے اور تخلیق الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا، پھر ان کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع کی جائے؟ اس سے رسول اللہ ﷺ کی زیادہ تسلی ہو گئی، جس سے کلام شروع بھی ہوا تھا، اس طرح کلام کا آغاز اور انجام دونوں تسلی کے مضمون ہی سے متعلق ہوئے، آگے ان اعمال کا ثمرہ بیان فرماتے ہیں کہ) ان (سب) لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان (سب) کے لئے عظیم سزا ہے (یعنی دوزخ۔ چنانچہ منافقوں کی یہ رسوائی ہوئی کہ مسلمانوں کو ان کے نفاق کے بارے میں صاف طور سے معلوم ہو گیا، اور سب لوگ انہیں ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور یہود کے قتل وقید اور جلاوطنی کا ذکر روایتوں میں مشہور ہے، اور آخرت کا عذاب ظاہر ہی ہے)

فائدہ: تمہید میں ذکر ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دوسرے واقعہ میں رجم کا حکم دیا، چنانچہ اس حکم کے بعد رجم کیا گیا، اس بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم یعنی کفار کو رجم کرنا منسوخ ہے، کیونکہ رجم کے لئے احصان یعنی پرہیزگار مسلمان ہونا اجماعی طور پر شرط ہے، اور حدیث میں ہے: من أشرک باللہ فلیس بِمُحْصَنٍ: یعنی جس نے اللہ کے

ساتھ کسی کو شریک کیا وہ محصن یعنی پرہیزگار مسلمان نہیں ہے، اس کو اسحاق بن راہویہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، جیسا کہ العینی نے کہا ہے، اور یہود کے افعال شرکیہ قرآن میں منقول ہیں، لہٰذا وہ بھی من اشرک یعنی شرک کرنے والوں میں داخل ہیں، اور اگر اس من اشرک کو معروف مشرکوں کے ساتھ خاص کیا جائے تب بھی رجم میں مشرک وغیر مشرک سارے کافروں کا ایک حکم ہونا خواہ رجم یا عدم رجم اجماع مرکب سے ثابت ہو، احصان کے لئے اسلام کا شرط ہونا ثابت ہو گیا، اور یہ مذکورہ رجم اس بنا پر ہوا تھا کہ ان کا فیصلہ انہی کی مسلمہ شریعت کے مطابق کیا گیا تھا، یا تو اس لئے کہ اس وقت آپ کو اس طرح فیصلہ کرنے کا حکم ہوگا یا اس واقعہ کی خصوصیت ہو، کیونکہ بہت سے واقعات اور ان کے احکام میں خصوصیت منقول ہے۔

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۝﴾

ترجمہ: یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کے کھانے والے ہیں۔ تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آویں تو خواہ آپ ان میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو ٹال دیجئے اور اگر آپ ان کو ٹال ہی دیں تو ان کی مجال نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل کے موافق فیصلہ کیجئے، بیشک حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔

ربط: اوپر پوری قوم کے مجموعی طور پر مذموم اوصاف کا حاصل دو وصف تھے، ایک آنے والوں کا ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ ہونا جو عوام پر غالب تھا یعنی غلط مسئلے خوشی سے سن لینا اور ایک نہ آنے والوں کا ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ﴾ ہونا جو ان کے علماء میں پایا جاتا تھا، یعنی غلط مسئلے بتا دینا اور باقی تمام اوصاف انہی دو وصفوں کے تابع تھے، اور ان دو وصفوں میں سے پہلا وصف تو عوام سے کچھ بعید نہیں، کہ سننے والے کو اس کی علت کی جستجو نہیں ہوتی، البتہ دوسرا وصف بظاہر علماء سے بعید ہے اس لئے طبیعت کو اس کی علت کی تلاش کی کوشش ہوتی ہے، اس لئے اب پہلے وصف کو تو تاکید کے لئے جوں کا جوں دہراتے ہیں اور دوسرے وصف کی علت کی تحقیق فرماتے ہیں، جس کا حاصل دولت کمانے کی ہوس ہے، خواہ وہ حرام ہی کیوں نہ ہو، چونکہ اس تحریف سے انہیں دنیا داروں سے کچھ وصول ہوتا تھا، اس لئے یہ عادت پڑ گئی، اور اس طرح دہرانے اور علت بیان کرنے پر ایک مضمون متفرع فرماتے ہیں۔

گذشتہ مذمت کی علت کی تاکید اور اس کی ایک فرع کا بیان:

یہ لوگ (دین کے بارے میں) غلط باتیں سننے کے عادی ہیں (جیسا کہ پہلے آچکا) بڑے حرام (مال کے) کھانے والے ہیں (اسی حرص و ہوس نے ان کو احکام میں غلط بیانی کا عادی بنا دیا تھا جس کے عوض کچھ نذرانہ وغیرہ ملتا ہے، جب

ان لوگوں کی یہ حالت ہے) تو اگر یہ لوگ (اپنا کوئی مقدمہ لے کر) آپ کے پاس (فیصلہ کرانے کے لئے) آئیں تو (آپ کو اختیار ہے کہ) چاہے آپ ان (کے معاملہ) میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو ٹال دیجئے، اور اگر آپ (کی یہی رائے قرار پائے کہ آپ) ان کو ٹال ہی دیں تو (یہ اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید ناخوش ہو کر دشمنی نکالیں، کیونکہ) ان کی مجال نہیں کہ آپ کو ذرا بھی نقصان پہنچا سکیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کے نگہبان ہیں اور اگر فیصلہ کرنے کی رائے قرار پائے اور) آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان عدل (یعنی اسلامی قانون) کے مطابق فیصلہ کیجئے، یقیناً حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں (اور وہ عدل اب اسلامی قانون میں منحصر ہو گیا ہے، لہٰذا وہی لوگ محبوب ہوں گے جو اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں)

فائدہ: ابن حزم کی کتاب ناسخ و منسوخ میں ہے کہ فیصلہ کرنے نہ کرنے کا یہ اختیار منسوخ ہے، اس کا ناسخ آگے آیت ۴۹ ﴿ وَ اَنِ احۡکُمۡ بَیۡنَہُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ ﴾ الخ میں آ رہا ہے۔ علامہ بیضاوی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے کہ اگر دونوں حربی فریق شریعت کے فیصلہ پر رضامند ہوں تو حاکم اسلام کو ان کے مقدمہ کی سماعت اور اس کا فیصلہ واجب ہے اور اگر ایک یا دونوں فریق ذمی یا مسلمان ہوں تب تو اسلامی حاکم کے ذمہ فیصلہ کے واجب ہونے پر اجماع ہے، چنانچہ اگر وہ یہودی بھی اس وقت شرعی قاعدہ کے مطابق ذمی ہو چکے تھے تو پھر تمام علماء اس اختیار کو منسوخ کہیں گے، اور اختیار کو حرف فا کی دلالت سے جو لازم قرار دیا کہ جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے الخ جس سے سماع کذب یعنی جھوٹ کا سننا اور اکل حرام یعنی حرام مال کا کھانا اور ان کے تحت آنے والی تمام چیزیں کہ تحریف اور امر حق کی نیت و قصد نہ کرنا وغیرہ اوصاف مراد ہیں، جن کا ذکر گذشتہ آیت میں ہو چکا ہے، تو اس کو لازم قرار دینے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان اوصاف اور احوال سے معلوم ہوا کہ واقعی طور پر ان کا مقصد فیصلہ کرانا نہ ہوگا، بلکہ محض آپ کی رائے کا پتہ چلانا ہوگا، ایسی حالت میں غالباً اہل معاملہ فیصلہ پر عمل نہیں کریں گے، اور اس سے فیصلہ کرنے والے کو بہت کوفت ہوتی ہے، لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ آپ کوفت کیوں اٹھائیں؟ پھر منسوخ ہونے کے وقت غالب گمان ہے کہ اسلام کا تسلط زیادہ ہو گیا ہو کہ فیصلہ پر طاقت کے بل پر عمل کرایا جا سکتا تھا، اس لئے اختیار کی علت دور ہو گئی، اور خود اختیار کا حکم ہی منسوخ ہو گیا کہ ان حالات میں حاکم اسلام کو فیصلہ کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَ کَیۡفَ یُحَکِّمُوۡنَکَ وَ عِنۡدَہُمُ التَّوۡرٰىۃُ فِیۡہَا حُکۡمُ اللّٰہِ ثُمَّ یَتَوَلَّوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِکَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴾ ع ۹

ترجمہ: اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے بعد ہٹ جاتے ہیں، اور یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں۔

ربط: اوپر (۱) کہا گیا ہے کہ آپ کے پاس ان کا کوئی مسئلہ یا فیصلہ لے کر آنا حق بات معلوم کرنے کی غرض سے نہیں ہے، بلکہ اپنے مطلب کے مطابق کوئی آسان بات حاصل کرنا مقصود ہے، اب اس پر تعجب کے الفاظ کے ساتھ استدلال ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا اپنی ایسی ایسی کتاب کو چھوڑ کر جس پر وہ ایمان رکھنے کا اقرار واعلان کرتا ہو، ایسے شخص کے پاس کوئی مسئلہ وفیصلہ لانا نہایت عجیب بات ہے جس پر ایمان لانے سے وہ انکار کرتا ہو۔ کوئی شخص کسی خاص مقصد ومطلب کے بغیر ایسا نہیں کرسکتا، اس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ حق کی تحقیق کے لئے نہیں آتے، بلکہ اپنا مطلب نکالنے کے چکر میں رہتے ہیں، جس کا کھلا قرینہ مطلب پورا نہ ہونے کی صورت میں اس شخص کے فتوی پر عمل نہ کرنا ہے۔

گذشتہ مضمون کی تقریر وتاکید:

اور (تعجب کی بات ہے کہ) وہ (دین کے معاملہ میں) آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس توریت (موجود) ہے، جس میں اللہ کا حکم (لکھا) ہوا ہے (جس کو ماننے کا وہ دعوی کرتے ہیں اول تو یہی بات بعید ہے) پھر (یہ تعجب اس سے اور پختہ ہوگیا کہ) اس (فیصلہ کے لانے) کے بعد (جب آپ کا فیصلہ سنتے ہیں تو اس فیصلہ سے بھی) ہٹ جاتے ہیں (یعنی اول تو اس حالت میں آپ کے سامنے مقدمہ لانے میں ہی تعجب ہوتا تھا، لیکن اس تعجب میں یہ احتمال ہوتا تھا کہ شاید ان پر آپ کا حق پر ہونا واضح ہوگیا ہو، اس لئے آگئے ہوں، لیکن جب اس فیصلہ کو نہ مانا تو وہ تعجب پھر پیدا ہوگیا کہ اب تو وہ احتمال ہی نہ رہا، پھر کیا بات ہوگی جس کی وجہ سے یہ معاملہ لائے ہیں؟ اور اس سے ہر سمجھ دار کو اندازہ ہوگیا کہ) یہ لوگ ایمان ویقین والے ہرگز نہیں ہیں (یہاں بھی ایمان وعقیدہ کے ساتھ نہیں آئے، اپنا مطلب سیدھا کرنے کے لئے آئے تھے، اور جب نہ ماننا ایمان وعقیدہ نہ ہونے کی دلیل ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس طرح ان کا ایمان ویقین حضرت ﷺ پر نہیں اسی طرح اپنی کتاب پر بھی پورا وسچا ایمان اور عقیدہ نہیں ہے، ورنہ اس کو چھوڑ کر کیوں آتے؟ غرض دونوں طرف سے گئے کہ جس سے انکار ہے اس پر بھی ایمان ویقین نہیں اور جس پر عقیدہ کا دعوی ہے عملاً اس پر بھی یقین نہیں)

فائدہ: لفظ ﴿حُكْمُ اللّٰهِ﴾ کی توضیح میں جو یہ کہا گیا ہے کہ "جس کے ماننے کا ان کو دعوی ہے" اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ توریت میں تحریف نہیں ہوئی تھی، کیونکہ یہ گفتگو خود انہی کے زعم کی بنیاد پر ہے یا یہ کہ خاص ان مذکورہ واقعات سے متعلق احکام اس وقت تک تحریف سے محفوظ ہوں۔

---

(۱) ﴿وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ﴾ پر بظاہر یہ شبہ ہوتا تھا کہ دین اسلام تو دوسرے دینوں کو منسوخ کرنے والا ہے، اس کے بعد توریت وانجیل وغیرہ سب منسوخ ہو چکی ہیں، اس بنا پر انھوں نے آپؐ سے فیصلہ چاہا، یہ تو ان پر لازم ہی تھا، پھر اس پر تعجب کیوں فرمایا گیا؟ لیکن ربط کی تقریر اور تفسیر سے یہ شبہ بالکل زائل ہوگیا۔ تبیان

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ہم نے توریت نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا، انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس کے موافق حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ اور علماء بھی بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا، اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے سو تم بھی لوگوں سے اندیشہ مت کرو اور مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کے بدلہ میں متاع قلیل مت لو، اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے، سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔

ربط: اوپر بہت سی آیتوں میں یہود کی نسبت اور بعض آیتوں میں نصاریٰ کی نسبت ان کا اللہ کے احکام اور عہدوں کو چھوڑ دینا اور توڑ دینا اور ان کی مذمت کا ذکر تھا، اب پورے رکوع میں اللہ کے ان احکام کا ہر زمانہ میں واجب العمل ہونا اور اس کو ترک کرنا حرام اور وعید کا باعث ہونا بیان فرماتے ہیں، جن کا ظہور کبھی توریت کے واسطہ سے ہوا اور کبھی انجیل کے واسطہ سے، اور اب قرآن مجید کے واسطہ سے ہے، جس سے ان عہد شکنی کرنے والوں کی مذمت زیادہ ظاہر ہو، اور توریت اور انجیل پر عمل بھی رسالت محمدی کی تصدیق کا سبب ہو جائے، جس کی دونوں کتابوں میں بشارت دی گئی ہے، چنانچہ ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ﴾ میں اس کی تصریح بھی ہے، اور بعض قراءتوں اور تفسیروں پر ﴿وَلْیَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِیْلِ﴾ میں بھی یہی مضمون ہے، اور انجیل کے ذکر میں یہود پر طنز بھی ہے کہ وہ اس کو جھٹلاتے تھے اور قرآن کے ذکر میں یہود ونصاریٰ دونوں پر طنز ہے کہ دونوں اس کو جھٹلاتے تھے اور توریت کے ذکر کے ضمن میں قصاص کے بعض احکام شاید اس لئے بیان فرمادیئے ہوں کہ گذشتہ آیت ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ﴾ کے نزول کا ایک سبب قصاص کا واقعہ بھی تھا، جس کو یہود نے ایک گڑھی ہوئی رسم سے بدل دیا تھا، اور اگر چہ انھوں نے رجم کے حکم کو بھی بدلا تھا لیکن شاید اس کا ذکر خاص طور سے اس لئے کیا گیا ہو کہ اس میں خلل ڈالنے سے اللہ کے بندوں پر ظلم ہوتا تھا اور اور وہ خلل رجم میں خلل کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھا، جو کہ اللہ کا حق ہے۔ واللہ اعلم

اپنے زمانہ میں توریت پر عمل واجب ہونے کا ذکر:

ہم نے (موسیٰ علیہ السلام پر) توریت نازل فرمائی تھی جس میں (صحیح عقائد کی بھی) ہدایت تھی (اور عملی احکام کی بھی) وضاحت تھی (بنی اسرائیل کے) انبیاء جو کہ (لاکھوں آدمیوں کے مقتدا و قابل اطاعت ہونے کے باوجود) اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس (توریت) کے مطابق یہود کو حکم دیا کرتے تھے، اور (اسی طرح ان میں کے) اہل اللہ اور علماء بھی (اسی کے

مطابق حکم دیتے تھے کہ اس وقت کی شریعت وہی تھی) اسی وجہ سے ان (اللہ والوں اور علماء) کو اللہ کی اس کتاب (پر عمل کرنے اور کرانے) کی نگہداشت کا (حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے) حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے (یعنی اس پر عمل کرنے اور کرانے کے) اقرار کرنے والے ہوگئے تھے (یعنی چونکہ ان کو اس کا حکم ہوا تھا اور انھوں نے اس حکم کو قبول کرلیا تھا، اس لئے ہمیشہ اس کے پابند رہے) تو (اے اِس زمانے کے یہود کے رؤسا وعلماء! جب ہمیشہ سے تمہارے سارے مقتدا توریت کو مانتے آئے ہیں تو) تم بھی (رسالت محمدیہ کی تصدیق کے بارے میں جس کا حکم توریت میں ہے) اِن لوگوں سے (یہ) اندیشہ مت کرو (کہ ہم تصدیق کرلیں گے تو عام لوگوں کی نظروں میں ہمارے جاہ ومرتبہ میں فرق آجائے گا) اور (صرف) مجھ سے ڈرو (کہ میں تصدیق نہ کرنے پر سزا دوں گا) اور میرے احکام کے بدلہ میں (دنیا کا) تھوڑا معاوضہ (جو کہ تمہیں اپنے عوام سے وصول ہوتا ہے) مت لو (کہ یہی حب جاہ اور حب مال تمہارے تصدیق نہ کرنے کا باعث ہوتی ہیں) اور یاد رکھو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق حکم نہ کرے (بلکہ غیر شرعی قانون کو قصداً شرعی قانون بتا کر اس کے مطابق حکم کرے) تو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں (جیسا کہ اے یہود! تم کررہے ہو کہ عقائد میں بھی رسالت محمدیہ کے عقائد کی طرح اور رجم کے حکم جیسے اعمال میں بھی اپنے گڑھے ہوئے عقائد واعمال کو اللہ کا حکم بتا کر خود گمراہی میں مبتلا ہوتے ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہو)

فائدہ: ﴿ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ﴾ کی مذکورہ تفسیر اس کے ﴿ اسْتُحْفِظُوْا ﴾ پر عطف ہونے کے اعتبار سے ہے، اور اگر ﴿ يَحْكُمُ ﴾ پر عطف کیا جائے تو ﴿ كَانُوْا ﴾ کی ضمیر کا مرجع سب ذکر کئے ہوئے ہوں گے، اور تفسیر بہت سہل ہوجائے گی، اس صورت میں حاصل معنی یہ ہوں گے کہ اس توریت کے مطابق انبیاء اور احبار وربی حفاظت کرنے کی وجہ سے حکم کرتے تھے، اور یہ سب حضرات اس حکم پر یا اس توریت پر، جس پر آیت میں مذکور لفظ 'کتاب' دلالت کررہا ہے یا توریت کے ساتھ متحد کتاب (قرآن) پر اس کے حق اور صادق ہونے کے گواہ اور اس کی تصدیق کرنے والے تھے، یا ﴿ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ﴾ کو حال اور ﴿ اسْتُحْفِظُوْا ﴾ کو عامل کہا جائے تو ﴿ كَانُوْا ﴾ الخ کا سبب میں داخل ہونا ضروری نہ ہوگا۔

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے، پھر جو شخص اس کو معاف کردے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہوجاوے گا، اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ

بالکل ستم ڈھا رہے ہیں۔

ربط: اس آیت کا ربط اوپر کی آیت میں بیان ہو چکا، اور چونکہ اصولِ فقہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ جب گذشتہ شریعتوں کے کسی قانون یا حکم کا ذکر قرآن وحدیث میں بغیر کسی نکیر کے کیا جائے تو وہ قانون و حکم ہمارے لئے بھی حجت ہوتا ہے، اس لئے یہ مضمون ہماری شریعت کا بھی حکم ہے۔

سورت کا تیرہواں حکم: تورات سے قصاص کے حکم کی نقل:

اور ہم نے ان (یہود) پر اس (توریت) میں یہ بات فرض کی تھی کہ (اگر کوئی شخص کسی کو ناحق عمداً قتل یا زخمی کر دے اور صاحب حق دعویٰ کرے تو) جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور (اسی طرح دوسرے) خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے، پھر جو شخص (اس قصاص یعنی بدلہ لینے کا مستحق ہو کر بھی) اس (قصاص) کو معاف کر دے تو وہ (معاف کرنا) اس (معاف کرنے والے) کے لئے (اس کے گناہوں کا) کفارہ (یعنی گناہوں کے دور ہونے کا سبب) ہو جائے گا (یعنی معاف کرنا ثواب کا باعث ہے) اور (چونکہ یہود نے ان احکام کو چھوڑ رکھا تھا اس لئے دوبارہ وعید سناتے ہیں کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق حکم وفیصلہ نہ کرے (جس کے معنی اوپر گذر چکے ہیں) تو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں (یعنی بہت برا کام کر رہے ہیں)

چند ضروری مسائل:

مسئلہ (۱): قصاص اس قتل یا جرم میں ہے جو ناحق ہو، ورنہ حق کی بنیاد پر قتل کرنا درست وجائز ہے، اور عمداً یعنی قصداً ہو، کیونکہ قتل خطا یعنی غلطی سے قتل ہو جانے میں دیت ہے، جس کے مسائل سورۂ نساء آیت ۹۲ کے تحت گذر چکے ہیں۔

مسئلہ (۲): ﴿ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ﴾ یعنی جان کے بدلے جان میں آزاد اور غلام اور مسلمان اور کافر اور ذمی اور مرد اور عورت اور چھوٹے اور بڑے اور شریف اور رذیل اور بادشاہ اور رعایا سب داخل ہیں، البتہ خود اپنے غلام کے قصاص میں مالک کا اور اپنی اولاد کے قصاص میں ماں باپ کا نہ مارا جانا حدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

مسئلہ (۳): جسم کے اعضا کے کٹنے اور زخموں میں آپس میں مرد و عورت میں اور اسی طرح آپس میں آزاد و غلام میں قصاص نہیں، البتہ مسلمان اور ذمی کافر میں ان صورتوں میں بھی ہے، لیکن درمختار میں آزاد اور غلام اور مرد و عورت کے مسئلہ میں ہے کہ ناقص سے کامل کا قصاص لیا جائے گا۔

مسئلہ (۴): خاص زخموں سے مراد وہ زخم ہیں جن میں مساوات یعنی برابری کے ساتھ بدلہ لینا ممکن ہو، ورنہ حکومتِ عدل ہے، جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے، اسی طرح اعضا کے کٹنے میں بھی جیسے مثلاً آدھا کان کاٹ لیا۔

مسئلہ(۵): قتل میں مقتول کا ولی اور باقی صورتوں میں خود زخمی ہونے والے کو معاف کرنے کا حق حاصل ہے۔
مسئلہ(۷): اگر مقتول کے ولی کئی شخص ہوں اور ایک معاف کر دے تو قصاص ساقط ہو جائے گا، اور باقی ولی چاہیں تو دیت لے سکتے ہیں، یہ سب مسائل ہدایہ میں ہیں۔

﴿وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے، اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتی تھی، اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔ اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں۔

ربط: اوپر توریت کے اپنے زمانہ میں حجت ہونے کا ذکر تھا، اب انجیل کی یہی صفت بیان کی گئی ہے، جیسا کہ آیت ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ﴾ کی تمہید میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔

اپنے زمانہ میں انجیل پر عمل کے واجب ہونے کا بیان:

اور ہم نے ان (نبیوں) کے پیچھے (جن کا ذکر ﴿يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ﴾ میں آیا ہے) عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کو اس حالت میں (پیغمبر بنا کر) بھیجا کہ وہ اپنے سے پہلی کتاب یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے (جو کہ رسالت کے لئے لازم ہے کہ اللہ کی تمام کتابوں کی تصدیق کی جائے) اور ہم نے ان کو انجیل دی، جس میں (توریت ہی کی طرح صحیح عقائد کی بھی) ہدایت تھی اور (عملی احکام کی بھی) وضاحت تھی اور وہ (انجیل) اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق (بھی) کرتی تھی (کہ یہ بھی اللہ کی کتاب کے لئے لازم ہے) اور وہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی اور (ہم نے انجیل دے کر حکم دیا تھا کہ) انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ نازل فرمایا ہے اس کے مطابق حکم کیا کریں، اور (اے اِس زمانہ کے نصاریٰ سن رکھو کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق حکم نہ کرے (اس کے معنی اوپر گذر چکے) تو ایسے لوگ بالکل نافرمانی کرنے والے ہیں (اور انجیل محمدؐ کی رسالت کی خبر دے رہی ہے، پس تم اس کے خلاف کیوں چل رہے ہو؟)

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۟ۙ وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۟ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ یَبْغُوْنَ ؕ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۟﴾ ع

ترجمہ: اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے تو ان کے باہمی معاملات میں اپنی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے، تم میں سے ہر ایک کے لئے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی، اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت میں کر دیتے، لیکن ایسا نہیں کیا تاکہ جو جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرمادیں تو مفید باتوں کی طرف دوڑو، تم سب کو خدا ہی پاس جانا ہے، پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے، اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچلا دیں، پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو یہ یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر ان کو سزا دیدیں، اور زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ کیا پھر زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہوگا یقین رکھنے والوں کے نزدیک؟

ربط: اوپر انجیل و توریت کا اپنے اپنے زمانہ میں واجب العمل ہونا بیان فرمایا تھا، اب قرآن مجید کا اپنے زمانہ میں جو کہ نازل ہونے کے وقت سے قیامت قائم ہونے تک ہے، واجب العمل ہونا بیان فرماتے ہیں اور ان آیتوں کے ضمن میں اشارہ کے طور پر ایک قصہ کا بھی حوالہ دیا ہے، جس کو ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کے چند علماء اور رؤسا نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہماری قوم سے ہمارا ایک مقدمہ ہے اس میں اگر آپ ہمارے مطابق فیصلہ فرمادیں تو ہم آپ کا اتباع اختیار کرلیں گے، جس سے باقی یہودی بھی آپ کی اتباع اختیار

کرلیں گے، اس پر آپ نے صاف انکار کردیا جس پر آپ کے عمل کو درست قرار دینے کے لئے آیت ﴿ وَ اَنِ احْكُمْ ﴾ الخ نازل ہوئی، جیسا کہ اللباب میں ہے اور اسی طرح روح المعانی میں ابن ابی حاتم سے اور بیہقی نے الدلائل سے روایت کیا ہے۔

قرآن کریم پر ہمیشہ کے لئے عمل واجب ہونے کا بیان:

اور (توریت وانجیل کے بعد) ہم نے یہ کتاب (قرآن نامی) آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی سچائی (اور راستی) کی صفت رکھتی ہے اور اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں (آچکی) ہیں (جیسے توریت وانجیل وزبور) ان کی بھی تصدیق کرتی ہے (کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں) اور (چونکہ وہ قرآن نام کی کتاب قیامت تک محفوظ ہے اور ہمیشہ کے عمل کے لئے ہے اور اس میں ان آسمانی کتابوں کی تصدیق موجود ہے، اس لئے وہ کتاب) ان کتابوں (کے سچے ہونے کے مضمون) کی (ہمیشہ کے لئے) محافظ ہے (کیونکہ قرآن میں ہمیشہ یہ مضمون محفوظ رہے گا کہ وہ کتابیں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں، جب قرآن ایسی کتاب ہے) تو ان (اہل کتاب) کے آپسی معاملات میں (جبکہ آپ کے وہ اجلاس میں پیش ہوں) اس بھیجی ہوئی کتاب کے مطابق ہی فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی (خلاف شرع) خواہشوں (اور فرمائشوں) پر (آئندہ بھی عمل نہ کیجئے (جیسا کہ اب تک ان کی درخواست والتماس کے باوجود آپ نے صاف انکار فرما دیا ہے، یعنی یہ آپ کی رائے نہایت درست ہے، اسی پر ہمیشہ قائم رہئے، اور اے اہل کتاب! تمہیں اس قرآن کے حق جاننے اور اس کے فیصلے ماننے سے کیوں انکار ہے؟ کیا نئے دین کا آنا کچھ (تعجب کی بات ہے؟ آخر) تم میں سے ہر ایک (امت) کے لئے (اس سے پہلے) ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی (مثلاً یہود کی شریعت توریت تھی اور نصاریٰ کی شریعت اور طریقت انجیل تھی، پھر اگر امت محمدیہ کے لئے شریعت وطریقت قرآن مقرر کیا گیا اور اس کا حق ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے تو انکار کی کیا وجہ ہے؟) اور اگر اللہ تعالیٰ کو (سب کا ایک ہی طریقہ پر رکھنا) منظور ہوتا تو (وہ اس پر بھی قدرت رکھتے تھے کہ) تم سب (یہود ونصاریٰ اور اہل اسلام) کو (ایک ہی شریعت دے کر) ایک ہی امت میں کردیتے (اور نئی شریعت نہ آتی جس سے تمہیں وحشت ہوتی ہے) لیکن (اپنی حکمت سے) ایسا نہیں کیا (بلکہ ہر امت کو جدا جدا طریقہ دیا) تاکہ جو جو دین تمہیں (ہر زمانہ میں نیا نیا) دیا ہے اس میں تم سب کا (تمہارے اطاعت کے اظہار کے لئے) امتحان فرمائیں (کیونکہ اگر طبعی امر ہے کہ نئے طریقے سے وحشت اور مخالفت کی طرف حرکت ہوتی ہے، لیکن جو شخص صحیح عقل اور انصاف سے کام لیتا ہے تو وہ حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد اپنی طبیعت کو موافقت پر مجبور کردیتا ہے اور یہ ایک عظیم امتحان ہے۔ لہٰذا اگر سب کی ایک ہی شریعت ہوتی تو اس شریعت کی ابتدا کے وقت جو لوگ ہوتے ان کا امتحان تو ہو جاتا لیکن دوسرے لوگ جو ان کے مقلد اور اس طریقہ سے الفت رکھنے

والے ہوتے ان کا امتحان نہ ہوتا، اور اب ہر امت کا امتحان ہوگیا اور امتحان کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو جس چیز سے روکا جائے ـــ خواہ وہ اس کے عمل میں ہو یا اس کی ترک کی ہوئی ہو ـــ اس طرف اسے حرص ہوتی ہے، اور یہ امتحان کئی شریعتوں کے سامنے آنے میں زیادہ قوی ہے کہ منسوخ سے روکا جاتا ہے (دوسری صورت) اور شریعت کے اتحاد میں اگرچہ معاصی سے روکتے ہیں، لیکن ان میں حق ہونے کا تو شبہ نہیں ہوتا، اس لئے امتحان اس درجہ کا نہیں، ان دونوں امتحانوں کا مجموعہ ہر امت کے پہلے گذرنے والوں اور بعد میں آنے والوں سب کے لئے عام ہوگیا جیسا کہ پہلی صورت صرف سلف کے لئے خاص ہے، لہٰذا جب نئی شریعت میں یہ حکمت ہے) تو (تعصب کو چھوڑ کر) مفید باتوں کی طرف (یعنی ان عقائد و اعمال اور احکام کی طرف جن پر قرآن مشتمل ہے) دوڑو یعنی قرآن پر ایمان لاکر اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو، ایک روز) تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتادیں گے جس میں تم (حق واضح ہونے کے باوجود دنیا میں خواہ مخواہ) اختلاف کیا کرتے تھے (اس لئے اس بیجا اختلاف کو چھوڑ کر حق کو جو اب قرآن میں منحصر ہے قبول کرلو) اور (چونکہ ان اہل کتاب نے ایسی بلند پروازی کی کہ آپ سے اپنے موافق مقدمہ طے کردینے کی درخواست کرتے ہیں، جہاں کہ اس کا احتمال ہی نہیں، اس لئے ان کے حوصلے پست کرنے کے لئے اور اس کو سنا کر انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناامید کردینے کے لئے) ہم (پھر) حکم دیتے ہیں کہ آپ (ان اہل کتاب) کے آپسی معاملات میں (جبکہ آپ کے اجلاس میں پیش ہوں) اس بھیجی ہوئی کتاب کے مطابق ہی فیصلہ فرمایا کیجئے، اور ان کی (شریعت کے خلاف) خواہشوں اور فرمائشوں) پر (آئندہ بھی) عمل نہ کیجئے (جیسا کہ اب تک بھی نہیں کیا ہے) اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے (آئندہ بھی ماضی کی طرح) احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی پھسلادیں (اگرچہ اس کا احتمال نہیں پھر بھی اگر یہ نیت وخیال بھی رہے تو بھی ثواب کا باعث ہے) پھر (قرآن کے واضح ہونے اور اس کے فیصلہ کے حق ہونے کے باوجود بھی) اگر یہ لوگ (قرآن سے اور آپ کے فیصلہ سے جو قرآن کے مطابق ہوگا) اعراض کریں تو یہ یقین کرلیجئے کہ بس اللہ ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعض جرائم پر (دنیا ہی میں) ان کو سزا دیدیں (اور ان بعض جرائم میں ایک بڑا جرم فیصلہ کو نہ ماننا ہے۔ اور قرآن کی حقانیت کو نہ ماننے کی پوری سزا آخرت میں ملے گی، کیونکہ پہلا جرم ذمی ہونے کے خلاف ہے اور دوسرا جرم ایمان کے خلاف ہے، حربی ہونے کی سزا دنیا ہی میں ہوتی ہے اور کفر کی سزا آخرت میں چنانچہ جب یہود کی سرکشی اور عہد شکنی حد سے بڑھ گئی تو ان کو قتل اور قید اور وطن سے اخراج کی سزا دی گئی، اور (اے محمد ﷺ ان کے یہ حالات سن کر آپ کو رنج ضرور ہوگا، لیکن آپ زیادہ غم نہ کیجئے، کیونکہ) زیادہ آدمی تو (دنیا میں ہمیشہ سے) نافرمان ہی ہوتے (آئے) ہیں یہ لوگ (قرآن کے فیصلہ سے جو کہ عین عدل ہے، اعراض کرکے) پھر کیا زمانۂ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں (جس کو انھوں نے آسمانی شریعتوں کے برخلاف خود گڑھ لیا تھا، جس کا ذکر دو واقعوں کے ضمن میں اس سے پہلے آیت ۴۱ ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحۡزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِي ٱلۡكُفۡرِ ﴾ کی تمہید میں گذر چکا ہے، حالانکہ وہ

عین عدل کے سراسر خلاف ہے، یعنی اہل علم ہوکر علم سے اعراض کرنا اور جہل کا طالب ہونا کیسی تعجب کی بات ہے) اور فیصلہ کرنے میں اللہ تعالیٰ سے کون اچھا فیصلہ کرنے والا ہوگا (بلکہ کوئی اس کے برابر بھی نہیں، پھر اللہ کے فیصلہ کو چھوڑ کر دوسرے کے فیصلہ کا طالب ہونا عین جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ لیکن یہ بات بھی) یقین (وایمان) رکھنے والوں (ہی) کے نزدیک (ہے، کیونکہ اس کا سمجھنا قوت عقلی کی صحت پر موقوف ہے، اور کفار اس سے محروم ہیں)

فائدہ: اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس آیت سے ہر امت کا جدا طریقہ ہونا ظاہر ہوتا ہے جبکہ دوسری آیتوں سے ایک ہی ہونا معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ سورۂ شوریٰ آیت ۱۳ ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ﴾ الخ میں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جدا ہونا فروع اور اعمال کے اعتبار سے ہے اور واحد ہونا اصول اور عقائد کے اعتبار سے ہے۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۞ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۞﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست مت بنانا، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ ان ہی میں سے ہوگا، یقیناً اللہ تعالیٰ سمجھ نہیں دیتے ان لوگوں کو جو اپنا نقصان کر رہے ہیں۔ اسی لئے تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھستے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی حادثہ پڑ جاوے۔ سو قریب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل فتح کا ظہور فرماوے گا یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے، پھر اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے۔ اور مسلمان لوگ کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان لوگوں کی ساری کارروائیاں غارت گئیں، جس سے ناکام رہے۔

ربط: اوپر یہود ونصاریٰ کے قبیح امور کا ذکر ہوا ہے، بعض وہی لوگ ان سے اور بعض منافقوں سے جو بظاہر اسلام کے مدعی تھے اپنی دنیاوی مصلحتوں کی بنا پر دوستی رکھتے تھے، اس لئے اب اہل ایمان کو ان کے ساتھ دوستی کرنے سے ــــ مذکورہ مضمون پر فرع کے طور پر ــــ منع فرماتے ہیں کہ جب ان لوگوں کے یہ حالات ہیں تو ان حالات کا تقاضا یہی ہے کہ ان سے منافقوں کی طرح ہرگز دوستی مت کرو، پھر اہل ایمان کو منع کرنے کے بعد ان منافقوں کی مذمت اور ان مصلحتوں کا

باطل ہونا اور انجام کار ان کا ندامت اٹھانا پیشین گوئی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اور اس دوستی کا قصہ یہ ہوا تھا کہ جب غزوۂ احد میں اہل اسلام کو بظاہر شکست ہوئی تو منافق لوگ سخت اندیشہ میں مبتلا ہو گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ مسلمانوں کے غالب آنے کی تو کچھ امید نہیں رہی، کہیں اپنے لئے پناہ گاہ تلاش کر لینی چاہئے کہ وقت پر کام آئے، کسی نے کہا کہ میں تو فلاں یہودی سے امان لئے لیتا ہوں، اور ایسے وقت پر یہودی بن جاؤں گا، کسی نے کہا میں فلاں نصرانی سے پناہ لے لیتا ہوں اور کوئی ایسا وقت آنے پر نصرانی بن جاؤں گا، جیسا کہ روح المعانی میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے السدی سے ایسا روایت کیا ہے۔

اور جب یہود بنی قینقاع مسلمانوں سے جنگ وجدال پر آمادہ ہوئے تو عبداللہ بن ابی منافق نے ان سے ساز باز کر لی اور ان کی حمایت میں کھڑا ہو گیا، اس وقت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اس قوم کے حلیف تھے، لیکن یہ صورت حال سامنے آنے پر انھوں نے بنو قینقاع سے صاف طور سے تعلق ختم کر دیا، جیسا کہ اللباب میں ہے اس کو ابن اسحاق وابن جریر، وابن ابی حاتم اور البیہقی نے عبادہ سے روایت کیا ہے، اور عبداللہ بن ابی نے یہ بھی کہا: انی رجل اخاف الدوائر: یعنی مجھے تو مصیبتوں اور پریشانیوں کا ڈر لگ رہا ہے، میں ان سے تعلق ختم نہیں کرتا، جیسا کہ الروح میں ہے اس کو ابن ابی شیبہ نے عطیہ سے روایت کیا ہے، ان حالات میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

چودھواں حکم: مؤمنوں کو کفار سے دوستی رکھنے کی ممانعت اور اس دوستی پر منافقوں کی مذمت:

اے ایمان والو! تم (منافقوں کی طرح) یہود ونصاریٰ کو (اپنا) دوست مت بنانا، وہ (خود ہی) ایک دوسرے کے دوست ہیں (یعنی یہودی، یہودی آپس میں اور نصرانی، نصرانی آپس میں) مطلب یہ کہ دوستی آپسی مناسبت سے ہوتی ہے، تو ان میں تو آپس میں مناسبت ہے مگر تم میں اور ان میں کیا مناسبت ہے؟ اور جب یہ ظاہر ہے کہ دوستی مناسبت سے ہوتی ہے تو) تم میں سے جو شخص ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ (کسی خاص مناسبت کے اعتبار سے) انہی میں سے ہوگا (اور اگرچہ یہ امر بہت ہی ظاہر ہے لیکن) یقیناً اللہ تعالیٰ (اس امر کی) ان لوگوں کو سمجھ (ہی) نہیں دیتے جو (کفار سے دوستی کر کر کے) اپنا نقصان کر رہے ہیں (یعنی دوستی میں منہمک ہونے کی وجہ سے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، اور چونکہ ایسے لوگ اس امر کو نہیں سمجھتے) اس لئے (اے دیکھنے والے) تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں (نفاق کا) مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان (کفار) میں گھستے ہیں (اور کوئی ملامت کرے تو حیلہ بازی اور سخن سازی کے لئے یوں) کہتے ہیں کہ (ہمارا ان کے ساتھ ملنا دل سے نہیں ہے، بلکہ ہم دل سے تو تمہارے ساتھ ہیں، صرف ایک مصلحت سے ان کے ساتھ ملتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ) ہمیں اندیشہ ہے کہ (شاید انقلاب زمانہ سے) ہم پر کوئی مصیبت آ جائے (جیسے قحط ہے، تنگی ہے اور یہ یہودی ہمارے ساہوکار ہیں، ان سے قرض ادھار مل جاتا ہے، اگر ان سے دوستی ختم کر دیں

گے تو وقت پر ہمیں تکلیف اور پریشانی ہوگی، وہ لوگ بظاہر ﴿ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ﴾ کا یہ مطلب لیتے تھے، لیکن دل میں اور مطلب رکھتے تھے کہ شاید آخر میں مسلمانوں پر کفار کے غالب آجانے سے پھر ہمیں ان کی حاجت اور ضرورت پیش آئے، اس لئے ان سے دوستی رکھنی چاہئے) تو قریب امید (یعنی وعدہ) ہے کہ اللہ تعالیٰ (ان کافروں کے مقابلہ میں جن سے وہ دوستی کر رہے ہیں مسلمانوں کی) کامل فتح ظاہر فرمادے (جس میں مسلمانوں کی کوشش کا بھی دخل ہوگا) یا کوئی اور بات خاص اپنی طرف سے ظاہر فرمادے، یعنی ان کے نفاق کو متعین طور پر وحی کے ذریعہ عام اظہار فرمادیں، جس میں مسلمانوں کی تدبیر کا کوئی دخل نہیں، مطلب یہ کہ مسلمانوں کی فتح اور ان کے پردہ دری دونوں امر جلدی ہی ہونے والے ہیں) پھر (وہ اس وقت) اپنے (گذشتہ) پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے (کہ ہم کیا سمجھتے تھے کہ کفار غالب آئیں گے اور یہ کیا ہوگیا، اس طرح ایک ندامت تو اپنے خیال کی غلطی پر ہوگی کہ فطری بات ہے۔ دوسری ندامت اپنے نفاق پر ہوگی، جس کی بدولت رسوا ہوئے۔ ﴿ مَآ اَسَرُّوْا ﴾ میں یہ دونوں امر داخل ہیں، اور یہ تیسری ندامت کفار کے ساتھ دوستی کرنے پر کہ رائیگاں ہی گئی اور مسلمانوں سے بھی برے بنے، چونکہ یہ دوستی ﴿ مَآ اَسَرُّوْا ﴾ پر مبنی تھی، لہٰذا ان دو ندامتوں کے ذکر سے یہ تیسری ندامت بغیر واضح ذکر کے خود ہی ظاہر ہوگئی) اور (جب اس فتح کے زمانہ میں ان لوگوں کا نفاق بھی کھل جائے گا تو آپس میں) مسلمان لوگ (تعجب سے) کہیں گے: ارے! کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے (ہمارے سامنے) قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم (دل سے) تمہارے ساتھ ہیں (یہ تو کچھ اور ہی ثابت ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ان لوگوں کی ساری کارروائیاں (کہ دونوں فریق کے بھلے بن کر رہنا چاہتے تھے سب) غارت ہوگئیں، جس سے (دونوں طرف سے) ناکام رہے (کیونکہ کفار تو خود مغلوب ہوگئے، ان کا ساتھ دینا بالکل بے کار ہی رہا، اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل گئی، ان سے اب بھلا بننا دشوار ہے، وہی مثل ہوگئی: نہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے!

فائدہ: چنانچہ یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی، ان منافقوں کی زیادہ دوستی مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکوں سے تھی، اب مکہ فتح ہوگیا اور یہود خستہ وخراب ہوگئے، جس کا ذکر کئی بار آچکا ہے، اور قرآن اور واقعات سے تو اکثر اوقات منافقوں کا نفاق کھلتا رہتا تھا، مگر عام فتوحات کے بعد صراحت کے ساتھ اور متعین طور پر ظاہر کردیا گیا۔

اور یہ جو فرمایا کہ یہ نادم ہوں گے، اگر کسی کو شبہ ہو کہ ندامت تو توبہ ہے، لہٰذا اس سے ان کا تائب ہونا لازم آتا ہے، اور اس کے بعد متصل ہی ان کے اعمال کے حبط اور خسارہ کے ذکر سے ان پر ملامت معلوم ہوتی ہے اور توبہ کرنے والے پر ملامت نہیں ہوتی، اس لئے لازم آتا ہے کہ وہ تائب قرار نہیں دیئے گئے، جواب یہ ہے کہ ہر ندامت توبہ نہیں، بلکہ وہ ندامت توبہ ہے جس کے ساتھ معذرت اور اپنی غلطی کا اعتراف اور تلافی وتدارک کی کوشش بھی ہو۔ ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا، ورنہ دل سے مسلمان ہوجاتے، اس لئے ان کو شرعی طور پر تائب نہیں کہا جاسکتا۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جاوے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کردے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی، مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر، تیز ہونگے کافروں پر، جہاد کرتے ہونگے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرماویں، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں، بڑے علم والے ہیں۔

ربط: اوپر کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے خود دوستی کرنے والوں کے نقصان کا بیان تھا، اب مرتد ہوجانے والوں کا ذکر کرکے بتایا گیا ہے کہ جب لوگوں کے مرتد ہوجانے سے، جس سے بالکل ہی اسلام کو چھوڑ کر کافر بن جاتے ہیں، اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا تو کفار کے ساتھ کسی کے دوستی کرنے سے اسلام کا کیا نقصان ہوگا؟ خود دوستی کرنے والے کا ہی نقصان ہوگا۔

مرتد ہوجانے والوں سے اسلام کا نقصان نہ ہونا:

اے ایمان والو! (یعنی جو لوگ اس آیت کے نزول کے وقت ایمان والے ہیں) تم میں سے جو شخص اپنے (اس) دین سے پھر جائے تو (اسلام کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ اسلامی خدمات انجام دینے کے لئے) اللہ تعالیٰ بہت جلد (ان کی جگہ) ایسی قوم کو پیدا کردے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ سے محبت ہوگی، وہ مسلمانوں پر مہربان ہوں گے، کافروں پر تیز ہوں گے (کہ ان سے) اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں گے، اور (دین اور جہاد کے معاملہ میں) وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے (جیسا منافقوں کا حال ہے کہ دبے دبائے جہاد میں جاتے تھے کہ جن کفار سے دل میں دوستی ہے وہ ملامت کریں گے یا اتفاق سے جن کے مقابلہ میں جہاد ہے وہی اپنے دوست یا عزیز ہوں تو سب دیکھنے سننے والے طعن کریں گے کہ ایسے لوگوں سے لڑنے اور ان کو مارنے کے لئے گئے تھے) یہ (مذکورہ صفات) اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں، وہ جس کو چاہیں عطا فرمادیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (کہ اگر چاہیں تو سب کو یہ صفات دے سکتے ہیں، لیکن) بڑے علم والے (بھی) ہیں (ان کے نزدیک جس کو دینا مصلحت ہوتا ہے، اس کو دیتے ہیں)

فائدہ: چنانچہ جب بعض لوگ مرتد ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیشین گوئی کے مطابق عہد صدیقی میں مخلص مومنوں کے ہاتھوں ان کا خاتمہ کرادیا، جبکہ ان میں سے بعض نے توبہ کرلی تھی۔ بہر حال اسلام کو کوئی نقصان وضرر نہیں پہونچا، نہ اس میں کوئی کمزوری یا ضعف آیا۔

اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ مرتد ہونے سے اسلام کو کوئی ضرر نہ پہونچنے کی جو علت بیان کی گئی ہے وہ اس صورت میں صادق نہیں آتی، جب خدانخواستہ سارے لوگ مرتد ہو جائیں، اس لئے یہ حکم عام نہیں رہا۔

جواب یہ ہے کہ اول تو دوسری نصوص سے ظاہر ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے، دوسرے اگر اس سے قطع نظر کر لی جائے تو اصل مقصود اسلام کو ضرر نہ پہونچنا ہے اور جس علت کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض اس کا ایک پہلو ہے اور حقیقی ضرر نہ پہونچنا دونوں صورتوں میں امر مشترک ہے، کیونکہ اسلام کی مثال فن طب کی سی ہے کہ اگر تمام مریض متفق ہو کر دوا چھوڑ دیں تو دوا کا یا فن طب کا کیا نقصان ہے؟ فن طب اور دوا کا جو کمال وخوبی ہے کہ جو شخص اس کو استعمال کرے اس کو شفا اور نفع حاصل ہو، اس کا یہ کمال پھر بھی باقی رہے گا، اسی طرح اسلام کا کمال فی نفسہ یہ ہے کہ جو اس پر عمل کرے گا اس کو نجات حاصل ہوگی، لہٰذا بعض کے یا سب کے چھوڑ دینے سے خود انہی چھوڑ دینے والوں کی نجات میں خلل پڑے گا، اسلام کا کیا بگڑے گا؟

﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝﴾ ع

ترجمہ: تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایماندار لوگوں سے، سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔

ربط: اوپر کفار سے دوستی رکھنے کی ممانعت تھی، پھر مرتد لوگوں کے ذکر کے ذریعہ اس کی تاکید ارشاد فرمائی تھی، اب اللہ اور رسول اور مؤمنوں سے دوستی کا تعلق قائم رکھنے کا حکم اور اس کی فضیلت وبرکت بیان فرماتے ہیں۔

اللہ ورسول اور مؤمنوں سے دوستی رکھنے کا حکم:

تمہارے دوست تو (جن سے تمہیں دوستی رکھنی چاہئے) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) اور ایمان والے لوگ ہیں، جو کہ اس حالت میں نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان (کے دلوں) میں خشوع ہوتا ہے (یعنی عقائد، اخلاق واعمال، بدنی ومالی وہ سب کے جامع ہیں) اور جو شخص (مذکورہ مضمون کے مطابق) اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے دوستی رکھے گا (وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہو گیا، اور) اللہ کا گروہ یقیناً غالب ہے (اور کفار مغلوب ہیں اور غالب کو مغلوب سے حالات سازگار رکھنے کی اور دوستی کی فکر کرنے کی بالکل ضرورت نہیں)

فائدہ: اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہم تو بعض اوقات مسلمانوں کو جو کہ حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ ہیں، کفار سے مغلوب پاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم کا دارومدار اللہ اور رسول اور کامل مؤمنوں کے ساتھ دوستی کے تعلق پر ہے، پس اگر کہیں اس میں کمی ہو اور رسول کی کوئی معصیت سرزد ہوئی ہو یا امام کی مخالفت کی ہو اور اکثر یہی ہوتا ہے: اس حکم سے وہ صورت

مقصود ہی نہیں ہے، اس لئے اس میں شبہ کی گنجائش نہیں، اور جہاں یہ بات نہ ہو اس کا جواب احقر کے ترجمہ کی تقریر سے ظاہر ہے، یعنی بہ الفاظ دیگر: یہ لوگ واقع میں اعلیٰ وارفع اور کفار ادنیٰ وکم تر ہیں، اگرچہ کسی وقت مثلاً دنیا میں اور وہ بھی کسی خاص وقت تک اعلیٰ وارفع ہونے کے آثار کسی خاص وجہ سے مثلاً کسی حکمت اور ابتلا وآزمائش وغیرہ کے تحت ظاہر نہ ہوں، لیکن ان کا ارفع ہونا باقی وقائم ہے، اور اس کے آثار دوسرے وقت پر جو کہ ان کے ظہور کا اصلی ومقرر وقت ہے یعنی آخرت میں اور کچھ دن کے بعد دنیا میں بھی ظاہر ہوں گے جیسے کوئی ذلیل رہزن، کسی بڑے حاکم یا افسر کے ساتھ کہیں سفر کی حالت میں لوٹ مار کرنے لگے، تو وہ اپنی خداداد عالی دماغی کی وجہ سے اس ذلیل رہزن کی خوشامد ہرگز نہیں کرے گا، یہاں تک کہ جب اپنے خاص علاقہ یا دفتر میں پہونچ جائے گا تو اس رہزن کو گرفتار کرا کر سزا دے گا، لہٰذا اس عارضی غلبہ کی وجہ سے نہ اس رہزن کو حاکم کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی اس افسر کو محکوم، بلکہ اصلی حالت کے اعتبار سے وہ رہزن اس غلبہ میں بھی محکوم ہے اور وہ افسر اس وقت مغلوب ہونے میں بھی حاکم ہے، اس معنی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مختصر اور سلیس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے: إن لم ينصروا في الدنيا ينصروا في الآخرة: یعنی اگر ان کی مدد دنیا میں نہیں کی گئی تو آخرت میں تو ضرور کی جائے گی، جیسا کہ جامع البیان کے حوالہ سے بیضاوی میں سورۃ الصافات کی آیت ۱۷۲ ﴿اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ﴾ کے حاشیہ میں ہے۔

اور اس وضاحت کے بعد ان آیتوں کے سلسلہ میں بھی کوئی شبہ نہیں رہا، جن میں دنیا میں غلبہ کی تصریح ہے، جیسے: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ یعنی بیشک ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد دنیا میں اور قیامت کے دن بھی ضرور کریں گے (سورۃ المؤمن ۵۱) کیونکہ مذکورہ بالا معنی کے لحاظ سے دنیا میں ہمیشہ غلبہ حاصل ہے، اگرچہ اس کا خاص وقت تک ظہور نہ ہو، پھر قوم کے مجموعی اعتبار سے تو انجام کار دنیا میں بھی ظہور ہوتا ہے اور ہر فرد کے اعتبار سے آخرت میں ہوگا۔

جیسے کوئی یوں کہے کہ تحصیل دار سفر میں بھی تحصیل دار ہی ہے، وہ سفر میں معزول نہیں ہے، اگرچہ بعض خاص آثار یعنی جسمانی طور پر غلبہ نمایاں نہ ہو، اسی کو علماء نے دوسرے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے: بالحجة والعواقب: جیسا کہ تحصیل دار قانونی حیثیت سے حاکم ہی ہے، اور عارضی حالتوں کے بعد وہ آثار آخر میں ظاہر ہوتے ہیں، اور دوسری قومیں چونکہ دلیل کے لحاظ سے باطل پر ہیں، وہ لوگ اس تقریر سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، یا یوں کہا جائے کہ اس سے عادت کا بیان کرنا مقصود ہے، اور عادت میں کسی معاملہ کا اکثر پیش آنا کافی ہے، اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ انھوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو۔ اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں، یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے۔

ربط: اوپر یہود اور نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت اس علت کے تحت تھی کہ تم میں اور ان میں مناسبت نہیں ہے، اور اس کے ضمن میں منافقوں اور مرتد لوگوں کا ذکر آ گیا تھا، اب مذکورہ مضمون کی خاص علت یعنی دین کا مذاق اڑانے کا ذکر کر رہے ہیں، جو کہ اس مناسبت کے نہ ہونے کے آثار میں سے ہے، اور یہود و نصاریٰ کی طرح دوسرے کفار اور مشرکین کے ساتھ دوستی کرنے کی ممانعت بھی بیان کرتے ہیں، اس طرح گویا یہ پچھلے مضمون کا تتمہ ہے۔

چودہویں حکم کا تتمہ:

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے (آسمانی) کتاب (یعنی توریت و انجیل) مل چکی ہے (یہود و نصاریٰ مراد ہیں) جو ایسے ہیں کہ انھوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے (جو جھٹلانے کی علامت ہے) ان کو اور (اسی طرح) دوسرے کفار کو (بھی جیسے مشرک وغیرہ) دوست مت بناؤ (کیونکہ کفر اور جھٹلانے کی اصل علت تو مشترک ہے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو (یعنی ایمان والے تو ہو ہی، لہٰذا جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اس کو مت کرو) اور (جیسے دین کے اصول کا مذاق اڑاتے ہیں، اسی طرح فروع کے ساتھ بھی، چنانچہ) جب تم نماز کے لئے (اذان کے ذریعہ) اعلان کرتے ہو تو وہ (تمہاری) اس (عبادت) کے ساتھ (جس میں اذان اور نماز دونوں آ گئیں) ہنسی کھیل کرتے ہیں (اور) یہ (حرکت) اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے (ورنہ حق بات کو سمجھتے اور اس کے ساتھ ہنسی کھیل نہ کرتے)

فائدہ: یہ دو قصوں کی طرف اشارہ ہے: ایک یہ کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز شروع کرتے تو یہود کہتے: یہ کھڑے ہوئے ہیں، اللہ کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو اور جب ان کو رکوع اور سجدہ کرتے دیکھتے تو ہنستے اور مذاق اڑاتے، اس کو بیہقی نے الدلائل میں الکلبی کے طریق سے ابی صالح سے اور انھوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

دوسرا قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی اذان میں سنتا تھا أشهد أن محمدا رسول الله تو کہتا تھا حرق الكاذب یعنی جھوٹا جل جائے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ رات کے وقت وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ گھر میں سو رہا تھا، کوئی خادم آگ لے کر گھر میں گیا، ایک چنگاری گر گئی، اور وہ اس کا گھر اور اس کے گھر والے سب جل گئے، اس کو ابن جریر وغیرہ نے السدی سے روایت کیا ہے، یہ تو ﴿الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ کے مصداق تھے اور ﴿الْكُفَّارَ﴾ کے مصداق کا ایک

قصہ یہ ہوا تھا کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن الحارث نے منافقانہ طور پر اسلام کا اظہار کیا تھا، بعض مسلمان ان سے میل جول رکھتے تھے، اسے ابن اسحاق اور ایک جماعت نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، ان سب واقعات پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، یہ ساری روایتیں روح المعانی میں ہیں۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم ہم میں کونسی بات معیوب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے اور اس کتاب پر جو پہلے بھیجی جا چکی ہے باوجود اس کے کہ تم میں اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں۔ آپ کہئے کہ کیا میں تم کو ایسا طریقہ بتلاؤں جو اس سے بھی خدا کے یہاں پاداش ملنے میں زیادہ برا ہو، وہ ان اشخاص کا طریقہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا ہو، اور ان پر غضب فرمایا ہو، اور ان کو بندر اور سور بنا دیئے ہوں اور انھوں نے شیطان کی پرستش کی ہو، ایسے اشخاص مکان کے اعتبار سے بھی بہت برے ہیں اور راہِ راست سے بھی بہت دور ہیں۔

ربط: اوپر کفار اور اہل کتاب کا اسلامی طریقہ کے ساتھ خاص طور پر استہزاء کرنے یعنی مذاق اڑانے اور جھٹلانے کا ذکر تھا، اب اسلامی طریقہ میں جس پر مؤمن قائم تھے اور ان کے گڑھے ہوئے طریقہ میں موازنہ کر کے تنبیہ فرمانا مقصود ہے کہ مذاق اڑانے اور جھٹلانے کے لائق کونسا طریقہ ہے۔

مذکورہ استہزاء کا جواب اور اسلامی اور غیر اسلامی طریقوں میں موازنہ:

آپ (ان سے) کہئے کہ اے اہل کتاب! تم (دین کے سلسلہ میں) ہمارے اندر ایسی کونسی معیوب بات پاتے ہو (جس پر ہنسی اڑاتے ہو؟) سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے (یعنی قرآن پر) اور اس کتاب پر (بھی) جو (ہم سے) پہلے بھیجی جا چکی ہے (یعنی تمہاری کتاب توریت وانجیل پر بھی) اس کے باوجود کہ تم میں سے اکثر لوگ (ان مذکورہ کتابوں پر) ایمان (کے دائرہ) سے خارج ہیں (تمہارا ایمان نہ قرآن پر ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور نہ توریت وانجیل پر ہے کیونکہ ان میں خود قرآن کی تصدیق ہے، لہٰذا قرآن کا جھٹلانا ان کے اس جزء کا جھٹلانا ہے اور جزء کا اور کل کا جھٹلانا برابر ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہارے کسی کتاب پر ایمان نہ رکھنے کے باوجود ہم جو ساری کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو کہ واقع میں ہماری خوبی اور تمہارا عیب ہے، کیا تم اپنے عیب کو خوبی اور ہماری خوبی کو عیب سمجھتے ہو؟ اور اے محمد! (ﷺ) آپ (ان سے) کہئے کہ (اگر اس پر بھی ہمارے طریقہ کو برا سمجھتے ہو تو آؤ) کیا میں

(موازنہ کے لئے) تمہیں ایسا طریقہ بتاؤں جو (ہمارے) اس (طریقہ) سے بھی (جس کو تم برا سمجھ رہے ہو) اللہ کے یہاں پاداش یعنی سزا ملنے میں اس سے بھی زیادہ برا ہے؟ وہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کو (اس طریقہ کی بدولت) اللہ تعالیٰ نے (اپنی رحمت سے) دور کر دیا ہو، اور ان پر غضب فرمایا ہو، ان کو بندر اور سور بنا دیا ہو اور انھوں نے شیطان کی پرستش کی ہو (اب دیکھ لو کونسا طریقہ برا ہے؟ آیا وہ طریقہ جس میں اللہ کے علاوہ کی عبادت ہو اور اس پر یہ وبال نازل ہو یا وہ طریقہ جو سرتا سر توحید اور انبیا کی نبوت کی تصدیق ہو؟ یقیناً موازنہ کا نتیجہ یہی ہے کہ) ایسے لوگ (جن کے طریقہ کا ابھی ذکر ہوا، آخرت میں) مکان کے اعتبار سے بھی (جو ان کو سزا کے طور پر ملے گا) بہت برے ہیں (کیونکہ یہ مکان دوزخ ہے) اور (دنیا میں) راہ راست (توحید اور رسالت کی تصدیق) سے بھی بہت دور ہیں (لہٰذا ایسے لوگوں کا طریقہ جو جہنم میں جانے اور حق سے دوری کا سبب ہے لامحالہ بہت برا ہے اور تم بھی اسی طریقہ پر ہو، پھر تمہارے ہنسنے کا کیا موقع اور کیا گنجائش ہے؟)

فائدہ: یہ حالتیں یہود و نصاریٰ میں پائی جاتی تھیں، چنانچہ گئوسالہ پرستی کا واقع ہونا یہود میں اور احبار و رہبان اور مسیح کو خدا کا درجہ دینا جو کہ شیطانی امر سے شرک ہے نصاریٰ میں اور اصحاب سبت کا بندر ہو جانا امت موسوی میں اور اہل مائدہ یعنی دسترخوان والوں کا دسترخوان پر ناشکری کرنے سے بندر اور خنزیر ہو جانا امت عیسوی میں اور نقض میثاق یعنی عہد شکنی اور نبوتوں کو جھٹلانے سے ملعون یعنی لعنت کا مستحق ہونا اور مغضوب یعنی غضب کا مستحق ہونا مشہور آیتوں اور حدیثوں میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ "تم میں سے اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں" لفظ "اکثر" اس لئے فرمایا ہے کہ بعض لوگ ہر زمانہ میں ایمان والے رہے ہیں۔

﴿ وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا۟ بِٱلْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا۟ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا۟ يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب یہ لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جس کو یہ پوشیدہ رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر جن سے دوستی کرنے کی ممانعت فرمائی ان میں بعض منافق تھے جن کا اوپر بھی لفظ الکفار میں یا لفظ یہود کے عموم میں داخل کر کے ذکر کیا گیا ہے، اب ان کی ایک خاص حالت بیان فرماتے ہیں۔

منافقوں کے بعض حالات:

اور جب وہ لوگ (منافق) تمہارے پاس (یعنی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں جہاں مسلمانوں کا مجمع ہوتا ہے) آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، حالانکہ وہ (بالکل جھوٹے ہیں، کیونکہ وہ) کفر ہی کو لے کر (مجلس میں) آتے تھے اور (اسی طرح) کفر ہی کو لے کر (باہر) چلے گئے اور اللہ تعالیٰ ان مکاروں کے جھوٹ اور نفاق پر خوب سزا دیں

گے کیونکہ وہ) تو خوب جانتے ہیں جس (عقیدہ) کو یہ (اپنے دل میں) پوشیدہ رکھتے ہیں (کہ وہ عقیدہ کفر ہے)

﴿ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ ان میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں۔ واقعی ان کے یہ کام برے ہیں، ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے، واقعی ان کی یہ عادت بری ہے۔

ربط: یہود کے کچھ حالات کا بیان اوپر کفار کے دوسرے فرقوں کے ساتھ ہوا ہے، کچھ حالات اب بیان فرماتے ہیں۔

یہود کے کچھ حالات:

اور آپ ان (یہودیوں) میں بہت سارے آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ (یعنی جھوٹ) اور ظلم اور حرام (مال) کھانے پر گرتے ہیں، واقعی ان کے یہ کام برے ہیں (یہ تو عوام کا حال تھا، آگے خواص کا حال ہے کہ) ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے (یعنی جھوٹ بولنے) سے اور حرام مال کھانے سے (مسئلہ معلوم ہونے اور واقعہ کی خبر ہونے کے باوجود) کیوں نہیں منع کرتے؟ واقعی ان کی یہ عادت بری ہے۔

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے، ان ہی کے ہاتھ بند ہیں اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت سے دور کر دیئے گئے، بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں۔ اور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا۔ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں، حق تعالیٰ اس کو فرو کر دیتے ہیں، اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے۔

ربط: اب بھی سابق کی طرح یہود کے بعض خاص حالات کا ذکر ہے، جن کا قصہ یہ ہوا تھا کہ بعض یہود یعنی نباش بن

قیس اور فخاص، قینقاع کے یہودیوں کے رئیس نے حق تعالیٰ کی جناب میں بخل وغیرہ کے گستاخانہ الفاظ کہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جیسا کہ اللباب میں الطبرانی کے حوالہ سے ابن عباسؓ سے اور ابوالشیخ کی روایت سے ہے، اور اس گستاخی کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ پہلے یہود پر رزق کی فراغت وفراوانی تھی، جب حضور ﷺ کے تشریف لانے پر وہ آپ کے ساتھ عداوت اور مخالفت سے پیش آئے تو رزق کی تنگی ہوگئی، اس پر وہ بیہودہ باتیں کہنے لگے، اس کو المعالم میں ابن عباسؓ وعکرمہ اور الضحاک اور قتادہ سے روایت کیا ہے، اور معالم میں وہ قول انہی الفاظ سے نقل کیا ہے ﴿ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ ﴾ اور باوجودیکہ کہنے والے دو ہی شخص تھے، لیکن چونکہ دوسرے یہود نے بھی اس سے منع وانکار نہیں کیا بلکہ اس کی تائید کرتے رہے اور خوش ہوتے رہے اس لئے دوسروں کو بھی اس نسبت میں شریک کرلیا گیا۔

یہود کا قول اور اس کی قباحت:

اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہوگیا ہے (یعنی نعوذ باللہ بخل کرنے لگا ہے، درحقیقت) ان ہی کے ہاتھ بند ہیں (یعنی واقع میں وہ خود بخل کے عیب میں مبتلا ہیں اور اللہ پر الزام لگاتے ہیں، اور اپنے اس کہنے کی وجہ سے یہ (اللہ کی) رحمت سے دور کردیئے گئے (جس کا اثر دنیا میں ذلت اور قید اور قتل وغیرہ ہے اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہے اور حاشا وکلا کہ اللہ تعالیٰ میں اس کا احتمال بھی ہو) بلکہ ان کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں (یعنی وہ بڑے جواد اور کریم ہیں، لیکن چونکہ حکیم بھی ہیں اس لئے) جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں (لہٰذا یہود پر جو تنگی ہوئی اس کی علت یہ حکمت ہے کہ ان کے کفر کا وبال ان کو چکھانا اور دکھانا ہے، اس کی علت بخل نہیں ہے) اور (یہود کے کفر اور سرکشی کی یہ حالت ہے کہ انہیں یہ توفیق نہ ہوگی کہ مثلاً اپنے قول کا باطل ہونا دلیل کے ساتھ سن لیا، تو اس سے توبہ کرلیں، نہیں بلکہ) جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے، وہ ان میں بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہوجاتا ہے (اس طرح سے کہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں تو کچھ تو پہلے سے طغیان وسرکشی اور کفر تھا پھر اور بڑھ گیا) اور (ان کے کفر کی وجہ سے ان پر جو لعنت یعنی رحمت سے دوری واقع کی گئی ہے، اس کے دنیوی آثار میں سے ایک یہ ہے کہ) ہم نے (ان کے درمیان (دین کے سلسلہ میں) قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا (چنانچہ ان میں مختلف فرقے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے کا دشمن، چنانچہ آپسی عداوت اور بغض کی وجہ سے جب کبھی (مسلمانوں کے ساتھ) لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں (یعنی لڑنے کا ارادہ کرتے ہیں) حق تعالیٰ اس کو ختم کردیتے ہیں (اور بجھا دیتے ہیں، یعنی وہ لوگ مرعوب ہوجاتے ہیں یا لڑ کر مغلوب ہوجاتے ہیں، یا آپسی اختلافات کی وجہ سے اتفاق کی نوبت نہیں آتی) اور (جب لڑائی میں بے بس ہوجاتے ہیں تو اپنی دشمنی اور بغض وکینہ دوسرے طریقہ سے نکالتے ہیں کہ) ملک میں (خفیہ طور پر) فساد کرتے پھرتے ہیں (جیسے نومسلموں کو بہکانا، لگائی بجھائی کرنا عوام کو توریت کے تحریف شدہ مضامین سنا کر اسلام سے روکنا) اور اللہ تعالیٰ (چونکہ) فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں

رکھتے (بلکہ مبغوض رکھتے ہیں، اس لئے اس فساد کی انہیں خوب سزا دی جائے گی، خواہ دنیا میں بھی اور آخرت میں تو ضرور)

فائدہ: کفر و طغیان کے جن دنیاوی آثار کا اس مقام پر واقعات کے طور پر ذکر ہوا ہے کہ دنیا میں ذلیل اور خوار اور قتل وقید ہوئے، اور ان میں مختلف فرقے ہوگئے، اور لڑائی میں ناکام رہے، آیت میں نہ ان کے لازم ہونے کا دعویٰ ہے، نہ ان کے خاص ہونے کا، پس یہ عرضِ عام مفارق ہیں، لہٰذا اگر یہ آثار کبھی عملاً ظاہر نہ ہوں یا غیر کفار میں بھی پائے جائیں تو کوئی اشکال لازم نہیں آتا۔

غرض ان اعمال اور آثار میں سبب اور مسبب کا تعلق ہے، علت اور معلول کا نہیں، اور یہود کا یہ قول اگرچہ اعتقاد کے ساتھ نہ ہو، جیسا کہ ان کا اہل علم ہونا بظاہر اسی کا تقاضا کرتا ہے، لیکن کلمۂ کفر پھر بھی کفر ہے، اس لئے ﴿لُعِنُوْا﴾ کی علت کے طور پر لفظ ﴿بِمَا قَالُوْا﴾ فرمایا یعنی انھوں نے جو کہا اس کی وجہ سے لعنت ہوئی بما اعتقدوا یعنی جس کا وہ عقیدہ رکھتے ہیں نہیں فرمایا، اور یہود کے جس بخل کا یہاں ذکر ہے یہ بخل ساری دنیا میں مشہور ہے، اور لفظ کثیر اس لئے فرمایا کہ بعض لوگ ان مضامین کو سن کر ڈر جاتے تھے، اور ایمان لے آتے تھے۔

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾﴾ ع

ترجمہ: اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام برائیاں معاف کر دیتے اور ضرور ان کو چین کے باغوں میں داخل کرتے۔ اور اگر یہ لوگ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی، اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے، ان میں ایک جماعت راہِ راست پر چلنے والی ہے۔ اور زیادہ ان میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں۔

ربط: اوپر بعض آیتوں میں یہود کی اور بعض میں نصاریٰ کی اور بعض میں دونوں کی برائیوں کا اور ان کے کفریہ احوال واقوال کا ذکر ہے، اب دونوں فریقوں کو ایمان کے دنیوی اور اخروی برکات سنا کر ایمان کی ترغیب دیتے ہیں اور اخروی برکتوں کے ضمن میں ایمان لانے پر ان سب گناہوں و جرائم اور کفریہ امور کا انتہائی قباحت وشناعت یعنی انتہائی برائی کے باوجود ان کی معافی کا وعدہ اور دنیاوی برکتوں کے ضمن میں ان پر رزق کی تنگی کا جو سبب تھا یعنی احکام الٰہی کو ترک کرنا، اس پر تنبیہ ہے، جس سے ﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ کہنے کی نوبت آئی تھی۔

اہل کتاب کو ایمان کی ترغیب کے لئے دونوں جہاں میں برکتوں کا ذکر کرتے ہیں:

اور اگر یہ اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ، جن امور حق کے منکر ہیں، جیسے رسالت محمدی اور حقیتِ قرآن، ان سب پر)

اگر ایمان لے آتے اور (رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے جن امور کا کفر ومعصیت پر ہونا بتایا گیا ہے، ان سب سے بچتے اور) تقوی (یعنی پرہیزگاری) اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام (پچھلی) برائیاں (کفر اور شرک اور دوسرے گناہ اور معاصی جن میں سارے اقوال واحوال اور اعمال آگئے) معاف کر دیتے۔ اور (معاف کر کے) ضرور ان کو چین (وسکون اور آرام) کے باغوں میں (یعنی جنت میں) داخل کرتے (یہ تو آخرت کی برکتیں ہوئیں) اور اگر یہ لوگ (ایمان اور مذکورہ تقوی اختیار کرتے، جس کو دوسرے عنوان سے یوں کہا جاتا ہے کہ) توریت اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے (اب) ان کے پاس (رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے) بھیجی گئی ہے (یعنی قرآن) اس کی پوری پابندی کرتے (یعنی ان میں جس جس بات پر عمل کرنے کے لئے لکھا ہے ان سب پر پورا عمل کرتے، اس میں رسالت کی تصدیق بھی آگئی، اور اس سے تحریف شدہ اور منسوخ شدہ احکام نکل گئے، کیونکہ ان کتابوں کا مجموعہ ان احکام پر عمل کرنے کو نہیں بتاتا بلکہ منع کرتا ہے) تو یہ لوگ (اس وجہ سے کہ) اوپر سے (یعنی آسمان سے پانی برستا) اور نیچے سے (زمین سے پیداوار ہوتی) خوب فراغت کے ساتھ کھاتے اور برتتے، یہ ایمان کی دنیاوی برکتوں کا ذکر ہوا، لیکن یہ کفر پر مصر رہے، اس لئے تنگی میں پکڑے گئے جس پر بعض نے حق تعالیٰ کی شان میں بخل کی نسبت کر کے گستاخی کی، مگر پھر بھی سب یہود ونصاری برابر نہیں، چنانچہ) ان (ہی) میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی (بھی) ہے (جیسے یہود میں حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور نصاری میں حضرت نجاشی اور ان کے ساتھی، لیکن ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں) اور (باقی) ان میں زیادہ ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں (کیونکہ کفر وعناد سے بدتر کیا کردار ہوگا)

فائدہ: یہاں بھی گذشتہ آیت کی طرح دینوی برکتیں واقعہ کی صورت میں بیان کی گئی ہیں، جس کے اشخاص اور احوال کے عموم پر اور اسی طرح ایمان واعمال کے ساتھ اختصاص پر کوئی دلیل نہیں، لہٰذا اگر کوئی مسلم تنگی میں ہو یا کوئی کافر وسعت میں ہو تو اس سے کوئی اشکال لازم نہیں آتا، جیسا کہ پہلی آیت کے فائدہ کے تحت بھی اس کا بیان گذر چکا ہے، اور احقر نے ﴿ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ ﴾ الخ کی جو تقریر کی ہے اس سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ اب بھی پوری توریت وانجیل پر عمل کرنا چاہئے، اور قرآن کے ذکر کے کافی ہونے کے باوجود ان کے بڑھانے کی وجہ اہل کتاب کو یہ بتانا ہے کہ محمد ﷺ کے جھٹلانے سے توریت اور انجیل پر بھی عمل فوت ہو جاتا ہے، اور حضرت محمد ﷺ کی تصدیق توریت اور انجیل پر عمل کے خلاف نہیں ہے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے، اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ

ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔

ربط: اوپر دور سے کفار کی مذمت کا سلسلہ چلا آرہا ہے، چونکہ ہر جگہ کفار تعداد میں زیادہ تھے یعنی عددی طور پر ان کی کثرت تھی، جیسا کہ ہمیشہ ہی دیکھا جاتا ہے، اس کے علاوہ خود قرآن میں بھی جگہ جگہ منصوص ہے، جیسے ایک جگہ فرمایا: ﴿أَكْثَرُكُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾: اور مخالفوں کی اکثریت ہوتے ہوئے اعلانیہ ان کی مذمت کرنا، خاص طور سے آمنے سامنے ہو کر گفتگو کرنا جیسا کہ بعض آیات میں لفظ قُلْ کا تقاضہ ہے، بعض اوقات خطرہ کا باعث ہوسکتا ہے اور ضرر و نقصان کا احتمال ہوتا ہے، اس لئے اب جناب رسول اللہ ﷺ کو دین کی تبلیغ کے حکم کے ساتھ اس نقصان کا ڈر و خوف اور خطرہ نہ ہونے کا اطمینان دلاتے ہیں۔

تبلیغ کے سلسلہ میں کفار کا کچھ خوف نہ کھائیں:

اے رسول! (ﷺ) جو جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، آپ (لوگوں کو) سب پہونچا دیجئے اور اگر (بفرض محال) آپ ایسا نہ کریں گے تو (ایسا سمجھا جائے گا، جیسے) آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک بھی پیغام نہیں پہونچایا (کیونکہ جو جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اس کے پورے مجموعہ کا پہونچانا فرض ہے تو جس طرح کل کے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے سے یہ فرض فوت ہوتا ہے، اسی طرح بعض کے چھپانے سے بھی وہ فرض فوت ہوتا ہے) اور (تبلیغ کے سلسلہ میں کفار کا کچھ خوف نہ کیجئے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے (یعنی اس سے کہ وہ آپ کے مقابلہ میں آکر آپ کو قتل وہلاک کر ڈالیں) محفوظ رکھے گا (اور) یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو (اس طرح قتل وہلاک کر ڈالنے کے واسطے آپ تک پہونچنے کے لئے) راستہ نہ دیں گے۔

فائدہ: چنانچہ یہ وعدہ اسی طرح سچا ثابت ہوا کہ اگرچہ کسی غزوہ کے دوران آپ زخمی بھی ہوئے اور یہود نے نامردوں اور بزدلوں کی طرح آپ کو زہر بھی دیا، مگر مجتمع ہو کر اور مد مقابل آکر کوئی آپ کو قتل وہلاک نہ کرسکا، اور اس پیشین گوئی کا واقع اور پورا ہونا آپ کا معجزہ اور آپ کی نبوت کی دلیل ہے، اور ترمذی میں ہے کہ پہلے حضور ﷺ کی حفاظت کے لئے لوگ آپ کے ساتھ رہتے تھے، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: اب سب چلے جاؤ، اب اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا اعلان فرمادیا ہے، یہ بھی نبوت کی دلیل ہے، کیونکہ ایسا اعتماد بغیر وحی کے نہیں ہوسکتا۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ اے اہل کتاب! تم کسی راہ پر بھی نہیں جب تک کہ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب تمہارے

پاس تمہارے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے، اس کی بھی پوری پابندی نہ کرو گے اور ضرور جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے، وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے تو آپ ان کافر لوگوں پر غم نہ کیا کیجئے۔

ربط: اوپر والی ایک آیت سے پہلے اہل کتاب کو اسلام کی ترغیب دی تھی، اب ان کے موجودہ طریقہ کے جس کے حق ہونے کا وہ دعویٰ کرتے تھے: اللہ کے نزدیک ناکارہ ہونے، نجات کے لئے بے کار ہونے اور نجات کے اسلام پر موقوف ہونے اور اس کے بعد بھی ان کے کفر پر اصرار پر رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی کا مضمون ارشاد فرماتے ہیں اور درمیان میں ایک خاص مناسبت سے یہ تبلیغ کا مضمون آ گیا تھا۔

اہل کتاب کے موجودہ طریقہ کا ناقابل قبول ہونا اور رسول اللہ ﷺ کو تسلی:

آپ (ان یہود و نصاریٰ سے) کہئے کہ اے اہل کتاب! تم کسی بھی راہ پر نہیں ہو (کیونکہ ناقابل قبول اور غیر مقبول راہ پر ہونا کسی راہ پر نہ ہونے کے برابر ہی ہے) جب تک کہ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب (اب) تمہارے پاس (رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے) تمہارے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے (یعنی قرآن) اس کی بھی پوری پابندی نہ کرو گے (جس کے معنی اور ترغیب اور برکتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے) اور (اے محمد! ﷺ چونکہ ان میں اکثر لوگ ناپسندیدہ تعصب میں مبتلا ہیں، اس لئے یہ) ضرور (ہے کہ) جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے، وہ ان میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے (اور اس سے ممکن ہے کہ آپ کو رنج و غم ہو، لیکن جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ متعصب ہیں) تو آپ ان کافروں (کی اس حالت) پر غم نہ کیجئے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾ ﴾

ترجمہ: یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور فرقۂ صابئین اور نصاریٰ جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے ایسوں پر نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

ربط: اوپر اہل کتاب کو اسلام کی ترغیب دی تھی، اب بھی ایک عام قانون کے ذریعہ جس میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب شامل ہیں، اس کی ترغیب ہے۔

نجات کا قانون:

یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور صابئین کا فرقہ اور نصاریٰ (ان سب میں سے) جو شخص یقین رکھتا ہو، اللہ

تعالیٰ (کی ذات وصفات) پر اور قیامت کے دن پر اور نیک عمل کرے (یعنی شریعت کے قانون کے مطابق) ایسے لوگوں پر (آخرت میں) نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

حوالہ: ایک ایسی ہی آیت سورۂ بقرہ کے تیرہویں معاملہ کے بعد، اس کے ضروری متعلقہ مضامین سمیت گذر چکی ہے، وہاں دیکھ لی جائے۔

﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان کے پاس بہت سے پیغمبر بھیجے جب کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم لایا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا، سو بعضوں کو جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہوگی اس سے اور بھی اندھے اور بہرے بن گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی پھر بھی اندھے اور بہرے بنے رہے یعنی ان میں کے بہتیرے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں۔

ربط: اوپر سے اہل کتاب کے قبیح امور کا ذکر چلا آ رہا تھا، اب پھر اسی ذکر کی طرف لوٹ رہے ہیں، پہلے یہود کا ذکر ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی ہے جس کا اس سے پہلے ﴿ لَيَزِيْدَنَّ ﴾ الخ میں ذکر تھا، اس کی تاکید ہے کہ اس قوم کی تو ہمیشہ سے ایسی ہی عادت چلی آتی ہے، پھر نصاریٰ کا ذکر ہے۔

یہود کے ذکر کی طرف لوٹنا:

ہم نے بنی اسرائیل سے (پہلے توریت میں تمام پیغمبروں کی تصدیق اور اطاعت کا) عہد لیا اور (اس عہد کو یاد دلانے کے لئے) ہم نے ان کے پاس بہت سارے پیغمبر بھیجے (لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ) جب کبھی کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسا حکم لایا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا (وہ ہمیشہ ہی ان پیغمبروں کے ساتھ مخالفت سے پیش آئے) ان لوگوں نے بعض کو (تو) جھوٹا بتایا اور بعض کو (بے دھڑک) قتل ہی کر ڈالتے تھے اور (ہمیشہ ہر شرارت پر جب سزا سے کچھ مہلت دی گئی) یہی گمان کیا کہ کچھ بھی سزا نہ ہوگی، اس (گمان) سے اور بھی اندھے اور بہرے (کی طرح) ہو گئے (کہ نہ انبیاء کے سچے ہونے کے دلائل کو دیکھا، نہ ان کے کلام کو سنا) پھر (ایک مدت کے بعد) اللہ تعالیٰ نے ان پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمائی (کہ کسی دوسرے پیغمبر کو بھیجا کہ اب بھی راہ راست پر آ جائیں مگر) پھر بھی (اگرچہ سب تو نہیں مگر) ان میں سے بہت سارے پھر (اسی طرح) اندھے اور بہرے بنے رہے اور اللہ تعالیٰ ان کے (ان) اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں (یعنی ان کا گمان

غلط تھا، چنانچہ انہیں وقتاً فوقتاً سزا بھی دی جاتی رہی، مگر ان کا یہی شیوہ رہا، حتی کہ اب آپؐ کے ساتھ اسی طرح جھٹلانے اور مخالفت کا برتاؤ کیا)

فائدہ: ان رسولوں میں جن کی شریعت یا بعض احکام جدید تھے، ان کی مخالفت کرنا اور ان کے خلاف ہونا تو اعتقاد سے بھی ممکن ہے، اور جو رسول صرف بعینہٖ توریت کے احکام کی تعلیم دیتے تھے ان کے خلاف ہونا عمل کی ناگواری کے اعتبار سے تھا، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں بیوہ کے نکاح کا حال ہے، اور یہ سزائیں ہر زمانہ میں جدا و مختلف ہوتی رہیں، کبھی طاعون کبھی قتل، کبھی ذلت و قید اور کبھی مسخ وغیرہ جیسا کہ آیتوں اور روایتوں میں مذکور اور مشہور ہے۔

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ عین مسیح ابن مریم ہے، حالانکہ مسیحؑ نے خود فرمایا تھا کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ بجز ایک معبود کے اور کوئی معبود نہیں، اور یہ لوگ اپنے اقوال سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں کافر رہیں گے، ان پر دردناک عذاب واقع ہوگا، کیا پھر بھی خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے ہیں، بڑی رحمت فرمانے والے ہیں۔

ربط: اس آیت کا ربط اوپر والی آیت کی تمہید میں بیان ہو چکا۔

نصاریٰ کے ذکر کی طرف واپسی اور ان کے عقیدہ کو باطل قرار دینا:

بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے، جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ، عین مسیح ابن مریم ہے (یعنی دونوں ایک ہی ہیں، یا دونوں میں اتحاد ہے) حالانکہ (حضرت) مسیح نے خود فرمایا تھا کہ اے بنی اسرائیل! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے (اور اس قول میں اللہ کے ذریعہ اپنے پالے جانے کی اور بندہ ہونے کی تصریح ہے، پھر انہیں الٰہ یعنی معبود اور عبادت کے لائق کہنا وہی "مدعی سست گواہ چست" والی بات ہے) بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ (معبود ہونے یا معبود کے خواص میں) شریک قرار دے گا، اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دے گا، اور اس کا ٹھکانا (ہمیشہ کے لئے) دوزخ

ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا (کہ دوزخ سے بچا کر جنت میں پہونچا سکے، اور جس طرح اتحاد کا عقیدہ کفر ہے، اسی طرح تثلیث یعنی تین خدا ماننے کا عقیدہ بھی کفر ہے لہٰذا) یقیناً وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین (معبودوں) میں کا ایک ہے، حالانکہ سوائے ایک معبود کے اور کوئی معبود (برحق) نہیں (نہ دو اور نہ تین، جب یہ عقیدہ بھی کفر اور شرک ہے تو ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ﴾ الخ میں جس سزا کا ذکر ہوا ہے، وہ اس پر بھی لازم آئے گی) اور اگر یہ (دونوں عقیدوں کے) لوگ اپنے (کفریہ) اقوال سے باز نہ آئے تو (سمجھ رکھیں کہ) جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر (آخرت میں) وردناک عذاب واقع ہوگا (کیا توحید اور وعید کے ان مضامین کو سننے کے بعد (پھر بھی) اپنے ان عقائد واقوال سے) اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے، حالانکہ (جب کوئی توبہ کرتا ہے تو) اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے (اور) بڑی رحمت فرمانے والے ہیں۔

فائدہ: اوپر اسی سورت کی آیت ۱۴ ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى﴾ کی تفسیر میں ان عقیدوں والے فرقوں کی تعیین گذر چکی ہے، اور فقرہ ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ﴾ اور ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ﴾ میں دو احتمال ہیں یا تو حضرت عیسیٰ کے کلام کا تتمہ ہو اور موجودہ انجیلوں میں نقل نہ کیا گیا ہو، یا بقول تفسیر حقانی محفوظ نہ رہا ہو، یا اللہ تعالیٰ کا کلام ہو جو حقانی کے مطابق انجیل کے بھی دوسرے مواقع سے ثابت ہے۔

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾

ترجمہ: مسیح ابن مریم کچھ بھی نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں، جن سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ ایک ولی بی بی ہیں، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے، دیکھئے تو ہم کیونکر دلائل ان سے بیان کررہے ہیں پھر دیکھئے وہ الٹے کدھر جارہے ہیں۔

ربط: اوپر مسیح کے خدا ہونے کو عام مضمون سے باطل قرار دیا تھا، اب ایک خاص دلیل سے اسی طرح باطل فرماتے ہیں۔

مسیح کے خدا ہونے کے باطل ہونے کی دلیل:

(حضرت) مسیح ابن مریم (عین خدا یا جزو خدا) کچھ بھی نہیں، صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر (معجزوں والے) گذر چکے ہیں (جن کو عیسائی معبود نہیں مانتے، لہٰذا اگر پیغمبری یا خلاف عادت ہونا خدا ہونے کی دلیل ہے تو سب کو خدا ماننا چاہئے اور اگر خدا ہونے کی دلیل نہیں تو حضرت عیسیٰ کو کیوں خدا مانا جائے، غرض یہ کہ جب دوسروں کو خدا نہیں مانتے تو عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مت کہو) اور (اسی طرح) ان کی والدہ (بھی خدا یا خدا کا جز نہیں بلکہ وہ) ایک ولی بی بی ہیں (جیسی اور بیبیاں بھی ولی ہو چکی ہیں، اور ان دونوں کے معبود نہ ہونے کے دلائل میں سے ایک آسان دلیل یہ

ہے کہ) یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے (اور) جو کوئی بھی کھانا کھاتا ہے، وہ کھانے کا محتاج ہوتا ہے، خواہ غذا کی ضرورت کے طور پر یا لذت حاصل کرنے کی غرض سے، اور کھانا مادیت کا خاصہ ہے، اور محتاج ہونا اور مادیت امکان کے خواص سے ہے، اور امکان وجوب کے منافی ہے، اور واجب ہونا معبود ہونے کے لئے لازم ہے، جب وجوب ختم ہوگا تو معبودیت باطل ہوجائے گی) دیکھئے تو (سہی) ہم ان سے کس طرح (صاف صاف) دلائل بیان کرر ہے ہیں، پھر دیکھئے وہ الٹے کدھر جار ہے ہیں۔

فائدہ: یہ دلیل مادیت سے استدلال کے اعتبار سے روح القدس کے معبود ہونے کو باطل قرار دینے کے لئے بھی کافی ہے، کیونکہ ان کا آنا جانا، چلنا پھرنا یہ سب امور مادہ کے خواص میں سے مسلم ہیں، اور مادیت سے امکان اور اس سے معبودیت کے باطل ہونے کے لئے کافی ہونا ظاہر ہے، اس لئے الگ سے مستقل طور پر اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوئی، اور چونکہ ان لوگوں سے انہی امور میں کلام تھا، اس لئے غیر مادی چیزوں کے متعلق استدلال کا ذکر بھی یہاں ضروری نہیں ہے۔

﴿قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

ترجمہ: آپ فرمایئے کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا، حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں، سب جانتے ہیں۔

ربط: اوپر مسیح کے معبود ہونے کے عقیدہ کو باطل قرار دیا تھا، اب انہیں معبود قرار دینے والوں کو تنبیہ فرمار ہے ہیں۔

مسیح کو خدا ماننے والوں کو تنبیہ:

آپ (ان سے) فرمایئے کہ کیا تم اللہ کے سوا (کسی بھی) ایسے کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کوئی مدد پہونچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہونچانے کا (اختیار رکھتا ہو، اور عاجز ہونا خود معبود ہونے کے منافی ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں، سب جانتے ہیں (پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرتے اور اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آتے)

فائدہ: یا تو مذکورہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش بھی کرتے ہوں یا یہ کہ عبادت میں سب سے بڑا درجہ معبود ہونے کے اعتقاد کا ہے جب وہ عیسیٰ کے معبود ہونے کے منعقد ہوئے تو یقیناً ان کی عبادت کی۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ﴾ ع ۱۴

ترجمہ: آپ فرمایئے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق کا غلو مت کرو، اور ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو جو پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور اَور بھی بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے ہیں، اور وہ لوگ راہِ راست سے دور ہوگئے تھے۔

ربط: اوپر نصاریٰ کے باطل عقائد کا باطل ہونا ثابت کیا تھا، چونکہ ایسے عقیدوں میں اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسلاف اور بزرگوں کے طریقہ کو دلیل بنایا کرتے ہیں، اس لئے اب ان لوگوں کو اس طریقہ کے اختیار کرنے سے منع فرمارہے ہیں۔

نصاریٰ کو خلاف حق باتوں میں اسلاف کے اتباع کی ممانعت:

آپ (ان نصاریٰ سے) فرمایئے کہ اے اہل کتاب! تم اپنے دین (کے معاملہ) میں ناحق کا غلو (اور افراط) مت کرو، اور اس (افراط کے بارے) میں ان لوگوں کے خیالات (یعنی بے سند باتوں) پر مت چلو جو (اس وقت سے) پہلے خود بھی غلطی سے پڑ چکے ہیں، اور (اپنے ساتھ) دوسروں کو بھی بہت سوں کو (لے ڈوبے ہیں اور) غلطی میں ڈال چکے ہیں اور (ان کی وہ غلطی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ حق آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہو، اس کا پتہ نہ چلتا ہو بلکہ) وہ لوگ راہ راست (کے ہوتے ہوئے قصداً اس) سے دور (اور علاحدہ) ہو گئے تھے (یعنی جب ان کی غلطی دلائل سے ثابت ہوگئی پھر ان کا اتباع کیوں نہیں چھوڑتے؟)

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی، داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے، یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انھوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے۔ جو برا کام انھوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے، واقعی ان کا فعل بیشک برا تھا۔

ربط: اوپر نصاریٰ کے ذکر سے پہلے جیسے یہود کا ذکر تھا، اب پھر یہود کا ذکر ہے، اور اس ذکر کے ختم پر یہود کے تعصب کی شدت کے مقابلہ میں نصاریٰ کا عموماً کم تعصب والا ہونا اور ان میں سے ایک خاص نو مسلموں کی جماعت کا خاص طور سے حق کا پیرو ہونا بیان فرمایا ہے، اور پھر اس مقام پر اس بحث کو ختم کر کے دوسرے مختلف احکام ارشاد فرماتے ہیں، پھر نصاریٰ کے ساتھ کچھ باقی کلام سورت کے آخر میں لائیں گے۔

زمانۂ ماضی کے یہود کا ذکر:

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر (حضرت) داؤد (علیہ السلام) اور (حضرت) عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی زبان سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت) لعنت کی گئی تھی (یعنی زبور اور انجیل میں کافروں پر لعنت لکھی تھی، جیسے قرآن مجید میں بھی ہے: ﴿فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ ۸۹) چونکہ یہ کتابیں حضرت داؤد و حضرت عیسیٰ علیہما السلام

پر نازل ہوئیں، اس لئے یہ مضمون ان کی زبان سے ظاہر ہوا اور) یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انھوں نے حکم کی (عقیدہ کے طور پر) مخالفت کی (جو کہ کفر ہے) اور (اس مخالفت میں) حد سے (بہت دور) نکل گئے (یعنی کفر بھی شدید تھا، پھر شدید کے ساتھ طویل مدت تک چلنے والا بھی تھا، یعنی اس پر مستقل چلتے رہے، چنانچہ) جو برا کام (یعنی کفر) انھوں نے (اختیار) کر رکھا تھا، اس سے (آئندہ کے لئے بھی) باز نہ آتے تھے (بلکہ اس پر اصرار کرتے تھے، لہٰذا ان کے طویل مدت تک چلنے والے اور شدت کے سبب ان پر شدید لعنت ہوئی) واقعی ان کا (یہ مذکورہ) فعل (یعنی کفر اور وہ بھی شدید اور طویل مدت تک چلنے والا) بیشک برا تھا (کہ اس پر یہ سزا مقرر ہوئی)

﴿ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ ان میں بہت سے آدمی دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، جو کام انھوں نے آگے کے لئے کیا ہے وہ بیشک برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناخوش ہوا اور یہ لوگ عذاب میں دائم رہیں گے، اور اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر پر اور اس کتاب پر جو ان کے پاس بھیجی گئی تھی تو ان کو کبھی دوست نہ بناتے، لیکن ان میں زیادہ تر لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں۔

ربط: اوپر یہود کے اسلاف کا ذکر تھا، اب ان کے بعد میں آنے والے یعنی آیات کے نزول کے وقت جو لوگ موجود تھے ان کا ذکر ہے، اور اسلاف کا ذکر پہلے لانے میں وجود کی ترتیب کے علاوہ یہ بھی فائدہ ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی ہے کہ آپ ان لوگوں کی مخالفت کا غم نہ کیجئے، اس قوم کا شیوہ ایک مدت سے ایسا ہی چلا آتا ہے۔

موجودہ یہود کا ذکر:

آپ ان (یہود) میں بہت سے آدمی دیکھیں گے کہ (مشرک) کافروں سے دوستی کرتے ہیں (چنانچہ مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکوں میں مسلمانوں سے دشمنی کے سلسلہ میں آپس میں خوب ساز باز اور گہرے تعلقات تھے جس کا منشا کفر میں مناسبت تھا، جو کام انھوں نے آگے (بھگتنے) کے لئے کیا ہے (یعنی کفر، جو کفار سے دوستی اور مؤمنوں سے دشمنی کا سبب تھا) وہ بیشک برا ہے کہ (اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ کے لئے ناخوش ہوا، اور ہمیشہ کی اس ناخوشی کا نتیجہ وثمرہ وغیرہ یہ ہوگا کہ) یہ لوگ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور اگر یہ (یہودی) لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر (یعنی موسیٰ علیہ السلام) پر ایمان رکھتے (جس کا انہیں دعویٰ ہے) اور اس کتاب پر (ایمان رکھتے) جو ان (پیغمبر) کے پاس بھیجی گئی تھی (یعنی توریت) تو ان (مشرکوں) کو (اس طرح) کبھی دوست نہ بناتے (کہ ایک ایسے نبی کے ساتھ جس کی نبوت ثابت

ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفر کرکے، اس کفر اور اس کے آثار یعنی اہل اسلام کی عداوت و دشمنی کی مناسبت سے مشرکوں سے تعلق رکھیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر ایک نبی کا بھی انکار کیا تو اللہ تعالیٰ اور تمام انبیاء اور اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں کے ساتھ کفر ہو گیا) لیکن ان میں زیادہ تر لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں (اسی لئے ان سے مذکورہ معنوں میں کفار سے دوستی اختیار کرنے کا عمل ہو رہا ہے)

فائدہ: لفظ کثیر کا مصداق دونوں جگہ ایک ہی ہے، یعنی غیر مؤمن اور یہ قید مؤمنوں کو اس سے باہر کرنے کے لئے ہے، جیسا کہ کئی بار گذر چکا ہے۔

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾

ترجمہ: تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور مشرکین کو پاویں گے، اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر ان لوگوں کو پائیے گا، جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں، اور یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں۔

ربط: اوپر یہود کے مشرکوں کے ساتھ دوستی رکھنے کا ذکر تھا۔ اب ان کے مع مشرکوں کے مسلمانوں سے عداوت رکھنے کا ذکر ہے جو اصل میں اس دوستی کا سبب ہے اور کفر کا بھی سبب ہے۔ اور جیسا کہ ہر مضمون میں عدل و انصاف قائم رکھنے کو قرآن مجید میں لازم رکھا گیا ہے، اسی بنا پر یہود کی بہ نسبت نصاریٰ ایک خاص جماعت میں تعصب کا کم ہونا بیان کیا ہے اور ان نصاریٰ کا جنھوں نے حق کو قبول کر لیا تھا اچھی تعریف و ثنا کا اور اچھی چیز کا مستحق ہونا بیان کیا ہے۔ اور یہ جماعت خاص طور سے حبشہ کے نصاریٰ کی تھی، جنھوں نے مسلمانوں کو اس وقت جب وہ مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے اپنا وطن مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے تھے کوئی تکلیف نہیں دی تھی، اور جو دوسرے نصرانی ایسے ہی ہوں حکماً وہ بھی انہی میں داخل ہیں، اور ان میں سے جنھوں نے حق کو قبول کر لیا تھا، وہ نجاشی بادشاہ اور ان کے مصاحب و ساتھی ہیں کہ وہ حبشہ میں بھی قرآن کو سن کر روئے اور بعد میں مسلمان ہو گئے، پھر تیس آدمی حضور ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

یہود اور مشرکوں میں تعصب کی شدت اور بعض نصاریٰ میں اس کی کمی کا ذکر:

(غیر مؤمنوں میں) مسلمانوں سے سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے آپ ان یہود کو اور ان مشرکوں کو پائیں گے اور ان (غیر مؤمنوں) میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر (دوسروں کی بہ نسبت) ان لوگوں کو پائیں گے جو

خود کو نصاری کہتے ہیں (قریب تر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دوست تو وہ بھی نہیں مگر مذکورہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں غنیمت ہیں) یہ (دوستی کے لئے قریب تر ہونا اور عداوت و دشمنی میں کم ہونا) اس سبب سے ہے کہ ان (نصاری) میں بہت سے [1] علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں (اور جب کسی قوم میں ایسے لوگ بکثرت ہوتے ہیں تو عوام میں بھی حق کے ساتھ عناد نہیں رہتا، چاہے خواص و عوام حق کو قبول بھی نہ کریں) اور یہ اس سبب سے ہے کہ یہ (نصاری) لوگ متکبر نہیں ہیں (یہاں ﴿ قِسِّيْسِيْنَ ﴾ یعنی علم دوست علماء اور رہبان یعنی تارک دنیا درویشوں کے وجود سے علت فاعلہ کی طرف اور متکبر نہ ہونے سے حق کو قبول کرنے کی اہلیت کی طرف اشارہ ہے، ان کے برخلاف یہود اور مشرک دنیا کے متوالے اور متکبر ہیں، اور اگر چہ یہود میں بھی بعض علماء حقانی یعنی حق پسند اور قبول کرنے والے تھے جو مسلمان بھی ہوگئے تھے، لیکن ان کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے ان کا عوام پر اثر نہیں ہوا، اس لئے ان میں عناد ہے، جو عداوت کی شدت کا سبب ہوجاتا ہے، اس لئے یہود تو مؤمن ہی کم ہوئے اور مشرکوں میں سے جب عناد نکل گیا تب وہ مؤمن ہونا شروع ہوئے)

فائدہ: آیت کی تفسیر کے بیان سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ بات تمام زمانوں اور تمام مقامات کے نصاری کے بارے میں نہیں ہے ـــــ اور اس پر بعض دلیلیں اور بعض قرینے ہیں:

پہلی دلیل: اس قرب اور محبت کا ایک سبب یہ فرمایا کہ ان میں ایسے ایسے اوصاف والے عالم اور درویش ہیں اور ہم اس سبب کو عام نہیں پاتے۔

دوسری دلیل: اسی کا دوسرا سبب یہ فرمایا کہ ان میں تکبر نہیں ہے، ہم اس کو بھی عام نہیں پاتے۔

تیسری دلیل: یہاں مؤمنوں سے محبت اور قرب کی خبر دی ہے، خود اس کا واقع ہونا بھی عام نہیں پایا جاتا، اور سچ ہونا کلام الٰہی کے لازمی امور میں سے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں وہی نصاری مراد ہیں جن میں یہ اوصاف پائے جائیں جن کا سبب اور مسبب میں ذکر ہے، لہٰذا تملق و چاپلوسی کرنے والے بعض لوگوں کا دنیاوی غرض سے اس میں عموم مطلق کا دعوی کرنا محض ہوا پرستی ہے۔

پہلا قرینہ: سبب نزول خاص ہے جیسا کہ تمہید میں بیان ہوا۔

دوسرا قرینہ: ﴿ قَالُوْٓا ﴾ ماضی کا صیغہ ہے، لہٰذا جو لوگ آج یا آیت کے نزول کے زمانہ کے بعد ﴿ اِنَّا نَصٰرٰی ﴾ کہنے والے پائے جائیں ان کا نہ اس آیت میں ذکر ہے، اور نہ ہی وہ اس میں داخل ہیں، بلکہ آیت ان کے سلسلہ میں

---

(۱) لفظ علم دوست اس لئے بڑھایا تا کہ یہ شبہ جاتا رہے کہ یہود میں بھی بہت سے لوگ عالم تھے، پھر نصاری کی کیا تخصیص ہے۔ شبہ دور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر چہ یہود میں عالم تھے، لیکن وہ لوگ علم دوست نہیں تھے، اس لئے انہیں مسلمانوں سے بغض ہوا اور نصاری کو نہیں ہوا کہ وہ علم دوست تھے، اور مسلمان ذی علم ہیں، اسی لئے وہ ان سے محبت و دوستی رکھتے تھے۔ تبیان

خاموش ہے، ان کا حکم دوسری دلیلوں سے ڈھونڈا جائے گا کہ اگر وہ اچھے ہیں تو اچھے اور برے ہیں تو برے۔

تیسرا قرینہ: ﴿ لَتَجِدَنَّ ﴾ میں اصل یہی ہے کہ خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہو، لہٰذا دوسرے زمانوں کے لوگ اس میں شامل نہیں، اب ہمیں جواب میں اس کا قائل ہونے کی ضرورت نہیں رہی کہ آیت کو خاص نو مسلم نصاریٰ کے لئے مخصوص قرار دیا جائے، اگرچہ بہت سے مفسر اس کے قائل ہیں ـــــ اور دو شاہد اس کی تائید بھی کرتے ہیں۔

پہلا شاہد: سبب نزول۔

دوسرا شاہد: اگلی آیت کے پہلے لفظ ﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا ﴾ کا یقینی طور پر خاص اسلام لانے والوں کی شان میں ہونا اور اس میں پائی جانے والی ضمیر کا اپنے سے پہلے کی طرف راجع ہونا اور راجع اور مرجع کا متحد ہونا، لیکن بظاہر قرینوں سے اتنا مخصوص ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا، اور صاحب روح المعانی نے بھی اس سے خصوص مراد نہیں لیا۔

پہلا قرینہ: ان کو محبت اور دوستی میں اقرب یعنی زیادہ قریب فرمایا ہے، اور جو مسلمان ہو گئے تھے وہ تو قرب مودت یعنی محبت اور دوستی میں قریب ہونے سے بھی آگے بڑھ کر خود مودت بلکہ مودت کی شدت کی صفت والے ہو گئے تھے۔

دوسرا قرینہ: ان نو مسلموں کی دوستی کی اصل علت ایمان ہے، نہ کہ دنیا کو ترک کرنا اور علم کی محبت اور اخلاق وتواضع، پھر دنیا کو ترک کرنے کو رہبانیت کے عنوان سے تعبیر فرمایا جو کہ شریعت محمدیہ میں غیر محمود اور ناپسندیدہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم ان کے اندر نصرانیت کے باقی رہنے کی حالت میں ہی فرمایا گیا ہے، لہٰذا آیت میں نہ مطلق عموم ہے اور نہ مطلق خصوص، اور شانِ نزول میں کسی ایک وجہ سے عموم ہونے میں کوئی نقصان نہیں، کیونکہ اس کا ایک جزء یعنی ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ ﴾ نصرانیت کی حالت کے اعتبار سے ہوسکتا ہے اور دوسرا جزء یعنی ﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا ﴾ اسلام کی حالت کے اعتبار سے ہے۔ اور ﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا ﴾ کی ضمیر بعض کے اعتبار سے ماقبل کی طرف راجع ہوسکتی ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے، لہٰذا اس سے دونوں مذکورہ شاہدوں کا جواب ہو گیا ـــــ اور یہاں مفسرین نے دو فائدے لکھے ہیں۔

پہلا فائدہ: اخلاق حمیدہ کسی بھی قوم میں ہوں وہ بہرحال حمیدہ ہیں۔

دوسرا فائدہ: نصاریٰ کا کفر اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں ہے کہ وہ تثلیث یعنی تین خداؤں کے قائل ہیں، جبکہ اکثر یہود کا کفر نبوت کے ساتھ ہے، ان میں سے صرف بعض لوگوں نے ہی عزیز علیہ السلام کو بھی ابن اللہ کہا تھا، اور پہلا کفر دوسرے کفر کے مقابلہ میں اشد یعنی زیادہ شدید ہے، لیکن اخلاق کے فرق کی وجہ سے دوسرے پر زیادہ ملامت کی گئی، یہاں سے اہل اسلام کے بدعتی فرقوں میں اس تفاوت کا حال سمجھنا چاہئے ـــــ اور یہاں دو تنبیہیں ہیں۔

پہلی تنبیہ: یہاں نصاریٰ کے کفار کی مدح وتعریف نہیں ہے، بلکہ انصاف ہے، اور اخلاق کی ذاتی طور پر مدح وستائش ہے۔

دوسری تنبیہ: اخلاق میں رہبانیت کی تعریف اس کی تمام خصوصیات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے صرف ایک جزء یعنی دنیا کی محبت ترک کرنے کے اعتبار سے ہے اور احقر نے جو آیت کے ربط کی تقریر میں لفظ عدل اور انصاف اور اقرب کے ترجمہ میں لفظ نسبت ظاہر کر دیا ہے اس سے اشکال کو دور کرنے والے دو امر ہو گئے۔

پہلا امر: آیت میں نصاری کی مدح وستائش مقصود نہیں، بلکہ تقریر میں انصاف ہے، جیسا کہ ابھی پہلی تنبیہ میں ذکر کیا گیا۔

دوسرا امر: آیت میں مودت یعنی محبت اور دوستی کا کامل قرب مقصود نہیں بلکہ قرب اضافی مقصود ہے —— اور یہاں دو تحقیقوں کے لئے دو نکتے مفید ہیں۔

پہلا نکتہ: ﴿الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ کو ماضی لائے، اس کا یہ فائدہ ہے کہ تمام زمانوں اور مقامات کے مشرکوں پر اس حکم کا جاری ہونا ضروری نہیں۔

دوسرا نکتہ: ﴿الَّذِيْنَ قَالُوْٓا﴾ کو ماضی لائے، دوسرے قرینہ میں اس کا بھی یہی فائدہ گذر چکا ہے۔ لہٰذا اگر کسی جگہ پرانے طرز کے ہندو متعصب عیسائیوں کی بہ نسبت مسلمانوں سے زیادہ الفت رکھنے والے پائے جائیں تو قرآن اس کی نفی نہیں کرتا، اور یہود اول تو اب تک الفت کرنے والے کہیں سنے نہیں گئے، لیکن اگر کہیں پائے جائیں تو الیھود میں الف لام عہد کا ہو سکتا ہے، چنانچہ ترجمہ میں جو لفظ ان لکھا گیا ہے اس سے اسی طرف اشارہ ہوتا ہے، یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی قوم پر کوئی حکم اکثریت کے اعتبار سے ہوتا ہے، گنتی کے چند لوگوں کا اس سے خارج ہونا حکم کے خلاف ہونے کا سبب نہیں —— اور مودت کے قرب کی دو تحقیقیں اور ہیں:

پہلی تحقیق: یہ مودت کے قرب کا مذکورہ حکم نصاری کے حق میں ہے اور جو قوم واقعی طور پر نصاری میں شامل نہ ہو خواہ عام لوگ بعض وضع قطع اور مشابہتوں کی وجہ سے ان کو نصاری کہتے ہوں، آیت میں مذکور یہ حکم ان کے لئے نہیں ہے۔

دوسری تحقیق: یہاں نصاری کے لئے مسلمانوں سے قرب مودت یعنی دوستی اور محبت میں قریب ہونے کی خبر دی ہے، مسلمانوں کے لئے نصاری سے مودت کی اجازت نہیں دی گئی ہے، الحمد للہ یہاں اس آیت کی تفسیر اس سے متعلقہ فوائد سمیت مکمل ہو گئی، اور ان فوائد کی کل تعداد بیس ہوئی، جو جامع مانع تقریر اور پختہ وضاحت کے ساتھ پوری ہوئی، اور میں نے اس کا نام خیر المودۃ فی تفسیر آیۃ المودۃ رکھا ہے۔

﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا، یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے جو تصدیق کرتے ہیں، اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے اس پر ایمان نہ لاویں اور اس بات کی امید رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کردے گا۔ سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے قول کی پاداش میں ایسے باغ دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی۔ یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، اور نکوکاروں کی یہی پاداش ہے، اور جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیات کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

ربط: اوپر نصاریٰ کی ایک خاص صفت رکھنے والی جماعت کا ذکر تھا، اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو ان میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

نو مسلم نصاریٰ کی ستائش:

اور (ان میں سے بعض لوگ جو کہ آخر میں مسلمان ہو گئے تھے، ایسے ہیں کہ) جب وہ اس (کلام) کو سنتے ہیں جو کہ رسول اللہ (ﷺ) کی طرف بھیجا گیا ہے (یعنی قرآن) تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انھوں نے (دین) حق (یعنی اسلام) کو پہچان لیا (مطلب یہ کہ حق کو سن کر متاثر ہوتے ہیں اور) یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم مسلمان ہو گئے تو ہمیں بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے (یعنی ان میں شمار کر لیجئے) جو (محمد ﷺ اور قرآن کے حق ہونے کی) تصدیق کرتے ہیں، اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر (شریعت محمدی کی تعلیم کے مطابق) اور جو سچا (دین) ہمیں (اب) پہونچا ہے، اس پر ایمان نہ لائیں، اور (پھر بھی) اس بات کی امید رکھیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک (مقبول) لوگوں کے ساتھ داخل کردے گا (بلکہ یہ امید صرف اسلام پر موقوف ہے، اس لئے مسلمان ہونا ضروری ہے) تو ان (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ ان کے ایمان وعقیدہ کے ساتھ (اس) قول کے بدلہ میں ایسے باغ (جنت کے) دیں گے جن کے (محلوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور) یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے، اور (ان کے برخلاف) جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیتوں کو جھوٹا کہتے رہے، وہ لوگ

دوزخ (میں رہنے) والے ہیں۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں لذیذ چیزوں کو حرام مت کرو اور حدود سے آگے مت نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

ربط: یہاں تک اہل کتاب سے متعلق گفتگو تھی، اب پھر فروعی احکام کی طرف لوٹتے ہیں جن کا کچھ بیان سورت کے شروع میں اور کچھ درمیان میں بھی ہوا ہے، اور موقع ومحل کی خصوصیت کے اعتبار سے ایک خاص ربط بھی منقول ہے، وہ یہ کہ اوپر مدح وستائش کے موقع پر رہبانیت کا ذکر آیا ہے، اگرچہ وہ اس کے ایک خاص جز یعنی دنیا کی محبت کو ترک کرنے کے تعلق سے تھا، لیکن اس کی دوسری خصوصیات کو بھی قابل تعریف سمجھ لئے جانے کا اندیشہ تھا، اس لئے اس مقام پر حلال چیزوں کو اس طرح حرام قرار دینے کی ممانعت کرنا زیادہ مناسب ہوا، اسی طرح آگے آنے والے سولہویں حکم کو سورت کی پہلی آیت ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ سے خاص مناسبت ہے کہ ان عقود یعنی عہدوں سے مطلوبہ عقود مراد ہیں، اور جو عقد شریعت کی رو سے مطلوب نہ ہو، مثلاً وہ قسم جس کا توڑنا مناسب ہو، اس کو ظاہری طور پر پورا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس کو حقیقی طور پر پورا کرنا یہی ہے کہ اس کو پورا نہ کرے کفارہ دے، اور سترہویں حکم کو سورت کے تیسرے حکم سے خاص تعلق ہے کہ دونوں میں کچھ کھانے پینے کی چیزوں اور جوئے اور انصاب کا ذکر ہے، اور اٹھارہویں حکم کو پہلے اور دوسرے حکم سے خاص ربط ہے کہ تینوں میں حرم کا احترام مشترک مضمون ہے اور احکام میں تھوڑا سوچنے سے خاص مناسبت معلوم ہوسکتی ہے اور سمجھی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم

پندرہواں حکم: حلال چیزوں کو حرام کرنے کی ممانعت:

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں (خواہ وہ کھانے کی قسم کی ہوں، یا پینے کی یا پہننے کی یا نکاح کی قسم سے ہوں) ان میں سے پاکیزہ (اور لذیذ ومرغوب) چیزوں کو (قسم اور عہد کے ذریعہ اپنے نفس پر) حرام مت کرو اور (شریعت کی) حدود سے (جو کہ حلال اور حرام مقرر کرنے سے متعلق ہیں) آگے مت نکلو، بیشک اللہ تعالیٰ (شرعی) حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہیں دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ (برتو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر ایمان رکھتے ہو (یعنی حلال چیزوں کو حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے، اس لئے اس سے ڈرو اور اس کا ارتکاب مت کرو)

حلال چیزوں کوحرام کرنے کی تین صورتیں:

حلال چیزوں کوحرام کرنے کی تین صورتیں ہیں: ایک عقیدہ کی صورت میں، دوسرے قول کی صورت میں اور تیسرے عمل کی صورت میں یعنی قربت کے عقیدہ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ترک کردینا، پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حلال قطعی ہے تو اس طرح حرام کرنے سے کافر ہوجائے گا، دوسری صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کے الفاظ سے ہے تو قسم ہوجائے گی، جس کا حکم یہ ہے کہ بلاضرورت ایسا کرنا معصیت ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس قسم کو توڑ دے اور کفارہ دے، اور اگر قسم کے الفاظ سے نہیں ہے تو لغو ہے، اس کا کچھ اثر نہیں، اور قسم کے الفاظ کا فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہے، جن میں دو الفاظ جن کا حکم کم مشہور ہے اور آیت کے الفاظ سے انہیں زیادہ مناسبت ہے، اس جگہ لکھتا ہوں: ایک یہ کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے، یا میں اس کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی قسم ہوجائے گی، دوسرا یہ کہ اگر فلاں چیز کھاؤں یا فلاں کام کروں تو سور کھاؤں، حرام کھاؤں، اس کا حکم یہ ہے کہ جہاں اس طرح قسم کھانے کا رواج نہ ہو وہاں تو قسم نہ ہوگی، اور جہاں رواج ہو، وہاں فقہاء کا اختلاف ہے، جیسا کہ الدر المختار میں ہے۔ اور تیسری قسم کا حکم یہ ہے کہ یہ بدعت اور رہبانیت ہے، اس کے خلاف کرنا واجب ہے، اور اس سے کفارہ لازم نہیں آتا، اور قربت کے اعتقاد کی قید اس لئے لگائی کہ اگر کسی جسمانی یا نفسانی مصلحت کی وجہ سے علاج کے طور پر اس عارض کی بقا تک ترک کردیا ہے تو وہ تحریم نہیں ہے اور جائز ہے، اور بزرگوں سے جو مجاہدے منقول ہیں وہ اسی قسم کے ہیں، اس لئے ان پر اعتراض ناجائز ہے۔ اور ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کی ایک تقریر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ امر لازم ہے کہ حرام اور معصیت سے بچو کہ یہ تقوی ہے، اور تقوی حلال چیزوں سے بچنے پر موقوف نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں، دونوں باتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی تقریر کا حاصل تقوی تحریم نہ ہونے پر موقوف ہے، اور دوسری تقریر کا حاصل تقوی کا تحریم پر موقوف نہ ہونا ہے۔

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم سے مؤاخذہ نہیں فرماتے تمہاری قسموں میں لغو قسم پر، لیکن مؤاخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو مستحکم کردو، سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں، یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جبکہ تم قسم کھالو اور اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تا کہ تم شکر کرو۔

ربط: اوپر حلال اور لذیذ و مرغوب اور پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنے سے متعلق ذکر تھا، چونکہ یہ حرام کرنے کا عمل بعض اوقات یمین یعنی قسم کے ذریعہ ہوتا ہے، اس لئے اب یمین یعنی قسم کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

سولہواں حکم: قسم اور اس کا کفارہ:

اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری قسموں میں لغو قسم (توڑنے) پر (دنیاوی) مؤاخذہ نہیں فرماتے (یعنی کفارہ واجب نہیں کرتے) لیکن اس پر (ایسا) مؤاخذہ فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو (آئندہ کی بات پر) مستحکم کردو (اور پھر اس کو توڑ دو) تو اس (قسم کے توڑنے) کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا دینا ہے جو اپنے گھر والوں کو (معمول کے طور پر) کھانے کو دیا کرتے ہو، یا ان (دس محتاجوں) کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا (یعنی تینوں میں جس کو چاہے اختیار کرے) اور جس کو (ان تینوں میں سے ایک کی بھی) استطاعت نہ ہو تو (اس کا کفارہ) تین دن کے (متواتر) روزے ہیں، یہ (جو بیان کیا گیا) تمہاری (ایسی) قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھالو (اور پھر اس کو توڑ دو) اور (چونکہ یہ کفارہ واجب ہے، اس لئے) اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو (ایسا نہ ہو کہ قسم کو توڑ دو اور کفارہ نہ دو، اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری دنیاوی اور دینی مصلحتوں کی رعایت سے یہ حکم فرمایا ہے) اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے (دوسرے) احکام (بھی) بیان فرماتے ہیں تاکہ تم (مصالح کی رعایت کی اس نعمت کا) شکر کرو۔

فائدہ: لفظ لغو کے معنی ہیں: بیکار، بے اثر، لغو قسم کے دو مطلب ہیں: ایک وہ جس پر گناہ کا اثر مرتب نہ ہو، اس کا حکم اور تفسیر اور قسمیں سورہ بقرہ کے اکیسویں حکم میں بیان ہو چکی ہیں، دوسرے جس پر کفارہ واجب نہ ہو، اس آیت میں اس قسم کے مقابلہ کے قرینہ سے جو کفارہ کو واجب کرنے والی ہے اسی قسم کا ذکر ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں جس قسم میں کفارہ واجب ہو وہ یمین منعقدہ کہلاتی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ آئندہ کسی امر کے وقوع یا عدم وقوع پر قسم کھائی اور اسی سے لغو کی حقیقت معلوم ہو گئی یعنی جو ایسی نہ ہو، اس کی زیادہ تفصیل سورۂ بقرہ کے مذکورہ موقع پر گذر چکی ہے، اس کو ایک بار پھر وہاں ملاحظہ کر لینا چاہئے۔

اب یمین منعقدہ سے متعلق چند مسائل لکھے جاتے ہیں۔

مسئلہ (۱): قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ (۲): کھانا دینے میں اختیار ہے خواہ وہ دس آدمیوں کو دونوں وقت گھر بٹھا کر ایک ہی دن میں کھلا دے، بشرطیکہ ان سب میں کوئی نابالغ بچہ یا شکم سیر شخص نہ ہو، یا صدقۂ فطر کے برابر ہر مسکین کو غلہ یا اس کی قیمت دیدے جیسا کہ البدائع کے حوالہ سے رد المحتار میں ہے، اور یہ مسکین ایسے ہوں جن کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

مسئلہ (۳): اگر کپڑا دے تو اس قدر ہو جس سے بدن کا اکثر حصہ ڈھک جائے، مثلاً ایک کرتا، ایک پاجامہ یا ایک لنگی

اور چادر۔

مسئلہ (۴): غلام اور لونڈی کے مسائل سورۃ النساء آیت ۹۲ میں گذر چکے ہیں، مگر یہاں اس کا مؤمن ہونا شرط نہیں ہے۔

مسئلہ (۵): اگر روزے رکھے تو متواتر و مسلسل یعنی بیچ میں ناغہ کئے بغیر لگاتار رکھنے چاہئیں۔

مسئلہ (۶): قسم خواہ جان بوجھ کر قصداً توڑے یا بھول کر ٹوٹ جائے دونوں میں کفارہ واجب ہے۔

مسئلہ (۷): اگر دو روزے رکھے تھے، پھر کھانا کھلانے یا کپڑا پہنانے کی استطاعت ہوگئی تو روزے سے کفارہ نہیں ہوگا۔

مسئلہ (۸): استطاعت یا مقدور سے مراد صاحب نصاب ہونا نہیں ہے، بلکہ جس سے کفارہ ادا کر سکے اس کا ملکیت میں ہونا شرط ہے (یہ تمام مسائل الدر المختار، الہدایہ اور البحر سے لئے گئے ہیں)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو اس سے بالکل الگ رہو، تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آؤ گے؟

ربط: اوپر خاص طور سے حلال چیزیں ترک کرنے کی ممانعت تھی، اب بعض حرام چیزوں کے استعمال کی ممانعت ہے۔

سترہواں حکم: شراب اور جوئے وغیرہ کا حرام ہونا:

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں، شیطانی کام ہیں، تو ان سے بالکل الگ رہو، تاکہ تمہیں (ان کی ان مضرتوں سے بچنے کی وجہ سے جن کا ذکر آگے آرہا ہے) فلاح حاصل ہو (اور وہ مضرتیں دنیاوی بھی ہیں اور دینی بھی، جن کا بیان یہ ہے کہ) شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں (برتاؤ میں) عداوت اور (دلوں میں) بغض واقع کر دے (چنانچہ ظاہر ہے کہ شراب میں تو عقل نہیں رہتی، گالی گلوچ، دنگا فساد ہو جاتا ہے، جس سے بعد میں بھی طبعی طور پر کدورت باقی رہتی ہے، اور جو شخص جوئے میں مغلوب ہو جاتا ہے، یعنی ہار جاتا ہے اسے غالب یعنی جیتنے والے پر غصہ اور غیظ ہوتا ہے، اور جب اس کو رنج ہوگا تو دوسرے پر بھی اس کا اثر پہونچے گا، یہ تو دنیاوی نقصان ہوا) اور (شیطان یوں چاہتا ہے کہ اس شراب اور جوئے کے ذریعہ سے) اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے (جو کہ اللہ کی یاد کا سب سے افضل طریقہ ہے) تمہیں روک دے (چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے، کیونکہ شراب میں اس کے ہوش ہی بجا نہیں ہوتے جس کی وجہ سے مرنے مارنے تک کی باتیں ہر روز سامنے آتی رہتی

ہیں، اور جوئے میں جیتنے والے غالب کو خوشی، فخر اور گھمنڈ اتنا ہوتا ہے کہ وہ اس میں غرق ہو جاتا ہے، جبکہ مغلوب یعنی ہارنے والے کو مغلوب ہونے) کا رنج واضمحلال اور پھر غالب آنے کی کوشش اس درجہ ہوتی ہے کہ اس سے فارغ نہیں ہوتا۔ یہ دینی نقصان ہوا، جب یہ ایسی بری چیزیں ہیں) تو (تم خود ہی بتاؤ کیا) اب بھی باز آؤ گے؟ اس طرح ظاہر فرمادیا کہ جن باتوں سے دنیا اور دین کا نقصان ہوتا ہے، دین اسلام ان کو پسند نہیں کرتا اور اس دین میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فائدہ: شراب اور میسر یعنی جوئے کے بارے میں سورۂ بقرہ کے پندرہویں حکم میں اور ازلام یعنی قرعہ کے تیروں کے بارے میں اسی سورۂ مائدہ کے تیسرے حکم میں ضروری بیان گذر چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے اور اس مقام پر شانِ نزول سے جس کو لباب میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ لوگ شراب اور جوئے کے عادی تھے الخ اور تحریم یعنی حرام قرار دینے کی حکمت کے بیان میں خمر ومیسر کے بیان پر اکتفا کرنے سے اصل مقصود انہی کا ذکر کرنا ہے، اور ازلام بھی میسر میں داخل ہے اور ساتھ میں جو انصاب یعنی بت پرستی کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے خمر ومیسر کی مذمت کی تاکید مقصود ہے کہ یہ اسی قابل ہیں کہ ان کا ذکر بت پرستی کے ساتھ کیا جائے، اور اسی اشارہ کی توضیح کے لئے آگے حکمت کے بیان میں نماز کو باوجود اس کے اللہ کے ذکر میں داخل ہونے کے تصریح فرمائی، گویا حاصل یہ ہوا کہ یہ خمر ومیسر بت پرستی اور کفر کے قریب قریب اس لئے ہیں کہ یہ نماز کے معاملہ میں رکاوٹ بنتے ہیں جو کہ ایمان کی علامات اور اس کے عظیم شعائر میں سے ہے، اس طرح جب ان کی وجہ سے ایمان سے دوری ہوئی تو کفر سے قریب ہو گیا۔

فائدہ: خمر اور میسر کے حرام ہونے کی جو حکمت بیان فرمائی ہے وہ شطرنج میں بھی دیکھی جاتی ہے، اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ یہ کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ حدیث میں ہے کہ اس آیت کو سن کر صحابہ نے کہا: اِنْتَهَيْنَا: یعنی ہم اس سے باز آگئے، رک گئے (ترمذی) اور یہ بھی آیا ہے کہ اس وقت جو شراب موجود تھیں وہ سب پھینک دیں (بخاری)

﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝﴾

ترجمہ: اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور احتیاط رکھو اور اگر اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہنچا دینا تھا۔

ربط: اوپر ایک خاص حکم پر عمل کا امر فرمایا گیا ہے، اب مطلقاً احکام میں اطاعت کرنے کا امر ہے۔

تمام احکام پر عمل کا حکم:

اور تم (تمام احکام میں) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو، اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتے رہو، اور (حکم کی مخالفت سے) احتیاط رکھو، اور اگر (اطاعت سے) منہ پھیرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول (ﷺ) کے ذمہ صرف

صاف صاف (حکم) پہنچا دینا تھا (اور وہ اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دے چکے، اور تمہیں احکام پہنچا چکے، اب تمہارے پاس کسی عذر کی گنجائش نہیں رہی)

﴿ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۞ ﴾ ع

ترجمہ: ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں، اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں جبکہ وہ لوگ پرہیز رکھتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں، پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور ایمان رکھتے ہوں، پھر پرہیز کرنے لگتے ہوں اور خوب نیک عمل کرتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ ایسے نکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں۔

ربط: لباب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مسند احمد سے نقل کیا گیا ہے کہ جب اوپر کی آیت میں شراب اور جوئے کے حرام کئے جانے کا حکم نازل ہو چکا تو بعض لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بہت سے لوگ جو کہ شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے وہ اس کو حرام قرار دیئے جانے سے پہلے مر گئے اور اب معلوم ہوا کہ یہ حرام ہیں، تو ان کا کیا حال ہوگا؟ اور لباب ہی میں نسائی کی روایت سے سوال و جواب کے قصہ میں یہ نقل کیا گیا ہے: قال ناس من المتکلفین هي رجس وهي في بطن فلان وقد قتل يوم أحد: یعنی تکلف سے کام لینے والے بعض لوگوں نے کہا کہ وہ گندگی ہے، اور وہ فلاں شخص کے پیٹ میں تھی، جب وہ غزوۂ احد کے دن قتل کیا گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ان پر گناہ نہ ہونے کا بیان ہے۔

شراب اور جوئے کے حرام ہونے سے پہلے گناہ نہ ہونا:

ایسے لوگوں پر جو ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں (اور اس وقت وہ حلال ہوا گرچہ بعد میں حرام ہو جائے اور ان کو گناہ کیسے ہوتا) جبکہ (گناہ ہونے کا کوئی تقاضا نہ ہو بلکہ ایک امر گناہ کے لئے مانع موجود ہو، وہ یہ کہ) وہ لوگ (اللہ کے خوف سے اس وقت کی ناجائز چیزوں سے) پرہیز رکھتے ہوں، اور (اس خوف کی دلیل یہ ہو کہ وہ لوگ) ایمان رکھتے ہوں (جو کہ اللہ کے ڈرنے کا سب سے بڑا سبب ہے) اور نیک کام کرتے ہوں (جو کہ اللہ کے خوف کی علامت ہے اور اسی حالت پر وہ عمر بھر رہیں، چنانچہ وہ حلال چیز جس کو وہ پہلے کھاتے پیتے تھے، آگے کبھی چل کر حرام ہو جائے تو) پھر (اس سے بھی اللہ کے اسی خوف کے سبب) پرہیز کرنے لگتے ہوں اور (اس خوف کی بھی گذشتہ امر کی طرح یہی دلیل ہو کہ وہ لوگ) ایمان رکھتے ہوں (جو خود اعمالِ صالحہ کا تقاضا کرتا ہے، لہٰذا یہاں بھی اللہ کے خوف کا سبب اور علامت جمع ہیں، اور اگر پھر کوئی حلال چیز حرام ہو جائے تو) پھر (اس سے بھی اللہ کے اسی خوف کے سبب) پرہیز کرنے لگتے ہوں اور (اس خوف کی دلیل بھی گذشتہ امر کی طرح یہ ہو کہ وہ لوگ) خوب نیک عمل

کرتے ہوں (جو کہ ایمان پر موقوف ہیں، لہٰذا یہاں بھی تقوی یعنی ڈر و خوف کا سبب اور علامت جمع ہیں، مطلب یہ کہ ہر دفعہ دوسری بار اور تیسری بار حرام قرار دینے میں ان کا بھی عمل درآمد ہو، دو تین بار کی کچھ خصوصیت نہیں، لہٰذا رکاوٹ اور رکاوٹ کے جاری رہنے کے باوجود ہمارے فضل کے لئے یہ کوئی بعید اور دشوار نہیں ہے کہ وہ گنہ گار ہوں) اور (ان کے مذکورہ بالا خاص طریقہ کا نیک ہونا صرف گناہ کے لازم آنے کے لئے ہی مانع نہیں، بلکہ ثواب اور محبوبیت کے وجود کا بھی تقاضا کرتا ہے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں (لہٰذا ان کے غضب کا مستحق ہونے کا احتمال کب ہوسکتا ہے؟ یہ تو غیر مغضوب ہونے سے بھی آگے بڑھ کر محبوب ہونے کا درجہ رکھتے ہیں)

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے تا کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرلے کہ کون شخص اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے، سو جو شخص اس کے بعد حد سے نکلے گا اس کے واسطے دردناک سزا ہے۔ اے ایمان والو! وحشی شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالتِ احرام میں ہو اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی جو کہ مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کردیں خواہ وہ پاداش چوپایوں میں سے ہو، بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے اور خواہ کفار مساکین کو دیدیا جائے اور خواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جاویں تا کہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھو۔ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ کو معاف فرمادیا، اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا تو اللہ تعالیٰ انتقام لیں گے، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں انتقام لے سکتے ہیں۔

ربط: سورت کے شروع میں پہلے حکم میں احرام کی حالت میں اجمالی طور پر شکار کی ممانعت فرمائی تھی، اب اس کی قدرے تفصیل ہے، اور اس کے علاوہ ایک خاص ربط بھی ہے کہ اوپر طیبات کے حرام ہونے کا ذکر تھا، یہاں فرماتے ہیں کہ ہمیں اس سلسلہ میں اختیار ہے کہ بعض حالات میں ان کو حرام قرار دیدیں۔

اٹھارہواں حکم: احرام کی حالت میں شکار کرنا:

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ ایسے شکار سے تمہارا امتحان لے گا، جن تک (تم سے دور دور نہ بھاگنے کی وجہ سے) تمہارے

ہاتھ اور تمہارے نیزے پہونچ سکیں گے (امتحان کا مطلب احرام کی حالت میں وحشی جانوروں کے شکار کو حرام کرنا ہے، جیسا کہ آگے صراحت کے ساتھ آتا ہے کہ ان وحشی جانوروں کو تمہارے آس پاس پھراتے رہیں گے) تا کہ اللہ تعالیٰ (ظاہر طور پر بھی) معلوم کرلے کہ کونسا آدمی اس سے (یعنی اس کے عذاب سے) بغیر دیکھے ڈرتا ہے (اور حرام کیے ہوئے امر کے ارتکاب سے بچتا ہے جو کہ عذاب کا سبب ہے، اور دلالت التزامی [1] سے اس خبر ابتلاء سے ہی حرمت معلوم ہوگئی) تو جو شخص اس (حرمت) کے بعد (جس پر آزمائش وامتحان کی خبر دلالت کر رہی ہے، شریعت کی) حد سے نکلے گا (یعنی جس شکار کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اس کا ارتکاب کرے گا) اس کے واسطے اس فعل کے تقاضہ سے آخرت میں) دردناک سزا (مقرر) ہے، چنانچہ وحشی جانور اسی طرح آس پاس لگے پھرتے تھے، چونکہ صحابہ میں بہت سے لوگ شکار کے عادی تھے، اس میں ان کی اطاعت کا امتحان ہو رہا تھا، جس میں وہ پورے اترے، آگے ممانعت کی زیادہ تصریح ہے کہ) اے ایمان والو! وحشی شکار کو (سوائے اس شکار کے جسے شریعت نے مستثنیٰ کردیا) قتل مت کرو، جبکہ تم احرام کی حالت میں ہو (اسی طرح جبکہ وہ شکار حرم میں ہو، اگرچہ شکاری حرم میں نہ ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے) اور تم میں جو شخص اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر (اس کے فعل کا) بدلہ واجب ہوگا جو کہ اس جانور کی (قیمت کے اعتبار سے) برابر ہوگا، جس کو اس نے قتل کیا ہے، جس (کے تخمینہ یعنی اندازہ) کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کردیں (کہ وہ دین داروں میں بھی قابل اعتبار ہوں اور تجربہ وبصیرت میں بھی قابل اعتبار ہوں، پھر اس قاتل کو قیمت کے تخمینہ کے بعد اختیار رہے) خواہ (اس قیمت کا کوئی ایسا جانور خرید لے کہ) وہ بدلہ (کا جانور) خاص چوپایوں میں سے ہو (یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ بکری، نر ہو یا مادہ) بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ (کے پاس) تک (یعنی حرم کے اندر) پہنچائی جائے اور خواہ (اس قیمت کے برابر غلہ) کفارہ (کے طور پر) مسکینوں کو دیدیا جائے (فی مسکین کم سے کم درجہ جس قدر کہ صدقہ فطر دیا جاتا ہے) اور خواہ اس (غلہ) کے برابر روزے رکھ لئے جائیں (روزے کی برابری کی صورت فی مسکین کے حصہ کے برابر ایک روزہ ہے، اور یہ بدلہ اس لئے مقرر کیا ہے) کہ اپنے کئے کا مزہ چکھے (بلا قصد اور بلا ارادہ ایسا کرنے والے کے برخلاف کہ اگرچہ اس پر بھی یہی جزا واجب ہے، مگر وہ اس فعل کے بدلہ میں نہیں، بلکہ محترم مقام کے شکار کے بدلہ کی وجہ سے ہے جو کہ حرم کی وجہ سے محترم یعنی قابل احترام یا احرام کی وجہ سے قابل احترام کی مانند ہوگیا ہے، اس کا بدلہ ہے، اور اس جزا کے ادا کردینے سے) اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف فرمادیا، اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا (چونکہ دوبارہ کرنے میں اکثر ایک طرح سے پہلی بار کے مقابلہ میں زیادہ جرأت ہوتی ہے) تو (اس وجہ سے مذکورہ بالا جزا کے علاوہ جو کہ اصل فعل یا مقام کا عوض ہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ اس سے (اس جرأت کا) انتقام لیں گے (البتہ اگر توبہ کرلے تو انتقام کی علت ختم ہوجائے گی) اور اللہ تعالیٰ

(۱) دلالتِ التزامی: لفظ بول کر معنی موضوع لہ کے لئے عقلاً یا عرفاً لازم معنی مراد لینا، جیسے انسان بول کر قابلیتِ علم یا حاتم بول کر سخی مراد لینا ۱۲ اسعید احمد

زبردست ہیں، انتقام لے سکتے ہیں۔

فائدہ: اور ﴿ عَفَا اللّٰهُ ﴾ الخ کی ایک تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جو کچھ اسلام سے پہلے یا آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہوگیا، اگرچہ اس وجہ سے کہ حرم کی اور احرام کی حرمت پہلے سے معلوم اور لازم تھی، گناہ کا سبب تھا، لیکن اسلام کی طرف سے لازم نہ کئے جانے کی وجہ سے یا اسلامی نص نہ ہونے کی وجہ سے عفو فرمادیا، لیکن جو ممانعت کی نص اور اعلان کے بعد پھر اس کا ارتکاب کرے گا تو اب انتقام کا مستحق ہوگا۔

اس آیت کے حکم سے متعلق چند مسائل لکھے جاتے ہیں۔

مسئلہ (۱): حرم کے جانور سے متعلق بھی یہی احکام ہیں، جیسا کہ احادیث میں ہے، البتہ اگر یہ قاتل محرم نہ ہو تو آگے جو روزے کا حکم آتا ہے، وہ اس کے لئے کافی نہیں۔

مسئلہ (۲): شکار جو کہ حرم کے اندر اور احرام کی حالت میں حرام ہے، وہ عام ہے، خواہ اس کو کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو، اس لئے کہ آیت میں مطلق شکار کا حکم آیا ہے۔

مسئلہ (۳): صید یعنی شکار صرف وحشی جانوروں کو ہی کہتے ہیں، لہٰذا جو قدرتی طور پر اہلی ہوں یعنی گھروں میں پالے جاتے ہوں، جیسے بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ ان کا ذبح کرنا اور کھانا درست ہے۔

مسئلہ (۴): البتہ جو کسی دلیل کے ذریعہ مستثنیٰ ہوگئے ہیں ان کا پکڑنا، قتل کرنا، حلال ہے، جیسے دریائی جانور کا شکار، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اگلی آیت میں آرہا ہے ﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ ﴾ الخ اور بعض خشکی کے جانور جیسے کوا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا جیسا کہ احادیث میں ہے، اسی طرح جو درندہ خود حملہ کرے اس کا مار ڈالنا بھی جائز ہے، اس طرح الصید میں الف لام عہد کا ہوگا۔

مسئلہ (۵): جو حلال شکار غیر احرام کی حالت میں اور غیر حرم میں کیا جائے محرم کو اس کا کھانا جائز ہے، بشرطیکہ یہ شخص اس کو مارنے، کاٹنے وغیرہ میں مددگار یا اشارہ کرنے والا یا بتانے والا نہ ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے، اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کا ارشاد اشارہ کررہا ہے ﴿ لَا تَقْتُلُوْا ﴾ اس لئے کہ لا تاکلوا نہیں فرمایا ہے۔

مسئلہ (۶): جس طرح قصداً اور عمداً شکار کرنے میں بدلہ واجب ہے، اسی طرح خطا و نسیان میں بھی۔ اس سلسلہ میں روح المعانی نے ابن جریر کی روایت سے زہری سے اور شافعی اور ابن المنذر کی روایت سے عمرو بن دینار سے نقل کیا ہے، اور اسی پر اجماع ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ قصداً میں جزائے فعل ہے، اور بلاقصد میں جزائے محل، قصداً کی قید کا یہ فائدہ ہے جیسا کہ ترجمہ کے دوران اشارہ بھی کردیا ہے۔

مسئلہ (۷): جس طرح پہلی بار میں جزا واجب ہے اسی طرح دوسری اور تیسری بار میں بھی، اور پھر سے ارتکاب میں انتقام کے ذکر کا فائدہ ترجمہ کے ضمن میں ظاہر کردیا ہے۔

مسئلہ (۸): جزاء کا حاصل یہ ہے کہ جس زمانہ میں اور جس مقام پر یہ جانور مارا گیا ہے، بہتر تو یہ ہے کہ دو عادل افراد سے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی عادل سے اس جانور کی قیمت کا تخمینہ کرائے، پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ شکار کیا ہوا جانور اگر کھائے جانے والے جانوروں میں سے نہیں ہے تب تو ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی، اور اگر وہ جانور کھائے جانے والے جانوروں میں سے تھا تو جس قدر تخمینہ ہوگا وہ سب واجب ہوگا، اور دونوں حالتوں میں تین صورتوں میں اختیار ہے چاہے تو اس قیمت کا کوئی جانور قربانی کی شرطوں کے مطابق خرید لے اور حرم کی حدود کے اندر ذبح کر کے فقیروں کو بانٹ دے، یا اس کی قیمت کے برابر غلہ، صدقۂ فطر کے شرائط کے مطابق فی مسکین نصف صاع فقیروں کو دیدے یا فی مسکین نصف صاع کے حساب سے جتنے مسکینوں کو وہ غلط پہنچ سکتا ہو، اتنی گنتی کر کے روزے رکھ لے اور غلہ کی تقسیم اور روزوں میں حرم کی قید نہیں اور اگر قیمت نصف صاع سے بھی کم واجب ہوئی ہے تو اختیار ہے چاہے ایک مسکین کو دیدے یا ایک روزہ رکھ لے، اسی طرح اگر فی مسکین نصف صاع دینے کے بعد نصف صاع سے کم بچ گیا تو بھی یہی اختیار ہے کہ خواہ وہ بقیہ ایک مسکین کو دیدے یا ایک روزہ رکھ لے۔

مسئلہ (۹): مذکورہ تخمینہ میں جتنے مسکینوں کا حصہ قرار پائے اگر انہیں دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ (۱۰): اگر اس قیمت کے برابر ذبح کے لئے جانور تجویز کیا مگر کچھ قیمت بچ گئی تو بقیہ میں اختیار ہے، چاہے دوسرا جانور خرید لے یا اس کا غلہ دیدے یا غلہ کے حساب سے روزے رکھ لے۔

مسئلہ (۱۱): جس طرح قتل میں جزا واجب ہے اسی طرح ایسے جانور کو زخمی کرنے سے بھی تخمینہ کرایا جائے گا کہ اس سے اس جانور کی قیمت کس قدر کم ہوگئی، اس قیمت کی مقدار میں پھر وہی تینوں مذکورہ بالا صورتیں جائز ہوں گی۔

مسئلہ (۱۲): محرم یعنی احرام کی حالت والے کو جس جانور کا شکار کرنا حرام ہے، اس کا ذبح کرنا بھی حرام ہے، اگر وہ اس کو ذبح کرے گا تو اس کا حکم مردار جیسا ہوگا، چنانچہ ﴿لَا تَقْتُلُوْا﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اس کا ذبح کرنا قتل کرنے کی طرح ہی ہے۔

مسئلہ (۱۳): اگر جانور کے قتل ہونے کی جگہ جنگل ہے تو جو آبادی اس سے قریب ہو وہاں کے اعتبار سے تخمینہ کیا جائیگا۔

مسئلہ (۱۴): شکار میں اشارہ، دلالت اور اعانت کرنا شکار کرنے ہی کی طرح حرام ہے، اس لئے ﴿لَا تَقْتُلُوْا﴾ میں عموم مجاز کے طور پر حقیقی قتل اور قتل کا سبب دونوں شامل ہیں، یہ سب مسائل ہدایہ اور ردالمحتار سے نقل کئے گئے ہیں۔

﴿اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: تمہارے لئے دریا کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے تمہارے انتفاع کے واسطے اور مسافروں کے

واسطے اور خشکی کا شکار پکڑنا تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالتِ احرام میں رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

ربط: اوپر احرام کی حالت میں شکار کرنا حرام ہونے کا ذکر تھا، اب اس کی تعیین اور تخصیص فرماتے ہیں۔

اٹھارہویں حکم کا تتمہ: پانی کا شکار حلال ہے:

تمہارے لئے (احرام کی حالت میں) دریا (یعنی پانی) کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا (سب) حلال کیا گیا ہے، تمہارے فائدہ اٹھانے کے واسطے (اور تمہارے) مسافروں کے (فائدہ کے) لئے (کہ سفر میں اس کو توشہ بنا دیں) اور خشکی کا شکار (اگرچہ بعض صورتوں میں کھانا حلال ہو، مگر) پکڑنا (یا اس میں مددگار ہونا) تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے، جب تک کہ تم احرام کی حالت میں رہو، اور اللہ تعالیٰ (کی مخالفت) سے ڈرو جس کے پاس جمع (کر کے حاضر) کئے جاؤ گے۔

فائدہ: مذکورہ تفسیر ﴿طَعَامُهٗ﴾ کی ضمیر صید کی طرف راجع ہونے کے قرینہ سے صرف صید مطعوم یعنی مچھلی مراد ہے، اور اکثر فقہاء کے قول میں نہ غیر مطعوم بھی اسی حکم میں ہے کہ اس کو پکڑنا اور قتل کرنا درست ہے، اگرچہ کھانا درست نہ ہو، اور خشکی کے شکار پر بھی قیاس اس کا تقاضہ کرتا ہے کہ وہاں کھالے جانے والے اور نہ کھائے جانے والے شکار کے حرام ہونے میں دونوں برابر ہیں، یہاں بھی شکار کرنے کے حلال ہونے میں برابر ہوں گے، اور دریائی جانور وہ ہے کہ جس طرح پانی میں اس کا رہنا سہنا ہے، اسی طرح پانی میں اس کی پیدائش ہو، لہٰذا بطخ اور مرغابی وغیرہ اس سے خارج اور خشکی کے شکار میں داخل ہیں۔

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؁﴾

ترجمہ: خدا تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا اور عزت والے مہینہ کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے ہوں، یہ اس لئے تاکہ تم اس بات کا یقین کرلو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم رکھتے ہیں، اور بیشک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں۔

پہلا ربط:[1] اوپر (یعنی گذشتہ آیت کے آخر میں) حالتِ احرام میں خشکی کے شکار کو حرام فرمایا ہے (اور اس سے پہلے شراب اور جُوا وغیرہ کی حرمت کا بیان آیا ہے) اور تحریم (حرام کرنا) اکثر نفس پر گراں گذرتا ہے، مثل مشہور ہے: **الإنسان حريص فی ما مُنع**: انسان ممنوع کا حریص ہوتا ہے) اس لئے اب چند محرم (حرام کی ہوئی یا محترم قرار دی ہوئی) چیزوں

(۱) جو عبارت بین القوسین ہے وہ میں نے بڑھائی ہے اور جو دو شرطوں کے درمیان (..........) ہے وہ (حضرت قدس سرہٗ کے معترضہ جملے ہیں ۱۲ سعید احمد

کے منافع ومصالح ــــ جو مشاہدہ میں آتے ہیں ــــ بیان فرماتے ہیں (اور وہ چار چیزیں یہ ہیں: کعبہ شریف، اشہر حرام: چار ماہ یا ذی الحجہ بیضاوی کی ترجیح کے مطابق اور قربانی کی بکری، اور قربانی کا اونٹ ان چار چیزوں کا محترم ہونا بیان کرتے ہیں) تا کہ ان کی اور ان پر قیاس کر کے دوسری چیزوں (شراب، جوے وغیرہ) کی تحریم کو بھی ــــ جن کا تذکرہ شکار کے حکم سے پہلے آچکا ہے ــــ حکمت ومصالح پر مشتمل سمجھ کر ــــ اگر چہ ہم اس حکمت و مصلحت کی تعیین نہ کر سکیں ــــ لوگ اس تحریم کو گراں نہ سمجھیں (اور دل سے ان کی تحریم قبول کر لیں)

فائدہ: اور اس آیت میں جن محرمات (قابل احترام چیزوں) کے منافع ومصالح بیان ہونگے وہ تین قسم کے ہیں:

ایک: کا تعلق زمانہ سے ہے یعنی اشہر حُرم یا خاص ذوالحجہ کا مہینہ۔

دوسرے: کا تعلق جگہ سے ہے یعنی خانۂ کعبہ سے۔

سوم: دو چیزوں کا تعلق اسی جگہ (کعبہ شریف) سے ہے، یعنی قربانی کی بکری اور اونٹ کا تعلق حرم شریف سے اور حرم شریف کا تعلق کعبہ شریف سے ہے۔

دوسرا ربط: اور ان تینوں کی (۱) کعبہ شریف (۲) محترم مہینہ (۳) حرم میں قربانی کی بکری اور اونٹ کی تحریم (یعنی محترم ہونے کو احرام میں شکار کی تحریم میں مذکورہ بالا تحریم میں عام اشتراک کے علاوہ ــــ جس میں سب محترم چیزیں مساوی ہیں، اور اس تساوی کی وجہ سے بعض کی تعظیم کی حالت معلوم ہونے سے باقی سب کی حکمت معصوم ہونے کے لئے کافی ہے ــــ ایک خاص تعظیم میں بھی ان چیزوں میں اشتراک ہے، اور یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور تینوں چیزوں میں بلا واسطہ یا بالواسطہ کعبہ شریف ہی کی تعظیم مقصود ہے، اور احرام میں شکار کرنے کی حرمت کا مدار بھی اسی پر ہے ــــ اس لئے کہ احرام کا تعلق حج وعمرہ سے ہے، اور ان دونوں کا تعلق کعبہ شریف سے ہے ــــ پس ان چاروں میں اور گذشتہ آیت میں مذکور احرام میں شکار کرنے کی ممانعت میں خاص مناسبت حاصل ہوگئی (یعنی پانچوں کی تحریم کی بنیاد کعبہ شریف ٹھہری)

اور ﴿ اَلشَّھْرَ ﴾ میں الف لام اگر جنسی ہے، تو چاروں محترم مہینے مراد ہیں، اور اگر الف لام عہدی ہے تو ماہ ذوالحجہ مراد ہے اور قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اس کو ترجیح دی ہے، اب پانچوں میں جن میں ایک: احرام مین شکار کی حرمت ہے اور باقی چار اس آیت میں مذکور ہیں (اب بکری اور اونٹ کو الگ الگ لیا) خاص مناسبت حاصل ہوگئی (کہ پانچوں کی تحریم وتعظیم کی بنیاد کعبہ شریف ہے) واللہ اعلم!

بعض اشیائے معظمہ کو محترم قرار دینے کی مصلحتوں کا بیان:

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے، لوگوں کی (مصلحتوں) کے قائم رہنے کا سبب قرار دیدیا اور (اسی طرح)

عزت والے مہینہ کو بھی اور (اسی طرح) حرم میں قربان ہونے والے جانور کو بھی اور (اسی طرح) ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں (اس نشانی کے لئے) پٹے ہوں (کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں، حرم میں ذبح ہوں گے) (دوسری دنیاوی مصلحتوں کے علاوہ یہ قرارداد) اس (دینی مصلحت کے) لئے (بھی) ہے تاکہ (تمہارا اعتقاد درست اور پختہ ہو، اس طرح کہ) تم (ان مصلحتوں سے استدلال کر کے) اس بات کا یقین (ابتدائی طور سے یا کمال کے طور پر) کرلو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم (کامل) رکھتے ہیں (کیونکہ ایسا حکم مقرر کرنا جس میں آئندہ کی ایسی مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہو کہ ان کو انسانی عقلیں نہ سوچ سکیں، علمی کمال کی دلیل ہے) اور (ان مذکورہ معلومات کے ساتھ علم کامل کے تعلق سے استدلال کر کے یقین کرلو کہ) بیشک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں (کیونکہ ان معلومات کے علم پر کسی چیز نے مطلع نہیں کیا، معلوم ہوا کہ ذاتی علم کی نسبت تمام معلومات کے ساتھ یکساں ہے)

خاص کعبہ شریف کی برکتیں:

خاص کعبہ شریف کی برکتوں اور مصلحتوں میں سے بعض یہ ہیں:

۱- اس کا امن کی جگہ ہونا، جس کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۱۲۵) اور سورۂ آلِ عمران (آیت ۹۷) میں آچکا ہے۔

۲- اور وہاں ہر سال مجمع ہونا، جس میں مالی ترقی اور قومی اتحاد بہت سہولت کے ساتھ میسر آتا ہے، جو مشاہدہ میں آچکا ہے۔

۳- اور اس کی بقاء تک عالَم کا باقی رہنا، حتی کہ جب کفار اس کو منہدم کر دیں گے تو اس کے بعد جلدی قیامت آجائے گی، جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، اور اس کا مشاہدہ اس وقت ہوگا۔

شہر حرام اور ہدی وقلائد کے خاص اور مشترک فوائد:

اور شہر حرام کا فائدہ: امن عام ہے، اور ہدی وقلائد کا فائدہ: ان کے لانے والے سے چھیڑ نہ کرنا ہے۔ اور کعبہ اور ہدی وقلائد کا مشترک فائدہ: یہ ہے کہ ان احکام سے خانہ کعبہ کی تعظیم کا اعتقاد ہونا اور اس تعظیم کے سبب وہاں کے رہنے والوں یا وہاں جانے والوں یا وہاں جا کر آنے والوں یا ارادہ رکھنے والوں پر ہر قسم کے ظلم وزیادتی سے باز رہنا کہ یہ ساری باتیں بطور عادت ہوتی بھی ہیں اور شرعی طور پر مطلوب بھی ہیں۔

اور دینی برکتوں میں سے بعض کا ذکر تو اس آیت میں ہے، یعنی خاص عقیدہ کا درست ہونا اور بعض دوسری بھی ہیں، مثلاً کعبہ کے حج اور عمرہ کا ثواب کا ذریعہ ہونا، اسی طرح ہدی اور قلائد کی قربانی کا ثواب ہونا۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ کو ﴿قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ سے علاحدہ کر کے دینی نفع کی طرف اشارہ کرنا شاید اسی لئے ہو کہ یہ موقع مشاہدہ کے فائدوں کے بیان کا ہے، اور اعتقاد کا مفید ہونا، اسی طرح حج اور عمرہ کا فائدہ بخش اور ثواب کا ذریعہ ہونا غیبی امر ہے، مگر تتمہ کے طور پر دوسرے عنوان سے بیان

کردیا گیا، اور مخبر صادق یعنی سچی خبر دینے والے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر کو مشاہدہ کی طرح کہا جائے تو دونوں قسم کے فائدے مشاہدے میں آجائیں گے، اور ہدی اور قلائد اور شہر حرام سے متعلق سورۂ مائدہ کی دوسری آیت میں بھی کچھ بیان ہوا ہے۔ ملاحظہ کرلیا جائے۔

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ع ۱۳

ترجمہ: تم یقینی جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے بھی ہیں۔ رسول کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ پوشیدہ رکھتے ہو۔ آپ فرمادیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں! گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو، تو خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو۔

ربط: اوپر مختلف قسم کے احکام بیان ہوئے ہیں، اب رغبت وشوق اور ڈر وخوف کے ذریعہ ان پر عمل کی تاکید فرماتے ہیں۔

احکام پر عمل کی تاکید:

تم یقینی جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے بھی ہیں (تو ان کے احکام کے خلاف مت کیا کرو اور جو کبھی ہو گیا ہو تو شرعی قاعدہ کے مطابق توبہ کرلو) رسول (ﷺ) کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے (تو وہ اچھی طرح پہنچا چکے۔ اب تمہارے پاس کوئی عذر وحیلہ باقی نہیں رہا) اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم (زبان یا جسم کے دوسرے اعضاء سے) ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو (تو تمہیں چاہئے کہ ظاہر اور باطن دونوں طریقوں سے اطاعت کرو) آپ (اے محمد! ﷺ ان سے یہ بھی) فرمادیجئے کہ ناپاک اور پاک (یعنی گناہ اور طاعت یا گناہ کرنے والا اور طاعت کرنے والا) برابر نہیں (بلکہ خبیث مغضوب ہے اور طیب مقبول ہے، لہٰذا اطاعت کرکے مقبول بننا چاہئے، معصیت کی وجہ سے مغضوب نہ ہونا چاہئے) اگرچہ (اے دیکھنے والے!) تجھے ناپاک کی کثرت (جیسا کہ اکثر دنیا میں بھی ہوتا ہے) تعجب میں ڈالتی ہو (کہ ناپسندیدہ ہونے کے باوجود یہ کثیر کیوں ہے، مگر یہ سمجھ لو کہ کثرت جو کسی حکمت کے تحت ہے محمود ہونے کی دلیل نہیں ہے، اس لئے جب کثرت پر دارومدار نہیں، یا یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کے علم وعقاب پر بھی مطلع ہو گئے) تو (اس کو مت دیکھو، بلکہ) اللہ تعالیٰ (کے حکم کی خلاف ورزی کرنے) سے ڈرتے رہو تاکہ تم (پوری طرح سے) کامیاب ہو (کہ وہ جنت اور حق کی رضا ہے)

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَسْـَٔلُواْ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَإِن تَسْـَٔلُواْ عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ ٱلْقُرْءَانُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهَا ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُواْ بِهَا كَٰفِرِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کردی جاویں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو، اور اگر تم زمانہ نزول قرآ میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کردی جاویں، سوالات گزشتہ اللہ تعالیٰ نے معاف کردیئے اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں، بڑے علم والے ہیں۔ ایسی باتیں تم سے پہلے اور لوگوں نے بھی پوچھی تھیں، پھر ان باتوں کا حق نہ بجالائے۔

ربط: اوپر احکام میں مخالفت اور تساہل یعنی سستی کی ممانعت تھی، اب غیر ضروری امور کی جن میں وہ احکام بھی شامل ہیں جو نازل نہیں ہوئے بلاضرورت تفتیش اور کھود کرید کرنے کی ممانعت ہے، اس طرح تمام احکام، امور اور باتوں میں تعدیل واعتدال کی اطاعت کا حکم نکل آیا کہ نہ اتنی تفریط یعنی کمی کرو کہ جن امور کا حکم ہوا ہے، ان سے بھی لاپرواہی کرنے لگو اور نہ اس قدر افراط یعنی زیادتی سے کام لو کہ جن امور کا حکم نہیں ہوا اور کوئی قابل ذکر وجہ شبہ کی بھی نہ ہو، ان کے پیچھے پڑو، جیسا کہ بعض لوگوں کی اب بھی عادت ہوتی ہے کہ بلاضرورت اور بے مطلب سوالات کرکر کے اور تلاش اور فرض کر کرکے علماء سے پوچھتے ہیں، ''بلاضرورت'' کہنے سے اس کا مذموم یعنی ناپسند ہونا بھی معلوم ہوگیا۔

اور اس آیت کے نازل ہونے کے سبب کے سلسلہ میں صحیحین یعنی بخاری اور مسلم میں یہ روایتیں ہیں کہ بعض لوگ آپ سے پوچھتے کہ میرا باپ کون ہے؟ چنانچہ ایک شخص کے نسب میں لوگ شبہ ظاہر کرتے تھے، انھوں نے بھی یہ سوال کیا تھا، کوئی پوچھتا میری اونٹنی گم ہوگئی ہے، وہ کہاں ہے؟ اور جب آپ نے حج کی فرضیت بیان فرمائی تو ایک شخص نے پوچھا: کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ آپ نے تین بار سکوت فرمایا، پھر ارشاد فرمایا کہ اگر میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہوجاتا، اور پھر یہ ادا نہ ہو پاتا، پہلے لوگ بھی یوں ہی ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں سے پوچھ تاچھ زیادہ کی، پھر جو بتایا گیا اس کے خلاف کیا، اس لئے جو میں بتادیا کروں، اسی پر عمل کرلیا کرو، اور جس سے میں منع کردیا کروں، اس سے رک جایا کرو، یعنی جس امر میں کوئی شبہ کی وجہ نہ ہو اس کے بارے میں چھان بین مت کیا کرو، ایک اور حدیث میں ہے کہ بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہ تھی، پھر اس کے پوچھنے سے وہ حرام ہوگئی (بخاری)

ان میں جو امور حلال وحرام سے متعلق ہیں ان میں تو اس حدیث کے مطابق ان کے جواب میں حرام ہونے کا احتمال ہے اور جو امور واقعات کی قسم سے ہیں، ان میں سے بعض میں مرضی کے خلاف جواب آنے کا احتمال ہے، جیسے نسب کے سلسلہ میں سوال اور بعض میں ناگوار زجر وتوبیخ ڈانٹ ڈپٹ کا احتمال ہے، جیسے اونٹنی کے بارے میں، اور آگے جو لفظ

﴿ تَسُؤْكُمْ ﴾ آرہا ہے، اس میں یہ سب شامل ہیں۔

شبہ: اوپر دو صورتیں بیان کی ہیں: (۱) امور متعلق حرام وحلال (۲) اور امور از قبیل واقعات —— پھر ثانی کی دو صورتیں ہیں: (۱) بعض میں خلاف مرضی جواب آنے کا احتمال ہے، جیسے نسب کے سوال میں (۲) اور بعض میں ناگوار ڈانٹ ڈپٹ کا احتمال ہے، جیسے سوال ناقہ میں۔ اس پر شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس آخری صورت میں تو ﴿ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ ﴾ صادق آئے گا، کیونکہ اس صورت میں ''پوچھی ہوئی بات'' کا جواب ہی نہیں دیا، پس یہ صرف ڈانٹ ہوگی۔

جواب: ظاہر کرنے سے جواب دینا مراد نہیں، سوال میں خود فی الجملہ ظاہر کرنا ہے گو وہ زجر ہی کیوں نہ ہو۔

اور احکام میں جس طرح یہ سوال افراط (یعنی زیادتی) کی وجہ سے ممنوع ہے، واقعات میں یہ سوال اطاعت اور ادب میں تفریط یعنی کمی کے سبب سے ممنوع ہے۔ چنانچہ بخاری میں یہ بھی ہے کہ مذاق کے طور پر پوچھتے تھے۔ اس طرح آیت میں سوال کی بھی ساری قسمیں شامل ہیں اور جواب کی بھی، البتہ ممانعت کی علت کہیں افراط ہوگی اور کہیں تفریط، اور ناگواری کا احتمال کہیں حرام قرار دینے سے ہوگا، کہیں زجر یعنی ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت سے اور کہیں رسوائی سے۔ اور وحی کے نازل ہونے کے زمانہ کے بعد ایسے سوالات سے ممانعت کی علت وقت کا ضائع کرنا اور جواب دینے والے کو تنگی میں ڈالنا ہے۔

حال کے لحاظ سے اور انجام کے لحاظ سے غیر ضروری احکام وامور سے متعلق سوال کی ممانعت:

اے ایمان والو! ایسی (فضول) باتیں مت پوچھو (جن میں یہ احتمال ہو کہ) اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو (یعنی ان کے جواب میں ناگوار بات سامنے آنے کا احتمال ہو) اور (جن میں یہ احتمال ہو کہ) اگر تم قرآن کے نزول (وحی) کے زمانہ میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کر دی جائیں (یعنی سوال کرنے میں تو یہ دوسرا احتمال ہو کہ جواب مل جائے اور جواب ملنے میں وہ پہلا احتمال ہو کہ ناگوار گذرے، اور یہ دونوں احتمال جو کہ مجموعی طور پر سوال کی ممانعت کی علت ہیں، واقعی ہیں، اس لئے ایسا سوال ممنوع ہے، خیر) گذشتہ سوالات (جو اس وقت تک کر چکے ہو وہ تو) اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیے (مگر آئندہ مت کرنا) اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں (اس لئے گذشتہ سوالات معاف کر دیئے اور) بڑے حلم والے ہیں (اس لئے اگر آئندہ کی نافرمانی اور احکام کی خلاف ورزی پر دنیا میں سزا نہ دیں تو دھوکہ میں مت پڑ جانا، اس کی علت حلم ہوگی) ایسی باتیں تم سے پہلے (زمانہ میں) اور (امتوں کے) لوگوں نے بھی اپنے پیغمبروں سے) پوچھی تھیں پھر (ان کو جواب ملا تو) ان باتوں کا حق بجا نہ لائے (یعنی ان جوابوں میں جو احکام سے متعلق تھے، ان کے مطابق عمل نہ کیا، اور جو واقعات سے متعلق تھے، ان سے متاثر نہ ہوئے، لہٰذا کہیں تمہیں بھی ایسی ہی نوبت پیش نہ آئے، اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ ایسے سوالات چھوڑ دو)

فائدہ: جیسا کہ مقاتل سے روح میں نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء علیہم السلام سے بہت سی باتیں پوچھتے

تھے،اور جب وہ بتاتے تو انہیں جھٹلاتے تھے،اور جیسا کہ آیت کی تمہید میں حدیث کا مضمون آیا ہے کہ انبیاء سے کثرت کے ساتھ پوچھا کرتے تھے اور جواب ملنے پر اس کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے،اور جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کو قتل کر دیا گیا تھا،انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قاتل کا پتہ لگانے کے بارے میں کہا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر کے قاتل کے بارے میں بتادیا،مگر پھر بھی اس سے متاثر نہ ہوئے۔چنانچہ اس واقعہ کے بیان کے بعد ارشاد ہے:﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾:یہ مقتول کا قصہ واقعات سے متعلق ہے۔اور حدیث کا مضمون احکام سے متعلق ہے اور مقاتل کے قول میں دونوں کا احتمال ہے۔اور آیت کے اکثر اجزا کی تفسیر،تمہید کی تقریر سے واضح ہوگئی ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ''گذشتہ سوالات معاف کر دیئے'' اس پر شبہ ہو کہ جب ایسے سوالات کی ممانعت سے متعلق یہ آیت نازل ہی نہ ہوئی تھی تو ممنوع کیسے تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت دوسرے قواعد کلیہ شرعیہ سے ثابت تھی،مثلاً رسول اللہ ﷺ کے ادب کا واجب ہونا جیسا کہ سورۂ حجرات میں ہے اور یہ خود واجب عقلی بھی ہے۔

اور ان ممنوعہ سوالات میں ''فضول'' کی قید اس لئے لگائی کہ ضرورت کی بات پوچھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، مثلاً جب بعض عورتوں کی عدت کا حکم نازل ہوا اور بعض کا حکم نازل نہ ہوا،جبکہ ضرورت سب کی پڑتی ہے،چنانچہ اس کو صحابہ نے پوچھا تو کسی عتاب کے بغیر اس آیت میں جواب نازل ہوا:﴿وَالّٰٓئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ﴾الآیۃ(سورۃ الطلاق آیت ۴)

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْــــًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝﴾

ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو،لیکن جو لوگ کافر ہیں،وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں،اور اکثر کافر عقل نہیں رکھتے۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم کو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے۔کیا اگر چہ ان کے بڑے نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

ربط:اوپر سترہویں اور اٹھارہویں حکم میں بعض اعمال کے معصیت ہونے کا ذکر تھا،اب بعض اعمال کے کفر اور شرک ہونے کا ذکر ہے۔

انیسواں حکم:کفر کی بعض رسموں کا باطل ہونا:

اللہ تعالیٰ نے نہ بحیرہ کو مقرر کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حام کو۔لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ (ان رسموں کے

بارے میں) اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ ان اعمال سے خوش ہیں) اور اکثر کافر (دین داری کی) عقل نہیں رکھتے، اور (اس سے کام نہیں لیتے بلکہ محض اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی ایسی جہالتیں کرتے ہیں، چنانچہ) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف جن پر وہ احکام نازل ہوئے ہیں) رجوع کرو (جو امر اس سے حق ثابت ہو اس کو حق سمجھو اور جو باطل ثابت ہو، اسے باطل سمجھو) تو کہتے ہیں کہ ہمیں (ان احکام اور رسول کی ضرورت نہیں، ہمیں) وہی (طریقہ) کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) کیا (وہ طریقہ ان کے لئے ہر حال میں کافی ہے) اگرچہ ان کے بڑے (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی آسمانی کتاب کی ہدایت رکھتے ہوں)

فائدہ: یہاں جو دوسری آیت ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ﴾ آئی ہے، اسی جیسی ایک آیت سورۂ بقرہ آیت ۱۷۰ گذر چکی ہے، وہاں اس سے متعلق کچھ توضیح اور کچھ تحقیق گذر چکی ہے، جس میں مجتہدوں کی تقلید کے مسئلہ سے متعلق بھی اشارہ کیا گیا ہے، اس کو ایک بار ملاحظہ کر لیا جائے۔

اور پہلی آیت کے الفاظ کی لغوی تفسیر بخاری میں سعید بن المسیبؒ سے اس طرح آئی ہے کہ بحیرہ: وہ جانور ہے جس کا دودھ وہ لوگ بتوں کے نام وقف کر دیتے تھے، اسے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا، اور سائبہ: وہ جانور ہے جس کو بتوں کے نام پر کھلا چھوڑ دیتے تھے، جیسے برصغیر ہند میں بعض لوگ سانڈ چھوڑتے ہیں اور وصیلہ: وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار مادہ بچے جنے پھر دوسری بار بھی مادہ بچہ دے، درمیان میں نر بچہ نہ دے، اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور حام: اس نر اونٹ کو کہتے ہیں جو ایک خاص گنتی کے مطابق جفتی کر چکا ہو، اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، یہ سب باطل اور کفر و شرک ہیں۔

یہ تو خود اس فعل کا حکم ہے، باقی ان جانوروں کا حلال یا حرام ہونا اس کی تحقیق شبہات کو رفع کرنے کے ساتھ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۶۸ ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ اور آیت ۱۷۳ ﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ ﴾ کے ذیل میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے، اور 'اکثر' اس لئے فرمایا کہ بعض مشرک مسلمان بھی ہو جاتے تھے۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں، اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے۔

ربط: اوپر رسم پرست کفار کی ایک جہالت کا ذکر تھا، اور ان میں ایسی ایسی جہالتیں بکثرت تھیں، جن کو سن کر مؤمنوں کو رنج اور افسوس ہوسکتا ہے، اس لئے اب مؤمنوں کو اس کے متعلق ارشاد ہے کہ تم کیوں اس غم میں پڑے ہو، تمہیں اپنی اصلاح کا اور دوسرے کی اصلاح میں استطاعت کے مطابق کوشش کرنے کا حکم ہے، باقی کوشش پر نتیجہ مرتب ہونا تمہارے اختیار سے خارج ہے، اس لئے اپنا کام کرو، دوسروں کے چکر میں مت پڑو۔

غیروں کی اصلاح میں اعتدال کا حکم:

اے ایمان والو! اپنی (اصلاح کی) فکر کرو (تمہارے ذمہ اصل کام یہ ہے، باقی دوسروں کی اصلاح سے متعلق یہ حکم ہے کہ جب تم اپنی طرف سے نفع کی توقع پر اپنی وسعت واستطاعت کے مطابق کوشش کررہے ہو، مگر دوسرے پر اثر نہیں ہوتا تو تم اثر نہ ہونے کی فکر میں نہ پڑو، کیونکہ) جب تم (دین کی) راہ پر چل رہے ہو (اور دین کے واجبات کو اس طرح ادا کررہے ہو کہ اپنی بھی اصلاح کررہے ہو اور دوسرے کی اصلاح کی بھی کوشش کررہے ہو) تو جو شخص (تمہاری اصلاح کی کوشش کے باوجود) گمراہ رہے تو اس (کے گمراہ رہنے) سے تمہارا کوئی نقصان نہیں (اور جس طرح غیروں کی اصلاح کے سلسلہ میں حد سے زیادہ فکر وغم سے منع کیا جاتا ہے، ایسے ہی ہدایت سے ناامید ہونے پر غصہ میں آکر ان پر دنیا ہی میں سزا نازل ہونے سے حق وباطل کا فیصلہ ہوجانے کی بھی تمنا مت کرنا، کیونکہ اصلاً یہ کام آخرت میں ہوگا، چنانچہ) اللہ ہی کے پاس تمہیں سب کو جانا ہے، پھر وہ تم سب کو جتادیں گے، جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے (اور جتا کر حق پر ثواب اور باطل پر عذاب کا حکم نافذ فرمادیں گے)

فائدہ: اس آیت کا صرف ترجمہ دیکھنے سے خیال ہوسکتا تھا کہ جو شخص خود دین پر عمل کرتا رہے، اس کے ذمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب نہیں ہے، لیکن جس طرح تفسیر بیان کی گئی ہے، اس سے آیت کا مطلب واضح ہوگیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ نقصان نہ ہونے کے لئے رہنمائی وہدایت کرنے کی شرط لگائی گئی ہے، اور رہنمائی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا داخل ہے، چنانچہ ابوداؤد اور ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اور جیسا کہ روح المعانی میں نقل کیا گیا ہے، ابن جریر اور ابن مردویہ نے اور فتح القدیر کے مطابق دارقطنی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ اس طرح نقل کیا ہے کہ تم لوگ اس آیت کے معنی کچھ اور سمجھتے ہو۔ حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تاکید اور اس کو چھوڑنے پر وعید سنی ہے۔ اور جلالین میں جو حاکم کی روایت سے حدیث ہے کہ تم امر ونہی کرتے رہو، حتی کہ جب حرص وہوس اور خودداری وغیرہ کا غلبہ ہوجائے تو عوام کو چھوڑ کر اپنی اصلاح کے کام میں لگ جاؤ یا روح المعانی کے مطابق عبدالرزاق اور ابوالشیخ اور طبرانی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یا ابن جریر نے ابن عمر کا ارشاد نقل کیا ہے کہ یہ آیت اس زمانہ کے لئے نہیں، بلکہ آئندہ زمانہ کے لئے ہے، جب امر ونہی کوئی فائدہ نہ دے گا، تو ان آیتوں کا

ظاہری مطلب مراد نہیں ہے، کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ آیت کے خطاب میں صحابہ بھی داخل ہیں۔ بلکہ آیت سے مراد یہ ہے کہ اس آیت کے مجموعی مضمون کا ایک خاص حصہ کہ جب امر و نہی سے نفع نہ ہو تو اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے، اس طرح اگرچہ یہ بھی ہر زمانہ کے لئے عام ہے، مگر چونکہ خیر القرون یعنی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے زمانہ میں نفع ہونا غالب اور نفع نہ ہونا مغلوب تھا، اس لئے وجوب کے ساقط ہونے کا تحقق و وقوع بھی تھوڑا گویا بالکل معدوم ہے، اور چونکہ شر کے زمانوں میں نفع کا ہونا مغلوب اور نفع کا نہ ہونا غالب ہوگا، اس لئے اس کے ساقط ہونے کے وجوب کا تحقق و وقوع بھی اس زمانہ کے مخصوص امور کی طرح زیادہ ہوگا، خوب سمجھ لو۔

اور یہ جو فرمایا کہ ﴿ لَا یَضُرُّکُمْ ﴾ یعنی تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ کو اس سے ضرر کا احتمال تھا، کیونکہ ﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ کوئی بھی شخص کسی دوسرے شخص کے گناہوں اور غلطیوں کا بوجھ اور ذمہ داری نہیں اٹھائے گا۔ سورہ بنی اسرائیل ۱۵ و سورہ فاطر ۱۸ کا مضمون صاف ہے اور یہ عقل میں آنے والی بات بھی ہے، بلکہ ان کے غم کو ہلکا کرنے کے لئے اس مضمون میں تامل و غور و فکر کرنے اور اس سے استدلال کرنے کا حکم فرمانا مقصود ہے کہ جب یہ امر یقینی ہے تو تمہیں چاہئے کہ اس کو دیکھتے ہوئے بے فکر رہو، واللہ اعلم۔

اور اگرچہ ایسی حالت میں کسی دوسرے کے غم میں گھلنے کا کوئی فائدہ نہیں، پھر بھی اس کی ممانعت فرمائی جیسا کہ بظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے تو اس کی وجہ اللہ ہی کو بہتر معلوم ہے، تو یہی وجہ کافی ہے کہ جب اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو یہ کام لا یعنی اور بے کار ہوا، اور لا یعنی کو ترک کرنا مطلوب ہے، دوسرے تجربہ سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات اس قسم کے فکر و اندیشہ میں پڑنے سے شریعت کے نزدیک اپنے ضروری اور مطلوب مقاصد میں خلل آجاتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَیْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ۝۱۰۶ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤی اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ یَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْاَوْلَیٰنِ فَیُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَیْنَاۤ ۖؗ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰۷ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰی وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ اَیْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝۱۰۸ ﴾ ع

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخص وصی ہونا مناسب ہے، جب کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے، جب وصیت کرنے کا وقت ہو وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے ہوں یا غیر قوم کے دو شخص ہوں اور اگر تم

کہیں سفر میں گئے ہو، پھر تم پر واقعہ موت کا پڑ جاوے۔ اگر تم کو شبہ ہو تو ان دونوں کو بعد نماز روک لو، پھر دونوں خدا کی قسم کھاویں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی نفع نہیں لینا چاہتے، اگر چہ قرابت دار بھی ہوتا اور اللہ کی بات کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے ہم اس حالت میں سخت گنہ گار ہوں گے، پھر اگر اس کی اطلاع ہو کہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا تھا اور دو شخص جو سب میں قریب تر ہیں جہاں وہ دونوں کھڑے ہوئے تھے، یہ دونوں کھڑے ہوں پھر دونوں خدا کی قسم کھاویں کہ بالیقین ہماری یہ قسم ان دونوں کی اس قسم سے زیادہ مناسب ہے، اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا، ہم اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے۔ یہ بہت قریب ذریعہ ہے اس امر کا کہ وہ لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈر جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد قسمیں متوجہ کی جاویں گی۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو۔ اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو رہنمائی نہ کریں گے۔

ربط: اوپر دینی مصلحتوں سے متعلق احکام تھے، اب بعض احکام دنیاوی مصلحتوں سے متعلق ہیں، اور دنیاوی مصلحتوں سے متعلق احکام کو دینی مصلحتوں سے متعلق احکام کے ساتھ لانے میں دو امر کی طرف اشارہ ہو گیا، ایک یہ کہ یہ حکم اور دین سے متعلق احکام، عمل کے واجب ہونے میں برابر ہیں، دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے، اپنے بندوں کی آخرت کی اصلاح کی طرح ان کے دنیاوی معاش اور روزگار کی اصلاح بھی فرماتے ہیں، چونکہ اس آیت کی تفسیر دو امر پر موقوف ہے، ایک قصہ جو کہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے، دوسرے بعض مسائل جن کی بنیاد اس آیت کی دلالت پر ہے، اس لئے پہلے ان کو لکھا جاتا ہے۔

شانِ نزول کا قصہ:

ایک سہمی شخص یعنی جس کا تعلق بنی سہم قبیلہ سے تھا، تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ جبکہ یہ دونوں اس وقت نصرانی تھے، تجارت کی غرض سے مال واسباب لے کر چلا، راستہ میں وہ سہمی بیمار ہو گیا اور ایک ایسی جگہ جہاں کوئی مسلمان نہیں تھا مر گیا، اس نے مرتے وقت ان دونوں آدمیوں یعنی تمیم اور عدی کو وصیت کی کہ میرا چھوڑا ہوا مال میرے وارثوں کو پہنچا دینا، جب یہ دونوں شخص اس کا سامان لے کر آئے تو چاندی کا ایک کٹورا نہ نکلا، جس پر سونے کے نقش ونگار بنے ہوئے تھے، اور اس کے سامان میں قیمتی مال وہی تھا جبکہ وارثوں کو بھی اس کی وصیت کے وقت سامان میں ہونے کا علم نہ تھا، تفسیر مدارک میں اس کے علم کا ذریعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرنے والے نے اپنے مال واسباب کی ایک فہرست بھی ان دونوں کو بتائے بغیر اپنے سامان میں رکھ دی تھی، جب وارثوں نے اس فہرست سے سامان کا ملان کیا تو وہ پورا نہ ہوا، وارثوں کو ان دونوں پر شبہ ہوا اور ان سے پوچھا تو انھوں نے کہہ دیا کہ اس نے ہمیں صرف وہی سامان دیا تھا جو ہم نے تمہیں دیدیا، آخر مقدمہ نبی ﷺ کی سرکار میں پیش ہوا اور پہلی آیت ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ ﴾ (الی قولہ) ﴿ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِیْنَ ﴾ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے وارثوں سے ان کے اس دعوی پر گواہ طلب کئے کہ ان دونوں نے خیانت کی

ہے، گواہ کوئی نہیں تھا، آخر آپ نے ان دونوں سے خیانت نہ کرنے اور کوئی چیز نہ چھپانے کے بارے میں قسم لی، اس طرح دعوی خارج ہوگیا، پھر ان وارثوں نے وہ کٹورا مکہ میں کسی کے پاس دیکھا تو پوچھا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا، اس شخص نے بتایا کہ میں نے تمیم اور عدی سے خریدا ہے، تفسیر معالم میں یہ بھی ہے کہ پھر بنی سہم نے تمیم اور عدی سے اس کے بارے میں گفتگو کی، ان دونوں نے جواب دیا کہ یہ ہم نے مرنے والے سے خرید لیا تھا، انھوں نے کہا کہ اس وقت تو تم نے کہا تھا کہ ہمیں اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ چونکہ ہمارے خریدنے پر کوئی گواہ نہیں تھا، اس لئے ہم نے یہ قصہ چھپالیا تھا، آخر یہ مقدمہ دوبارہ پھر سرکار نبوی میں پیش ہوا اور بعد والی آیت ﴿فَإِنْ عُثِرَ﴾ الخ نازل ہوئی، اب چونکہ تمیم اور عدی کے پاس کوئی گواہ نہ تھا، اس لئے آپ نے بنی سہم کے دولوگوں سے قسم لی جو مرنے والے کے سب سے زیادہ قریبی وارث تھے، اور قسم کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا (بخاری وترمذی)

مسائل: مسئلہ (۱): میت جس شخص کو اپنا مال سپرد کر کے کسی کو دینے دلانے کے لئے کہہ جائے اس کو وصی کہتے ہیں اور وصی ایک شخص بھی ہوسکتا ہے اور زیادہ بھی۔

مسئلہ (۲): وصی کا مسلمان اور عادل ہونا خواہ سفر کی حالت میں ہو یا حضر میں یعنی اپنے گھر قیام وسکونت کی حالت مین ہو افضل ہے، لازم نہیں۔

مسئلہ (۳): نزاع یعنی جھگڑے کی صورت میں جو شخص امر زائد کا دعویدار ہو وہ مدعی اور دوسرا مدعا علیہ کہلاتا ہے۔

مسئلہ (۴): پہلے مدعی سے گواہ لئے جاتے ہیں، اگر وہ شریعت کے ضابطہ کے مطابق گواہ پیش کردے تو مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہوجاتا ہے، اور اگر وہ گواہ پیش نہ کرسکے تو مدعا علیہ سے قسم لی جاتی ہے، اور مقدمہ کا فیصلہ اس کے حق میں ہوجاتا ہے۔ البتہ اگر مدعا علیہ قسم کھانے سے منع کردے تو پھر مقدمہ کا فیصلہ مدعی کے حق میں ہوجاتا ہے۔

مسئلہ (۵): اور قسم کو زمانہ یا مکان کے ساتھ بھاری کرنا حاکم کی رائے پر موقوف ہوتی ہے، یہ لازم نہیں۔

مسئلہ (۶): اگر مدعا علیہ اپنے کسی فعل کے متعلق قسم کھائے تو الفاظ یہ ہوں گے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، اور اگر دوسرے کے فعل سے متعلق قسم کھائے تو یہ کہنا ہے کہ مجھے اس کے بارے میں معلوم نہیں۔

مسئلہ (۷): اگر کسی میراث کے مقدمہ میں وارث مدعا علیہ ہوں تو جن لوگوں کو شریعت کے مطابق میراث پہنچتی ہے ان سے قسم لی جائے گی، چاہے وہ ایک ہو یا زیادہ ہوں، اور جو وارث نہیں ان سے قسم نہیں لی جائے گی، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔

بیسواں حکم: مدعا علیہ سے قسم لینا خواہ وہ وصی ہو یا وارث:

اے ایمان والو! تمہارے آپس (کے معاملات) میں (مثلاً وارثوں کو مال سپرد کرنے کے لئے) دو لوگوں کا وصی ہونا

مناسب ہے (اگرچہ بالکل وصی نہ بنانا بھی جائز ہے) جب کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے[1] (یعنی) جب وصیت کرنے کا وقت ہو (اور) وہ دو شخص دین دار یعنی عادل ہوں اور تم میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) ہوں یا غیر قوم کے دو شخص ہوں، اگر (مسلمان نہ ملیں مثلاً) تم کہیں سفر میں گئے ہو، پھر تم کو موت کا واقعہ پیش آجائے (اور یہ سب امور[2] مناسب ہیں ورنہ جس طرح بالکل وصی نہ بنانا جائز ہے، اسی طرح اگر وصی ہو یا دین دار یعنی عادل نہ ہو، یا حضر میں غیر مسلم کو وصی بنادے، ساری صورتیں جائز ہیں، پھر ان وصیوں کا حکم یہ ہے کہ اے وارثو! اگر تمہیں (کسی وجہ سے ان پر) شبہ ہو (جیسا کہ مذکورہ بالا قصہ میں ہوا کہ میت کے چھوڑے ہوئے سامان میں کٹورا نہیں ملا) تو (اے حاکمو![3] مقدمہ کا فیصلہ اس طرح کرو کہ پہلے وارثوں سے چونکہ وہ مدعی ہیں اس معاملہ میں گواہ طلب کرو کہ انھوں نے فلاں چیز لے لی ہے، اور اگر وہ گواہ نہ لاسکیں تو ان وصیوں سے چونکہ وہ مدعا علیہ ہیں، اس طرح قسم لو کہ) ان دونوں (وصیوں) کو نماز کے بعد (مثلاً عصر کے بعد) روک لو، کیونکہ اس وقت مجمع زیادہ ہوتا ہے، جس سے جھوٹی قسم کھانے والا ایک حد تک شرماتا ہے، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کا وقت بھی اہمیت وعظمت کا حامل ہوتا ہے، کچھ اس کا بھی خیال ہوتا ہے اور اس کا مقصد قسم کھلانے میں سختی سے کام لینا ہے کہ وقت بھی متبرک ہے اور بڑی تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے موقع ومقام بھی اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے) پھر دونوں (وصی) اس طرح اللہ کی قسم کھائیں[4] (قسم کھا کر یہ کہیں) کہ ہم اس قسم کے بدلہ میں (دنیا کا) کوئی فائدہ حاصل کرنا نہیں چاہتے (کہ دنیا کا نفع وفائدہ لے لیں اور سچی قسم چھوڑ کر جھوٹی قسم کھالیں) اگرچہ (اس معاملہ میں ہمارا) کوئی عزیز وقریبی رشتہ دار بھی) کیوں نہ ہوتا (جس کی[5] مصلحت کو اپنی مصلحت کے ساتھ جوڑ کر ہم

---

(۱) ترجمہ میں لفظ "یعنی" بڑھانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن میں حضورِ موت کی تفسیر ﴿ حِیْنَ الْوَصِیَّۃِ ﴾ سے اس لئے کی گئی ہے کہ اکثر لوگ وصیت اسی وقت کرتے ہیں، لہٰذا یہ مقصود نہیں کہ موت سے پہلے وصیت نہ کرے، اور خاص موت ہی کے قریب واجب ہو۔ تبیان (۲) مطلب یہ کہ آیت کا امر، امر ارشادی ہے، امر وجوبی نہیں۔ تبیان

(۳) ﴿ اِنِ ارْتَبْتُمْ ﴾ کی ضمیر ورثا کی طرف اور ﴿ تَحْبِسُوْنَهُمَا ﴾ کی ضمیر حاکموں کی طرف ہے، اور یہ انتشار ضمائر نہیں کہلائے گا کیونکہ مخاطب مجموعۂ مسلمان ہیں، ان میں جس کے لئے جو وصیت ثابت ہو، وہ اس کا مخاطب ہوجائے گا، اور اس آیت کے لفظ ﴿ اِرْتَبْتُمْ ﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ حاکموں کے لئے حبس فی الریب جائز ہے، مگر تحقیق میں دیر نہ کریں، جیسا کہ بعض متاخرین فقہاء نے فرمایا ہے۔ نیز ﴿ تَحْبِسُوْنَهُمَا ﴾ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس قول کی تائید بالقیاس علی الحبس ہوتی ہے، کہ اگر غیر حکام کسی کا طنبورہ وغیرہ توڑ ڈالیں گے تو ضمان لازم آئے گا، کیونکہ اوروں کو یہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔ تبیان

(۴) یہ بتانا مقصود ہے کہ آیت میں قسم کے صیغہ کو ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ ﴿ فَيُقْسِمٰنِ ﴾ سے معلوم ہے بلکہ اس حلف کے ساتھ اس عبارت کے بھی انضمام کا ارشاد ہے ﴿ لَا نَشْتَرِیْ ﴾ الخ۔ تبیان

(۵) یہاں شبہ ہوتا ہے کہ کسی کے قرابت دار ہونے کو قسم کے جھوٹا ہونے میں کیا دخل ہے، جیسا کہ ﴿ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ سے سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ اپنی مصلحت تو اب بھی موجود ہے جو قسم کے جھوٹا ہونے کے احتمال میں کافی ہے، لیکن تفسیر کی تقریر ←

جھوٹی قسم کھاتے۔اوراب تو کوئی ایسا بھی نہیں ہے، جب ہم دو مصلحتوں کی وجہ سے جھوٹ نہ بولتے تو ایک مصلحت کی وجہ سے کیوں جھوٹ بولیں گے) اور اللہ کی (طرف سے جس) بات (کے کہنے کا حکم ہے اس) کو ہم پوشیدہ نہ رکھیں گے (ورنہ اگر) ہم (ایسا کریں تو) اس حالت میں سخت گنہ گار ہوں گے (یہ قول میں سختی ہے، جس سے مقصود سچائی کے واجب ہونے اور جھوٹ کے حرام ہونے اور اللہ کی عظمت کو ذہن میں بٹھانا ہے جو جھوٹی قسم کھانے سے روکنے میں مددگار ہو، جو ان دونوں سے ہوگی، اور اگر حاکم کی رائے ہو تو بغیر ان سختیوں کے اصل مضمون کی قسم کھائیں، مثلاً ہمیں مرنے والے نے یہ چیز نہیں دی، اور اس پر مقدمہ کا فیصلہ کر دینا چاہئے، چنانچہ مذکورہ بالا قصہ میں ایسا ہی ہوا)

پھر (اس کے بعد) [۱] اگر (کسی طرح بظاہر) اس کی خبر ملے کہ وہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (مثلاً مذکورہ بالا واقعہ میں جب کٹورا مکہ میں ملا اور دونوں وصیوں نے دریافت کرنے پر اس کو میت سے خریدنے کا دعویٰ کیا، جس سے خود میت سے لینے کا اقرار لازم آتا ہے اور وہ گذشتہ انکار کے خلاف ہے، اب چونکہ مقر کا اقرار حجت ہے، اس لئے بظاہر ان کا خیانت کرنا اور جھوٹ بولنا ثابت ہوا) تو (ایسی صورت میں مقدمہ کا رخ بدل جائے گا، وصی جو کہ پہلے مدعا علیہ تھے، اب خریدنے کے مدعی ہو گئے، اور وارث جو پہلے خیانت کے مدعی تھے، وہ اب مدعا علیہ ہو گئے، اس لئے اب فیصلہ کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے وصیوں سے خریدنے سے مطلق گواہ طلب کئے جائیں گے اور جب وہ گواہ پیش نہ کرسکیں تو) ان (وارث) لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں (ان وصیوں کی جانب سے مذکورہ) گناہ کا ارتکاب ہوا تھا، اور (جو کہ شریعت کے مطابق میراث کے مستحق ہوں مثلاً [۲] مذکورہ صورت میں) دو شخص (تھے) جو سب (وارثوں) میں (میراث کے مستحق ہونے کے اعتبار سے) قریب ترین ہیں جہاں (حلف کے لئے) وہ دونوں (وصی) کھڑے ہوئے تھے (اب) یہ دونوں (قسم کے لئے کھڑے ہوں، پھر دونوں (اس طرح) اللہ کی قسم کھائیں کہ (قسم کے الفاظ کے ساتھ یہ کہیں کہ [۳]) یقینی طور

← سے یہ شبہ جاتا رہا، کیونکہ اگر کوئی ذی قرابت موجود ہوتا تو مصلحت دوہری ہو جاتی، تو جب دو مصلحتوں کے ہوتے ہوئے بھی ہم جھوٹی قسم نہیں کھاتے تو اب جبکہ صرف ایک مصلحت اپنی ہی ہے ہم کس طرح جھوٹی قسم کھا سکتے ہیں۔تبیان

(۱) لفظ ظاہراً بڑھا کر حضرت تھانوی نے بتا دیا کہ ﴿ اٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ ﴾ الخ کا حکم اس وقت ہے جب ان دونوں وصیوں کے جرم کے ارتکاب کا پورا یقین نہ ہوا ہو، بلکہ ان پر کسی وجہ سے شبہ ہو گیا ہو تو مقدمہ اسی صورت میں چلے گا، اور اگر کسی ذریعہ سے پورا یقین ہو گیا ہو تو پھر ورثاء کو حلف دینے کی ضرورت نہیں ہے، اور مقدمہ اس صورت سے نہ ہوگا کہ مدعی سے بینہ اور مدعا علیہ سے حلف لیا جائے۔تبیان

(۲) لفظ مثلاً بڑھا کر یہ بتا دیا کہ دو کا عدد مقصود بالذات نہیں، مگر چونکہ اس وقت اس واقعہ میں دو ہی شخص ایسے تھے اس لئے تثنیہ کا ذکر فرمایا گیا۔تبیان

(۳) اس موقع پر آیت میں شبہ ہوتا ہے کہ حلف کے ساتھ ﴿ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ﴾ کہنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ حالانکہ کسی کو کیا خبر کہ دوسرے کے حلف سے میرا حلف افضل اور احق ہے، لیکن مذکورہ تقریر سے یہ شبہ جاتا رہا، اس کا خلاصہ ←

پر ہماری یہ قسم (اس وجہ سے کہ شک وشبہ سے ظاہری طور پر بھی اور حقیقت میں بھی پاک ومنزہ ہے) ان دونوں (وصیوں) کی اس قسم سے زیادہ سچ ہے (کیونکہ اگر چہ ہمیں اس کی حقیقت کا علم نہیں، لیکن بظاہر تو وہ مشتبہ ہوگئی) اور ہم نے (حق سے) ذرا بھی تجاوز نہیں کیا (ورنہ اگر) ہم (ایسا کریں تو) اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے (کیونکہ پرایا مال جان بوجھ کر بلا اجازت لے لینا ظلم ہے، یہ بھی سختی ہے جو حاکم کی رائے پر ہے، پھر اصل مضمون پر قسم لی جائے، جس کے الفاظ اس وجہ سے کہ یہ قسم غیر کے فعل پر ہے، یہ ہوں گے کہ اللہ کی قسم ہمارے علم میں میت نے ان مدعیوں کے ہاتھ کٹورا فروخت نہیں کیا، اور چونکہ علم کے واقعی اور غیر واقعی ہونے کی اطلاع کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہوسکتی، اس لئے اس کے واقعی ہونے پر زیادہ تاکیدی قسم لی گئی، جیسا کہ آیت میں لفظ ﴿اَحَقُّ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ اس کا دارومدار میرے ہی اوپر ہے، اس لئے قسم کھاتا ہوں کہ جس طرح اس میں ظاہری جھوٹ کا ثبوت نہیں ہوسکتا، اسی طرح حقیقت میں بھی جھوٹ کی نفی ہے، اور یہ قرینہ مفید ہے کہ یہاں اس کا علم ہونے پر قسم ہے، اور چونکہ اس کا جھوٹ بغیر اقرار کبھی ثابت نہیں ہوسکتا، اس لئے اس میں جو حق تلفی ہوگی وہ تو زیادہ شدید درجہ کا ظلم ہوگا، اس میں کوئی زیادہ تعجب کی بات نہیں کہ یہاں لفظ ﴿الظّٰلِمِیْنَ﴾ اس لئے کہا گیا ہو)

یہ (قانون جو دونوں آیتوں میں مجموعی طور پر بیان ہوا) اس امر کا بہت قریبی ذریعہ ہے کہ وہ (وصی) لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں (اگر زائد مال کی سپردگی نہیں ہوئی ہے تو قسم کھالیں، اور اگر ہوئی ہے تو گناہ کے خوف سے انکار کردیں، یہ حکمت تو وصیوں کو قسم کھلانے میں ہے) یا اس امر سے بچ (کر قسم کھانے سے رک) جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد (وارثوں سے) قسمیں لی جائیں گی (پھر ہمیں ندامت اٹھانی پڑے گی، یہ حکمت [1] وارثوں کو قسم کھلانے میں ہے اور ان سب صورتوں میں مقصود [2] حق، صاحب حق کو پہنچتا ہے، جس کا شریعت میں حکم ہے، اور جو مطلوب ہے، کیونکہ اگر وصیوں سے قسم لینے کا حکم نہ ہوتا اور وصی زائد مال کی سپردگی میں سچے ہوتے تو ان کے اوپر سے تہمت دور کرنے کا کوئی طریقہ نہ ہوتا، اور اگر وہ جھوٹے ہوتے تو وارثوں کے لئے اپنا حق ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہ ہوتا، اور اب سچا ہونے کی صورت میں

← یہ ہے کہ وصی کا حلف اس وجہ سے کہ اس کا ایک معارض پایا جاچکا ہے، شبہ کے دائرہ میں آگیا ہے اور ہمارا حلف جیسے درحقیقت منزہ وپاک ہے، اسی طرح ظاہر میں بھی اشتباہ سے پاک ومنزہ ہے، لہٰذا وصی کے حلف سے افضل واحق ہوا۔ تبیان

(۱) مطلب یہ ہے کہ وارثوں کی قسم کا جو قانون مقرر فرمایا گیا، اس قانون میں یہ حکمت ہے۔ تبیان

(۲) قرآن کی آیت ﴿ذٰلِكَ اَدْنٰٓى﴾ الخ میں مذکورہ قوانین کے مشروع قرار دینے کی حکمت میں صرف دونوں فریقوں کے حلف کے صحیح وصادق ہونے کا ذکر ہے، اور ظاہر ہے کہ محض حلف کا صحیح اور صادق ہونا نہ خود اپنے آپ میں مقصود ہے نہ مفید۔ اس لئے یہ عبارت بڑھا کر بتادیا کہ اصل مقصود تو یہ ہے یعنی حقدار کو حق پہنچانا ہے، اور اس کے طریقے حلف کے یہ طریقے ہیں۔ اس لئے ان طریقوں کا ذکر اس مقصود کے ذکر سے بے نیاز ہوگیا، لہٰذا قرآن میں حکمت کے بیان میں اس پر اکتفا کیا گیا۔ تبیان

الزام اور تہمت سے بری ہو جاتے، اور جھوٹا ہونے کے وقت شاید جھوٹی قسم سے ڈر کر انکار کر دے۔ اس طرح وارثوں کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اگر وارثوں کو قسم دلانے کا طریقہ نہ ہوتا اور شرعی طور پر حق کا انکار ہوتا تو حق کو ثابت کرنے کی کوئی صورت نہ ہوتی، اور اگر شرعی طور پر حق کا انکار نہ ہوتا تو وصیوں کے حق کو ثابت کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا، اور اب وارثوں کا حق ہونے کی صورت میں ان کا حق ثابت ہو سکتا ہے، اور حق نہ ہونے کی صورت میں قسم سے انکار سے وصیوں کا حق ثابت ہو جاتا ہے، اس طرح دو شق وصیوں کو قسم کھلانے کی حکمت میں ہیں، اور ﴿ يَّأْتُوْا بِالشَّهَادَةِ ﴾ میں دونوں شامل ہیں، اور دو شقیں وارثوں کو قسم کھلانے کی حکمت میں ہیں، جن میں سے دوسری شق تو وصیوں کو قسم کھلانے کی پہلی شق میں داخل ہے، اور پہلی شق ہو ﴿ اَوْ يَخَافُوْٓا ﴾ کی دلالت ہے، لہٰذا دونوں قسموں کے مجموعہ میں ساری شقوں کی رعایت ہوگئی) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اور معاملات اور حقوق کے سلسلہ میں جھوٹ مت بولو) اور (ان کے احکام کو) سنو (یعنی مانو) اور (اگر اللہ کے حکموں کی خلاف ورزی کرو گے تو فاسق ہو جاؤ گے اور) اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو (قیامت کے دن اطاعت کرنے والوں کے درجوں کی طرف) رہنمائی نہ کریں گے (بلکہ نجات پانے کے وقت بھی ان سے کم رہیں گے، تو ایسا نقصان کیوں گوارا کرتے ہو؟)

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾

ترجمہ: جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو جمع کریں گے، پھر ارشاد فرمادیں گے کہ تم کو کیا جواب ملا تھا؟ وہ عرض کریں گے کہ ہم کو کچھ خبر نہیں! آپ بیشک پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں۔

ربط: اوپر مختلف احکام کا ذکر ہوا ہے، اور بیچ بیچ میں ان پر عمل کی ترغیب اور ان کی خلاف ورزی پر وعید فرمائی گئی ہے اور عذاب سے ڈرایا گیا ہے، اسی کی تاکید کے لئے اس آیت میں قیامت کے دن کی ہولناک حالتیں اور ڈر و خوف کی صورتیں بیان فرماتے ہیں، تاکہ اطاعت کی طرف زیادہ توجہ ہو اور مخالفت سے بچنے کی زیادہ فکر ہو، اور قرآن مجید کا طرز و انداز اکثر یہی ہے۔

قیامت کی ہولناکی کی یاد دہانی:

(وہ دن بھی کیسا ہولناک ہوگا) جس دن اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو (مع ان کی امتوں کے) جمع کریں گے پھر (ان امتوں میں جو گنہ گار ہوں گے، ان کی تنبیہ کی غرض سے انہیں سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ ان پیغمبروں سے) ارشاد فرمائیں گے کہ تمہیں (ان امتوں کی طرف سے) کیا جواب ملا تھا؟ وہ عرض کریں گے کہ (ظاہری جواب تو ہمیں معلوم ہے اور ہم اس کو بیان بھی کر دیں گے، لیکن ان کے دل میں جو کچھ تھا اس کی) ہمیں کچھ خبر نہیں (اس کو آپ ہی جانتے ہیں کیونکہ) آپ پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں (مطلب یہ کہ وہ ایک ایسا دن ہوگا جس میں اعمال و احوال کی تفتیش

ہوگی، اس لئے تمہیں مخالفت اور معصیت سے ڈرتے رہنا چاہئے)

فائدہ: جن آیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کے احوال پر شہادت دیں گے، مذکورہ تفسیر کی بنا پر ان دونوں میں کوئی تعارض یا ٹکراؤ نہیں ہے، اور جو امتیں انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے بعد ہوئی ہیں، خواہ وہ انبیاء ان کی شہادت نہ دیں، لیکن دوسری شہادتیں دوسرے نصوص سے ثابت ہیں جن میں ملائکہ کی، نامۂ اعمال کی اور کفار کے ہاتھ پاؤں کی گواہیاں بھی شامل ہیں۔

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَىٰةَ وَالْإِنجِيلَ ۖ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًۢا بِإِذْنِي ۖ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَٰٓءِيلَ عَنكَ إِذْ جِئْتَهُم بِالْبَيِّنَٰتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّـۧنَ أَنْ ءَامِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوٓا ءَامَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ۝﴾

ترجمہ: جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماویں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم! میرا انعام یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوا ہے، جبکہ میں نے تم کو روح القدس سے تائید دی، تم آدمیوں سے کلام کرتے تھے گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی اور جب کہ میں نے تم کو کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل تعلیم کیں، اور جبکہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے، پھر تم اس کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے، اور تم اچھا کردیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو میرے حکم سے، اور جب کہ تم مردوں کو نکال کر کھڑا کرلیتے تھے میرے حکم سے، اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے، پھر ان میں جو کافر تھے انھوں نے کہا تھا کہ یہ بجز کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں۔ اور جب کہ میں نے حواریین کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، انھوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہئے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں۔

ربط: اوپر کئی آیتوں میں اہل کتاب سے بات ہوئی ہے، اب سورت کے ختم پر اس مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے خالص نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق بعض مضامین سنا رہے ہیں، اگرچہ ان سے یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا، جن سے ان کا عبد یعنی بندہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور ان کے خداوند ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ اور قیامت کے دن ان کے اس خطاب سے بھی یہی مقصود ہوگا تا کہ افراط وتفریط کی شکل میں اہل کتاب کی غلطی ثابت ہوجائے، کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے مختلف انعامات کا ہونا جن کا ﴿اذْكُرْ نِعْمَتِي﴾ الخ میں ذکر ہے اور تصرفات میں تصرف حق کا محتاج ہونا،

جن کا ﴿ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ ﴾ الخ میں بیان ہے۔ اور حفاظت میں حق تعالیٰ کا محتاج ہونا جس کا ﴿ وَاِذْ كَفَفْتُ ﴾ الخ میں ذکر ہے، اور توحید کی طرف دعوت کرنا اور رسول ہونا جس کا ﴿ وَاِذْ اَوْحَيْتُ ﴾ الخ میں ذکر ہے، اور اسی طرح مائدہ کا معجزہ جس میں معجزہ واعجاز کے ثبوت کے ساتھ جو کہ یہود پر حجت ہے، اور اس اعتبار سے یہ حجت یہود کے ساتھ بھی ہوگئی ان کا التجا اور سوال کرنا بھی آیت ﴿ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ ﴾ اور مردوں کو زندہ کرنے اور بیماروں کو شفا دینے وغیرہ معجزات کا ذکر ہے، خود اپنے خدا ہونے کی نفی پر قطعی دلیلیں ہیں۔

عیسائیوں کے ساتھ مباحثہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ اور قیامت کے دن کی باہمی گفتگو:

(اور اسی روز عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص گفتگو ہوگی) جبکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم! میرا انعام یاد کرو (تاکہ لذت تازہ ہو) جو تم پر اور تمہاری والدہ پر (متعدد قسموں میں اور متعدد اوقات میں ہوا ہے، مثلاً) جبکہ میں نے روح القدس (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کے ذریعہ تمہاری تائید کی (اور) تم آدمیوں سے (دونوں حالتوں میں یکساں طور پر) کلام کرتے تھے (ان کی) گود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی (دونوں کلاموں میں کوئی فرق نہ تھا) اور جبکہ میں نے تمہیں (آسمانی) کتابیں اور حکمت وسمجھ کی باتیں اور (خاص طور سے) توریت اور انجیل کی تعلیمات دیں اور جبکہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے، جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے، میرے حکم سے، پھر تم اس (مصنوعی شکل) کے اندر پھونک مار دیتے تھے، جس سے وہ (سچ مچ کا جاندار) پرندہ بن جاتا تھا، میرے حکم سے، اور تم اچھا کر دیتے تھے مادرزاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو میرے حکم سے، اور جبکہ تم مردوں کو (قبروں سے) نکال کر (اور جلا کر) کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل (میں سے جو آپ کے مخالف تھے ان) کو تم سے (یعنی تمہیں قتل اور ہلاک کرنے سے) روکے رکھا جب (انھوں نے تمہیں ضرر پہنچانا چاہا جبکہ) تم ان کے پاس (اپنی نبوت کی) دلیلیں (معجزے) لے کر آئے تھے، پھر ان میں جو کافر تھے، انھوں نے کہا تھا کہ یہ (معجزے) سوائے کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں اور جبکہ میں نے حواریوں کو (انجیل میں تمہاری زبانی) حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر (عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لاؤ، انھوں نے (جواب میں تم سے) کہا کہ ہم (اللہ اور رسول یعنی آپ پر) ایمان لائے، اور آپ گواہ رہئے کہ ہم (اللہ کے اور آپ کے) پورے فرماں بردار ہیں۔

تفسیر اور حوالے: ان تمام امور کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے انعام ہونا تو ظاہر ہے، لیکن حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے حق میں انعام ہونا، اس طرح ہے کہ ان سب امور سے آپ کا نبی ہونا ثابت ہے، اور آپ نے ان کی عیب سے پاک ہونے کی خبر دی اور نبی کی خبریں سب سچی ہوتی ہیں، لہٰذا ان کی پاکیزگی ثابت ہوگئی، اور یہ بڑا انعام ہے، اور والدہ پر جو انعام ہوا وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس لئے یاد دلایا گیا کہ اصول پر انعام ہونا ایک درجہ میں فروع پر بھی انعام ہے کہ یہ ایسے

اصول کی فروع ہیں، اور روح القدس کے ذریعہ تائید کی تفسیر سورۂ بقرہ کے تیئیسویں معاملہ میں اور بنی اسرائیل سے بچانے محفوظ رکھنے کی تفسیر سورۂ نساء آیت ۱۵۷ ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ ﴾ الخ میں اور باقی اجزاء کی تحقیق حواریوں سے متعلق ایک بحث سمیت سورۂ آلِ عمران آیت ۴۸ ﴿ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ ﴾ الخ اور آیت ۵۲ ﴿ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ ﴾ کے ذیل میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے۔

﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۞ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۞ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۞﴾

ع ۱۵ / ۵

ترجمہ: وہ وقت قابل یاد ہے جب کہ حواریین نے عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا نازل فرماویں، آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو، وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو پورا اطمینان ہو جاوے اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جاوے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے، اور ہم گواہی دینے والوں میں سے ہو جاویں۔ عیسیٰ ابنِ مریم نے دعا کی کہ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جاوے اور آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جاوے اور آپ ہم کو عطا فرمایئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں وہ کھانا تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں، پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد ناحق شناسی کرے گا تو اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔

ربط: مذکورہ بالا آیات کی تمہید میں مائدہ کا قصہ جو کہ ان آیات میں ہے، اسی ربط میں بیان ہو چکا ہے۔

مائدہ کے نزول کا قصہ:

وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ حواریوں نے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے) عرض کیا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں (یعنی خلافِ حکمت ہونے وغیرہ کے لحاظ سے کوئی امر اس سے مانع تو نہیں) کہ ہم پر آسمان سے کھانا (پکا پکایا) نازل فرمادیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو (مطلب یہ کہ تم ایمان والے ہو، اس لئے اللہ سے ڈرو اور معجزوں کی فرمائش سے بچو کہ بلا ضرورت ہونے کی وجہ سے خلاف ادب ہے) وہ بولے کہ (ہمارا مقصد

بلاضرورت فرمائش کرنا نہیں ہے، جو کہ خلاف ادب ہے، بلکہ ہم ایک مصلحت سے اس کی درخواست کرتے ہیں، وہ یہ کہ) ہم (ایک تو یہ) چاہتے ہیں کہ (برکت حاصل کرنے کے لئے) اس میں سے کھائیں۔ اور دوسرے یہ چاہتے ہیں کہ) ہمارے دلوں کو (ایمان پر) پورا اطمینان ہو جائے اور (اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ) ہمارا یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے (رسالت کے دعوی میں) ہم سے سچ بولا ہے (کیونکہ جس قدر دلائل بڑھتے جاتے ہیں، یقین بڑھتا جاتا ہے) اور (تیسرے یہ چاہتے ہیں کہ) ہم (دوسرے لوگوں کے سامنے جنھوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا) گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں (کہ ہم نے ایسا معجزہ دیکھا ہے، تاکہ ان کے سامنے رسالت کو ثابت کرسکیں اور ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جائیں) عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام نے جب دیکھا کہ اس درخواست میں ان کی غرض صحیح ہے تو حق تعالیٰ سے) دعا کی کہ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمایئے کہ وہ (دسترخوان) ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول (یعنی موجودہ زمانہ میں) ہیں اور جو بعد (کے زمانہ میں آنے والے) ہیں، سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے (حاضرین کی خوشی تو اس دسترخوان میں سے کھانے اور عرض و درخواست قبول ہونے سے اور بعد والوں کی خوشی اپنے اسلاف پر انعام ہونے سے ہو جائے گی اور یہ مقصد تو مؤمنوں کے ساتھ خاص ہے) اور (میری پیغمبری پر) آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو جائے (کہ مؤمنوں کا یقین بڑھ جائے اور جو منکر موجود ہیں ان پر بھی اور جو غائب ہیں ان پر بھی سب پر حجت ہو جائے، اور یہ مقصد مؤمنوں اور غیر مؤمنوں سب کے لئے عام ہے) اور آپ ہمیں (وہ دسترخوان) عطا فرمایئے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں (کیونکہ سب کا دینا اپنے نفع کے لئے اور آپ کا دینا رزق پانے والوں کے نفع کے لئے ہے، اس لئے ہم نے اپنے منافع کو پیش کر کے آپ سے دسترخوان کی درخواست کرتے ہیں) حق تعالیٰ نے (جواب میں) ارشاد فرمایا کہ (آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) میں وہ کھانا (آسمان سے) تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں، پھر جو شخص تم میں سے اس کے بعد (اس کی) حق ناشناسی کرے گا (یعنی عقلاً ونقلاً اس کے واجب ہونے والے حقوق ادا نہ کرے گا) تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا (اس وقت کے) دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا۔

تفسیر: ان حقوق کا مجموعہ یہ تھا کہ اس پر شکر کیا جائے کہ یہ عقلی طور پر بھی واجب ہے اور اس میں خیانت نہ کریں، یعنی اس میں سے اگلے دن کے لئے اٹھا کر نہ رکھیں، چنانچہ اس کا حکم ہونا ترمذی کی حدیث میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور اُس حدیث میں یہ بھی ہے کہ دسترخوان آسمان سے نازل ہوا، اس میں روٹی اور گوشت تھا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے (یعنی ان میں سے بعض نے) خیانت کی اور اگلے دن کے لئے اٹھا کر رکھ لیا، اس لئے وہ لوگ بندر اور خنزیر کی صورت میں مسخ ہو گئے، نعوذ باللہ من غضب اللہ۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس میں سے کھایا بھی تھا، جیسا کہ ﴿ نَّأْكُلَ ﴾ میں ان کی یہ غرض بیان بھی کی گئی ہے، البتہ رکھ کر کھانا ممنوع تھا۔ اور گارے کی بنائی ہوئی شکل میں پھونک مارنے، اور مریضوں کو ٹھیک کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے کے معجزوں کے باوجود اس کا طلب کرنا،

شاید برکت اور قوت ایمانی میں زیادتی اور معجزوں کے زیادہ ہونے کے لئے ہو، جیسا کہ نا کل اور نعلم کے ترجمہ میں اشارہ بھی ہوگیا ہے، اور حواریوں سے متعلق ایک ضروری بحث سورۂ آلِ عمران کی آیت ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ﴾ کے ذیل میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کرلی جائے۔

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماویں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ خدا کے معبود قرار دے لو، عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ میں تو آپ کو منزہ سمجھتا ہوں مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے کہا ہوگا تو آپ کو اس کا علم ہوگا، آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں، اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہیں۔ میں نے تو ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اور میں ان پر مطلع رہا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا تو آپ ان پر مطلع رہے، اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان کو سزا دیں گے تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔

ربط: اوپر والی آیت ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي﴾ کی تمہید میں ان آیات کا ربط بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوچکا ہے، اور جس طرح مذکورہ بالا آیت میں قیامت کے دن ہونے والے خطاب کا ذکر ہے، اسی طرح ان آیاتمیں بھی قیامت کے دن ہونے والے خطاب ہی کا ذکر ہے، اور درمیان میں دسترخوان کے نزول کا قصہ آگیا تھا، جو دنیا میں پیش آیا تھا اور اس کا درمیان میں لانا شاید اس لئے ہو کہ قیامت کے دن ہونے والے ان خطابات سے، جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کی تمہید میں احقر نے لکھا ہے، مقصود یہ ہوگا کہ افراط وتفریط یعنی کمی وزیادتی میں اہل کتاب کی غلطی ثابت ہوجائے، اور دسترخوان کے نزول کے قصہ کے مقاصد میں سے جو یہ امر مقصود ہے کہ انہیں افراط وتفریط پر عذاب کی اطلاع دیدیں، اس کی تاکید اس طرح ہوتی ہے کہ دیکھو جس طرح دسترخوان والوں کو اللہ کی

آیتوں کے کفر اور انکار کی دنیا میں سزا دی گئی، اسی طرح ان افراط و تفریط کرنے والوں کو اللہ کی آیتوں سے کفر کی، عقبیٰ میں سزا دی جائے گی۔ واللہ اعلم

قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب کا تتمہ:

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفار نصاری کو سنانے کے لئے) فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا ان لوگوں سے (جو تثلیث کا عقیدہ رکھتے تھے، مثلاً ان میں سے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو الوہیت یعنی معبود یا خدا ہونے میں شریک مانتے تھے) تم نے کہہ دیا تھا کہ مجھے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو) اور میری ماں (یعنی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بھی) اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو، عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ (توبہ توبہ!) میں تو (خود اپنے عقیدہ میں) آپ کو (کسی بھی شریک سے) پاک و منزہ سمجھتا ہوں (جیسا کہ آپ واقع میں بھی منزہ ہیں تو ایسی حالت میں) مجھے کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں ہے (نہ اپنے عقیدہ کے اعتبار سے کہ میں توحید پرست موحد ہوں اور نہ واقعہ کے اعتبار سے کہ آپ واحد ہیں، اور میرے ایسی کوئی بات نہ کہنے کی دلیل یہ ہے کہ) اگر میں نے (واقعی طور پر) کہا ہوگا تو آپ کو اس کا (یقیناً) علم ہوگا (مگر جب آپ کے علم میں بھی میں نے نہیں کہا تو واقعی بات بھی یہی ہے کہ میں نے نہیں کہا، کہ میرے کہنے کی صورت میں آپ کو اس کا علم ہونا لازمی ہے کہ) آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں (تو اگر میں زبان سے کہتا تو آپ کو اس کا علم کیوں نہ ہوتا) اور میں (تو دوسری تمام مخلوقات کی طرح اتنا عاجز ہوں کہ) آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو (بغیر آپ کے بتائے ہوئے) نہیں جانتا (جیسا کہ دیگر مخلوقات کا بھی یہی حال ہے، لہٰذا) تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں (تو جب اپنی اس قدر بے بسی اور آپ کا کمال مجھے معلوم ہے تو پھر الوہیت میں شریک ہونے کا دعویٰ میں کیسے کر سکتا تھا؟ یہاں تک تو اس بات کے کہنے کی نفی ہے، آگے اس کے برخلاف بات کہنے کا اثبات ہے کہ) میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا، کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے (یہاں تک تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حالت کے بارے میں عرض کیا۔ آگے ان لوگوں کی حالت کے بارے میں عرض فرماتے ہیں، کیونکہ ﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ﴾ میں اگرچہ صراحت کے ساتھ تو قول کے صادر ہونے کا سوال ہے، لیکن بطور اشارہ اس تثلیث کے صادر ہونے کے سبب کا سوال بھی معلوم ہو سکتا ہے، اس لئے اس بارے میں یوں عرض کریں گے کہ) میں جب تک ان میں (موجود) رہا ان (کی حالت) پر مطلع رہا (لہٰذا اس وقت تک تو میں نے ان کے حال کا مشاہدہ کیا اور اس کے متعلق بیان کر سکتا ہوں) پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا (یعنی پہلی بار میں تو زندہ آسمان کی طرف اور دوسری بار میں وفات کے طور پر) تو (اس وقت صرف) آپ ان (کے احوال) پر مطلع رہے (اس وقت کی مجھے کچھ خبر نہیں کہ ان کی گمراہی کا سبب کیا ہوا اور کیوں کر ہوا) اور آپ ہر چیز کی پوری خبر

رکھتے ہیں (یہاں تک تو اپنا اور ان کا معاملہ عرض کیا، آگے ان کے اور حق تعالیٰ کے معاملات کے متعلق عرض کرتے ہیں، کیونکہ ﴿ ءَ اَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ ﴾ میں اگرچہ بطور وضع تو قول کے صادر ہونے سے متعلق سوال ہے، لیکن طبعی اعتبار سے سننے والوں کے ذہن کا انتقال کبھی اسی طرح کے سوال میں یہ امر شامل معلوم ہونے لگتا ہے کہ چونکہ نبی سے ایسے قول کا صادر ہونا امت کی براءت کا سبب ہوسکتا تھا، اس لئے صادر ہونے سے متعلق سوال سے بطور اشارہ برأت کا سوال ظاہر ہوسکتا ہے کہ کیا آپ کے نزدیک یہ لوگ رہائی کے قابل ہیں؟ چنانچہ اس بارے میں یوں عرض کریں گے کہ (اگر آپ ان کو (اس عقیدہ پر) سزا دیں تو (جب بھی آپ مختار ہیں، آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے، کیونکہ) یہ آپ کے بندے ہیں (اور آپ ان کے مالک ہیں، اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے) اور اگر آپ ان کو معاف فرمائیں تو (جب بھی آپ مختار ہیں، کیونکہ) آپ زبردست (قدرت والے) ہیں (تو معافی پر بھی قادر ہیں، اور) حکمت والے (بھی) ہیں (تو آپ کی معافی بھی حکمت کے مطابق ہوگی، اس لئے اس میں بھی کوئی قباحت نہیں ہوسکتی۔ مطلب یہ کہ دونوں حالتوں میں آپ مختار ہیں، میں کچھ دخل نہیں دیتا۔ غرض عیسیٰ علیہ السلام نے پہلی عرض داشت ﴿ سُبۡحٰنَکَ ﴾ الخ میں ان اہل تثلیث کے عقیدہ سے اپنی برأت اور اس کی تعلیم سے دوسری عرض داشت ﴿ وَ کُنۡتُ عَلَیۡهِمۡ ﴾ الخ میں ان کے اس عقیدہ کے تفصیلی سبب جاننے تک اپنی برأت اور تیسری عرض داشت ﴿ اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ ﴾ الخ میں ان کے سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی تحریک کرنے تک سے اپنی برأت ظاہر کردی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام سے ان خطابوں سے حق تعالیٰ کا یہی مقصود تھا، لہٰذا اس میں ان کفار کو اپنی نادانی پر پوری ملامت اور سرزنش اور اپنی ناکامی پر پوری حسرت ہوگی)

فائدہ (۱): صاحب فتح المنان نے اپنی منہیات میں سیل [1] کے قرآن کے ترجمہ کے مقدمہ سے عرب میں نصاریٰ میں سے تثلیث کا عقیدہ رکھنے والے ایک ایسے فرقہ کا ذکر کیا ہے جو بجائے روح القدس کے حضرت مریم کو خدا مانتا ہے، اور اس آیت میں مقصود نفس تثلیث میں بلکہ الوہیت میں مطلق شرک کو باطل کرنا ہے، جیسا کہ ترجمہ میں لفظ "مثلاً" لاکر اس طرف اشارہ کردیا گیا، اور یہ تخصیص یا تو اس وقت اس فرقہ کے کثیر تعداد میں ہونے کے اعتبار سے ہے یا اس اعتبار سے ہے کہ اس سے شرک کا ابطال بدرجۂ اولیٰ ہوگیا، کیونکہ اس فاسد عقیدہ کا منشا خوارق یعنی خلاف عادت امور ہیں، اور ان خلاف عادت معاملوں میں حضرت مریم کا حال روح القدس سے زیادہ عجیب ہے، کیونکہ بشر یعنی انسان سے ایسے عجیب امور کا ظاہر ہونا مثلاً بغیر مرد کے واسطہ کے تولد یعنی بچہ پیدا ہونا اور تولید یعنی بچہ پیدا کرنا اور دوسرے معجزے و کرامات جس قدر عجیب و بعید ہیں ملائکہ سے ان کا صادر ہونا اتنا عجیب و بعید نہیں ہے، کیونکہ عام حالات میں خود فرشتوں کی نوع، انسانی

(۱) جارج سیل (SALE) بارہویں صدی ہجری اور اٹھارہویں صدی عیسوی کا انگریز مستشرق ہے، اس نے سب سے پہلے مکمل قرآنِ کریم کا ترجمہ کیا ہے جو مطبوعہ ہے (اعلام زرکلی) سعید احمد

نوع کی بہ نسبت عجائب کے صدور کا زیادہ محل ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، جب زیادہ عجیب خوارق میں الوہیت کا احتمال باطل ہے تو کم عجیب میں تو بہ درجۂ اولیٰ ہے۔

فائدہ (۲): بعض لوگوں کو بعض اوقات میں یہ حماقت سوجھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ یہاں عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم زیادہ مناسب تھا، لیکن احقر نے ترجمہ کی جو تقریر کی ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ یہاں سفارش اور مغفرت کو قریب کرنا مقصود نہیں ہے، کیونکہ قیامت میں کفار اور مشرکوں کی شفاعت وسفارش نہیں ہوگی، کیونکہ سفارش کی بنیاد اذن ہے اور کافروں اور مشرکوں کے لئے اس کا نہ ہونا یقینی ہے، بلکہ یہاں مقصود اپنی براءت اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرنا ہے اور کفر اس سے مانع نہیں، کیونکہ اس کی بنیاد قدرت ہے اور قدرت کا وجود یقینی ہے اور غفور رحیم میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی، بلکہ مقصود کے خلاف امر لازم آتا ہے، لہٰذا ﴿ إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ کا اصل جواب ﴿ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ ﴾ کی طرح **فانت تملک ذلک من غیر قبح** ہے یعنی آپ کسی قسم کی قباحت کے بغیر اس کے مالک ہیں، اور ﴿ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ اس کی دلیل ہے اور اس دلیل کی ضرورت یہ ہے کہ مخلوق سے جو معافی صادر ہوتی ہے، وہ کبھی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اور کبھی کسی مضرت یعنی نقصان کے شامل ہونے کی وجہ سے خلاف حکمت ہوتی ہے، لہٰذا ایک جگہ تو اختیار ہی نہیں ہوا اور دوسری جگہ اختیار قباحت کے ساتھ ہوا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت میں اس دلیل کے لانے سے قدرت نہ ہونے اور حکمت نہ ہونے کا شبہ جاتا رہا، اور اس دلیل کی تعیین ہو گئی جو یہاں مقدر ہے یعنی **تملک ذلک من غیر قبح**، اس کو فن بلاغت میں احتراس[1] کہتے ہیں، بلکہ اگر یہ آیت مؤمنوں کی شان میں بھی ہوتی تب بھی اگرچہ غفور رحیم بھی صحیح ہوتا، لیکن عزیز حکیم پھر بھی غیر صحیح نہ ہوتا، کیونکہ اگرچہ شفاعت میں مذکورہ تقدیر نص نہیں، لیکن شفاعت کے منافی بھی نہیں اور اگر اس سے شفاعت پر دلالت مقصود ہوتی تو وہ مقدر بدل جاتا جو مقصود ہے، اس طرح **إن تغفرلهم فلا تضرک المغفرة بأن تنسب إلى العجز أو السفه، سبحنک فإنک أنت العزیز الحکیم** یعنی اگر آپ ان کی مغفرت فرما دیں تو مغفرت آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی کہ آپ کی نسبت عاجزی یا حماقت کی طرف ہو۔ آپ کی ذات تمام عیوب سے پاک ہے، یقیناً آپ عزیز غالب اور حکیم یعنی حکمت والے ہیں۔

﴿ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ۱۱۹

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماویں گے کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آوے گا، ان کو باغ

(۱) احتراس: علم معانی میں اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی کلام سے خلاف مراد مفہوم کے وہم کا ازالہ کرے (القاموس الوحید)

ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

ربط: اوپر دونوں رکوع میں قیامت کے دن اعمال واحوال کے بارے میں تفتیش کیے جانے کا ذکر کرنا مقصود تھا، اور دسترخوان کے نزول کا قصہ بھی اسی مقصود کی تاکید کے لئے تھا، جیسا کہ اوپر آیت ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ﴾ اور آیت ﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ ﴾ کی تمہیدوں میں اس کی تقریر تفصیل کے ساتھ گذر چکی ہے، اب اس تفتیش اور محاسبہ کے نتیجہ کا بیان ہے۔

مذکورہ خطابوں اور محاسبوں کا نتیجہ:

ان تمام مذکورہ مکالموں کے بعد) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ (قیامت کا دن) وہ دن ہے کہ جو لوگ (دنیا میں عقائد اور اقوال اور اعمال کے اعتبار سے) سچے تھے (کہ وہ سچا ہونا اب ظاہر ہو رہا ہے، جن میں انبیاء، جن سے خطاب ہو رہا ہے اور مؤمنین جن کے ایمان کی انبیاء اور ملائکہ سب شہادت دیں گے، سب داخل ہیں، اور ان خطابوں میں رسولوں کی تصدیق اور عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی طرف بھی اشارہ ہو گیا، غرض یہ سب حضرات جو دنیا میں سچے تھے) ان کا سچا ہونا (آج) ان کے کام آئے گا (اور وہ کام آنا یہ ہے کہ) ان کو (جنت کے) باغ (رہنے کے لئے ملیں گے جن کے (محلوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور یہ نعمتیں ان کو کیوں نہ ملیں گی کیونکہ) اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں (اور جو شخص راضی اور پسندیدہ ومحبوب ہو، اس کو ایسی ہی نعمتیں ملتی ہیں) یہ (جو کچھ بیان ہوا) بڑی زبردست کامیابی ہے (کہ دنیا کی کوئی کامیابی اس کے برابر نہیں ہوسکتی)

فائدہ: اور اس سے اہل صدق کی ضد یعنی کافروں وغیرہ کا حال معلوم ہو گیا کہ وہ سزا کے مستحق ہوں گے، چونکہ آگے ﴿ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ کے عموم میں یہ سزا بھی داخل ہے، شاید اسی وجہ سے یہاں صراحت کے ساتھ اور خصوصیت کے ساتھ اس کا بیان نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ﴾ ع ۱۶

ترجمہ: اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان میں موجود ہیں اور وہ ہر شئے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

ربط: یہاں سورت ختم ہو رہی ہے، پوری سورت میں کچھ اصول اور کچھ فروع بیان فرمائے گئے ہیں۔ اب خاتمہ میں ﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ ﴾ الخ میں احکام کے مقرر کرنے کا اللہ کو حق واختیار ہونا اور اس میں ان احکام کی خلاف ورزی اور

مخالفت کا بندوں کے لئے قبیح ہونا بیان کیا جارہا ہے کہ وہ ایسے مالک اور عظیم بادشاہ کی مخالفت ہے اور ﴿عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ میں اطاعت پر جزا اور مخالفت پر سزا کا صحیح ہونا اشارہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

حق تعالیٰ کی قدرت اور ملکیت کا اثبات:

اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان (آسمانوں اور زمین) میں موجود ہیں، اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

فائدہ: تمہید کی تقریر کے اعتبار سے اس طرح خاتمہ کا پوری سورت کے ساتھ پورا پورا تعلق ہے، جیسا کہ شروع کی آیت کا بھی پوری سورت سے تعلق تھا، جیسا کہ وہاں ذکر ہوا تھا کہ ﴿اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ﴾ معنی کے عام ہونے کی وجہ سے متن کے درجہ میں ہے، اور پوری سورت اس کی شرح ہے، اسی طرح سورت عہد اور وعدہ پورا کرنے کے امر سے شروع ہوئی اور وعدہ کو پورا کرنے اور اس کی ضد کی اچھائی و برائی اور نتیجہ کے بیان پر ختم ہوئی اور درمیان میں وعدوں کو پورا کرنے کے محل کی تفصیل ہوگئی۔ فسبحانه الله! ما ألطف كلامَه، وأدق مرامَه، وأحسن بدءَه وختامَه!

﴿بحمدہ تعالیٰ سورۃ المائدۃ کی تفسیر: اس فقیر وحقیر کے قلم سے بروز اتوار ۲۲ر محرم سنہ ۱۳۲۴ھ کو تکمیل پذیر ہوئی﴾

(آیاتھا ۱۶۵) (۶) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ (۵۵) (رکوعاتھا ۲۰)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ ﴾

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں کو اور نور کو بنایا، پھر بھی کافر لوگ اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے بنایا پھر ایک وقت معین کیا، اور دوسرا معین وقت خاص اللہ ہی کے نزدیک ہے، پھر بھی تم شک رکھتے ہو۔ اور وہی ہے معبود برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی اور تمہارے ظاہر احوال کو بھی جانتے ہیں اور تم جو عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔

ربط: گذشتہ سورت کے ختم میں اور اس کے سورت کے شروع میں تو مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی شرک کو باطل کرنے اور توحید کو ثابت کرنے اور اس کے دلائل پر مشتمل ہیں، اور ان دونوں سورتوں کے مجموعہ میں یہ مناسبت ہے کہ دونوں سورتیں شرعی قوانین پر مشتمل ہیں، اگرچہ گذشتہ سورت کے شرعی قوانین میں سے اصول کی فروع بھی کافی زیادہ ہیں، چنانچہ ان کی تعداد بیس تک پہنچی ہے، اور اس میں تقریباً پوری ہی سورت میں اصول ہی زیادہ ہیں اور فروع بہت کم ہیں کہ مذکورہ بالا تعداد کے ایک تہائی یا ایک چوتھائی سے زیادہ نہیں ہیں۔

اور خود اس سورت کے اجزا میں آپس میں مناسبت اور ربط یہ ہے کہ سورت کا حاصل چند امور ہیں، توحید کا اثبات، رسالت کا اثبات، توحید و رسالت کی تائید کے لئے انبیاء علیہم السلام کے بعض قصے، قرآن کا اثبات، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا اثبات، ان امور کے انکار کرنے والوں کا قولی و فعلی عناد، ان منکروں پر وعیدیں، ان وعیدوں کی تائید کے لئے بعض جھٹلانے والی امتوں کی ہلاکت کا حال ان منکروں سے گفتگو اور حجت، خود ان کی رسموں اور عادتوں کی قباحت، ان کے ساتھ معاملہ رکھنے میں اعتدال کی تعلیم تاکہ تبلیغ میں کمی نہ ہو، شدت میں شرعی حد سے زیادتی نہ ہو، ان سے ملنے جلنے میں مداہنت یعنی غیر ضروری ظاہر داری یا خوشامدانہ انداز نہ ہو، دل جوئی یا ہدایت کی فکر میں مبالغہ نہ ہو، ان کی جہالت کی رسموں کے مقابلہ میں بعض اسلامی اخلاق کی عظمتوں کا بیان ہے، اور یہ تمام تر گفتگو مشرکوں سے ہے، صرف دو تین جگہ نبوت و قرآن یا اشیاء کے حلال و حرام ہونے کی بحث کی مناسبت سے ضمنی طور پر اہل کتاب خصوصاً یہود کی قباحت آگئی ہے،

یہ سورت کا حاصل ہے اور ان سب مضامین میں ربط و تعلق کی وجہ چھپی ہوئی نہیں ہے، اس لئے سب سے پہلے توحید سے متعلق آیتیں ہیں۔

توحید کا برحق ہونا اور شرک کا باطل ہونا اور ان دونوں کی جزاء کا بیان:

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (جو کہ جوہروں یعنی مادی یا بذات خود قائم اشیاء میں سے ہیں) اور تاریکیوں کو اور روشنی کو بنایا (جو کہ اعراض یعنی غیر مادی یا دوسرے کے وسیلہ سے قائم ہونے والی اشیاء میں سے ہیں) پھر بھی کافر لوگ (عبادت میں دوسروں کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں، وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہیں (سب کو آدم علیہ السلام کے واسطہ سے) مٹی سے بنایا، پھر (تمہارے مرنے کا) ایک وقت متعین کیا، اور دوسرا متعین وقت (دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا) خاص اللہ ہی کے نزدیک (مقرر و معلوم) ہے، پھر بھی تم (میں سے بعض) شک رکھتے ہو (کہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے کو ناممکن سمجھتے ہو، حالانکہ جس نے پہلی زندگی دی، اس کے لئے دوبارہ زندگی دینا کیا مشکل ہے؟) اور وہی ہے معبود (برحق آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی یعنی اور سب معبود باطل ہیں) وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی جانتے ہیں اور ظاہری احوال کو بھی، اور (خاص طور سے) تم جو کچھ (ظاہر میں یا باطن میں) عمل کرتے ہو (جس پر جزاء کا دارومدار ہے) اس کو بھی جانتے ہیں۔

فائدہ: تینوں آیتوں کا مشترک مقصود توحید ہے، یعنی عبادت کے لائق وہ ہے جس میں یہ صفات ہوں کہ وہ انفس و آفاق یعنی زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا خالق ہو، غیب و ظاہر سب کا عالم ہو۔ اور آخر کی دو آیتوں میں بعث یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی خبر اور اس کو ناممکن سمجھنے کا جواب اور کمائی پر محاسبہ پر تنبیہ بھی ہے جس سے شرک پر وعید ثابت ہوگئی اور دوسری اجل یعنی موت کے بعد زندہ کئے جانے کے مقررہ وقت کے علم کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا، کیونکہ پہلی اجل کا یعنی دنیا میں پہلی موت کے وقت کا اگرچہ قطعی علم نہ سہی مگر ظنی طور پر علامات سے کچھ نہ کچھ اکثر معلوم ہو جاتا ہے۔

﴿وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور ان کے پاس کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں۔ سو انھوں نے اس سچی کتاب کو بھی جھوٹا بتلایا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچی، سو جلد ہی ان کو خبر مل جاوے گی اس چیز کی

جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے۔ کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں، جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی، اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں، اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری رکھیں، پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا۔

ربط: اوپر توحید کی نشانیوں اور دلیلوں کا بیان تھا، اب کافروں کا اللہ کی آیتوں یعنی نشانیوں سے مطلقاً اعراض کرنا یعنی منہ پھیرنا مع وعید کے بیان کیا جا رہا ہے۔

کفار کے جھٹلانے اور منہ پھیرنے کا بیان اور اس پر وعید:

اور ان (کافروں) کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے جو بھی نشانی آتی ہے تو وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں اور (چونکہ یہ ان کا شیوہ ہو گیا ہے تو) انھوں نے اس سچی کتاب (یعنی قرآن) کو بھی جھوٹا بتایا، جب وہ ان کے پاس پہنچی پس (ان کا یہ جھٹلانا خالی نہ جائے گا، بلکہ) جلد ہی انہیں پتہ چل جائے گا، پتہ چل جانے کا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب نازل ہوگا وہ اس کو خود دیکھ لیں گے اور اگر عذاب کو محال و بعید سمجھتے ہیں تو ان کی غلطی ہے) کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی ایسی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جنہیں ہم نے دنیا میں ایسی (جسمانی اور مالی) قوت دی تھی کہ تمہیں وہ قوت نہیں دی، اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیت اور باغوں کے) نیچے سے نہریں جاری کیں (جس سے کھیتی اور پھلوں کی خوب ترقی ہوئی اور وہ دولت و ثروت کے ساتھ زندگی گذارتے تھے) پھر (اس قدر قوت و سامان کے باوجود) ہم نے انہیں ان کے گناہوں (یعنی کفر اور اعراض کے) سبب (طرح طرح کے عذاب کے ذریعہ) ہلاک کر ڈالا، اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا (اس طرح اگر تم پر عذاب نازل کر دیں تو تعجب کی کیا بات ہے؟)

فائدہ: ان ہلاک شدہ جماعتوں سے مراد عاد و ثمود وغیرہ ہیں کہ طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کئے گئے، ان آیات کے نزول کے زمانہ میں ان کے آثار نمایاں طور پر موجود تھے، ان کے دیکھنے کو ہلاکت کا دیکھنا فرما دیا، اور جس عذاب سے اس وقت موجود کفار کو ڈرایا ہے: اس سے یا تو دنیاوی عذاب مراد ہو، چنانچہ قتل اور قید کئے گئے، یا آخرت کا عذاب مراد ہو کہ وہ بھی قریب ہے، کیونکہ موت کے ساتھ ہی اس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور ﴿أَنْشَأْنَا﴾ الخ اس لئے فرمایا کہ ان کے ہلاک کرنے سے حقیقت میں تو ہمارا کیا نقصان ہوتا، ظاہراً بھی ہمارے ملک و اقتدار میں کوئی کمی نہیں آئی کہ دنیا ویسی ہی آباد رہی، ورنہ اگر دوسرے کو نقصان پہنچانے سے کچھ اپنے نقصان کا بھی احتمال ہوتا ہے تو بعض اوقات یہ رکاوٹ ہو جاتا ہے، رہا قیامت میں فنا ہونا تو وہ خود دنیا کی آبادی کی میعاد ہی ہے، میعاد پر ختم ہو جانا صورت کے اعتبار سے بھی ضرر نہیں کہا

جا سکتا اور وہ بھی ارادہ سے اور حقیقی نقصان جو نفی سے اصل مقصود ہے اس کی تو ہر حال میں نفی ہے۔

﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں، مگر صریح جادو ہے۔ اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا، پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے اور ہمارے اس فعل سے پھر ان پر وہی اشکال ہوتا جو اب اشکال کر رہے ہیں۔

ربط: اوپر کفار کے جھٹلانے اور منہ پھیرنے کا بیان تھا جو کہ آیتوں، نشانیوں اور توحید کے بارے میں تھا۔ اب ان کے جھٹلانے اور عناد پر اصرار کا بیان ہے جو توحید اور آیتوں کے ساتھ رسالت کے بارے میں بھی تھا، اور یہ تینوں مفہوم جن کا مرتب طور پر ذکر ہوا ہے، واقع میں بھی آپس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، کیونکہ جھٹلانا منہ پھیرنے سے زیادہ سخت ہے اور عناد جھٹلانے سے زیادہ سخت ہے۔

کفار کے عمومی اور رسالت کے سلسلہ میں خصوصی عناد کا بیان:

اور (ان لوگوں کے عناد کی یہ حالت ہے کہ) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کوئی کتاب آپ پر نازل فرماتے (جیسا کہ یہ لوگ کہا کرتے ہیں: ﴿ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ﴾:) پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے (جس میں نظر بندی کا بھی احتمال نہیں ہو سکتا) تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں، مگر کھلا جادو ہے، کیونکہ جب دل میں ماننے کا ارادہ نہیں ہوتا تو ہر دلیل میں کوئی نہ کوئی بات نکال لیتا ہے) اور یہ لوگ یوں (بھی) کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) کے پاس کوئی فرشتہ (جس کو ہم دیکھیں اور اس کی باتیں سنیں) کیوں نہیں بھیجا گیا (جیسا کہ ان آیتوں میں نقل کیا گیا ہے: ﴿ اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴾ (بنی اسرائیل ۹۲) اور ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴾ (الفرقان ۷) اور ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ﴾ (الفرقان ۲۱) حق تعالیٰ فرماتے ہیں) اور اگر ہم کوئی فرشتہ (اس طرح) بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا، پھر (فرشتہ کے نازل ہونے کے بعد) ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی (بلکہ جب اس کو نہ مانتے جس کا واقع ہونا ان سے یقینی ہے جیسا کہ آگے آتا ہے تو فوراً عذاب نازل ہو جاتا، کیونکہ زبردست اور قہر والی نشانی اور وہ بھی فرمائش پر نازل ہونے کے بعد نہ ماننا، اللہ تعالیٰ کی عادت کے مطابق فوری طور پر ہلاکت کا سبب ہے اور اب بھی اگرچہ عذاب ہوگا مگر کچھ مہلت تو ہے، جس میں اگر توبہ کرنا چاہیں تو وہ ممکن ہے) اور اگر (کسی کو یہ احتمال ہو

کہ شاید وہ فرشتہ کے نازل ہونے کی صورت میں یہ مان ہی لیتے تو یہ احتمال محض غیر واقعی ہے، کیونکہ) اگر ہم اس (بھیجے ہوئے) کو فرشتہ تجویز کرتے تو (چونکہ فرشتہ کی شکل میں بھیجنا اس لئے ممکن نہ تھا کہ آدمی موجودہ حواس کے ذریعہ فرشتہ کو اس کی اصلی صورت میں دیکھنے پر قادر نہیں، اس لئے) ہم اس (فرشتہ) کو (شکل کے اعتبار سے) آدمی ہی بناتے اور (جب وہ آدمی کی شکل پر ہوتا تو) ہمارے اس فعل سے (اس وقت) پھر ان پر وہی اشکال (اور شبہ) ہوتا جو اشکال (اور شبہ) وہ اب کررہے ہیں (یعنی اس فرشتہ کو انسان سمجھ کر پھر یہی اعتراض کرتے، غرض فرشتہ کے نازل ہونے سے انہیں فائدہ تو کچھ نہ ہوتا کیونکہ ان کا شبہ بحالہ باقی رہتا، اور ان کا نقصان یہ ہوتا کہ وہ ہلاک کردیئے جاتے، اس لئے ہم نے اس طرح نازل نہیں کیا، خلاصہ یہ کہ عناد کی انتہا کی وجہ سے وہ ایسی باتیں سوچ کر کہتے ہیں جو ہدایت اور حق کے واضح ہونے کا طریقہ نہیں اور جو اس کا طریقہ ہے یعنی آیتوں اور معجزوں میں غور کرنا، تو یہ اس سے کام نہیں لیتے)

﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ﴾ ع ۱

ترجمہ: اور واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا ہے، پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے۔ آپ فرمادیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھ لو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟

ربط: اوپر کفار کے نظر پھیرنے اور مذاق اڑانے کے ساتھ جھٹلانے اور عناد کا ذکر تھا، چونکہ ان واقعات سے رسول اللہ ﷺ کو صدمہ ہوتا تھا، اس لئے اب آپ کی تسلی فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو تسلی:

اور (آپ ان کی بیہودگیوں سے رنج و غم نہ کیجئے، کیونکہ) واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں (ان کے مخالفوں کی طرف سے) ان کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے (جس میں جھٹلانا لازم ہے، لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں) پھر (آخر مذاق اڑانے سے پیغمبروں کا کوئی نقصان نہ ہوا، بلکہ ان کفار ہی کو اس کا انجام بھگتنا پڑا۔ چنانچہ) جن لوگوں نے (ان پیغمبروں) کے ساتھ (جھٹلانے کی سزا کی وعید سنانے پر) مسخرا پن کیا تھا، ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے (اسی طرح آپ کو جو یہ جھٹلاتے ہیں، اس میں آپ کا کیا نقصان ہے، آپ کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں؟ یہ خود دنیاوی یا اخروی عذاب کے مستحق ہورہے ہیں اور اگر یہ گذشتہ امتوں کے ان پر نازل ہونے والے عذاب کا انکار کرنے لگیں تو) آپ (ان سے) فرمادیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ (آثار کے موجود ہوتے ہوئے کسی شے کا انکار مشکل ہے)

﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے، یہ سب کس کی ملک ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے، اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے، تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز جمع کریں گے، اس میں کوئی شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کرلیا ہے سو وہ ایمان نہ لاویں گے۔ اللہ ہی کی ملک ہے سب جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں، اور وہی ہے بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا۔ آپ کہیے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو کہ کھانے کو دیتے ہیں اور ان کو کوئی کھانے کو نہیں دیتا اور کس کو معبود قرار دوں؟ آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں اور تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اگر اپنے رب کا کہنا نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا، اور یہ صریح کامیابی ہے۔ اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچاویں تو اس کا دور کرنے والا سوا اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں، اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچاویں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ اور وہی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں، اور وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں۔

ربط: اوپر جو توحید کا مضمون تھا، اب پھر اس کی طرف لوٹ رہے ہیں اور اس کے ضمن میں معاد یعنی انجام اور آخرت کا مضمون بھی ہے تاکہ توحید کے عقیدہ کی طرف رغبت اور شرک سے وحشت و دہشت ہو۔

توحید اور معاد:

آپ (ان منکروں سے حجت کے الزام کے طور پر) کہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے، یہ سب کس کی ملکیت ہے (اول تو وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ کی! جس سے توحید ثابت ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ﴾ (المومنون ۸۴، ۸۵) لیکن اگر کسی وجہ سے مثلاً مغلوبیت کے خوف کی وجہ سے جواب نہ دیں تو) آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے (اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اللہ

تعالیٰ نے (اپنے فضل اور وعدہ سے شرک سے توبہ کرنے والوں کے ساتھ) مہربانی فرمانا اپنے اوپر لازم فرمالیا ہے (تو جب توحید واقع میں بھی حق ہے اور رحمت کا سبب بھی ہے تو اس کو اختیار کرلو (اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر تم نے توحید کو قبول نہ کیا تو پھر سزا بھی بھگتنی پڑے گی، کیونکہ) تمہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (قبروں سے زندہ کر کے حشر کے میدان میں) جمع کریں گے (اور سب کا حساب لیں گے پھر جیسا جیسا عمل ہوگا، ویسا ہی برتاؤ فرمائیں گے۔ اور قیامت کے دن کی حالت یہ ہے کہ) اس (کے آنے) میں کوئی شک (وشبہ) نہیں (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) آپ چاہے توحید کا اثبات اور رحمت وعذاب کا وعدہ ووعید کتنا ہی فرمائیں، مگر) جن لوگوں نے خود کو (یعنی اپنی عقل اور نظر صحیح کو) ضائع (یعنی معطل) کرلیا ہے، تو وہ ایمان نہ لائیں گے (کیونکہ کسی مطلوب کے حاصل کرنے کے لئے فکر ونظر کی قوت کا استعمال ضروری ہے، اور یہ اس سے کام لینا نہیں چاہتے، پھر ایمان کیوں کر لائیں گے) اور (ان سے توحید کے اثبات کے لئے مکرر یوں بھی کہئے، تاکہ شاید ہدایت ہوجائے، ورنہ حجت اچھی طرح قائم ہوجائے کہ) اللہ ہی کی ملکیت ہے، سب جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں (اس آیت کا اور اس سے پہلے والی آیت ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ کے مجموعہ کا حاصل یہ نکلا کہ کسی مکان میں یا کسی زمانہ میں جتنی بھی چیزیں ہیں، سب اللہ کی ملکیت ہیں) اور وہی ہے بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا (پھر توحید کے اثبات کے بعد) آپ (ان سے) کہئے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں (جیسا اوپر ذکر ہوا) اور جو کہ (دوسروں کو) کھانے کو دیتے ہیں اور ان کو کوئی (حاجت وضرورت نہ ہونے کی وجہ سے) کھانے کو نہیں دیتا (جیسا کہ اوپر ان کا سب کے مالک ہونے سے ثابت ہوا، کیونکہ اس سب میں کھانے والا، اور جس کو کھلایا جائے اور جو کچھ کھلایا جائے سب داخل ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہی رزق دینے والے ہیں، اور کمال کی صفات کے اثبات سے نقص وکمی کی بھی نفی ہوئی، اور کھلایا جانا اور حاجت مند ہونا نقص ہے، لہٰذا مذکورہ بالا صفات سے اس کی بھی نفی ہوگئی، تو کیا ایسے اللہ کے سوا) کسی کو (اپنا) معبود قرار دوں؟ آپ (انکار کی شکل میں کئے جانے والے سوال ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ﴾ کی شرح میں ان سے) فرمادیجئے کہ (میں اللہ کے سوا کسی کو معبود کیسے قرار دیتا کہ اول تو مذکورہ بالا عقلی دلیلوں کے تقاضہ کے خلاف، دوسرے دلیل نقلی کے خلاف۔ چنانچہ) مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ (جتنے لوگوں کو قرآن کے ذریعہ سے توحید پہنچے گی، ان میں) سب سے پہلے میں اسلام (اس کے اصول اور فروع سمیت کہ ان میں توحید بھی آ گئی) قبول کروں اور (مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ) تم مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا (جیسا کہ وقوع اور احتمال کے اعتبار سے شرک ہمیشہ منفی رہا، مگر دوسروں کو سنانے کے لئے یہ کہا گیا تاکہ یہ تنبیہ ہو کہ جب معصوم کو یہ حکم ہے تو غیر معصوموں کو تو کیوں نہ ہوگا، جہاں کہ وقوع اور احتمال سب موجود ہے) آپ (شرک کا عذاب بھی اپنے اوپر رکھ کر جس کا اشارہ ﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ﴾ میں تھا، ان کو سنانے کے لئے) کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا (اسلام کے حکم اور شرک سے باز رہنے کے سلسلہ میں، جو اوپر بیان ہوا ہے) نہ مانوں تو میں ایک بڑے دن (یعنی قیامت) کے عذاب سے (جو کہ کہنا نہ ماننے والوں کو ہوگا) ڈرتا ہوں

(اور اس عذاب کی کیفیت یہ ہے کہ) جس شخص سے اس روز وہ عذاب ہٹا دیا جائے گا (اور وہ، وہ شخص ہوگا، جو اسلام قبول کرنے کا اور شرک سے باز رہنے کا حکم مانے) تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا، اور یہ (عذاب کا ہٹ جانا اور اللہ کی رحمت کا متوجہ ہو جانا) کھلی کامیابی ہے (عذاب کی اس کیفیت سے اس رحمت کی تفصیل ہوگئی جس کا ﴿ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ میں اطاعت کرنے والوں کے لئے اجمالی طور پر وعدہ تھا) اور (آپ اوپر کے عذاب اور رحمت کی قدرت کی خصوصیت کے لئے یہ بھی سنا دیجئے تا کہ رحمت کے وعدہ میں یا عذاب کی وعید میں کسی مزاحم و مانع کا احتمال نہ رہے) کہ (اے انسان! اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف (دنیا یا آخرت میں) پہنچا دیں تو اس کا دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں (وہ چاہیں دور کریں یا نہ کریں، خواہ دیر میں کریں یا جلدی کریں) اور اگر (اس طرح) تجھے کوئی نفع پہنچا دیں تو (اس کا بھی کوئی ہٹانے والا نہیں، جیسا کہ دوسری جگہ ہے ﴿ لَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ﴾ کیونکہ) وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں (ان کے مقابلہ میں کسی کو قدرت نہیں، اس لئے ان کے چاہے ہوئے کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، اور مذکورہ مضمون کی تاکید کے لئے یہ بھی فرما دیجئے کہ) وہی اللہ تعالیٰ اپنی (قدرت سے) اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں، برتر ہیں، اور (علم کے اعتبار سے) وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں (اس لئے اپنے علم سے سب کا حال جانتے ہیں اور قدرت سے سب کو جمع کرلیں گے اور حکمت سے مناسب جزا و سزا دیں گے، اس لئے اسلام قبول کر لینا ضروری ہے)

﴿ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰي ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ ع۲

ترجمہ: آپ کہئے کہ سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کے لئے کون ہے، آپ کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے، اور میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے بھیجا گیا ہے تا کہ میں اس قرآن کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے سب کو ڈراؤں۔ کیا تم سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا، آپ کہہ دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ لوگ رسول کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا ہے سو وہ ایمان نہ لاویں گے۔ اور اس سے زیادہ اور کون بے انصاف ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھوٹا بتلا دے، ایسے بے انصافوں کی رستگاری نہ ہوگی۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت کے بارے میں الگ الگ کلام ہوا ہے، اب دونوں میں اجتماعی طور پر کلام ہے، چنانچہ ﴿ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ ﴾ الخ میں توحید کی بحث ہے، اور ﴿ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ ﴾ الخ میں رسالت کی بحث ہے، اور اس کا شانِ نزول بھی دو واقعے ہیں جو دونوں مسئلوں سے متعلق ہیں چنانچہ کلبی نے روایت کیا ہے کہ مکہ کے کفار نے حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کو آپ کے سوا کوئی رسول نہیں ملا؟ ہم تو نہیں سمجھتے کہ آپ کے دعویٰ کی کوئی تصدیق کر سکتا ہے، اور ہم نے تو یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیا، وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں آپ کا ذکر ہی نہیں ہے تو ہمیں کوئی بتایئے جو اس بات کی گواہی دے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابن جریر وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نحام بن زید اور قردم بن کعب اور بحری بن عمرو آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ کیا آپ کے علم میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ واقع میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، مجھے تو یہی پیغام دے کر بھیجا گیا ہے اور میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

توحید اور رسالت کے مسئلہ کی طرف رجوع:

آپ (توحید اور رسالت کا انکار کرنے والے ان لوگوں سے) کہئے کہ (اچھا یہ بتاؤ کہ) گواہی دینے کے لئے سب سے بڑھ کر کونسی چیز ہے؟ (جس کی گواہی پر کسی ایسے مسئلہ کا جس میں اختلاف ہو، فیصلہ ہو جائے۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہی ہوگا کہ اللہ سب سے بڑھ کر ہے، پھر) آپ کہئے کہ (بس) میرے اور تمہارے درمیان (جس مسئلہ میں اختلاف ہو رہا ہے اس میں وہی) اللہ تعالیٰ گواہ ہے (جس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے) اور (ان کی گواہی یہ ہے کہ) میرے پاس یہ قرآن وحی کے طور پر (اللہ کی جانب سے) بھیجا گیا ہے (جس کی معجزہ ہونے کی صفت اور اللہ کی طرف سے بھیجے جانے کی اور اللہ کی تصدیق کی دلیل ہونا، ظاہر ہے) تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تمہیں اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے، ان سب کو (ان وعیدوں سے) ڈراؤں (جو توحید اور رسالت کے انکار پر اس میں بیان کی گئی ہیں، اس لئے اس کے معجزہ ہونے سے اللہ کی گواہی تکوینی، طبعی اور اس کے مضمون سے اللہ کی گواہی شرعی قانونی ثابت ہوگئی) کیا تم (اس شہادت کبریٰ، زبردست گواہی کے بعد بھی، جس میں توحید شامل ہے، توحید کے بارے میں سچ مچ یہی گواہی دوگے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ (عبادت کے مستحق ہونے میں) کچھ اور معبود بھی (شریک) ہیں (اور اگر وہ ہٹ دھرمی سے اس پر بھی کہہ دیں کہ ہاں، ہم تو یہی گواہی دیں گے تو اس وقت ان سے بحث کرنا بے فائدہ ہے، بلکہ صرف) آپ (اپنے عقیدہ کو ظاہر کر دیجئے اور) کہہ دیجئے کہ میں تو (اس کی) گواہی نہیں دیتا (کیونکہ یہ امر باطل ہے اور) آپ (باطل کی نفی کر کے حق کے اثبات کے لئے کہہ دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار (نفرت کرنے والا) ہوں (اور رسالت

کے بارے میں جو کہا جاتا ہے کہ ہم نے یہود و نصاری سے پوچھ کر دیکھ لیا الخ تو اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت وانجیل) دی ہے، وہ لوگ رسول (ﷺ) کو (پہلے ہی سے بلاشک وشبہ ایسا) پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو (ان کی صورت سے) پہچانتے ہیں (کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر عام طور سے کبھی کسی باپ کو شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کون ہے؟ چاہے زبان سے انکار کریں اور سچائی کو چھپائیں، لیکن جب شہادت کبری یعنی زبردست گواہی کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کی گواہی کی پرداور مدار ہی نہیں، پھر اس کے نہ ہونے کو کیوں دلیل بنایا جائے؟ اور ایسی شہادت کبری کے ہوتے ہوئے بھی) جن لوگوں نے اپنے آپ کو ضائع کرلیا ہے (یعنی اپنی عقل کو معطل کرلیا ہے کہ اس سے مذکورہ شہادت کے دلالت کرنے کی وجوں میں صحیح طرح غور وفکر نہیں کرتے، خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب ہوں) تو وہ ایمان نہ لائیں گے (اور رسالت کو نہ مانیں گے) اور (یہ توحید و رسالت کا انکار کرنے والے، توحید و رسالت کے مسئلہ میں عقل کے اعتبار سے بھی نہایت ناانصافی سے کام لے رہے ہیں، کیونکہ) اس سے زیادہ اور کون ناانصافی کرنے والا ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگائے (جس کا حاصل نفی کے قابل چیزوں کا اثبات ہے، مثلاً اس کے ساتھ شریک قرار دے جیسا کہ مشرک کرتے تھے، یا رسول اللہ ﷺ کی نعت وتعریف کو دوسرے غیر واقعی اوصاف سے بدل ڈالے جیسا کہ اہل کتاب کیا کرتے تھے) یا اللہ تعالیٰ کی آیتوں (اور دلیلوں) کو جھوٹا بتائے (جس کا حاصل اثبات کے قابل چیزوں کی نفی ہے، اور ظاہر ہے کہ نفی کے قابل کا اثبات اور اثبات کے قابل کی نفی خود عقل کے لحاظ سے بھی کھلا ظلم اور ناانصافی ہے اور) ایسے ناانصافی کرنے والوں) کا حال یہ ہوگا کہ ان) کو (قیامت کے دن) چھٹکارا نہ ملے گا (بلکہ ہمیشہ ہمیش کے عذاب میں مبتلا رہیں گے)

فائدہ: ﴿ مَنْۢ بَلَغَ ﴾ میں نبی کی بعثت کے عموم کا ذکر ہے، چنانچہ ترجمہ سے اس کا اثبات ظاہر ہے اور یہ آیت ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ الخ سے متعلق بعض ضروری تحقیقات سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۶ میں گذر چکی ہیں، ملاحظہ کرلی جائیں۔ اور ﴿ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا ﴾ الخ اوپر آیت ۱۲ میں بھی آیا ہے، مگر وہاں توحید کے باب میں تھا اور یہاں رسالت کے باب میں ہے، اس لئے تکرار لازم نہیں آئی۔ حالانکہ تاکید کے لئے تکرار بھی مستحسن ہوتی ہے۔

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس روز ہم ان تمام خلائق کو جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعوی کرتے تھے، کہاں گئے؟ پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ

بھی نہ ہوگا کہ وہ یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی، اپنے پروردگار کی، ہم مشرک نہ تھے، ذرا دیکھو تو کس طرح جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے، وہ سب غائب ہوگئے۔

ربط: اوپر کفار کے فلاح نہ پانے کا ذکر ہوا ہے، اب اسی فلاح نہ پانے کی کچھ کیفیت کا ذکر ہے، مشرکوں کی کیفیت تو صراحت کے ساتھ ہے کہ مکہ میں جہاں یہ سورت نازل ہوئی، مشرک زیادہ تھے، اور دوسرے کفار کی کیفیت اس پر قیاس کی بنیاد پر ہے کیونکہ فلاح نہ پانے کی اصل علت یعنی کفر، سب میں مشترک ہے۔

مشرکوں کے فلاح نہ پانے کی کیفیت:

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے، جس روز ہم ان تمام مخلوقات کو (حشر کے میدان میں) جمع کریں گے، پھر ہم مشرکوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سرزنش وملامت کے طور پر) کہیں گے کہ (بتاؤ) تمہارے وہ (خدائی میں) شریک قرار دیئے ہوئے جن کے معبود ہونے کا تم دعوی کرتے تھے، کہاں (غائب ہو) گئے (کہ تمہاری سفارش نہیں کرتے، جن پر تمہیں بھروسہ تھا؟) پھر (اس سوال کے بعد) ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی (ثابت) نہ ہوگا کہ وہ (اس شرک سے خود بیزاری اور نفرت ظاہر کرنے لگیں گے، اور انتہائی بدحواسی کے ساتھ) یوں کہیں گے کہ قسم اللہ کی، اپنے پروردگار کی، ہم مشرک نہ تھے (یعنی جس کے حق ہونے کا آج دعوی ہے، اس کا انجام یہ ہوگا کہ خود ہی اس کو باطل قرار دینے لگیں گے یعنی ایک طرف تو آج اس پر اڑے ہوئے ہیں، دوسری طرف اس دن ایسی لاتعلقی کا اعلان کریں گے، تعجب کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) ذرا دیکھو تو کس طرح اپنی جانوں پر (کھلا) جھوٹ بولا (کہ جس شرک پر اس وقت اڑے ہوئے تھے، اس کی صاف نفی کردی) اور جن چیزوں (کے معبود ہونے کے دعوی) کو وہ جھوٹ موٹ گھڑا کرتے تھے (یعنی ان کے بت یا دوسرے شرکاء) وہ سب غائب ہوگئے (یعنی کوئی ان کے کام نہ آئے گا)

یہاں چند سوال اور ان کے جواب ہیں:

پہلا سوال: یہاں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرکاء وہاں نہ ہوں گے اور دوسری آیتوں میں جیسے ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی جمع کیا جائے گا؟

جواب: یہاں ان کا شریک اور شفیع ہونے کی حیثیت سے غائب ہونا بیان کرنا مقصود ہے، یعنی ان میں اس صفت کا نہ ہونا ظاہر ہو جائے گا، اور دوسری آیتوں میں ان کا ذاتی طور پر حاضر ہونا مقصود ہے، لہٰذا کچھ تعارض نہیں۔ اور بعض نے جواب دیا ہے کہ حاضر ہو جانے کے بعد جگہ کے لحاظ سے الگ الگ کر دیئے جانے کے بعد یہ گفتگو ہوگی، اور ﴿فَزَيَّلْنَا﴾ کے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔

دوسرا سوال: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کفار سے بات کریں گے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا

ہے کہ بات نہیں کریں گے ﴿ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ ﴾؟

جواب: نفی اس کلام کی کی گئی ہے جو عزت و اکرام کے طور پر ہو، اور یہاں سرزنش اور ملامت والے کلام کا اثبات ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں، یا نفی بلا واسطہ کلام کی ہے اور اثبات بالواسطہ کلام کا ہے۔

تیسرا سوال: قیامت میں حقائق کھل کر سامنے آ جائیں گے، پھر وہاں وہ جھوٹ کیسے بولیں گے؟

جواب: انتہائی حیرت اور دہشت کی وجہ سے اور کچھ نہ بن پڑے گا، اور احقر نے ترجمہ کی تقریر میں ان سارے جوابوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

چوتھا سوال: مشرک تو معاد یعنی آخرت ہی کے قائل نہ تھے، پھر وہ قیامت کے دن بتوں کو شفاعت کرنے والا کیسے سمجھتے تھے؟

جواب: سختی کے وقت مطلق شفاعت کے تو قائل تھے، اور قیامت کے دن کی سختی و شدت سے زیادہ کونسی شدت ہوگی؟ یا یوں کہا جائے کہ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اگر بالفرض مان لیں کہ قیامت واقع ہوگی تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ یہ قول نقل کیا گیا ہے، ﴿ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ﴾ (سورۃ حٰم السجدۃ آیت ۵۰)

پانچواں سوال: یہاں شرک کے انجام کے سلسلہ میں یہ قول حصر کے طور پر فرمایا کہ بس یہی انجام ہوگا، حالانکہ انجام میں دوزخ بھی داخل ہے؟

جواب: حصر اضافی ہے جس سے اس عقیدہ پر باقی رہنے کی نفی مقصود ہے؟

> ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان میں بعضے ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں۔ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے اور اگر وہ لوگ تمام دلائل کو دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لاویں، یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں، یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے چلی آ رہی ہیں۔ اور یہ لوگ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔

ربط: اوپر توحید اور رسالت کے انکار کی مذمت اور جزاء کا بیان تھا، اب قرآن کے انکار کی شناعت یعنی برائی کا ذکر ہے۔

قرآن کے انکار کی برائی:

اور ان (مشرکوں) میں سے بعض ایسے ہیں کہ (آپ کے قرآن پڑھنے کے وقت اس کو سننے کے لئے) آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور (چونکہ وہ سننا حق کی طلب کے لئے نہیں ہوتا، اس لئے اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے، چنانچہ) ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں، اس سے کہ وہ اس (قرآن کے مقصود) کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں (اس کو ہدایت کی غرض سے سننے سے) ڈاٹ دے رکھی ہے (یہ تو ان کے دلوں اور کانوں کی حالت ہے) اور (ابصار یعنی آنکھوں یا قوت بینائی کی یہ حالت ہے کہ) اگر وہ لوگ (آپ کی نبوت کے سچ ہونے کے) تمام دلائل کو (بھی) دیکھ لیں، تو ان (تمام دلائل) پر بھی ایمان نہ لائیں (یعنی انتہائی درجہ کا عناد و دشمنی رکھنے والے ہیں اور اس عناد کی نوبت) یہاں تک (پہنچی ہے) کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں (اس طرح کہ) یہ لوگ جو کافر ہیں، یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو کچھ بھی نہیں، صرف بے بنیاد باتیں ہیں جو پرانے لوگوں سے (نقل ہوتی) چلی آرہی ہیں (یعنی ملتوں والے لوگ پہلے سے ایسی باتیں کرتے چلے آئے ہیں کہ معبود صرف ایک ہی ہے، بشر، نبی بھی ہوسکتا ہے، قیامت میں پھر زندہ ہونا ہے، مطلب یہ کہ عناد کی وجہ سے جھٹلانے اور تکذیب سے آگے بڑھ کر بحث اور جدال تک پہنچ گئے ہیں) اور (پھر جدال سے گذر کر دوسروں کو گمراہ کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، چنانچہ) یہ لوگ اس (قرآن) سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور (اس روکنے کی کوشش اور اس کی تکمیل میں) خود بھی اس سے (نفرت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر میں بھی) دور دور رہتے ہیں (تاکہ دوسروں پر زیادہ اثر ہو) اور (ان حرکتوں سے) یہ لوگ خود کو ہی تباہ (و برباد) کر رہے ہیں (نہ رسول کا کوئی نقصان ہے نہ قرآن کا، رسول کو رسالت کا فریضہ انجام دینے کا ثواب ہر حال میں ملے گا، قرآن کا نور ہدایت کامل ہو کر رہے گا، ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ اور (انتہائی حماقت کی وجہ سے) انہیں کچھ بھی خبر نہیں (کہ وہ کس کا نقصان کر رہے ہیں)

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ ہم نے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں الخ۔ یہ تمثیل ہے اگرچہ معروف قسم کے پردے وغیرہ نہ ہوں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت ہونے کی وجہ سے نہ یہ معذور ہوسکتے ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ پر الزام آسکتا ہے، کیونکہ اس پردہ وغیرہ کا سبب ان کا اپنے اختیار سے اعراض یعنی منہ پھیرنا ہے اور یہ نسبت تخلیق کے اعتبار سے ہے، جو حکمت پر مبنی ہے، جو برائی کو دور کرنے والی ہے۔ البتہ قبیح کا حاصل کرنا حکمت سے خالی ہونے کی وجہ سے قبیح ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق سورۂ بقرہ کی آیت ۶ و ۷ میں گذر چکی ہے۔ اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا ﴾ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی بھی دلیل پر ایمان نہیں لائیں گے، اور سورۂ شعراء کی آیت ۴ ﴿ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیتوں پر انہیں ضرور ایمان لانا پڑے گا۔ اس کا

جواب یہ ہے کہ منفی ایمان اختیاری ہے جو کہ شریعت میں مطلوب ہے اور مثبت ایمان اضطراری ہے جو شریعت میں مقبول نہیں، اور اس آیت میں ایمان نہ لانے کی خبر انہی کے حق میں ہے جن کا خاتمہ علم الٰہی میں کفر پر ہونے والا تھا۔

﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جاویں گے تو کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیئے جاویں اور اگر ایسا ہو جاوے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتاویں اور ہم ایمان والوں سے ہو جاویں۔ بلکہ جس چیز کو اس کے قبل دبایا کرتے تھے، وہ ان کے سامنے آگئی ہے۔ اور اگر یہ لوگ پھر واپس ہی بھیج دیئے جاویں تب بھی یہ وہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

ربط: جس طرح اوپر توحید اور رسالت کے انکار کا ذکر کر کے ﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ ﴾ میں اس کی جزا بیان فرمائی تھی، اسی طرح قرآن کے انکار کا آیت ﴿ وَمِنْهُمْ ﴾ الخ میں ذکر کر کے اب اس کی جزا بیان فرماتے ہیں۔

قرآن کے انکار کی جزا:

اور اگر آپ (ان کو) اس وقت دیکھیں (تو بڑا ہولناک واقعہ نظر آئے) جبکہ یہ (انکار کرنے والے) دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے (تاکہ ان سے کچھ پوچھ تاچھ کر کے ان کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے) تو (اس کی ہولناکی اور مصیبت کو دیکھ کر اور یہ معلوم کر کے کہ یہ کفر اور حق کے انکار کی سزا ہے تو ہزاروں تمناؤں کے ساتھ) کہیں گے: ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم (پھر) اپنے رب کی آیتوں (قرآن وغیرہ) کو (کبھی) جھوٹا نہ بتائیں اور ہم (ضرور) ایمان والوں میں ہو جائیں (حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تمنا اور وعدہ سچی رغبت اور اطاعت کے ارادہ سے نہیں) بلکہ (اس وقت ایک مصیبت میں پھنس رہے ہیں کہ) جس چیز کو اس سے پہلے (یعنی دنیا میں) دبایا (اور مٹایا) کرتے تھے (اور اس کا اقرار نہ کرتے تھے) وہ (آج اس وقت) ان کے سامنے آگئی ہے (اس چیز سے مراد عذاب ہے، جس کی وعید انہیں کفر اور تکذیب یعنی جھٹلانے پر کی جاتی تھی، اور دبانے سے مراد انکار ہے، مطلب یہ کہ اس وقت جان پر بن رہی ہے، اس لئے جان بچانے کی غرض سے یہ سارے وعدے ہو رہے ہیں) اور (دل سے ہرگز وعدہ پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہے، حتیٰ کہ) اگر (بالفرض) یہ لوگ (ان کی تمنا کے مطابق دنیا میں) پھر واپس بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی یہی کام کریں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا (یعنی کفر اور تکذیب) اور یقیناً یہ (ان وعدوں میں) بالکل جھوٹے ہیں (یعنی نہ اس وقت وعدہ پورا کرنے کا ارادہ ہے اور نہ ہی یہ دنیا میں جا کر اسے پورا کرتے، یہ ایسے

سرکش اور عناد رکھنے والے ہیں، اس کے بعد انہیں دوزخ میں بھیج دیا جائے گا)

تفسیر: ترجمہ کی تقریر کے اعتبار سے آیت کے دو مقصود ہوئے، اول ان کی سزا کا بیان اور دوسرے ان کے عناد کا بیان، اس مقام پر ایک سوال ہے کہ جب قیامت میں اپنی آنکھوں سے واقعی امور کا معائنہ کرلیا تو پھر دنیا میں آنے کے بعد کفر اور تکذیب کا احتمال کیوں کر ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جھٹلانا تو زبان کا کام ہے، دل کے یقین کے ساتھ زبان سے جھٹلانے کا جمع ہونا ممکن ہے، اور زبانی طور پر جھٹلانا بھی کفر ہے، رہا دل سے یقین ہونا، وہ معائنہ کی وجہ سے اضطراری طور پر ہوگا جو شریعت میں معتبر نہیں، اور جو امر شرعی طور پر مطلوب ہے، اس کا حاصل اختیاری طور پر تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا ہے، لہٰذا اضطراری تصدیق کے ساتھ اختیاری تصدیق کا جمع نہ ہونا بھی ممکن ہے، جیسا کہ بعض ضدی لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دل میں جانتے ہیں مگر مانتے نہیں۔ لہٰذا الحمدللہ تعالیٰ اشکال بالکل دور ہوگیا، اور یہ اللہ کے فضل وکرم سے ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ تمنا حاصل نہ ہونے والی چیز کی ہوتی ہے، اور ایمان اور عدم تکذیب کا معاملہ انہیں تمنا کے وقت حاصل ہے، پھر اس وقت تمنا کا کیا مطلب ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ تمنا دنیا میں ایمان اور عدم تکذیب یعنی نہ جھٹلانے کی ہے، کیونکہ نجات میں نفع دینے والی چیز یہی ہے اور یہ چیز بالفعل حاصل نہ ہوگی، اور جو حاصل ہے وہ غیر مفید ہونے کی وجہ سے ہے، تمنا کا موقع ومقام نہیں ہے۔

﴿وَقَالُوٓا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور یہ کہتے ہیں کہ جینا اور کہیں نہیں صرف یہی فی الحال کا جینا ہے اور ہم زندہ نہ کئے جاویں گے۔ اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے! وہ کہیں گے بیشک قسم اپنے رب کی! اللہ تعالیٰ فرماوے گا تو اب اپنے کفر کے عوض عذاب چکھو۔

ربط: اوپر توحید، رسالت اور قرآن کے انکار پر سزاؤں کا بیان تھا، اب مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار اور اس کی سزا کا بیان ہے۔

مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے انکار کی حکایت اور اس پر وعید:

اور یہ انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ جینا اور کہیں نہیں صرف یہی فی الحال کا جینا ہے، اور ہم (اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد پھر) زندہ نہ کئے جائیں گے (جیسا کہ انبیاء علیہم السلام خبر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) اور اگر آپ (ان کو) اس وقت دیکھیں (تو بڑا عجیب واقعہ نظر آئے گا) جبکہ یہ اپنے رب کے سامنے (حساب کے لئے) کھڑے کئے جائیں گے (اور) اللہ تعالیٰ (ان سے سرزنش کے طور پر) فرمائے گا کہ (کہو) کیا یہ (قیامت کے دن زندہ ہونا) واقعی امر نہیں

ہے؟ (جسے دنیا میں ہمیشہ جھٹلاتے رہے) وہ کہیں گے: بیشک (واقعی ہے) قسم اپنے رب کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب اپنے کفر (وانکار) کے بدلہ عذاب (کا مزا) چکھو (اس کے بعد دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے)

فائدہ: پہلی آیت میں جس وقت کا ذکر ہوا ہے اور جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے، دونوں ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں۔ یہ حساب کے لئے کھڑا کیا جانا دوزخ ہی کے قریب ہوگا، اور نہ ہی ان دونوں واقعوں میں کوئی تعارض ہے کہ اس موقع پر دونوں واقعے ہوں، بلکہ اور بھی جتنے احوال ثابت ہیں سبھی واقع ہوں گے۔

﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بیشک خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے ملنے کی تکذیب کی، یہاں تک کہ جب وہ معین وقت ان پر دفعۃً آپہنچے گا، کہنے لگیں گے کہ ہائے افسوس! ہماری کوتاہی پر جو اس کے بارے میں ہوئی اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے بار اپنی کمر پر لادے ہونگے۔ خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو لادیں گے۔

ربط: اوپر مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرنے والوں کی وعید کا ذکر ہے، اب بھی اس کا تتمہ ہے۔

گذشتہ کا تتمہ:

یقیناً (سخت) خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے ملنے (یعنی قیامت میں زندہ ہو کر اللہ کے روبرو پیش ہونے) کو جھٹلایا (خسارہ کا بیان اوپر بھی آچکا ہے، اور آگے بھی آتا ہے، اور یہ جھٹلانا تھوڑے ہی دنوں تک رہے گا) یہاں تک کہ جب وہ معین وقت (یعنی قیامت کا دن مع مقدمات) ان پر اچانک (بغیر کسی اطلاع کے) آپہنچے گا (اس وقت جھٹلانے کے سارے دعوے ختم ہو جائیں گے اور) کہنے لگیں گے کہ ہائے افسوس! ہماری کوتاہی (اور بھول چوک) پر جو اس (قیامت) کے بارے میں (ہم سے) ہوئی (وہ بھول یہ ہے کہ قیامت کو جھٹلایا جو کہ اس کے حق کا ضائع کرنا ہے) اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اپنے (گناہ اور کفر کا) بوجھ اپنی کمر پر لادے ہوں گے (یعنی ان کے وبال اور عذاب میں مبتلا ہوں گے) خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو (وہ اپنے اوپر) لادیں گے (کیونکہ اس کا انجام برا ہوگا کہ عذاب ہے)

فائدہ: اگرچہ جھٹلانے کا معاملہ ان کے مرنے کے وقت ہی ختم ہو جائے گا، لیکن قیامت کو اس لئے آخری مرحلہ قرار دیا کہ اس دن پورا معاملہ کھل کر سامنے آجائے گا اور صاحب کشاف نے کہا ہے کہ موت کا وقت بھی قیامت کے مقدمات میں سے ہے، اس لئے وہ بھی قیامت کے حکم میں داخل ہے۔ احقر نے ترجمہ کے ذیل میں اس طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور دنیوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں، بجز لعب ولہو کے۔ اور پچھلا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے۔ کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔

ربط: اوپر کفار کا جو قول تھا ﴿اِنۡ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا﴾ اس کا جواب اس طرح دیا تھا کہ بعثت یعنی آخرت کی زندگی ثابت ہے، اب اس سلسلہ میں مزید فرماتے ہیں کہ ثابت بھی ایسی ہے کہ اس کے سامنے دنیاوی زندگی غیر ثابت جیسی ہے۔

آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کا ناقابل اعتبار ہونا:

اور دنیاوی زندگی (جس میں کفار نے زندگی کو منحصر سمجھ رکھا ہے اس کی مصروفیتیں) تو کچھ بھی نہیں سوائے لہو ولعب کے (اس کے غیر نفع بخش اور غیر باقی ہونے کی وجہ سے) اور پچھلا گھر (یعنی آخرت جس کا کفار انکار کر رہے ہیں، باقی اور) متقیوں کے لئے بہتر (یعنی نفع بخش تو وہی) ہے کیا (دلائل قائم ہونے کے باوجود اے انکار کرنے والو!) تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو (کہ اس کو مان کر اس کے لئے سامان کرو کہ وہ ایمان اور اعمال ہیں)

فائدہ: یہاں خود دنیاوی زندگی کو لہو ولعب فرمانا مقصود نہیں، بلکہ اس کے ان اعمال واشغال یعنی مصروفیتوں کو لہو ولعب کہا گیا ہے جو کہ آخرت کے لئے نہ موضوع ہیں نہ معین ہیں، اس طرح اس قید سے طاعات اور طاعات میں معین ومددگار مباحات سب نکل گئے، اور لایعنی مباحات اور معاصی سب اس میں داخل رہ گئے کہ اگرچہ ایسے مباحات میں گناہ نہ ہو، لیکن وہ بے سود اور ایسے اثر والے تو ہیں جو فانی ہیں۔

اور اہل لغت نے لہو ولعب کے معنی ایک دوسرے سے قریب جیسا کہ ترجمہ کی تقریر میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا ہے، بلکہ متحد ہی لکھے ہیں، صرف اعتبار کے لحاظ سے فرق ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ غیر نفع بخش امر میں مشغول ہونے کے دو اثر ہیں، ایک خود اس کی طرف متوجہ ہونا، دوسرے اس توجہ کی وجہ سے نفع بخش امور سے بے توجہی ہو جانا، وہ امر پہلے اعتبار سے لعب کہلاتا ہے اور دوسرے اعتبار سے لہو، جیسا کہ الروح میں کہا گیا ہے۔

﴿قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ لَیَحۡزُنُكَ الَّذِیۡ یَقُوۡلُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ لَا یُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجۡحَدُوۡنَ ۝ وَلَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَصَبَرُوۡا عَلٰی مَا كُذِّبُوۡا وَاُوۡذُوۡا حَتّٰۤی اَتٰىهُمۡ نَصۡرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَكَ مِنۡ نَّبَاِی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝﴾

ترجمہ: ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان کے اقوال مغموم کرتے ہیں، سو یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں، ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے، سو انھوں نے اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو ایذائیں پہنچائی گئیں، یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی اور اللہ

تعالیٰ کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصص پہنچ چکے ہیں۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں کفار کے بعض کفریہ اقوال کا ذکر ہے، جیسے ﴿ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴾ اور ﴿ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا ﴾ اور جیسے ابوجہل کا یہ کہنا جو کہ اس آیت کے نزول کا سبب ہے کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتے، لیکن آپ جو کتاب اور دین لائے ہیں، اس کو جھوٹا سمجھتے ہیں (ترمذی) لہٰذا ان اقوال سے آپ کو صدمہ اور رنج ہوتا تھا، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان (کفار) کے اقوال سے غم ہوتا ہے تو (آپ غم نہ کیجئے، بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے، کیونکہ) یہ لوگ (براہ راست) آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا (عمداً) انکار کرتے ہیں (اگرچہ اس سے آپ کی تکذیب بھی لازم آتی ہے) لیکن ان کا اصل مقصود (اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا ہے جیسا کہ ان میں سے بعض اس کا اقرار بھی کرتے ہیں، لہٰذا جب ان کی اصل تکذیب اللہ کی آیتوں سے متعلق ہے تو ان کا یہ معاملہ اللہ کے ساتھ ہوا، اس لئے ہم خود ہی ان کو سمجھ لیں گے، آپ اس غم میں کیوں پڑتے ہیں) اور (اللہ کی آیتوں کی تکذیب کے واسطہ سے جو آپ کی تکذیب لازم آگئی تو یہ کوئی آپ کے ساتھ نئی بات نہیں ہوئی، بلکہ) جو بہت سے پیغمبر آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے، تو انھوں نے (بھی) اس پر صبر ہی کیا کہ ان کی تکذیب کی گئی اور (تکذیب کے علاوہ دوسرے مختلف طریقوں سے بھی) انہیں اذیتیں پہنچائی گئیں، یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی (جس سے وہ غالب اور ان کے مخالف مغلوب یا ہلاک ہو گئے، اس وقت وہ صبر ہی کرتے رہے، اسی طرح آپ بھی صبر کیجئے) اور اس طرح صبر کرنے کے بعد آپ کو اللہ کی مدد پہنچے گی، کیونکہ) اللہ تعالیٰ کی باتوں (یعنی وعدوں) کو کوئی بدلنے والا نہیں (اور امداد کا وعدہ ہو چکا ہے جیسا کہ فرمایا ہے ﴿ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ﴾) اور آپ کے پاس بعض پیغمبروں کے بعض قصے پہنچ چکے ہیں (جن سے ﴿ اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ﴾ کی تصدیق و تحقیق ہو چکی ہے۔ اس طرح خبر کے اعتبار سے بھی اور واقعہ کے اعتبار سے بھی ہر طرح یہ مضمون محقق ہے)

فائدہ: تسلی کے اس مضمون کا حاصل یہ ہے کہ یہ جو آپ کو جھٹلا رہے ہیں، یہ اصل میں اس وجہ سے ہے کہ آپ اللہ کی طرف سے دین اسلام کی تبلیغ کے لئے مامور ہیں، بالواسطہ طور پر خود اللہ تعالیٰ کو اور اس کی آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں، اس طرح بظاہر تو یہ آپ کی تکذیب ہے، لیکن حقیقت میں اور قصداً اللہ تعالیٰ ہی کی تکذیب ہے۔ پس پہلی آیت کا مضمون تو دوسری تکذیب کے اعتبار سے ہے کہ اپنے معاملہ میں اللہ تعالیٰ خود ہی سمجھ لے گا، اور دوسری آیت کا مضمون پہلی تکذیب کے اعتبار سے ہے کہ رسولوں کے معاملہ میں ہماری یہ عادت چلی آئی ہے اور اب بھی اسی کا وعدہ ہے اور دونوں تسلیوں میں مشترک مضمون حق کا غلبہ اور باطل کا مغلوب ہونا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی

اصل مقصود تھا، اس لئے تسلی کا اصل ذریعہ یہی مشترک مضمون ہے، اس طرح اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ ہلاکت کی خبر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ان کی ہلاکت چاہتے ہوں گے، اگر چہ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، مگر پھر بھی اصلاً آپ کی شفقت ہی غالب تھی، جس کی بنیاد پر آپ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا۔

﴿ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو، پھر کوئی معجزہ لے آؤ، تو کرو۔ اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ پر جمع کر دیتا، سو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جیے۔ وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔ اور مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھاویں گے، پھر سب اللہ ہی کی طرف لائے جاویں گے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بیشک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ معجزہ نازل فرمادیں، لیکن ان میں اکثر بے خبر ہیں۔

ربط: اوپر جناب رسول اللہ ﷺ کو کفار کے معاملات پر صبر کرنے کا امر فرمایا گیا ہے، چونکہ آپ کو کمال شفقت کی وجہ سے ان لوگوں کے ایمان لانے کی انتہائی درجہ کی حرص تھی، اس لئے آپ چاہتے تھے کہ اگر یہ لوگ واقعی معجزات پر ان کے کافی ہونے کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو جن معجزوں کی یہ فرمائش کر رہے ہیں، وہی واقع ہو جائیں کہ شاید پھر یہ لوگ ایمان لے آئیں، اور اس اعتبار سے ان کا کفر دیکھ دیکھ کر آپ کو صبر نہ ہوتا تھا، اس لئے اب حق تعالیٰ ان فرمائشوں کے واقع نہ ہونے کا فیصلہ سنا کر آپ کو صبر کی تاکید فرماتے ہیں، اور رسالت کا ان فرمائشوں کے واقع ہونے پر موقوف نہ ہونا صبر کے مضمون کے ذیل میں ﴿ لَوْلَا أُنْزِلَ ﴾ الخ سے ظاہر فرماتے ہیں، جیسا کہ نبوت کا انکار کرنے والوں کا مقصود تھا، لہٰذا اس میں رسالت کے مسئلہ کی تحقیق بھی ہے۔

گذشتہ تسلی کے مضمون میں جس صبر کا حکم دیا گیا اس کی تاکید:

اور (اگر آپ کو) ان (انکار کرنے والوں) کا اعراض (اور انکار جس کا ذکر اوپر ﴿ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ﴾ الخ اور ﴿ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ ﴾ الخ میں بھی ہوا ہے) ناگوار گذرتا ہے (اور اس لئے جی چاہتا ہے کہ ان کی فرمائش کے مطابق ہی معجزے واقع ہو جائیں) تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں (جانے کے لئے) کوئی سرنگ یا آسمان میں (جانے کے لئے) کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو، پھر (ان کے ذریعہ سے زمین یا آسمان میں جا کر وہاں سے ان کی فرمائش کے

مطابق معجزوں میں سے) کوئی معجزہ لے آؤ تو (بہتر ہے) کرلو (یعنی ہم تو ان کی یہ فرمائشیں ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اور نقصان لازم ہونے کی وجہ سے پوری نہیں کرتے، جن کا آگے ذکر ہوگا، اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہی ہوجائیں تو آپ اس کا انتظام کیجئے) اور اگر اللہ کو (اپنی تکوین کے اعتبار سے) منظور ہوتا تو ان سب کو (سیدھے) راستہ پر جمع کردیتا (اور چلادیتا، لیکن چونکہ یہ لوگ خود ہی اپنا بھلا نہیں چاہتے، اس لئے اللہ تعالیٰ کو اپنی تکوین کے اعتبار سے یہ منظور نہیں ہوا، پھر آپ کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟) تو آپ (اس فکر کو چھوڑیئے اور) نادانوں میں سے نہ ہوجایئے (حق بات اور ہدایت کو تو) وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو (حق بات کو حق کی طلب کی نیت سے) سنتے ہیں (اس صورت میں ان کو حق تعالیٰ بھی ہدایت کی توفیق دیدیتے ہیں، اور انھوں نے ایسا کیا نہیں تو پھر ہدایت کیسے ہو؟) اور (اگر اس اعراض وانکار کی پوری سزا ان کو دنیا میں نہ ملی تو کیا ہوا، آخر ایک دن) مردوں کو اللہ تعالیٰ (قبروں سے) زندہ کرکے اٹھائیں گے، پھر وہ سب اللہ ہی کی طرف (حساب کے لئے) لائے جائیں گے (اس وقت ساری حقیقت کھل جائے گی اور پوری سزا تجویز ہوجائے گی) اور یہ (انکار کرنے والے) لوگ (عناد کے طور پر) کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی ہیں تو) ان پر (ہماری فرمائش کے مطابق معجزوں میں سے) کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ آپ فرمادیجئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کو اس پر پوری قدرت ہے کہ وہ (ایسا ہی) معجزہ نازل فرمادیں، لیکن ان میں اکثر (اس کے انجام سے) بے خبر ہیں (اس لئے درخواست کررہے ہیں، وہ انجام یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لائیں گے تو سب ہلاک کردیئے جائیں گے، جیسا کہ اعلان ہے ﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ﴾ حاصل یہ کہ ضرورت تو اس لئے نہیں کہ پہلے معجزے ہی کافی ہیں، جیسا کہ فرمایا ﴿ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ ﴾ الخ اور ہم جانتے ہیں کہ جیسے ان پر ایمان نہیں لائے، ان پر بھی نہیں لائیں گے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ﴾ الخ اور اس سے بڑھ کر یہ نقصان ہے جس کا ذکر ہوا، اس لئے ان کی فرمائش کے مطابق معجزوں کے سلسلہ میں حکمت ان کے نازل نہ کرنے کی ہے۔

فائدہ: ﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ فرمانا وعظ ونصیحت اور محبت وخیر خواہی کے طور پر ہے، چنانچہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور لفظ جہل یا جہالت سے ترجمہ کرنا اس وجہ سے کہ ہمارے محاورہ میں یہ الفاظ حقارت وحماقت اور ڈانٹنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس لئے ان سے بے ادبی ظاہر ہوتی ہے، اور آیت کے اخیر میں چونکہ اعتراض دور کرنا ہے، اس لئے اس کو بھی جس پر اعتراض کیا گیا ہے، اس کی تسلی میں دخل ہے، اور اس میں رسالت کے مسئلہ کی تحقیق بھی ہے۔ جیسا کہ تمہید میں ذکر ہوا، اور اکثر کا لفظ اس لئے کہا کہ ان میں سے بعض مسلمان ہونے والے تھے۔

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جتنے قسم کے جاندار زمین میں چلنے والے ہیں اور جتنے قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ تمہاری ہی طرح کے گروہ نہ ہوں۔ ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، پھر سب اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جاویں گے۔

ربط: اوپر صبر اور تسلی کی تاکید کے ضمن میں کفر کی سزا کے اشارہ کے لئے مردوں کا قیامت میں اٹھایا جانا ﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾ میں ذکر فرمایا تھا، اب اسی بعث یعنی اٹھائے جانے کی تاکید اور تقریر یعنی بیان اور وضاحت کے لئے جانداروں اور پرندوں کا جمع کیا جانا بیان فرماتے ہیں۔ اور تاکید کا فائدہ ظاہر ہے کہ تم تو مکلّف اور جزا وسزا کے لئے مستحق اور لائق ہو تو تم تو کیوں نہ جمع کئے جاتے، جمع کرنے کا معاملہ تو ایسا عام ہے کہ بعض حکمتوں کے تقاضوں کے تحت غیر مکلّف بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہیں گے۔

مخلوقات کے جمع کئے جانے کا عام ہونا:

اور جتنی قسم کے جاندار زمین پر (خواہ خشکی پر یا پانی میں) چلنے والے ہیں، اور جتنی قسم کے پرندے ہیں جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں، ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ (قیامت کے دن جمع ہونے کی صفت میں) تمہاری طرح گروہ نہ ہوں (اور اگرچہ یہ سب اپنی کثرت کی وجہ سے عرف میں بے شمار و بے انتہا ہوں، لیکن ہمارے حساب میں سب ایک ضابطہ میں ہیں، کیونکہ) ہم نے (اپنے) دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی (سب کو لکھ لیا ہے، اگرچہ اس کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ علم قدیم ہی کافی ہے، لیکن لکھنے سے تمام چیزوں کا ایک ضابطہ میں آجانا عام سمجھ سے زیادہ قریب ہے، جب اس ایک ضابطہ میں ہیں تو پھر سب کو قیامت میں جمع کر لینا کیا مشکل ہے۔ غرض یہ کہ پہلے سب کو حساب کے ضابطہ میں کر لیا گیا ہے) پھر (اس کے بعد اپنے متعین وقت پر) سب (انسان، جاندار اور پرند جن کا ذکر ہوا) اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے۔

فائدہ: اور شیخین یعنی بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اگر دنیا میں سینگ والی بکری نے بغیر سینگ کی بکری کو مارا ہوگا تو قیامت میں اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ اور کمالین میں ابن جریر و ابن المنذر کی روایت سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس کے بعد ان جانوروں کو حکم ہوگا کہ مٹی میں مل جاؤ، اس وقت کافر تمنا کرے گا ﴿يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا﴾ یعنی کاش میں بھی مٹی ہو جاتا۔ چونکہ آیت اجمالی طور پر ﴿يُحْشَرُوْنَ﴾ سے اس حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہے، اس اشارہ کے اعتبار سے تمہید میں مذکور تاکید کے افادہ کے لئے مزید قوت ہوگئی کہ جب غیر مکلّف بھی ایک حد تک جزا سے مستثنیٰ نہیں تو تم جو مکلّف ہو پھر تمہیں کون چھوڑ دے گا، اس طرح مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا انکار کرنے والوں پر پوری حجت ہوگئی۔ اور جاننا چاہئے کہ اس حدیث کے مضمون سے جانوروں اور پرندوں کا مکلّف ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ

یہ بدلہ، اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی وجہ سے نہیں ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے لئے ان کے اعمال میں برابری کا محفوظ رہنا دکھایا جائے گا، اور تمہید میں جو "بعض حکمتوں" کا لفظ مبہم ہے، برابری کے اس اظہار سے اس کی تفسیر کرنا ممکن ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں، وہ تو بہرے اور گونگے ہو رہے ہیں، طرح طرح کی ظلمتوں میں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں بے راہ کردیں، اور جس کو چاہیں سیدھی راہ پر لگادیں۔

ربط: اوپر ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ ﴾ اور ﴿ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ ﴾ میں صبر و تسلی فرمائی گئی ہے، اب بھی اسی کی تاکید اسی غرض سے ہے، چنانچہ پہلے فقرہ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا ﴾ میں ﴿ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ ﴾ کی اور دوسرے اور تیسرے فقروں میں ﴿ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ﴾ کی اور ﴿ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ ﴾ میں ﴿ لَوْ شَآءَ ﴾ کی تاکید ہے۔

گذشتہ صبر اور تسلی کے مضمون کی تاکید:

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، وہ تو (حق سننے سے) بہرے (جیسے) اور (حق کہنے سے) گونگے جیسے ہو رہے ہیں (اور اس بہرے اور گونگے ہونے سے) طرح طرح کی ظلمتوں میں (گرفتار) ہیں (کیونکہ ہر کفر ایک ظلمت و تاریکی ہے، ان کا منہ پھیرنا جو کہ بہرے اور گونگے ہونے کا حاصل ہے ایک کفر ہے، ان کا کفریات بکنا جو کہ گونگے ہونے سے مقصود ہے، ایک کفر ہے۔ اور یہ (کفر بکنا) خود متعدد مرتبے ہوتے ہیں، اس لئے بہت سی ظلمتیں ہوگئیں۔ مطلب یہ کہ قبولیت کے لئے تو سننے کی ضرورت ہے جیسا کہ اوپر کہا گیا ﴿ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ ﴾ الخ اور ان کا یہ حال ہے تو پھر ان سے قبولیت کی توقع کیسے ہوسکتی ہے؟ بلکہ لازمی طور پر ظلمات ہی میں مبتلا ہوں گے، پھر یہ کہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں (حق سے منہ پھیرنے کی وجہ سے) بے راہ کردیں، اور وہ جس کو چاہیں (اپنے فضل سے دین حق کی) سیدھی راہ پر لگادیں (جیسا کہ اوپر بھی کہا گیا ہے ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ ﴾۔ لہٰذا ایسی حالت میں ان کی فکر میں پڑنا بے سود ہے، اللہ کے حوالہ کردینا چاہئے)

﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: آپ کہئے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو۔ بلکہ خاص اسی کو پکارنے لگو پھر جس کے لئے تم پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن

جن کو تم شریک ٹھیراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ۔

ربط: سورت کے شروع میں توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کیا گیا تھا، اب پھر اسی مضمون کی طرف ایک خاص طریقہ سے لوٹ رہے ہیں کہ خود مشرکوں سے بعض سوالات کئے جاتے ہیں، جن کے جواب سے شرک باطل ہو جائے گا، جن میں پہلا سوال یہی پہلی آیت ہے۔ اور دوسرا ﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ ﴾ الخ آگے آتا ہے اور درمیان میں پہلے سوال کے مقصود کی تاکید اور قریب کرنے کا مضمون ہے جیسا کہ اگلے ربط میں اس کا بیان آئے گا۔

بہ عنوان شرک کو باطل کرنا اور توحید کی طرف لوٹنا:

آپ (ان مشرکوں سے) کہئے کہ (اچھا) اپنا (یہ) حال تو بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی (ایسا) عذاب آ پڑے (جیسا پہلی امتوں پر پانی یا ہوا یا آگ یا مٹی میں دھنس جانے وغیرہ کی شکل میں آیا تھا) یا تم پر قیامت ہی آ جائے (جس میں طرح طرح کی ہولناکیاں ہوں گی) تو کیا (اس عذاب اور ہولناکی کو ہٹانے کے واسطے اس وقت اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم (اس کی خدائی میں دوسروں کو شریک کرنے کے دعوی میں) سچے ہو (تو اس وقت بھی اللہ کے سوا اور دوسروں کو ہی پکارنا چاہئے، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا) بلکہ (اس وقت تو) خاص اس کو پکارنے لگو جیسا کہ اس سے کم مصیبت میں روزانہ ہوتا ہے) پھر جس (آفت کے ہٹانے) کے لئے تم (اس کو) پکارو، اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے (اور نہ چاہے تو نہ بھی ہٹائے) اور جن جن کو تم (اب اللہ کی خدائی میں) شریک ٹھہراتے ہو (اس وقت) ان سب کو بھول جاؤ (لہٰذا اسی سے سمجھ لو کہ جب اللہ کے سوا کوئی قادر و مختار نہیں تو عبادت کا مستحق بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا)

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ اگر چاہے ہٹا دے، تو دوسرے دلائل سے معلوم ہو گیا ہے کہ دنیاوی عذاب میں تو دونوں احتمال ہیں، اور قیامت کے احوال میں طول موقف یعنی زیادہ مدت تک ٹھہرے رہنا شفاعت کبری سے موقوف ہو جائے گا، اور یہ شفاعت کبری وہاں ٹھہرنے والوں کی درخواست پر ہوگی، اور کسی سے یہ کہنا کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو یہ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کا ایک طریقہ ہے، لہٰذا اس طویل مدت کا موقوف ہونا اس طرح لوگوں کی دعا کا اثر ہوا۔

اب یہ شبہ نہ رہا کہ قیامت کے قریب حالات کے بدلنے میں ان لوگوں کی دعا کا کیا دخل ہوگا؟ اور آخرت کے دوسرے عذاب کفار سے نہ ٹلیں گے اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ حجت میں مقدمات مسلم ہونے چاہئیں، یہ مشرک خود قیامت کے ہی کب قائل تھے؟ جواب یہ ہے کہ حجت قیامت کے واقع ہونے کو قرار نہیں دیا گیا، بلکہ اس کے واقع ہونے کو فرض کر کے کیا گیا ہے، اور فرض کر لینا ہر ممکن کا ممکن ہے، اور ان کے دعوی کو باطل قرار دینے کے لئے یہ فرض کر لینا بھی کافی ہے، کیونکہ ہلکی آفتوں میں ان کا مخلص ہو جانا، انہیں اس جواب کی گنجائش نہیں دیتا کہ ہاں ہم اس وقت اپنے معبودوں کو پکاریں گے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے اور امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے ہو چکی ہیں، پیغمبر بھیجے تھے۔ سو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جاویں۔ سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے، لیکن ان کے قلوب تو سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کر کے دکھلاتا رہا۔ پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے، یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

ربط: اوپر مشرکوں پر عذاب کا واقع ہونا فرض کر کے اس کی بنیاد پر ان کے شرک کے دعوی کو باطل کیا گیا تھا، اب اس فرض کا ناممکن نہ ہونا ثابت کرنے کے لئے بعض گذشتہ امتوں کا عذاب میں مبتلا اور ہلاک ہونا بیان فرماتے ہیں، تا کہ مخاطبین کو اس فرض کرنے کو غلط کہنے کی گنجائش نہ ہو، اور اس ہلاکت کا ذکر بھی ایک خاص طریقہ سے فرمایا ہے، جس سے اس وقت موجود کفار کے انکار کے منشا کا جواب بھی ساتھ ساتھ ہو جائے، کیونکہ انکار کا بڑا منشا یہ ہوتا ہے کہ بعض مصائب آ آ کر ٹل جاتے ہیں تو نادان کو دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہ اعمال کی سزا نہ تھی ورنہ ٹلتی نہیں، اس لئے سنا دیا کہ ان ہلاک ہونے والوں کی پکڑ و گرفت کی ترتیب بھی یہی ہوئی تھی کہ پہلے بلائیں اور آفتیں نازل ہوئیں تا کہ گڑگڑائیں، دعائیں کریں، پھر درجہ بدرجہ نعمتیں نازل فرمائی گئیں، جب خوب کفر بڑھ گیا تو پھر ہلاک کر دیئے گئے، اس طرح تم بعض بلاؤں اور آفتوں کے ٹلنے سے دھوکہ مت کھانا۔

بعض گذشتہ کافروں کے عجیب ترتیب سے ہلاک ہونے کا ذکر:

اور ہم نے دوسری امتوں کی طرف بھی جو کہ آپ سے پہلے (زمانہ میں) ہو چکی ہیں، پیغمبر بھیجے تھے (مگر انھوں نے ان پیغمبروں کو نہ مانا) تو ہم نے انہیں (اس جھٹلانے پر) تنگ دستی اور بیماری سے پکڑا تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں (اور اپنے کفر اور جھٹلانے سے توبہ کر لیں) تو جب ان کو ہماری (طرف سے) سزا پہنچی تھی تو وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے (کہ ان کا جرم معاف ہو جاتا) لیکن ان کے دل تو (ویسے ہی) سخت (کے سخت) ہی رہے اور شیطان ان کے (گذشتہ کفریہ) اعمال کو ان

کے خیال میں (بدستور) سجا سنوار کر (اور مستحسن کر کے) دکھا تا رہا، پھر جب وہ لوگ (بدستور) ان چیزوں کو بھولے (اور چھوڑے) رہے، جن کی ان کو (پیغمبروں کی جانب سے) نصیحت کی جاتی تھی (یعنی ایمان اور طاعت کی) تو ہم نے ان پر (عیش وعشرت کے اسباب کی قسم سے) ہر چیز کے دروازے کھول دیئے (یعنی خوب نعمت وثروت دی) یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو (نعمت کے سامان واسباب میں سے) ملی تھیں، وہ خوب اترا گئے (اور غفلت اور مستی میں ان کا کفر خوب بڑھ گیا، اس وقت) ہم نے ان کو اچانک (کہ انہیں خیال وگمان بھی نہ تھا) پکڑ لیا (اور شدید عذاب نازل کیا جیسا کہ قرآن کے دوسرے مواقع میں ان قصوں کی تفصیل ہے) پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے (کہ کیا ہوگا) پھر (اس عذاب سے) ظالم (کافر) لوگوں کی جڑ (تک) کٹ گئی (یعنی بالکل ہلاک ہوگئے) اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے (کہ ایسے ظالموں کا پاپ کٹا، جن کے ہونے سے نحوست ہی پھیلتی ہے)

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ اسی طرح یہ مشرک بھی اپنی حالت پر مغرور ہو کر بےفکر نہ رہیں۔

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر ڈالے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ تم کو پھر دیدے، آپ دیکھئے تو ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں، پھر یہ اعراض کرتے ہیں۔

ربط: اوپر جو آیت ﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ﴾ الخ آئی ہے اس کا جو ربط ہے وہی اس آیت کا ہے، جس کی تفصیل گذشتہ آیت کی تمہید میں گذر چکی۔

ایک دوسرے سوال سے شرک کو باطل کرنا:

آپ (ان سے یہ بھی) کہئے کہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ (عذاب نازل نہ فرماتے تو نہ سہی لیکن) تمہاری سننے اور دیکھنے کی قوت بالکل لے لے (کہ نہ تمہیں سنائی دے اور نہ دکھائی دے) اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے (کہ تم دل سے کسی چیز کو نہ سمجھ سکو) تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ (چیزیں) تمہیں پھر دیدے (جب تمہارے اقرار سے بھی کوئی ایسا نہیں پھر کیسے کسی کو عبادت کا مستحق سمجھتے ہو؟) آپ دیکھئے تو ہم کس (کس) طرح (توحید کے) دلائل کو مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں پھر (بھی ان کا یہ حال ہے کہ) یہ (ان دلائل میں غور وفکر کرنے اور ان کے نتیجہ کو تسلیم کرنے سے) بے رخی کرتے ہیں۔

﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: آپ کہیے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے خواہ بے خبری میں یا خبرداری میں تو کیا بجز ظالم لوگوں کے اور کوئی بھی ہلاک کیا جاوے گا؟

ربط: اوپر ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ﴾ اور اس کے بعد والی آیتوں میں جو کہ گذشتہ آیت ﴿اَرَءَيْتَكُمْ﴾ اور بعد والی آیت ﴿اَرَءَيْتُمْ﴾ کی تاکید اور تقریب کے لئے ہیں، گذشتہ امتوں کا ہلاک ہونا ان کی تنبیہ کے قصد سے بیان فرمایا، اب ہلاک ہونے کی علت یعنی ظلم کے اشتراک سے، سوال کے عنوان سے، اس تنبیہ کی اس عذاب کے ان کے ساتھ مخصوص ہونے پر تنبیہ سمیت تصریح ہے۔

مشرکوں کے عذاب پر اور اس کے ان کے ساتھ خاص ہونے پر تنبیہ:

آپ (ان سے) کہیے کہ یہ بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے خواہ بے خبری میں یا خبرداری کی حالت میں تو کیا ظالم (اور کافر) لوگوں کے سوا (اس عذاب اور غضب سے) اور کوئی بھی ہلاک کیا جائے گا (یعنی وہ عذاب ظلم کی وجہ سے کسی اور پر ہوگا؟ جیسا کہ گذشتہ امتوں پر بھی اسی وجہ سے ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ بلکہ لازمی طور پر ظالموں کے ساتھ خاص ہوگا اور ظالم تم ہو تو خاص تم پر ہی پڑے گا اور مومن بچے رہیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ لہٰذا تمہیں متنبہ ہونا چاہئے اور مرگِ انبوہ جشنے دارد (عام مصیبت ایک قسم کا جلسہ، جشن بن جاتا ہے) کا خیال بھی چھوڑ دینا چاہئے۔

﴿ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۞ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۞ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۞ ﴾ ع

ترجمہ: اور ہم پیغمبروں کو صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈراویں پھر جو شخص ایمان لے آوے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے، اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاویں ان کو عذاب لگتا ہے بوجہ اس کے کہ وہ دائرہ سے نکلتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف جو کچھ میرے

پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کر لیتا ہوں، آپ کہئے کہ اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ سو کیا تم غور نہیں کرتے؟ اور ایسے لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت سے جمع کئے جائیں گے کہ جتنے غیر اللہ ہیں نہ کوئی ان کا مددگار ہو گا اور نہ کوئی شفیع ہو گا۔ اس امید پر کہ وہ ڈر جاویں۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ ﴾ الخ میں کفار کی فرمائش پر معجزوں کی ضرورت نہ ہونے کے ضمن میں رسالت کے مسئلہ کی تحقیق تھی، جیسا کہ وہاں ذکر ہوا۔ اب رسالت کے منصب کے لئے لازمی امور کے بعد مطلق ثبوت کی تبلیغ ہے اور جو لازم نہیں یعنی تمام فرمائشوں کا پورا کرنا ان کے بیان کرنے سے اسی مجموعی مضمون کی کسی قدر تفصیل مقصود ہے۔

رسالت کے لئے لازم اور غیر لازم امور:

اور ہم پیغمبروں کو (جن کی پیغمبری کو قطعی دلیلوں سے ثابت کر چکے ہیں، امتوں کی طرف) صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ (ایمان اور اطاعت کی راہ اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی) بشارت دیں اور (کفر اور معصیت کی راہ اختیار کرنے والوں کو اللہ کی ناراضی سے، جس پر کبھی دنیا میں بھی اور آخرت میں ہمیشہ عذاب ہوتا ہے) ڈرائیں (اور اس لئے نہیں بھیجتے ہیں کہ جو کچھ بھی ان سے فضول اور لغو فرمائشیں کی جائیں، وہ سب کو پورا کریں، جیسا کہ یہ منکر لوگ محض عناد کی غرض سے درخواست کرتے ہیں) پھر (ان پیغمبروں کی بشارت اور ڈرانے کے بعد) جو شخص ایمان لے آئے اور (اپنی حالت کو اعتقاد اور عمل کے اعتبار سے) درست کرے تو ان لوگوں پر (آخرت میں) کوئی اندیشہ (کی بات ہونے والی) نہیں (اگرچہ یہ لوگ ایمان کے تقاضہ سے اللہ تعالیٰ سے خوف کیا کرتے ہیں) اور وہ (وہاں) رنجیدہ نہ ہوں گے اور جو لوگ (اس بشارت اور ڈراوے کے بعد بھی) ہماری آیتوں کو جھوٹا بتائیں، ان کو اس وجہ سے (کبھی تو دنیا میں بھی اور آخرت میں تو ضرور ہی) عذاب ہونا ہے اس لئے کہ وہ (ایمان کے) دائرہ سے نکلتے ہیں (یعنی پیغمبروں کا اصل کام اور اس کام کا نتیجہ یہ ہے، نہ کہ تمام فرمائشوں کا پورا کرنا، لہٰذا اسی قاعدہ کے مطابق یہ رسول بھی ہیں) آپ (ان لوگوں سے یہ قاعدہ سنانے کے بعد) کہہ دیجئے کہ (میں جو رسالت کا دعویٰ کرتا ہوں تو اس کے ساتھ) نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس (یعنی میری قدرت واختیار اور ملکیت میں) اللہ تعالیٰ کی (تمام قوتوں وقدرتوں) کے خزانے ہیں (کہ جب مجھ سے کسی امر کی فرمائش کی جائے، اس کو اپنی قدرت سے ظاہر کر دوں) اور نہ میں (یہ کہتا ہوں کہ میں) تمام غیبی امور کو (جو کہ اللہ کی خاص معلومات ہیں) جانتا ہوں (جیسا کبھی کبھی عناد ودشمنی کی غرض سے اس قسم کی باتیں پوچھتے ہو مثلاً قیامت کب آئے گی؟) اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں (جیسا کہ کبھی عناد کے طور پر یہ کہتے ہو ﴿ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ رسول تو فرشتہ ہونا چاہئے تو میں تو رسالت کے ساتھ ملکیت کا مدعی نہیں ہوں) میں صرف (دلیل سے ثابت رسالت والا رسول ہوں، میرا کام تو اتنا ہے کہ) جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے (جس

میں خود عمل کرنا بھی آ گیا اور دوسروں کو تبلیغ کرنا بھی) اس کا اتباع کر لیتا ہوں (جیسا کہ دوسرے پیغمبروں کا بھی یہی قاعدہ تھا۔ پھر رسالت کے ثبوت کے بعد یہ مہمل باتیں میرے سامنے کیوں پیش کیے جاتے ہو؟) آپ (یہ تقریر دل پذیر سنانے کے بعد ان سے) کہیے کہ (یہ تو ظاہر ہے:) کیا اندھا اور بینا کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ (جب یہ بات طے ہے) تو کیا تم (آنکھوں والا بننا نہیں چاہتے اور اس مذکورہ تقریر میں حق طلب کرنے کی غرض سے کامل) غور نہیں کرتے؟ تا کہ حق واضح ہو جائے اور آنکھوں والوں میں داخل ہو جاؤ، ورنہ یاد رکھو کہ اندھے ہی بنے رہو گے) اور (اگر اس پر بھی عناد سے باز نہ آئیں تو ان سے بحث و مباحثہ بند کر دیجئے اور رسالت کا جو اصلی کام ہے یعنی تبلیغ، اس میں مشغول ہو جایئے اور) ایسے لوگوں کو (کفر اور معصیت پر عذاب الٰہی سے خاص طور سے ڈرایئے جو اعتقاد سے یا احتمال کے طور پر) اس بات سے اندیشہ رکھتے ہیں کہ (قیامت میں) اپنے رب کے پاس (قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جانے کے بعد) ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ اللہ کے سوا جتنے (ان کے زعم میں مددگار اور مستقل شفاعت کرنے والے سمجھے جاتے) ہیں (اس وقت) نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی (مستقل) شفیع ہوگا (اور ایسے لوگوں کو) اس امید پر (ڈرایئے) کہ وہ (عذاب سے) ڈر جائیں (اور کفر و معصیت سے باز آ جائیں، کیونکہ نہ ڈرنا کسی ولی شفیع کے بھروسہ پر ہوتا ہے اور وہ موجود نہیں ہے)

فائدہ: حشر سے متعلق عقیدہ رکھنے والے کل تین طرح کے آدمی ہیں: ایک وہ جو پورے یقین کے ساتھ اس کے ثبوت کا عقیدہ رکھتے ہیں، دوسرے وہ جو شک میں مبتلا ہیں، آیتوں میں انہی دونوں جماعتوں کا ذکر ہے، جن کی طرف احقر نے ترجمہ کی تقریر میں 'اعتقاد کے اعتبار سے یا احتمال کے طور پر' سے اشارہ کیا ہے، تیسری طرح کے آدمی وہ ہیں جو بالیقین اس کے منکر ہیں، اور انداز اگرچہ ان کے لئے بھی عام ہے جیسا کہ دوسری آیتوں میں تصریح ہے، لیکن یہاں مطلق ڈرانا مراد نہیں ہے، بلکہ وہ ڈرانا مراد ہے جس میں خاص اہتمام ہو تو یہ وہاں ہی ہوگا جہاں نفع یقینی یا متوقع ہو جیسا کہ پہلی اور دوسری قسم کا حال ہے۔

اس تیسری قسم کو نفع کی توقع نہ ہونے کی وجہ سے ان کو ڈرانا محض حجت پوری کرنے کے لئے ہوگا، ان میں عناد کی وجہ سے توجہ کی قابلیت ہی نہیں ہے، اس لئے یہاں پہلی دو قسموں کی تخصیص ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ ﴾: الخ اور احقر نے ترجمہ میں جو لفظ ''خاص'' کہا ہے اس سے اسی تقریر کی طرف اشارہ ہے۔

اور اللہ کے علاوہ کی ولایت اور شفاعت کی نفی کا ثبوت دو طرح سے ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ ان کا کوئی ولی اور شفیع نہ ہو، یہ تو کفار کے لئے ہوگا، دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کا ولی اور رسول اور دیگر مقبول لوگ ان کے شفیع ہوں، مگر اللہ کے علاوہ کوئی نہ ہو، یہ مسلمانوں کے لئے ہوگا اور ولی میں تو غیر اللہ نہ ہونا ظاہر ہے اور شفیع میں مراد یہ ہے کہ علاوہ اللہ کے حکم سے نہ ہو، چنانچہ مؤمنوں کے لئے شفاعت اذن سے ہوگی، اس طرح ''اس کے علاوہ'' میں دونوں شامل ہیں یعنی اس کی ذات کے

علاوہ بھی اور اس کے اذن کے علاوہ بھی۔ غرض غیر اللہ کی ولایت اور غیر مؤمنوں کے لئے شفاعت کی مطلقاً نفی ہے اور اللہ کی ولایت اور مقبول حضرات کی شفاعت مؤمنوں کے لئے ثابت ہے۔

اور آیت میں تین امر کی نفی کی گئی، خزانوں پر قدرت کی اور علم غیب اور ملکیت کی۔ اس کی ایک توجیہ طلب کی ہوئی نشانیوں کا جواب ہے، یہ ترجمہ کی تقریر میں مذکور ہے، اور ایک آسان توجیہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے مقصود کفار کے محال سمجھنے کو دور کرنا ہے یعنی تم جو نشانیاں طلب کر کے میری رسالت کو جھٹلاتے ہو یہ محض بے معنی ہے، جس رسالت کا میں مع دلیل دعوی کرتا ہوں یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے، کسی عجیب وغریب امر مثلاً مذکورہ قدرت، اور علم اور ملکیت کا تو میں دعوی نہیں کر رہا ہوں جو اس کو محال سمجھ کر اس کا انکار کرتے ہو، جیسا کہ سورۂ ہود آیت ۳۱ میں حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے:

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ﴾ الخ

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح وشام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں، ان کا حساب ذرا بھی آپ کے متعلق نہیں اور آپ کا حساب ذرا بھی ان کے متعلق نہیں کہ آپ ان کو نکال دیں ورنہ آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے، اور اسی طور پر ہم نے ایک کو دوسروں کے ذریعہ سے آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ لوگ کہا کریں کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے، کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے۔ اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے، کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح رکھے تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں، بڑی رحمت والے ہیں، اور اسی طرح ہم آیات کو تفصیل کرتے رہتے ہیں اور تاکہ مجرمین کا طریقہ ظاہر ہو جاوے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں رسالت کے منصب کے لئے لازمی امر کہ تبلیغ ہے، اوپر فائدہ کے تحت مذکورہ تین قسم کے

آدمیوں میں سے عناد رکھنے والوں کے لئے زیادہ فکر میں نہ پڑنے، بلکہ عام طور سے ڈرانے پر اکتفا کرنے اور شک وتردد میں مبتلا لوگوں اور طلب حق والوں پر خاص توجہ رکھنے کا ذکر تھا۔ اب صرف طلب حق والوں کے حال پر اس مذکورہ مشترک توجہ سے بھی زیادہ خاص توجہ فرمانے کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ چنانچہ عناد رکھنے والوں کے لئے تو تبلیغ عام ہوئی اور شک کرنے والوں کے لئے خاص اور طلب حق والوں کے لئے خاص الخاص، سبحان اللہ! کیا حکیمانہ عدل وانصاف ہے!

اور ان آیتوں کے نزول کا سبب یہ ہوا تھا کہ قریش کے بعض رئیس کافروں نے بعض غریب صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا دیکھ کر حقارت کے ساتھ کہا تھا: اھؤلاء منّ اللہ علیه من بیننا: یعنی کیا ہم سب میں سے یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے؟ اور آپ سے کہا کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنا گوارا نہیں کرتے، اگر آپ ان کو ہٹا دیں تو ہم آپ کے پاس آیا کریں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان سب نے یہ درخواست آپ کے چچا ابوطالب کے واسطہ سے بھی پیش کی، تب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایسا بھی کر کے دیکھیں کہ ان کا کیا مقصود ہے؟ یعنی یہ راہ پر آتے ہیں یا نہیں، اور بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے یہ درخواست کی تھی کہ جس وقت ہم آیا کریں، اس وقت یہ لوگ اٹھ جایا کریں، اور جب ہم چلے جایا کریں اس وقت یہ آجایا کریں، اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ اگر آپ ان کو ہٹا دیں تو عجب نہیں کہ ہم آپ کا اتباع کرلیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس درخواست کو منظور بھی فرمالیا، اگرچہ عمل نہیں ہوا کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں جو ایک روایت کے مطابق ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ ﴾ سے شاکرین تک ایک روایت کے مطابق ﴿وَاَنْذِرِ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ﴾ سے ﴿الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ تک۔ اور ایک روایت کے مطابق وأنذر الذین سے شاکرین تک، اور ایک روایت کے مطابق وأنذر الذین سے بالظالمین تک ہے۔

ان سب روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، راویوں کے اجتہاد کے اختلاف سے ایسا ہونا سہل ہے، جبکہ اصل مقصود کے لئے کوئی حصر نہیں اور ممکن ہے کہ درجہ بدرجہ سب کا نزول ہوا ہو، کسی نے بعض اجزا کو بیان کردیا، کسی نے مجموعہ کو۔

غرض جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی رائے کے سلسلہ میں اظہار ومعذرت کیا، اس پر ﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ ﴾ الخ نازل ہوئی جن میں توبہ کی قبولیت کی بشارت ہے، جیسا کہ فرمایا ﴿مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ ﴾ الخ اور حضور ﷺ نے ان غریبوں کو بلایا اور ان کے آنے پر فرمایا: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ یہ روایتیں لباب اور روح المعانی میں ابن حبان، حاکم، احمد، طبرانی، ابن ابی حاتم، ابن جریر، ابوالشیخ، بیہقی اور ابن المنذر سے مختلف سندوں سے منقول ہیں۔

آگے آیت ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ ﴾ سے آخر تک کی مناسبت تو شان نزول سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو ہٹانے کی ممانعت اور ان کے ساتھ نرمی اور لطف ومہربانی کے برتاؤ کا حکم اور اس سلسلہ میں درخواست کرنے والوں کی مذمت ان

آیتوں کے مضامین ہیں، لیکن اگر آیت ﴿ وَاَنْذِرْ بِهِ ﴾ بھی اسی قصہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے تو قصد سے اس کی مناسبت اس طرح ہے کہ اس کا مقصد آپ کو یہ بتانا ہے کہ آپ کو جو اس درخواست کی منظوری کا خیال ہوا تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کو خاص اہتمام کے ساتھ تبلیغ کی جائے گی تو ایسی تبلیغ چونکہ عناد رکھنے والوں کے لئے مفید نہیں ہے، اس لئے اس کو منظور کرنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف عام تبلیغ جو کہ حجت پوری کرنے کی غرض سے نبوت کے لئے لازمی ہے، کافی ہے، تو وہ مقصد خاص مجلس کے بغیر بھی حاصل ہے اور خاص تبلیغ کا محل صرف اللہ سے ڈرنے والے ہیں خواہ وہ پورے یقین اور عقیدہ کے ساتھ ڈرتے ہوں یا شک وشبہ کی بنیاد پر، اس لئے آپ ان کی اس درخواست پر توجہ مت دیجئے، اس بیان سے مناسبت کی وجہ خوب ظاہر ہوگئی۔

اس طرح آگے آنے والی آیت ﴿ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ ﴾ الخ کی مناسبت اس معنی میں ہوگی کہ جب ﴿ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ ﴾ اور ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ ﴾ سے معلوم ہوگیا کہ خاص اور خاص الخاص تبلیغ کے محل اللہ سے ڈرنے والے اور ایمان لانے والے ہیں نہ کہ عناد رکھنے والے تو بس ان عناد رکھنے والوں کی اتنی زیادہ رعایت ضروری نہیں، بلکہ ان کے لئے عام تبلیغ کافی ہے جو ﴿ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ ﴾ الخ کی دلالت ہے، یعنی ان سے صرف توحید ورسالت کے ایسے مضامین کے متعلق جو ﴿ اِنِّیْ نُهِیْتُ ﴾ الخ اور ﴿ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ ﴾ الخ کی دلالت میں زبانی کہہ دینا کہ مطلق قل کے مصدر قولی کا مصداق ہے، کافی ہے۔ اس بیان سے ﴿ وَاَنْذِرْ بِهِ ﴾ سے ﴿ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ تک ایک ہی مضمون تمام اجزا سے مل گیا، والحمد للہ علی ما علّم وافہم۔

اور جاننا چاہئے کہ اس منظوری سے آپ کی شان معصومیت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ آپ کی منظوری کی بنیاد ان غریب مسلمانوں کی تحقیر نہیں تھی، بلکہ ہدایت کی امید پر ان رئیسوں کی تالیف قلب مقصود تھی، اور خود صحابہ کو بھی یہ بات معلوم تھی، اس لئے ان کی دل شکنی بھی نہیں ہوئی تھی، بہرحال یہ آپ کا اجتہاد تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس اجتہاد پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ خود حق تعالیٰ عالم الغیب ہے، اسے معلوم ہے کہ یہ تدبیر نفع بخش نہیں ہوگی۔

اور ﴿ لَا تَطْرُدِ ﴾ کے الفاظ کے استعمال سے ان کو دور کرنے یا دور کرنے کے ارادہ کا شبہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ ممانعت کام کرنے سے پہلے بھی ہوتی ہے۔ رہا ارادہ کا احتمال تو رئیسوں کے لئے مجلس کو خاص کرنے کو مجازی طور پر دور کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ نہی اس امر سے ہوتی ہے جس کے واقع ہونے کا احتمال ہو، لہٰذا اس سے احتمال کا کم سے کم درجہ تو ثابت ہوا۔ جواب یہ دیا کہ یہ حقیقی معنی پر محمول نہیں کہ اس کا احتمال ہو، بلکہ لا تطرد رئیسوں کی مجلس کی تخصیص سے مجاز ہے۔

طالبینِ حق کو مزید الطاف کے ساتھ خاص کیا جائے:

اور ان لوگوں کو (اپنی مجلس سے) دور نہ کیجئے (یعنی اگرچہ آپ کی نیت مجلس سے نکالنے اور دور کرنے کی نہ ہو، مگر ان

رئیسوں کی درخواست پر کسی خاص وقت پر ان کی علاحدگی تجویز فرمانا ایسا ہی ناپسند ہے جیسے دور کردینا یا نکال دینا، لہٰذا ان لوگوں کو علاحدہ نہ کیجئے) جو صبح وشام (یعنی ہمیشہ) اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، جس سے خاص اس کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں (اور مال و دولت یا جاہ و مرتبہ کی کوئی غرض نہیں رکھتے، یعنی ان میں عبادت کے ساتھ اخلاص کی صفت بھی ہے اور یہ مجموعہ الطاف کا تقاضا کرتا ہے، اور اگرچہ آپ کو ہر عبادت میں ان کے باطنی اخلاص کا ہر وقت علم نہ ہو جو اکرام کے مقتضی کا جز ہے، مگر ان کا عبادت گذار ہونا تو امر ظاہر اور معلوم ہے، اور عبادت میں اصل چیز اخلاص ہے، لہٰذا جب تک عدم اخلاص کی کوئی دلیل قائم نہ ہو، اخلاص ہی کا گمان رکھنا چاہیئے اور) ان (کے باطن) کا حساب (اور تفتیش) ذرا بھی آپ سے متعلق نہیں ہے، اور (ان کے باطن کی تفیش کا آپ سے متعلق نہ ہونا ایسا یقینی ہے، جیسا کہ) آپ (کے باطن) کا حساب (اور تفتیش) ذرا بھی ان سے متعلق نہیں (غرض ان کے باطن کی تفتیش آپ سے قطعاً متعلق نہیں) کہ آپ ان کو نکال دیں (یعنی اگر ان کے باطن کی تفتیش آپ سے متعلق ہوتی تو اخلاص کے ثابت ہونے سے پہلے یا اخلاص ثابت نہ ہونے کے بعد انہیں دور کرنے کی گنجائش تھی، یعنی انہیں مجلس سے نکالنے کا متقاضی صرف ایک یہ امر ہوسکتا تھا جو یقیناً منفی ہے، اور ان کی غریبی جو درخواست کرنے والوں کے نزدیک دور کرنے کا سبب ہے، وہ اصلاً سبب ہی نہیں، پھر ان کو نکالنے میں جواز کا احتمال ہی نہیں، اور چونکہ آپ تربیت کرنے والے ہیں، اس لئے تربیت کرنے والے کو اپنے ماتحت لوگوں کی تفتیش کرنے کا اپنے آپ میں احتمال تھا، جبکہ اس کے برخلاف امر یقیناً منفی ہے، اس لئے احتمال کو یقین کے ساتھ برابر قرار دے کر اس کی نفی کی گئی کہ وہ بھی یقیناً منفی ہوجائے) ورنہ (ایسی حالت میں ان کو علاحدہ کرنے سے) آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہوجائیں گے اور (ہم نے جو ان مؤمنوں کو غریب اور ان کافروں کو رئیس بنادیا ہے جو کہ قیامت کے ظاہری تقاضہ سے بعید ہے تو) اس (عجیب) طریقہ سے ہم نے (ان میں سے) ایک (یعنی کفار) کو دوسرے (یعنی مؤمنوں) کے ذریعہ آزمائش میں ڈال رکھا ہے (یعنی اس میں حکمت کفار کا امتحان و آزمائش ہے) تا کہ یہ (کافر) لوگ (ان مؤمنوں کی نسبت) کہا کریں (کیا کہنے، کیا ہم سب میں سے (ان کو منتخب کرکے) اللہ تعالیٰ نے انہی پر (اپنا) فضل کیا ہے؟ (جیسا کہ یہ کہتے ہیں: من اللہ علی المؤمنین: یعنی یہ جو اسلام کو اللہ کا فضل سمجھ کر خود کو اس کا مستحق قرار دیتے ہیں، کہ اللہ کا فضل بھی ایسے ننگے بھوکوں پر بے سروسامانی بظاہر غیر مقبول ہونے کی علامت ہے، یعنی نہ اللہ نے ان پر فضل کیا اور نہ ہی اسلام کوئی فضل ہے۔ ورنہ ان پر کیوں ہوتا کہ اس کے مستحق تو ہم تھے کہ ہماری خوشحالی اللہ کے نزدیک محبوب ومقبول ہونے کی علامت ہے، اور کافروں کا یہ غلط خیال مؤمنوں کے فقر وفاقہ اور اپنی دولت وثروت اور عزت و مرتبہ کی وجہ سے پیدا ہوا، اس طرح دونوں حالتوں کا کفار کے لئے امتحان کا ذریعہ ہونا ظاہر ہوگیا، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو تو پہلے ہی سب کا علم ہے، اس کو امتحان دوسرے اعتبار سے کہہ دیا گیا، آگے ان کے اس طعن کا جواب ہے کہ) کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناس لوگوں کو خوب جانتے ہیں (ان غریبوں نے انعام دینے والی اصل ذات، اللہ تعالیٰ کا حق پہچانا اور حق کی

طلب میں لگ گئے، اس لئے دین حق اور اللہ کے نزدیک محبوبیت ومقبولیت سے نوازے گئے اور ان رئیسوں نے ناشکری کی، اس لئے اس نعمت سے محروم رہے، اصل مدار اس پر ہے، اس میں مسکینی اور ریاست کو کوئی دخل نہیں ہے) اور (اے محمد ﷺ جب یہ غربا ایسے ہیں کہ عبادت کرنے والے بھی ہیں اور مخلص بھی ہیں تو) جب یہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو کہ مذکورہ بالا صفات کے ساتھ یہ صفت بھی رکھتے ہیں کہ) ہماری آیتوں پر (پورا) ایمان (بھی) رکھتے ہیں تو بشارت سنانے کے لئے ان سے) یوں کہہ دیجئے کہ (ایک تو) تم پر (اللہ کی طرف سے ہر طرح کی آفتوں سے جو کافروں پر آخرت میں پڑیں گی) سلامتی (اور امن) ہے (اور دوسرے) تمہارے رب نے (اپنے فضل اور وعدہ سے تمہارے حال پر) مہربانی فرمانا اور تمہیں نعمتیں دینا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے (اور وہ مہربانی یہ ہے کہ جو شخص پہلے سے فرماں بردار ہے، وہ تو کھلا ہوا ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا یہاں تک فضل ہے) کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے (جو کہ) جہالت کی وجہ سے ہو جاتا ہے، کیونکہ حکم کی خلاف ورزی کرنا عملی جہالت ہے، مگر) پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور (آئندہ کے لئے اپنے اعمال کی) اصلاح رکھے (اس میں یہ بھی آ گیا کہ اگر وہ توبہ ٹوٹ جائے تو پھر توبہ کر لے) تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ (اس کے لئے بھی) بڑے مغفرت کرنے والے ہیں (کہ آفتوں اور معصیت کی عقوبتوں سے بھی محفوظ رکھیں گے اور) بڑے رحمت کرنے والے ہیں (کہ طرح طرح کی نعمتیں دیں گے) اور (جس طرح ہم نے اس مقام پر مؤمنوں اور کفار کے حال اور انجام کی تفصیل بیان کر دی) اسی طرح ہم آیتوں کی (جو کہ دونوں فریقوں کے حال اور انجام پر مشتمل ہوں) تفصیل بیان کرتے رہتے ہیں (تاکہ مؤمنوں کا طریقہ بھی ظاہر ہو جائے) اور تاکہ مجرموں (یعنی کفار) کا طریقہ (بھی) ظاہر ہو جائے (اور حق وباطل کے واضح ہونے سے حق طلب کرنے والے کو اس کو سمجھنا اور پہچاننا آسان ہو جائے)

آیت میں چند سوال ہیں:

پہلا سوال: یہ کہ جب آپ نے مؤمنوں کو نہیں بھگایا اور نہ ہی اس کا ارادہ فرمایا جیسا کہ تمہید میں بیان ہوا تو پھر اس آیت میں ممانعت کیوں فرمائی؟

جواب: مصلحت کے طور پر علاحدگی کو مجاز کے طور پر علاحدگی فرما دیا، جیسا کہ ترجمہ کے دوران میں اس مجاز کی وضاحت بھی کر دی ''ایسا ہی ناپسند ہے الخ''

دوسرا سوال: جب علاحدگی سے یہ مجازی علاحدگی مراد ہے تو یہ تو ظلم نہ تھا، پھر ﴿ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِينَ ﴾ یعنی آپ نامناسب کام کرنے والوں میں ہو جائیں گے، کیوں فرمایا؟

جواب: ظلم کے لغوی معنی یہ ہیں: وضع الشیء فی غیر محلہ: یعنی کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا، اس لئے اس میں خلاف اولیٰ بھی شامل ہے، چنانچہ ترجمہ کے دوران ''نامناسب کام'' سے اس طرف اشارہ ہے۔

تیسرا سوال: ﴿ فَتَنَّا ﴾ یعنی ہم نے آزمائش فرمائی کی علت ﴿ لِيَقُولُوٓا ﴾ تاکہ وہ 'کہیں' فرمایا تو کیا اللہ تعالیٰ کے

نزدیک کفار کا ایسا کلمہ کہنا مقصود ہے؟

جواب: ہاں! مقصود تکوینی ہے، کیونکہ قبیح امور کے پیدا کرنے میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں، چنانچہ اس مقام پر امتحان ہی ایک حکمت ہے۔

چوتھا سوال: آپ کو حکم ہوا ہے کہ جب اہل ایمان آئیں تو یوں کہیے ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ﴾ الخ تو کیا آپ ہر حاضری پر ایسا فرماتے تھے؟

جواب: لفظ ''إذا'' یعنی ''جب'' عموم کے لئے نہیں ہے، اس لئے ہر بار فرمانا ضروری نہیں اور جب حاضری کے وقت آیت سنادی تو اس حکم پر عمل ہو گیا، اور آیت کا سنانا یقینی ہے۔

پانچواں سوال: کیا جو گناہ جہالت سے نہ ہو، اس سے توبہ نہیں ہوتی، اور اس کی مغفرت نہیں ہوتی؟

جواب: یہ جہالت علمی نہیں عملی ہے جو ہر گناہ کے لئے لازم ہے، جیسا کہ روح میں حسن سے نقل کیا ہے: کل من عمل معصیته فهو جاهل: یعنی ہر وہ شخص جس نے کوئی معصیت کا کام کیا تو وہ جاہل ہے، لہٰذا یہ واقعی قید ہے احترازی یعنی بچاؤ کے لئے نہیں ہے۔

چھٹا سوال: ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت کے لئے توبہ شرط ہے، حالانکہ اہل حق کے نزدیک محض فضل سے بھی مغفرت کا احتمال ہے۔

جواب: اس کی دلالت توبہ کرنے والے کی مغفرت کا ہونا ہے نہ کہ توبہ نہ کرنے والے کی مغفرت کا نہ ہونا ہے، اور بغیر توبہ کے مغفرت دوسرے مطلق نصوص سے ثابت ہے، خوب سمجھ لو۔

﴿ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو اور آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے خیالات کا اتباع نہ کروں گا کیونکہ اس حالت میں تو بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا، آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو ایک دلیل ہے میرے رب کی طرف سے اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو، جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں، حکم کسی کا نہیں، بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا

کرر ہے ہوتو میرا اور تمہارا ابھی قصہ فیصل ہو چکا ہوتا۔ اور ظالموں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ ﴾ میں حضور ﷺ کو ڈر اور خوف رکھنے والوں کے لئے خاص تبلیغ اور ﴿ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ ﴾ میں مؤمنوں کے لئے خاص الخاص تبلیغ کا حکم فرمایا ہے۔ اب عناد رکھنے والوں کے لئے توحید ورسالت سے متعلق عام تبلیغ کا حکم ہوتا ہے، جیسا کہ آیت ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ ﴾ کی تمہید میں بھی اس کی تقریر گذر چکی ہے۔

توحید ورسالت سے عناد رکھنے والوں کو عام تبلیغ کا حکم:

آپ (ان عناد رکھنے والوں سے) کہہ دیجئے کہ مجھے (حق تعالیٰ کی طرف سے) اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جن کی تم اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو (اور ان کے شرک کے طریقہ کے ضلالت وگمراہی اور خواہشات نفس کی اتباع ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے (باطل) خیالات کا (جو عقائد کے سلسلہ میں ہیں) اتباع نہ کروں گا، کیونکہ (نعوذ باللہ اگر میں ایسا کروں تو) اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور (سیدھی) راہ پر چلنے والوں میں (شامل) نہ رہوں گا۔ (اس مضمون کا تو زیادہ تعلق توحید سے تھا، آگے کا مضمون زیادہ رسالت سے متعلق ہے یعنی) آپ (ان سے یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو (اس دین اسلام کے حق ہونے پر) ایک دلیل (کافی موجود) ہے (جو) میرے رب کی طرف سے (مجھے ملی ہے، یعنی قرآن مجید جو کہ میرا معجزہ ہے جس سے میری تصدیق ہوتی ہے) اور تم (بلاوجہ) اس کو جھٹلاتے ہو (اور تم جو اس صحیح دلیل اور معجزہ پر اکتفا نہ کر کے اس کے حق ہونے پر دلالت کرنے کے لئے فوری عذاب کے نازل ہونے کی درخواست کرتے ہو، جیسا کہ دوسری جگہ مذکور ہے ﴿ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (انفال ۳۲) تو اس کا جواب یہ ہے کہ) جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو (یعنی عذاب) وہ میرے پاس (یعنی میری قدرت میں) نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں (چلتا) ہے (اور عذاب کے نازل ہونے کا ابھی ان کا حکم نہیں ہوا ہے، پھر میں اس قرآنی دلیل کے برخلاف کس طرح عذاب دکھا دوں کہ اس کے نازل ہونے کا حکم اللہ کی جانب سے ہو گیا تو میں اس کو دکھا سکتا ہوں) اللہ تعالیٰ واقعی بات کو (دلیل کے ساتھ) بتا دیتا ہے (لہٰذا اتنا تو ضرور ہے کہ قرآنی دلیل سے میری رسالت اور دیگر حق امور کو ثابت کر دیا) اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے (کہ حکمت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، چونکہ ابھی عذاب کے نازل ہونے میں اس کے نزدیک حکمت نہیں ہے، اور چونکہ صحیح دلیل تو ایک بھی کافی ہوتی ہے، اس لئے دلالت کی حیثیت سے اس کی ضرورت نہیں تھی، ورنہ کبھی دلیلوں کا خاتمہ ہی نہ ہو، اس لئے ابھی عذاب کے نزول کا فیصلہ نہیں فرمایا) آپ (اس مضمون کی زیادہ توضیح اور تفصیل کے لئے یہ) کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس (یعنی میری قدرت

میں) وہ چیز ہوتی (یعنی عذاب) جس کا تم تقاضا کر رہے ہوتو (اب تک) میرا اور تمہارا آپس میں (کبھی کا) فیصلہ ہو چکا ہوتا (اس لئے نہیں کہ ان کا ہلاک ہونا رسول اللہ ﷺ کا ذاتی طور پر مقصود تھا، بلکہ اس لئے کہ رسالت اور دین حق کا اثبات مقصود بالذات تھا، اور اس کا یہ طریقہ عناد رکھنے والوں کے نزدیک متعین ہو چکا تھا، اس لئے عذاب نازل کردیا جاتا) اور (تم) ظالموں کو (کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ حکمت کے قریب ہے) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے (ان کے علم میں جب مناسب ہوگا، عذاب نازل ہو جائے گا، خواہ دنیا میں بھی جیسے غزوۂ بدر وغیرہ میں ہلاک کئے گئے، اور خواہ آخرت میں کہ دوزخ میں جائیں گے۔ غرض نہ مجھے اس کی قدرت ہے نہ اس کے مناسب ہونے کا وقت مجھے معلوم ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۞﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کے پاس ہیں خزانے تمام مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا، بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریا میں ہیں۔ اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں۔

ربط: اوپر عذاب کے نازل ہونے کے سلسلہ میں جلد بازی کے جواب میں ﴿خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ﴾ میں مکمل قدرت کا اور ﴿اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ﴾ میں مکمل علم کا خاص ہونا باری تعالیٰ کے مخاطب لوگوں کے اعتبار سے مذکور تھا، اب اس خصوصیت کا تعلق تمام مقدورات اور معلومات کے ساتھ مذکور ہے۔ جس میں سابق مضمون کی تاکید کے ساتھ توحید کا اثبات بھی ہے جو کہ سورۃ کے مقاصد میں سے ہے۔

تام اور عام قدرت و علم باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے:

اور اللہ کے پاس (یعنی اس کی قدرت میں ہیں تمام (ممکن) پوشیدہ اشیا کے خزانے (ان میں سے جس چیز کو جس وقت اور جس قدر چاہیں ظہور میں لے آتے ہیں ﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (الحجر ۲۱) ان اشیا میں عذاب بھی آگیا۔ مطلب یہ کہ کسی اور کو ان پر قدرت نہیں اور جس طرح پوری قدرت ان کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح مکمل علم بھی۔ چنانچہ ان پوشیدہ قدرتوں کے خزانوں) کو کوئی نہیں جانتا، سوائے اللہ تعالیٰ کے اور (اللہ تعالیٰ کا علم ایسا عام ہے کہ) وہ (ان تمام چیزوں کو بھی جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریا میں ہیں، اور کوئی

پتہ (تک درخت سے) نہیں گرتا، مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے، اور کوئی دانہ (تک) زمین کے (اندرونی) تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز جیسے پھل وغیرہ) گرتی ہے مگر یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ کی وجہ سے) کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہیں۔

تفسیر: لوح محفوظ اس میں ہر چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے لکھی ہے، اور ظاہر ہے کہ بغیر علم کے لکھنا ممکن نہیں ہے، لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے علمی احاطہ میں ہیں، اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ کی تمام معلومات لوح محفوظ ہی تک منحصر ہیں، بلکہ اس کی تو کہیں انتہا ہی نہیں ہے۔ اور مفاتح کا جو ترجمہ خزائن سے کیا گیا، اس کا واحد مَفتَح، میم کے زبر کے ساتھ ہے، اور اگر اس کو مِفتَح میم کے زیر سے مفتاح کے معنی میں کہا جائے تو اس کا ترجمہ ہوگا کنجیاں، تالوں کی چابیاں، اور حاصل یہ ہوگا کہ غیب کی کنجیاں یعنی وہ تمام اسباب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جن سے ان پوشیدہ چیزوں کو جو تالے میں بند چیزوں کی طرح ہیں، کھولتے اور ظاہر کرتے ہیں۔ جب اور جس طرح چاہیں ان اسباب میں تصرف فرمائیں اور دونوں تفسیروں پر اس میں قدرت کی خصوصیت مقصود ہوگی۔

اور فقرہ ﴿ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ﴾ میں تمام عالم شہادت (سامنے اور ظاہر میں نظر آنے والی دنیا) شامل ہے۔ اس طرح پہلا اور دوسرا فقرہ مل کر عالم غیب وشہادت دونوں کے لئے یہ حکم عام ہوگیا، اور عالم شہادۃ میں پتا، دانہ، خشک وتر سب آگیا تھا کہ پتا اور دانہ چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزوں میں سے ہیں، ان کے ذکر سے مبالغہ ہوگیا کہ ایسی حقیر اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے غائب نہیں، پھر دوسری حقیر اور عظیم سب چیزوں کو دوبارہ عام کرنے کے لئے رطب ویابس یعنی خشک وتر کو بڑھا دیا اور اسی طرح چیزوں کے احوال میں سے صرف "گرنے کی حالت" کا ذکر کے ساتھ خاص کیا، اس میں یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ گرنے کی حالت اس چیز کی انتہائی حالت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اخیر تک کا حال جانتے ہیں اور اگر کوئی شبہ کرے کہ علم میں تو غیب اور شہادت کے شامل ہونے کا ذکر رہا، لیکن قدرت کے ساتھ صرف غیب کا ذکر ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ظہور پر مفاتح کی دلالت ترجمہ کی تقدیر سے ظاہر ہے، لہٰذا یہ بھی دونوں شامل ہوگئے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ع ۱۲

ترجمہ: اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے، پھر تم کو دن میں جگا اٹھاتا ہے، تاکہ میعادِ معین تمام کردی جاوے۔ پھر اسی کی طرف تم کو جانا ہے، پھر تم کو بتلا وے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

ربط: اوپر ﴿ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴾ اور ﴿ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾ میں اختصار کے ساتھ کفار کو آخرت کے عذاب کی

وعید ہے، اب ﴿ اِلَیۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ ﴾ میں آخرت اور بعث یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا اثبات ہے اور اس سے پہلے بعث کی نظیر کے وقوع سے قدرت اور اعمال کے علم کا اثبات کا ہے کہ بعث اور آخرت کی جزا کو دونوں امر سے تعلق ہے، اور اوپر توحید اور رسالت کے مسئلہ کا ذکر تھا، بعث کا مسئلہ قرآن میں اکثر اور اس سورت میں خاص طور سے دونوں مسئلوں کے ساتھ ملے جلے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

مرنے کے بعد اٹھائے جانے کا امکان اور وقوع:

اور وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ (اکثر) رات میں (سونے کے وقت) تمہاری (نفسانی) روح کو (جس سے احساس اور ادراک کا تعلق ہے) ایک طرح سے قبض (یعنی معطل) کر دیتا ہے اور (اکثر) جو کچھ تم دن میں کرتے ہو، اس کو (ہمیشہ) جانتا ہے، پھر (اس سونے کے بعد) تمہیں دن میں جگا اٹھاتا ہے (جس سے آخرت کی بعث کے دشوار ہونے کا خیال بھی دور ہوسکتا ہے) کہ (اسی سونے اور جاگنے کے دوران مقررہ میعاد (دنیا کی زندگی) پوری کر دی جائے پھر (اس میعاد کے ختم ہونے پر) اسی (اللہ) کی طرف (مرکز) تمہیں جانا ہے، پھر (کچھ عالم برزخ میں اور پورا پورا حال قیامت میں) تمہیں بتائے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے (اور اس کے مناسب سزا و جزا جاری کرے گا)

فائدہ: نفسانی روح، تین طیب روحوں میں سے ایک ہے، ابن عباس نے ﴿ اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ ﴾ کی تفسیر میں اسی کو 'نفس تمیز' فرمایا ہے۔ اور جس روح حیوانی کے نکلنے سے موت آجاتی ہے، اس کو 'نفس حیات' قرار دیا ہے، قرآن کا لفظ دونوں کو شامل ہے، اس لئے ہر مقام کے مناسب تفسیر کی جائے گی۔

﴿ وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ وَیُرۡسِلُ عَلَیۡكُمۡ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰهِ مَوۡلٰىهُمُ الۡحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الۡحُكۡمُ ۟ وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِیۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور وہی اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں اور تم پر نگہداشت رکھنے والے بھیجتے ہیں یہاں تک جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچتی ہے اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر سب اپنے مالک حقیقی کے پاس لائے جاویں گے خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا۔

ربط: اوپر بعث کے امکان اور وقوع کا ذکر تھا، اب بھی اسی کی تفصیل کے لئے پہلے قدرت کا، پھر موت کا، پھر بعث کا اور پھر حساب کا ذکر فرماتے ہیں۔

بعث کے وقوع اور امکان کی تفصیل:

اور وہی (اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے) اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں، اور (اے بندو!) تم پر تمہارے اعمال

اور جان) کی نگرانی رکھنے والے (فرشتے) بھیجتے ہیں (کہ زندگی بھر تمہارے اعمال کو لکھتے رہیں اور تمہاری جان کی حفاظت کریں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے (تو اس وقت) اس کی روح ہمارے (دوسرے) بھیجے ہوئے (فرشتے جو اس کام کے لئے مقرر ہیں) قبض کر لیتے ہیں اور وہ (ہمارے احکام کی بجا آوری میں) ذرا کوتاہی نہیں کرتے (بلکہ جس وقت اور جس طرح روح قبض کرنے کا حکم ہوتا ہے، اسی طرح بجالاتے ہیں، غرض موت نہیں ٹلتی) پھر (مرنے کے بعد آخرت میں) سب (بندے) اپنے حقیقی مالک کے پاس لائے جائیں گے، خوب سن لو (اس وقت) فیصلہ اللہ ہی کا (فیصلہ) ہوگا (اور کوئی دخل نہ دے سکے گا) اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا (اور حساب لے کر جزا و سزا واقع کر دے گا)

فائدہ: آیت میں اس مقام پر بظاہر تین قسم کے فرشتوں کا ذکر ہے: ایک اعمال لکھنے والے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴾ (الانفطار) ۔ دوسرے جان کی حفاظت کرنے والے، جن مضرتوں، نقصانوں سے حفاظت کرنے کا حکم ہو اور جب تک حکم ہو، جن کا ذکر ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ ﴾ (الرعد ۱۱ میں ہے) تیسرے جان نکالنے والے، اور دوسری آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام ملک الموت کا ہے، اس لئے علماء نے روح المعانی میں مذکور بعض روایات کی بنا پر کہا ہے کہ یہ ملک الموت کے معاون ہیں، ایک دوسرے سے تعلق کی وجہ سے ان کی طرف نسبت کر دی گئی۔ واللہ اعلم اور دوسری آیت میں جو کفار کے لئے فرمایا ہے ﴿ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴾ وہاں مددگار مراد ہیں اور یہاں مالک، اس طرح کوئی اشکال نہیں۔

﴿ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کی ظلمات سے اس حالت میں نجات دے دیتا ہے کہ تم اس کو پکارتے ہو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے کہ اگر آپ ہم کو ان سے نجات دے دیں تو ہم ضرور حق شناسی والوں سے ہو جاویں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پھر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔ آپ کہئے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے، آپ دیکھئے تو سہی ہم کس طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے

بیان کرتے ہیں شاید وہ سمجھ جاویں۔ اور آپ کی قوم کے لوگ اس کی تکذیب کرتے ہیں حالانکہ وہ یقینی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا ہوں، ہر خبر کے وقوع کا ایک وقت ہے اور جلد ہی تم کو معلوم ہو جاوے گا۔

ربط: اوپر بعث (دوبارہ زندہ ہونے) کی بحث تھی، اب قرآن اور خاص طور سے اس سورت کے طرز کے مطابق پھر توحید کی طرف اشارے ہیں۔

توحید پر استدلال:

آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں خشکی اور دریا کی تاریکیوں (یعنی سختیوں) سے اس حالت میں نجات دیدیتا ہے کہ تم اس کو (نجات دینے کے لئے) پکارتے ہو (کبھی) عاجزی کرکے اور (کبھی) چپکے چپکے (اور یوں کہتے ہو) کہ (اے اللہ!) اگر آپ ہمیں ان (سختیوں) سے (اب کی بار) نجات دیدیں تو (پھر) ہم ضرور حق شناسی (پر قائم رہنے) والے لوگوں میں سے ہو جائیں (یعنی آپ کی توحید کے قائل رہیں کہ وہ بڑی حق شناسی ہے اور چونکہ اس سوال کا جواب متعین ہے اور وہ لوگ بھی کوئی دوسرا جواب نہ دیں گے (اس لئے) آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تمہیں ان سے نجات دیتا ہے (جب کبھی نجات ملتی ہے) اور (ان مذکورہ سختیوں ہی کی کیا تخصیص ہے، بلکہ) ہر غم سے (وہی نجات دیتا ہے مگر) تم (ایسے ہو کہ) پھر بھی (نجات پانے کے بعد بدستور) شرک کرنے لگتے ہو (جو کہ اعلیٰ درجہ کی حق ناشناسی ہے اور وعدہ حق شناسی کا کیا تھا۔ غرض یہ کہ سختیوں کی صورت میں تمہارے اقرار سے توحید کا حق ہونا ثابت ہو جاتا ہے پھر انکار کب قابل توجہ ہے؟) آپ (یہ بھی) کہئے کہ (جس طرح وہ نجات دینے پر قادر ہے اسی طرح) اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر (تمہارے کفر و شرک کے تقاضے سے) تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں تلے سے کوئی عذاب بھیج دے (اوپر سے جیسے پتھر یا ہوا یا طوفان یا بارش اور نیچے سے یعنی زمین سے جیسے زلزلہ، یا غرق ہو جانا، اور ان عذابوں کے قریبی اسباب، تو غیر اختیاری ہیں اور کبھی نہ کبھی ایسا ہوگا، خواہ دنیا میں یا آخرت میں) یا کہ تمہیں (اغراض کے اختلاف سے مختلف) گروہ گروہ کرکے سب کو (آپس میں) بھڑا دے (یعنی لڑا دے) اور تم میں سے ایک ایک کو دوسرے کی لڑائی (کا مزہ) چکھا دے (اور اس کا سبب قریب اور فعل اختیاری ہے اور یا سب آفتیں جمع کردے۔ غرض نجات دینا اور ابتلا و آزمائش میں مبتلا کرنا دونوں اسی کی قدرت میں ہیں۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دیکھئے تو سہی ہم کس (کس) طرح (توحید کے) دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ (لوگ) سمجھ جائیں اور عذاب پر قدرت اور کفر کے عذاب کے لئے اقتضا کے اثبات کے باوجود) آپ کی قوم کے لوگ (قریش یا دوسرے عرب بھی) اس (عذاب) کو جھٹلاتے ہیں (اور اس کے واقع نہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں) حالانکہ وہ یقینی (طور پر واقع ہونے والا) ہے (اور اس کو سن کر وہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آخر وہ کب ہوگا؟ تو) آپ (یوں) کہہ دیجئے کہ میں تم پر (عذاب واقع کرنے کے لئے) تعینات نہیں کیا گیا ہوں

(کہ مجھے تفصیلی اطلاع ہو یا میرے اختیار میں ہو، البتہ) ہر خبر (کی دلالت) کے وقوع کا ایک وقت (اللہ کے علم میں متعین) ہے اور جلدی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا (کہ یہ عذاب آیا)

فائدہ: عذاب میں دنیاوی اور اخروی دونوں شامل ہیں جس میں جہاد بھی داخل ہے، چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ﴾ مگر اس طرح قتال کی آیت سے ﴿لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ﴾ کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ اگر چہ جہاد کفار کے حق میں اللہ کا عذاب ہو، لیکن مؤمنوں کو تو عذاب دینے سے اس کا حکم نہیں دیا گیا یہی وجہ ہے کہ جزیہ پر وہ ختم ہو جاتا ہے باوجودیکہ عذاب دینے کا تقاضہ باقی ہے، اور اسی لئے آیت ﴿قَاتِلُوْهُمْ﴾ الخ میں عذاب دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے (مؤمنین کی طرف نہیں) لہٰذا جہاد میں وکیل بنانے کی اور جہاد کے لئے مامور کو مسلط کرنے کی بحالہ نفی ہے، اور جہاد کے حکم کے بعد بھی علم واختیار کی نفی اس معنی میں صادق ہے کہ اولاً اس کی غرض وغایت جو کہ جزیہ ہے، علم واختیار سے خارج ہے، دوسرے چونکہ عذاب مطلق ہے اس میں دوسرے طریقوں کا بھی احتمال ہے جو معلوم اور بس میں نہیں، اس لئے اس مجموعہ کو علم اور اختیار سے خارج کہنا صحیح ہے، خوب سمجھ لو، اور عذاب کے اسباب میں قریب کی قید اس لئے لگائی کہ دونوں جگہ پہلا سبب، اختیاری گناہ ہیں۔

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات میں عیب جوئی کررہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جاویں، اور اگر تجھ کو شیطان بھلادے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ۔ اور جو لوگ احتیاط رکھتے ہیں ان پر ان کی باز پرس کا کوئی اثر نہ پہنچے گا لیکن ان کے ذمہ نصیحت کردینا ہے، شاید وہ بھی احتیاط کرنے لگیں۔ اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنھوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اور اس قرآن کے ذریعہ سے نصیحت بھی کرتا رہ تاکہ کوئی شخص اپنے کردار کے سبب اس طرح نہ پھنس جاوے کہ کوئی غیر اللہ اس کا نہ مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو اور یہ کیفیت ہو کہ اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیا جاوے، یہ ایسے ہی ہیں کہ اپنے کردار کے سبب پھنس گئے، ان کے لئے نہایت تیز پانی پینے

کے لئے ہوگا اور دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب۔

ربط: اوپر کفار کی تکذیب کا ذکر اور انہیں آیتوں کی تبلیغ کا حکم تھا۔ اب اس کی فرع کے طور پر ان کی تکذیب کی مجلسوں میں تبلیغ کی ضرورت کے بغیر جانے اور بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔

دین پر طعنہ زنی کرنے والوں کے ساتھ تبلیغ کی ضرورت کے علاوہ بیٹھنے کی ممانعت:

اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں (اور احکام) میں کمیاں ڈھونڈ رہے ہیں تو ان لوگوں (کے پاس بیٹھنے) سے الگ ہو جاؤ، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں، اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے) تو (جب یاد آ جائے) یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھو (بلکہ فوراً اٹھ کھڑے ہو) اور اگر کوئی واقعی دنیوی یا دینی ضرورت ایسی مجلس میں جانے کی ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ) جو لوگ (شرعی ممانعتوں سے جن میں بلا ضرورت ایسی مجلسوں میں جانا بھی شامل ہے) احتیاط رکھتے ہیں، ان پر ان (طعنہ زنی کرنے والوں اور جھٹلانے والوں) کی باز پرس (اور طعنہ زنی کے گناہ) کا کوئی اثر نہ پہنچے گا (یعنی ضرورت کے تحت وہاں جانے والے گنہ گار نہیں ہوں گے) اور لیکن ان کے ذمہ (قدرت کی شرط کے ساتھ) نصیحت کر دینا ہے، شاید وہ (طعنہ زنی کرنے والے) بھی (ان خرافات سے) احتیار کرنے لگیں (خواہ قبول اسلام کی شکل میں خواہ ان کے لحاظ سے) اور اس سلسلہ میں تکذیب کی مجلس کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ) ایسے لوگوں سے بالکل الگ رہو جنھوں نے اپنے (اس) دین کو (جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا یعنی اسلام کو) لہو ولعب بنا رکھا ہے (کہ اس کے ساتھ مسخرہ پن کرتے اور مذاق اڑاتے ہیں) اور (دنیاوی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے) کہ اس کی لذتوں میں مشغول ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اس لئے انہیں اس مسخرہ پن کا انجام نظر نہیں آتا) اور کنارہ کشی اور ترک تعلقات کے ساتھ ایسے لوگوں کو) اس قرآن کے ذریعہ سے (جس سے یہ مسخرہ پن کر رہے ہیں) نصیحت بھی کرتے رہو، تا کہ کوئی شخص اپنے (برے) کردار کے سبب (عذاب میں) اس طرح نہ پھنس جائے کہ اللہ کے سوا کوئی نہ اس کا مددگار ہو اور نہ سفارشی ہو، اور یہ کیفیت ہو کہ اگر (بالفرض) دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے (کہ اس کے بدلہ میں بچ جائے) تب بھی اس سے نہ لیا جائے (تو نصیحت سے یہ فائدہ ہے کہ برے اعمال کے انجام پر آگاہی ہو جاتی ہے۔ آگے ماننا نہ ماننا دوسرا جانے، چنانچہ (یہ مسخرہ پن کرنے والے) ایسے ہی ہیں کہ (نصیحت نہ مانی اور) اپنے (برے) کردار کے سبب (عذاب میں) پھنس گئے (جس کا آخرت میں اس طرح ظہور گا کہ) ان کے لئے نہایت تیز (کھولتا ہوا) پانی پینے کے لئے ہوگا اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی) کفر کے سبب دردناک سزا ہوگی (کہ برا کردار یہی ہے جس کا ایک شعبہ تمسخر تھا)

فائدہ: ان مجلسوں میں جانے کی یہ ضرورتیں اس قسم کی ہیں مثلاً مسجد حرام میں نماز اور طواف کے لئے گئے اور وہ کفار

وہاں بھی شغل کررہے ہیں، یا انہیں وعظ سنانے گئے اور وہ اس میں یعنی استہزاء میں مشغول ہیں، چنانچہ معالم میں دونوں مضمونوں کی روایتیں بھی ہیں۔

﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کی عبادت کریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچاوے اور نہ وہ ہم کو نقصان پہنچاوے اور کیا ہم الٹے پھر جاویں بعد اس کے کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے ہدایت کردی ہے جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں بے راہ کردیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو اس کے کچھ ساتھی بھی تھے کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس آ۔ آپ کہہ دیجئے کہ یقینی بات ہے کہ راہِ راست وہ خاص اللہ ہی کا راستہ ہے اور ہم کو یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پورے مطیع ہوجاویں پروردگار عالم کے۔ اور یہ کہ نماز کی پابندی کرو اور اس سے ڈرو اور وہی ہے جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو بافائدہ پیدا کیا، اور جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ تو ہوجا بس وہ ہو پڑے گا، اس کا کہنا با اثر ہے اور جب کہ صور میں پھونک ماری جاوے گی ساری حکومت خاص اسی کی ہوگی، اور وہ جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا، اور وہی ہے بڑی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا۔

ربط: اوپر توحید کا حق ہونا، شرک کا باطل ہونا اور قیامت کا قائم ہونا ملے جلے انداز میں بیان ہوا ہے، اب پھر یہی مضمون شرک کا باطل ہونا اور توحید کا اثبات مستقل طور پر اور شرک کی وعید کے ضمن میں بعث کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ مشرکوں نے مسلمانوں سے اسلام کو ترک کردینے کی درخواست بھی کی تھی، آیت میں اس کا جواب بھی ہے اور اس روایت پر آیت کی مناسبت پہلے کے مضمون سے اور بھی زیادہ قوی ہوگئی کہ اوپر ﴿ذِكْرٰى﴾ میں مشرکوں کو اسلام کی طرف بلانے کا ذکر تھا، یہاں ان کے ترک اسلام کی طرف بلانے کا جواب ہے۔

شرک کو باطل قرار دینا اور توحید و بعث کا اثبات:

آپ (تمام مسلمانوں کی طرف سے ان مشرکوں سے) کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا (تمہاری مرضی کے مطابق) کسی ایسی چیز کی عبادت کریں کہ نہ وہ (اس کی عبادت کرنے کی صورت میں) ہمیں نفع پہونچا (نے پر قادر ہو) ئے اور نہ وہ

(اس کی عبادت نہ کرنے کی صورت میں) نقصان پہنچا (نے پر قادر ہو) ئے، اس سے باطل معبود مراد ہیں کہ بعض میں تو بالکل ہی کوئی قوت وطاقت نہیں اور جن میں ہے وہ ان کی ذاتی نہیں، اور جو اپنے موافق کو نفع اور مخالف کو نقصان پہنچانے کے قابل بھی نہیں، بھلا اس کو معبود کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے، تو کیا ہم ایسوں کی عبادت کریں اور کیا (معاذ اللہ) ہم اس کے بعد (اسلام سے) الٹے پھر جائیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے (سیدھے راستہ کی ہدایت کردی ہے (یعنی شرک، اول تو خود ہی قبیح اور برا ہے پھر خاص طور سے اسلام کو اختیار کرنے کے بعد تو اور بھی زیادہ برا ہوگا، اور پھر ہماری وہ مثال ہو جائے) جیسے کسی شخص کو شیطان نے کہیں جنگل میں (بہکا کر راہ سے) بے راہ کردیا ہو، اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو (اور) اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو پکار پکار کر) بلا رہے ہیں کہ (ادھر) ہمارے پاس آ (مگر وہ انتہائی حیرت کی بات ہے کہ نہ سمجھتا ہے اور نہ ہی آتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ شخص راہ پر تھا، لیکن صحیح راستہ کو جاننے والے اپنے ساتھیوں سے جدا ہو کر جنگل میں رہنے والوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر بے راہ ہوگیا اور وہ ساتھی اب بھی اس کو راہ راست کی طرف بلاتے ہیں مگر وہ نہیں آتا، ایسی ہی ہماری حالت ہو جائے کہ راہ اسلام پر ہو کر اپنے ہادی پیغمبر سے جدا ہوں اور گمراہوں کے پنجہ میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جائیں، اور وہ ہادی پھر بھی خیر خواہی کے ساتھ اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں، یعنی کیا تمہاری مرضی پر عمل کر کے ہم خود کو ایسا ہی بنالیں) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (جب اس مثال سے معلوم ہوا کہ راہ سے بے راہ ہونا برا ہے اور یہ) یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی (بتائی ہوئی) راہ ہے (اور وہ اسلام ہے، اس لئے اس کا ترک کرنا یقیناً بے راہ ہونا ہے پھر ہم اس کو کب چھوڑ سکتے ہیں) اور (آپ کہہ دیجئے کہ ہم شرک کیسے کرسکتے ہیں) ہمیں (تو) یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے پورے مطیع ہو جائیں (جو اسلام میں منحصر ہے) اور یہ (حکم ہوا ہے) کہ نماز کی پابندی کرو (جو کہ توحید پر دلالت کی شکل میں عملاً ظاہر تر ہے) اور (یہ حکم ہوا ہے کہ) اس سے (یعنی اللہ سے) ڈرو (یعنی اس کی مخالفت نہ کرو جس میں سب سے بڑھ کر شرک ہے) اور وہی (اللہ) ہے جس کے پاس تم سب (قیامت کے دن قبروں سے نکل کر حساب کے لئے) جمع کئے جاؤ گے (وہاں مشرکوں کو اپنے شرک کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا) اور وہی (اللہ) ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو فائدہ مند پیدا کیا (جس میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے خالق کے وجود پر استدلال کیا جائے، لہٰذا یہ بھی توحید کی ایک دلیل ہے) اور (اوپر جو ﴿ تُحْشَرُوْنَ ﴾ میں حشر کی خبر دی گئی ہے اس کو بھی کچھ مشکل وبعید نہ سمجھو، کیونکہ وہ اللہ کی قدرت کے سامنے اس قدر آسان ہے کہ) جس وقت (اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ (اے حشر!) تو ہو جا، تو بس وہ (حشر فوراً) ہو جائے گا، اس کا یہ کہنا با اثر ہے (خالی نہیں جاتا) اور (حشر کے دن) جبکہ صور میں اللہ کے حکم سے دوسری بار (فرشتہ کی) پھونک ماری جائے گی تو ساری حکومت (حقیقت میں بھی اور ظاہر میں بھی) خاص اسی (اللہ) کی ہوگی، (اور وہ اپنی حکومت سے توحید پرستوں اور مشرکوں کا فیصلہ کرے گا) اور (اللہ) پوشیدہ چیزوں اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے (لہٰذا اس کو مشرکوں کے اعمال واحوال کا بھی علم ہے) اور وہی ہے بڑی حکمت والا (اس لئے ہر ایک کو

مناسب مناسب جزا دے گا اور وہی ہے) پوری خبر رکھنے والا (اس لئے اس سے کسی امر کے بارے میں خطا ممکن نہیں)

فائدہ: مثال میں جو شیطانوں کا راہ بھلا دینے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ شیطانوں اور خبیث جنات سے بعض اوقات اس قسم کے تصرفات وافعال سرزد ہوسکتے ہیں، اس کی تحقیق سورۂ بقرہ کے چھتیسویں حکم کے ذیل میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کرلی جائے۔ لہٰذا آیت میں تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے، بیشک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح غلطی میں دیکھ رہا ہوں۔ اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں تاکہ وہ عارف ہوجائیں اور تاکہ کامل یقین کرنے والوں سے ہوجاویں۔ پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انھوں نے ایک ستارہ دیکھا، آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے، سو وہ جب غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا، پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے، سو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو میرا رب ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہوجاؤں۔ پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا یہ میرا رب ہے یہ تو سب میں بڑا ہے سو جب وہ غروب ہوگیا آپ نے فرمایا اے میری قوم! بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔ میں یکسو ہوکر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔

ربط: اوپر شرک کے باطل ہونے اور توحید کے اثبات کا ذکر تھا، اب اسی مضمون کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا توحید کی طرف دعوت دینے کا قصہ بیان فرماتے ہیں اور اس وجہ سے کہ اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، مذکورہ مضمون کی تائید میں زیادہ قوت ہوگئی اور اس قصہ میں رسالت کے مسئلہ کی بھی تائید ہے کہ نبوت کوئی عجیب وغریب چیز نہیں ہے پہلے سے بھی نبی ہوتے آئے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا توحید ثابت کرنے کا واقعہ:

ملحوظہ: ان آیتوں کی تفسیر سے پہلے چند ضروری امور لکھتا ہوں، جن کا لحاظ رکھنا تفسیر کو سمجھنے میں معاون ہوگا:

امر اول: قرآنِ کریم میں ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے جو احوال مذکور ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت پرستی بھی کرتے تھے اور دنیا کے معاملات میں ستاروں کو بھی تصرف کرنے والا سمجھتے تھے، لہٰذا وہ دو طرح سے مشرک تھے، ایک بتوں کی خدائی کا اعتقاد اور دوسرے ستاروں کے رب ہونے کا عقیدہ، اس لئے ابراہیم علیہ السلام کے مناظروں میں دونوں سے بحث ہے۔

دوسرا امر: ابراہیم علیہ السلام ہوش سنبھالنے کے وقت سے ہی توحید کے عارف اور محقق تھے، البتہ ایک عرصہ تک مناظرہ کا اتفاق نہیں ہوا، پھر نبوت سے پہلے خود ہی یا نبوت کے بعد وحی کے حکم سے قوم سے مناظرہ فرمایا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس رات کی آمد کا ﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ ﴾ میں ذکر ہے، اس کے پیش نظر اس کی کوئی دلیل نہیں کہ انھوں نے اس سے پہلے غار میں پرورش پانے کی وجہ سے کوئی رات نہ دیکھی ہو، بلکہ غار کے سلسلہ میں جو قصہ مشہور ہے وہ خود ثابت نہیں۔

تیسرا امر: آپ کی قوم اللہ کی بھی قائل تھی یا نہیں، اس سلسلہ میں دونوں احتمال ہیں، پہلے احتمال پر آگے جو آیا ہے ﴿ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ ﴾ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اب مناظروں کی آیتوں کی تفسیر زیادہ آسان ہے، کیونکہ ان میں معبود برحق کے وجود کا مضمون بظاہر دلیل کے مقدمہ کے طور پر ہے، چنانچہ شاہ عبد القادر بھی ﴿ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ﴾ سے اسی کے قائل ہوئے ہیں، اور دوسرے احتمال پر معبود برحق کے وجود کے مذکورہ مضمون کو دعوی کا جز کہہ دیا جائے گا اور دلیل کے مقدمات صرف مشاہدہ میں آنے والے آثار اور افعال کو کہا جائے گا، البتہ نمرود کے طرز گفتگو سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود خالق ہی کا منکر تھا، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے سرکشی، ضد اور عناد کی وجہ سے ہی ایسی گفتگو کی ہو، اور واقع میں خالق کے وجود کا قائل ہو، چنانچہ فقرہ ﴿ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾ کو اسی کی طرف ایک طرح کا اشارہ بھی کہہ سکتے ہیں، اب تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

مذکورہ بالا آیتوں کی تفسیر:

اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر (نامی) سے فرمایا کہ کیا آپ بتوں کو معبود قرار دیتے ہیں؟ بیشک میں آپ کو اور آپ کی ساری قوم کو (جو اس اعتقاد میں آپ کے شریک ہیں) کھلی غلطی میں دیکھ رہا ہوں (اور ستاروں کے متعلق آگے گفتگو آئے گی درمیان میں ابراہیم علیہ السلام کی نظر کا صحت کے ساتھ موصوف ہونا کہ اس کا ماقبل اور مابعد دونوں سے تعلق ہے، فرماتے ہیں) اور ہم نے اسی طرح (کامل طور پر) ابراہیم (علیہ السلام) کو

آسمانوں اور زمین کی مخلوقات (معرفت کی آنکھ سے) دکھائیں، تاکہ وہ (خالق کی ذات وصفات کے) عارف ہوجائیں اور تاکہ (معرفت کے زیادہ ہونے سے) (کامل یقین کرنے والوں میں ہوجائیں (آگے ستاروں کے متعلق گفتگو جو کہ مناظرہ کا تتمہ ہے بیان کی گئی ہے، اوپر کی گفتگو توبتوں کے متعلق ہوچکی) پھر (خواہ اس دن یا کسی اور دن) جب رات کی تاریکی ان پر (اسی طرح دوسرے سب لوگوں پر) چھاگئی تو انھوں نے ایک ستارہ دیکھا (کہ چمک رہا ہے) آپ نے (اپنی قوم سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے مطابق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور میرے احوال میں تصرف کرنے والا) ہے (بہت اچھا اب تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ افق میں جاکر چھپ گیا) تو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہوجانے والوں سے (جو کہ ایسی حالت کے ساتھ موصوف ہوں کہ وہ حالت حدوث کی وجہ سے خود دلالت کررہی ہے کہ یہ خود حوادث کا محل ہونے کی وجہ سے محدث کا محتاج ہے) محبت نہیں رکھتا (اور محبت رب ہونے کے اعتقاد کے لوازم سے ہے، لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ میں اس کو رب نہیں سمجھتا) پھر (اسی رات میں یا کسی دوسری رات میں) جب چاند کو دیکھا (کہ) چمکتا ہوا (نکلا ہے) تو (پہلے ہی کی طرح) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے مطابق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور احوال میں تصرف کرنے والا) ہے (لہٰذا اب تھوڑی دیر میں اس کی کیفیت بھی دیکھنا، چنانچہ وہ بھی غروب ہوگیا) تو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا رب (حقیقی) ہدایت نہ کرتا رہے (جیسا کہ اب تک ہدایت کرتا رہتا ہے) تو میں بھی (تمہاری طرح) گمراہ لوگوں میں شامل ہوجاؤں پھر (یعنی اگر چاند کا قصہ اس ستارہ کے قصہ کی رات کا تھا تب تو کسی اور رات کی صبح کو اور اگر چاند کا قصہ اس ستارہ کے قصہ کی رات کا نہ تھا تو چاند کے قصہ کی رات کی صبح کو یا اس کے علاوہ کسی اور رات کی صبح کو) جب آفتاب کو دیکھا (کہ بڑی آب وتاب سے) چمکتا ہوا (نکلا ہے) تو پہلی دوبار کی طرح پھر) فرمایا کہ (تمہارے زعم کے مطابق) یہ میرا (اور تمہارا) رب (اور احوال میں تصرف کرنے والا) ہے (اور) یہ تو سب (مذکورہ ستاروں میں بڑا ہے (اس پر کلام) کا خاتمہ ہوجائے گا، اگر اس کا رب ہونا باطل ثابت ہوگیا تو چھوٹوں کا رب ہونا تو اس سے بھی بڑھ کر باطل ہوجائے گا۔ غرض شام ہوئی تو وہ بھی غروب ہوگیا) تو جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں (اور نفرت کرتا ہوں یعنی براءت اور لاتعلقی ظاہر کرتا ہوں اور اعتقاد کے لحاظ سے ہمیشہ سے ہی بیزار تھے) میں (سب طریقوں سے) یکسو ہوکر اپنا رخ (ظاہر کا اور دل کا) اس (ذات) کی طرف (کرنا تم سے ظاہر) کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور میں (تمہاری طرح) شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (نہ اعتقاد کے طور پر نہ قول کے اعتبار سے اور نہ ہی عمل کے طور پر)

فائدہ: چونکہ معظم معمورہ نامی خطہ میں جس میں بابل اور حلب نامی شہر بھی داخل ہیں، جہاں یہ گفتگو ہوئی، ستاروں کی عام رفتار کے لحاظ سے ایک رات میں ایسا نہیں ہوسکتا کہ چاند، کسی ستارہ کے غروب کے بعد اپنے افق سے طلوع ہو، اور پھر

سورج کے طلوع سے پہلے غروب ہو جائے، اس لئے یہ تینوں واقعات ایک رات کے نہیں ہو سکتے، یہ تینوں واقعے یا تو دو الگ الگ راتوں کے ہیں یا پھر تین راتوں کے، جیسا کہ ترجمہ میں اشارہ بھی کر دیا، لہٰذا دونوں جگہ ﴿ فَلَمَّا رَاٰ ﴾ میں جو فاء ہے وہ عرف عام میں آنے والے بعد کے لئے یا متصل کے لئے ہے، نہ کہ حقیقی کے لئے جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ اور باوجودیکہ ان مذکورہ ستاروں کے جسم ان کی لمبائی چوڑائی کی حد اور خود طلوع ہونے سے بھی ان کا ازلی اور ابدی یعنی ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے ہونا ثابت نہیں ہوتا: ان کے رب ہونے کے دعوی کے باطل ہونے پر استدلال ہو سکتا تھا، لیکن چونکہ مخاطب لوگوں میں عوام زیادہ تھے، اس لئے واضح دلیل سے استدلال فرمایا کہ غروب ہونے والے کا ناقص ہونا زیادہ ظاہر ہے اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ اگر احتجاب یعنی پردہ میں ہونے سے رب ہونے کے باطل ہونے پر استدلال صحیح ہے تو تجلی کے بعد پردہ میں ہونا تو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں[1] پردہ میں کرنا خود ستاروں میں تغیر و تبدیلی کی وجہ سے ہے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات میں تغیر کی وجہ سے نہیں ہے اور اصل دلیل تغیر ہے۔ فقط

﴿وَحَاجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝﴾ ع ۹ / ۱۲ / ۱۵

ترجمہ: اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کی، آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے معاملہ میں مجھ سے حجت کرتے

---

(۱) اس کی وضاحت یہ ہے کہ ستاروں کے غروب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ افق کے اوپر سے افق کے نیچے چلے جاتے ہیں اور ایک وقت میں افق سے اوپر ہونا اور دوسرے وقت میں افق کے نیچے چلا جانا یہ ایک تغیر ہے، اس لئے یہ تغیر خود ستاروں میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے پردہ کے خلاف ہے، کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات ہر حالت میں ایک جیسی ہی رہتی ہے، اور دیکھنے والوں کی قوت بینائی، دیکھنے کی قوت میں یا اس کے شرائط میں خلل واقع ہوتا ہے، اس لئے اللہ کی ذات انہیں دکھائی نہیں دیتی، لیکن جب وہ خلل اور رکاوٹیں دور ہو جاتے ہیں اس کی ذات نظر آ جاتی ہے، اس طرح یہ تغیر خود دیکھنے والوں کے اندر ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر کہ وہ ہر حال میں ایک ہی جیسی ہے دیکھنے والے میں تغیر کی مثال اس طرح سمجھو کہ آنکھ بند کرے تو دکھائی دینے والی چیزیں اس کی نظر سے پردے میں ہو جائیں اور آنکھ کھول دے تو دکھائی دینے لگیں یا آنکھ میں پانی آ جانے کی وجہ سے دکھائی دینے والی چیزیں اسے دکھائی نہ دیں اور آنکھ بنوانے کے بعد ان کو دیکھنے لگے یا قوت بینائی کی کمزوری کی وجہ سے وہ حرفوں کو نہ دیکھ سکے اور آنکھوں میں روشنی لانے والا سرمہ استعمال کرنے کے بعد ان کو دیکھ لے۔ اس طرح یہ تغیر خود دیکھنے والے کی جانب ہیں نہ کہ دکھائی دینے والی چیز کی جانب ۱۲ (منہ)

ہو، حالانکہ اس نے مجھ کو طریقہ بتلا دیا ہے اور میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا، ہاں لیکن اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے۔ میرا پروردگار ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے کیا تم پھر خیال نہیں کرتے اور میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ سوان دو جماعتوں میں سے امن کا زیادہ مستحق کون ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پر چل رہے ہیں۔

ربط: اب اوپر کے قصہ کا تتمہ ہے۔

مذکورہ بالا قصہ کا تتمہ:

اوران سے ان کی قوم نے (بے ہودہ) حجت کرنا شروع کی (وہ یہ کہ یہ پرانی رسم ہے ﴿وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ﴾ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے دیکھا ہے۔ اور باطل معبودوں کے انکار پر ڈرایا بھی کہ کہیں یہ تمہیں کسی آفت میں نہ پھنسادیں، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب سے ظاہر ہے ﴿لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ﴾ کہ میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بنائے ہوئے ہو، نہیں ڈرتا) آپ نے (پہلی بات کے جواب میں تو یہ) فرمایا کہ تم اللہ (کی توحید) کے معاملہ میں مجھ سے (باطل) حجت کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے (صحیح استدلال کا) طریقہ بتایا ہے (جس کو میں تمہارے سامنے پیش کر چکا ہوں اور محض پرانی رسم ہونا اس استدلال کا جواب نہیں ہوسکتا، پھر تمہارے لئے اس سے حجت پکڑنا بے کار اور میرے لئے ناقابل توجہ) اور (دوسری بات کے جواب میں یہ فرمایا کہ) میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کے ساتھ (عبادت کے مستحق ہونے میں) شریک بنائے ہوئے ہو نہیں ڈرتا (کہ وہ مجھے کوئی صدمہ پہونچا سکتی ہیں، کیونکہ ان میں خود قدرت ہی کی صفت نہیں ہے، اور اگر کسی چیز میں قدرت کی صفت ہو بھی تو قدرت مستقل رہنے کی صفت نہیں ہے) ہاں، لیکن اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے (تو وہ دوسری بات ہے، وہ ہو جائے گی، لیکن اس سے باطل خداؤں اور ارباب کی قدرت کا ثبوت یا ان سے ڈرنے کی ضرورت کب لازم آتی ہے؟ اور) میرا پروردگار (جس طرح قادر مطلق ہے، جیسا کہ ان چیزوں سے معلوم ہوا، اسی طرح وہ) ہر چیز کو اپنے علم (کے احاطہ) میں (بھی) گھیرے ہوئے ہے (غرض قدرت اور علم دونوں اسی کے ساتھ مخصوص ہیں اور تمہارے خداؤں کو نہ قدرت ہے نہ علم ہے) کیا تم (سنتے ہو اور) پھر (بھی) خیال نہیں کرتے اور (جس طرح میرے نہ ڈرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے وہ معبود علم اور قدرت سے بالکل خالی ہیں، اسی طرح یہ بھی تو ہے کہ میں نے ڈرنے کا کوئی کام کیا بھی نہیں تو پھر) میں ان چیزوں سے کیوں ڈروں جن کو تم نے (اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کے مستحق ہونے اور رب ہونے کے اعتقاد

میں) شریک بنایا ہے۔ حالانکہ (ڈرنا تمہیں دو وجہوں سے چاہئے: اول یہ کہ تم نے ڈرنے کا کام یعنی شرک کیا ہے جس پر عذاب لازم ہوتا ہے، دوسرے اللہ تعالیٰ کا علم اور قادر ہونا معلوم ہو چکا ہے مگر) تم اس بات (کے وبال) سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن (کے معبود ہونے پر) اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی دلیل (الفاظ کی شکل میں یا معنی کی شکل میں) نازل نہیں فرمائی (مطلب یہ کہ ڈرنا تو چاہئے تمہیں اور تم خود الٹا مجھے ڈراتے ہو) تو (اس تقریر کے بعد انصاف کے ساتھ سوچ کر بتاؤ کہ) ان دونوں (مذکورہ) جماعتوں میں سے (یعنی مشرکوں اور توحید پرستوں میں سے) امن کا (یعنی اس کا کہ اس پر خوف واقع نہ ہو) زیادہ مستحق کون ہے (اور خوف بھی وہ جو واقع میں قابل اعتبار ہے، یعنی آخرت کا) اگر (کچھ خبر رکھتے ہو (تو بتاؤ، اور خیر تم کیا بتاؤ گے، میں ہی بتاتا ہوں کہ) جو لوگ (اللہ پر) ایمان رکھتے ہیں اور اپنے (اس) ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کرتے، ایسے ہی لوگوں کے لئے (قیامت میں) امن ہے اور وہی (دنیا میں سیدھے) راستہ پر چل رہے ہیں (اور وہ صرف توحید پرست ہیں، برخلاف مشرکوں کے اگرچہ لغوی معنی میں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ اللہ کے قائل ہیں، لیکن شرک بھی کرتے ہیں جس سے شرعی ایمان کی نفی ہو جاتی ہے، جب توحید پرست امن کے قائل ہیں تو اس صورت میں خود تم ڈرو نہ کہ مجھے ڈراتے ہو، حالانکہ نہ تمہارے یہ معبود ڈرنے کے قابل ہیں نہ میں نے کوئی ڈر کا کام کیا اور نہ ہی دنیا کا خوف قابل اعتبار ہے، اور تمہاری حالت کے لئے تینوں اعتبار سے ڈر و خوف لازم ہے)

سوال: ﴿وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ﴾ کے بعد ﴿اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا﴾ کیوں لایا گیا ہے؟ (اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی معبودانِ باطل میں داخل ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ کو مستثنیٰ کیا ہے؟)

جواب: یہ استثناء منقطع ہے، جو مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہوتا، وہ لکن کے معنی میں ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ معبودانِ باطل میں شامل نہیں، اور یہ استثناء اس لئے لایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بھی آخر بشر ہیں، اور بشر پر حوادث آتے رہتے ہیں، پس اگر ابراہیم علیہ السلام کو کوئی بیماری پہنچی تو جاہل (مشرکین) اس سے استدلال کریں گے، کہیں گے: دیکھو! ہمارے معبودوں نے تمہیں نقصان پہنچایا، اس لئے پیش بندی فرمادی کہ یہ بیماری تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، تمہارے معبودوں کی طرف سے نہیں آئی، اب معنی ہونگے: "لیکن میرا پروردگار کوئی بات چاہے تو وہ ہوگی" یہ بات تفسیر خازن میں بیان کی ہے، اب تقدیر عبارت ہوگی: ولکن أخافُ ان یشاء ربی شیئًا من إصابة المکروه بی: یعنی میں ڈرتا ہوں اگر میرا پروردگار مجھے کوئی ناگوار بات پہنچانا چاہے تو وہ الگ بات ہے۔

اور ﴿شَيْـًٔا﴾ لا کر بات لفظاً و معنیً (ہر طرح) عام کر دی ہے کہ مجھے کوئی بھی تکلیف پہنچے (لفظاً بایں اعتبار کہ ﴿شَيْـًٔا﴾ نکرہ ہے، اور نکرہ عام ہوتا ہے، اور معنیً بایں اعتبار کہ نکرہ تحت النفی ہے، إلا: لکن کے معنی میں ہے، اور نکرہ نفی کے بعد معنیً عام ہوتا ہے) اور تعمیم کا فائدہ سورہ آلِ عمران (آیت ۱۵۰) ﴿سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا﴾ کے ذیل میں

ملاحظہ فرمائیں۔

﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی، ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھادیتے ہیں، بیشک آپ کا رب بڑا علم والا بڑا حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب دیا، ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو، اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ اور نیز زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو سب پورے شائستہ لوگوں میں تھے۔ اور نیز اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو۔ اور ہر ایک کو تمام جہان والوں پر ہم نے فضیلت دی۔ اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہِ راست کی ہدایت کی۔ اللہ کی ہدایت وہ یہی ہے: اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے، اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کیا کرتے ہیں، ان سے سب اکارت ہو جاتے۔ یہ ایسے تھے کہ ہم نے ان کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی تھی، سو اگر یہ لوگ نبوت کا انکار کریں تو ہم نے اس کے لئے ایسے بہت لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں ہیں۔ یہ حضرات ایسے تھے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی، سو آپ بھی ان ہی کے طریق پر چلئے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کچھ معاوضہ نہیں چاہتا، یہ تو صرف تمام جہان والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے۔

ربط: اوپر ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے توحید کا اثبات اور رسالت کی تائید تھی، جیسا کہ آیت ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ ﴾ کی تمہید میں اس کی تقریر گذر چکی ہے۔ آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت کی درستگی کی تقویت، توحید کے مسئلہ کے لئے اور انبیاء علیہم السلام کا ایک مختصر تذکرہ، جن کو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ خاص خاص تعلقات بھی ہیں، کسی کو

باپ کی حیثیت سے، کسی کو بنوت کی حیثیت سے اور کسی کو صرف تابع کی حیثیت سے: توحید اور رسالت دونوں مسئلوں کی تائید کے لئے بیان فرماتے ہیں، پہلے مسئلہ کی تائید تو اس طرح ہے کہ یہ سب حضرات موحد یعنی توحید پرست، اللہ کو ایک ماننے والے تھے، اور دوسرے مسئلہ کی تائید اس طرح کہ نبوت پہلے سے چلی آرہی ہے، پھر اب اس کو محال کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اور اہل عرب کے لئے یہ تذکرہ اس لئے زیادہ مناسب ہے کہ وہ لوگ خود کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے، لہٰذا اس تذکرہ میں ان کے لئے تنبیہ ہے کہ ان سے تعلق رکھنے والے تو توحید پرست تھے اور شرک کو برا سمجھتے تھے، پھر تم ان سے کیسی نسبت رکھتے ہو کہ ان کے طریقہ کے خلاف طریقہ اختیار کئے ہوئے ہو!

ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کی تقویت اور انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ:

اور (یہ حجت جو ابراہیم علیہ السلام نے توحید پر قائم کی تھی) ہماری (دی ہوئی) حجت تھی، وہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی (جب ہماری دی ہوئی تھی تو یقیناً اعلیٰ درجہ کی تھی اور ابراہیم علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے) ہم (تو) جس کو چاہتے ہیں (علمی و عملی) مرتبوں میں بڑھادیتے ہیں (چنانچہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یہ بلند مرتبے عطا فرمائے) بیشک آپ کا رب بڑا علم والا بڑا حکمت والا ہے (کہ ہر ایک کا حال اور استعداد جانتا ہے اور ہر ایک کی حالت کے مناسب اس کو کمال عطا فرماتا ہے) اور (ہم نے جیسا ابراہیم علیہ السلام کو علم و عمل کا ذاتی فضل دیا، اسی طرح اضافی فضل بھی دیا کہ ان کے اصولوں یعنی ان سے پہلے والوں میں اور فرعون یعنی ان کی اولاد میں سے، بہت سے لوگوں کو فضل و کمال عطا کیا، چنانچہ) ہم نے ان کو (ایک بیٹا) اسحاق دیا اور (ایک پوتا) یعقوب (دیا اور اس سے دوسری اولاد کی نفی نہیں ہوتی اور دونوں صاحبوں میں سے) ہر ایک کو ہم نے (راہ حق کی) ہدایت کی اور (ابراہیم سے) پہلے زمانہ میں ہم نے نوح (علیہ السلام) کو (جن کا ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں ہونا مشہور ہے اور اصل کی فضیلت کا فرع میں بھی اثر ہوتا ہے) ہدایت کی اور ان (ابراہیم علیہ السلام) کی اولاد (لغوی، عرفی یا شرعی) میں سے (اخیر تک جتنے لوگوں کا ذکر ہے، سب کو راہِ حق کی ہدایت کی، یعنی) داؤد (علیہ السلام) کو اور (ان کے صاحبزادہ) سلیمان (علیہ السلام) کو اور ایوب (علیہ السلام) کو اور یوسف (علیہ السلام) کو اور موسیٰ (علیہ السلام) کو اور ہارون (علیہ السلام) کو (راہِ حق کی ہدایت کی) اور (جب یہ ہدایت پر چلے تو ہم نے انہیں جزائے خیر بھی دی، جیسے ثواب اور زیادہ قربت، اور جس طرح ان کو نیک کاموں پر جزا دی) اسی طرح (ہماری عادت ہے کہ) ہم نیک کام کرنے والوں کو (مناسب) جزا دیا کرتے ہیں اور (ہم نے سیدھے راستہ کی ہدایت کی) زکریا (علیہ السلام) کو اور (ان کے صاحبزادہ) یحییٰ (علیہ السلام) کو اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو اور الیاس (علیہ السلام) کو (اور یہ) تمام (حضرات) پورے شائستہ لوگوں میں سے تھے اور (ہم نے راہ حق کی ہدایت کی) اسماعیل (علیہ السلام) کو اور یسع (علیہ السلام) کو اور یونس (علیہ السلام) کو اور لوط (علیہ السلام) کو اور (ان میں سے) ہر ایک کو (ان کے

زمانوں کے) تمام جہان والوں پر (نبوت کے ذریعہ) ہم نے فضیلت دی اور ان (مذکورہ حضرات) کے کچھ باپ داداؤں اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو (ہم نے راہِ حق کی ہدایت کی) اور ہم نے ان (سب) کو مقبول بنایا۔ اور جس ہدایت کا ذکر اوپر قرآن میں مختصر انداز میں آیا ہے ﴿هَدَيْنَا﴾ اس کو سنو کہ وہ ہدایت کس چیز کی تھی وہ یہ کہ) ہم نے ان (سب) کو راہ راست (یعنی دین حق) کی ہدایت کی (اور وہ دین جس کی ان سب کو ہدایت ہوئی تھی) اللہ کی (جانب سے جو) ہدایت (ہوئی ہے) وہ یہی (دین) ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت (منزل پر پہنچانے کے معنی میں) کرتا ہے (چنانچہ اب جو لوگ موجود ہیں ان کو بھی اسی کی ہدایت راستہ دکھانے کے معنی میں ہوئی ہے، مگر ان میں سے بعض نے اس کو چھوڑ کر شرک اختیار کرلیا) اور (شرک اس قدر ناپسندیدہ چیز ہے کہ غیر انبیاء تو کس گنتی میں ہیں) اگر بالفرض (والمحال) یہ حضرات (مذکورہ انبیاء) بھی (نعوذ باللہ) شرک کرتے تو جو کچھ (نیک) اعمال کیا کرتے تھے، ان سے سب اکارت ہوجاتے (آگے نبوت کے مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ) یہ (جن کا ذکر ہوا) ایسے تھے کہ ہم نے ان (کے مجموعہ) کو (آسمانی) کتاب اور حکمت (کے علوم) اور نبوت عطا کی تھی (تو نبوت کوئی انوکھی و نرالی چیز نہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کا انکار کررہے ہیں، کیونکہ اس کی نظیریں پہلے سے موجود ہیں) تو اگر (نظیر موجود ہونے پر بھی) یہ لوگ (آپ کی) نبوت کا انکار کریں تو (آپ غم نہ کیجئے، کیونکہ) ہم نے اس کے (ماننے کے) لئے ایسے بہت سے لوگ مقرر کردیئے ہیں (یعنی مہاجرین وانصار) جو اس کے منکر نہیں ہیں (اور ہم جو غم نہ کرنے اور صبر کرنے کے لئے کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء نے ایسا ہی کیا ہے، چنانچہ) یہ (مذکورہ) حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے (اس صبر کی) ہدایت کی تھی تو (اس بارے میں) آپ بھی انہی کے طریقہ (صبر) پر چلئے، چونکہ آپ کو بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے، کیونکہ ان سے نہ آپ کو کوئی نفع نہ نقصان، جس کی وجہ سے غم اور بے صبری ہو اور اس مضمون کے اظہار کے واسطے ان سے تبلیغ کے وقت) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں چاہتا (جس کے ملنے سے نفع اور نہ ملنے سے نقصان ہو، بغیر کسی ذاتی غرض ولالچ کے نصیحت کرتا ہوں) یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے واسطے صرف ایک نصیحت ہے (جس کو ماننے سے تمہارا ہی نفع اور نہ ماننے سے تمہارا ہی نقصان ہے)

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی، جب کہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی، آپ یہ کہئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے، جس کو تم نے متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے بڑے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے، اور یہ بھی ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو بڑی برکت والی ہے، اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور تا کہ آپ مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو ڈراویں اور جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں، ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں، اور وہ اپنی نماز پر مداوت رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کا مضمون مقصود کے طور پر بیان کیا گیا تھا۔ اگرچہ ضمناً رسالت کے مسئلہ کی بھی تائید تھی، اب رسالت کے مسئلہ کا ذکر مقصود کے طور پر ہے، اور اس کے نزول کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک یہودی جس کا نام مالک بن الصیف تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ مذہبی گفتگو کرنے لگا تو جوش میں آ کر یہاں تک کہہ بیٹھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہیں کی اور ایک روایت میں ہے کہ یہود نے کہا کہ اللہ کی قسم! آسمان سے کوئی کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کو اللباب میں ابی حاتم اور ابن جریر نے سعید بن جبیر اور ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

نبوت سے متعلق بحث:

اور ان (منکر) لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننی واجب تھی ویسی قدر نہیں پہچانی، جبکہ (منہ پھیر کر) یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی بھی چیز (یعنی کوئی کتاب) نازل نہیں کی (یہ کہنا قدر ناشناسی اس لئے ہے کہ اس سے نبوت کے مسئلہ کا انکار لازم آتا ہے اور نبوت کا منکر اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے اور حق کی تصدیق واجب ہے، لہٰذا اس میں واجب قدر شناسی میں خلل پیدا ہوا۔ یہ تو تحقیقی جواب تھا اور الزامی خاموش کرنے والا جواب دینے کے لئے) آپ (ان سے) یہ کہئے کہ یہ (تو بتاؤ کہ) وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ (علیہ السلام) لائے تھے (یعنی توریت، جس کو تم بھی مانتے ہو) جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ (خود) نور (کی طرح واضح) ہے اور (جن کی ہدایت کے لئے وہ آئی تھی ان) لوگوں کے لئے وہ (شریعتوں کے بیان کی وجہ سے) ہدایت ہے، جس کو تم نے (اپنی نفسانی اغراض کے لئے) مختلف اوراق میں رکھ چھوڑا ہے، جن (میں جتنے اوراق کو چاہا ان) کو ظاہر کر دیتے ہو (جس میں تمہارے مطلب کے خلاف کوئی بات نہ ہو) اور بہت سی باتوں کو (جو تمہارے اپنے مطلب کے خلاف ہیں، یعنی جن اوراق میں وہ لکھی ہوئی ہیں، ان کو)

چھپاتے ہو، اور اس کتاب کی بدولت) تمہیں بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو (کتاب ملنے سے پہلے) نہ تم (یعنی بنی اسرائیل کی قوم جو کہ آیت کے نزول کے وقت موجود تھی) جانتے تھے اور نہ تمہارے (سلسلہ قریب کے) بڑے (جانتے تھے، مطلب یہ کہ جس توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو ایک تو تم مانتے ہو، دوسرے نور اور ہدایت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے وہ ماننے کے قابل بھی ہے، تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے، اگر چہ وہ استعمال شرمناک ہے، لیکن اس کی وجہ سے انکار کی گنجائش تو نہیں رہی، چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور احسان ونیکی کی چیز ہے، اس کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو، اس حیثیت سے بھی اس میں انکار کی گنجائش نہیں، یہ بتاؤ کہ اس کو کس نے نازل کیا ہے؟ اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہیں دیتے تھے، اس لئے خود حضور ہی کو جواب دینے کے لئے حکم ہے کہ) آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی (مذکورہ کتاب کو) نازل فرمایا ہے (اس سے ان کا عام دعوی باطل ہوگیا) پھر (یہ جواب سنا کر) ان کو ان کے مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے (یعنی آپ کا منصبی کام ختم ہوگیا، وہ نہ مانیں تو آپ فکر میں نہ پڑیں، ہم آپ ہی سمجھ لیں گے) اور (جس طرح توریت ہماری نازل کی ہوئی کتاب تھی، اسی طرح) یہ (قرآن) بھی (جن کی تکذیب یہود کے مذکورہ قول سے اصل مقصود ہے) ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے (آپ پر) نازل کیا ہے جو بڑی (خیرو) برکت والی ہے (چنانچہ اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا فلاح اور دارین کے نفع کا موجب ہے، اور) اپنے سے پہلے (نازل شدہ) کتابوں (کے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہونے) کی تصدیق کرنے والی ہے (تو ہم نے اس قرآن کو مخلوقات کے نفع اور اللہ کی کتابوں کی تصدیق کے لئے نازل فرمایا) اور (اس لئے نازل فرمایا) تاکہ آپ (اس کے ذریعہ سے) مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو (خصوصیت کے ساتھ عذابِ الٰہی سے جو کہ مخالفت پر ہوگا) ڈرائیں اور یوں عام طور سے ڈرانے کا کام بھی کریں ﴿لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾) اور آپ کے ڈرانے کے بعد خواہ سب ایمان نہ لائیں، لیکن) جو لوگ آخرت کا (پورا) یقین رکھتے ہیں (جس سے عذاب کا اندیشہ ہوجائے، اور اس سے بچنے کی فکر ہوجائے اور ہمیشہ نجات کے طریقہ کی طلب اور حق کی تعیین کی دھن میں لگ جائے، خواہ کسی دلیل نقلی سے یا تجویز عقلی سے) ایسے لوگ (تو) اس (قرآن) پر ایمان لے (ہی) آتے ہیں اور (ایمان واعتقاد کے ساتھ اس کے اعمال کے بھی پابند ہوتے ہیں، کیونکہ عذاب سے نجات کا وعدہ کامل مجموعہ پر ہے، چنانچہ) وہ اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں (اور جب اس عبادت کی جو کہ روزانہ پانچ بار مکرر اور مشکل ہے، ہمیشہ پابندی کرتے ہیں تو دوسری عبادتوں کی جو کہ کبھی کبھی اور آسان ہیں، اس سے زیادہ پابند ہوں گے، حاصل یہ کہ آپ کسی کے ماننے نہ ماننے کی فکر نہ کیجئے جو اپنا بھلا چاہیں گے مان لیں گے جو نہ چاہیں گے نہ مانیں گے، آپ اپنا کام کیجئے۔

فائدہ: ﴿تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ﴾ سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مضمون کے اوراق جدا کر رکھے تھے اور بعض مضامین کا ایسا کر لینا کوئی تعجب کی بات نہیں، اور اگر قراطیس سے بطور مجاز جو کچھ اوراق میں ہے وہ مراد لیا جائے تو معنی یہ

ہو سکتے ہیں کہ اپنے ذہن میں توریت کے مضامین کے مختلف حصے تجویز کر رکھے تھے جن میں سے بعض مضامین کو جیسے محمد ﷺ کی تعریف کو اس طرح چھپاتے تھے کہ اس کی طرح طرح سے تاویلیں کر دیتے تھے۔ چنانچہ دارمی میں حدیث عمر کے یہ الفاظ بنسخة من التوراة یعنی کچھ چیز مٹا دی گئی اور کچھ نقل کر دی گئیں (اس سے پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے) اور درمنثور میں ابن المنذر کی روایت سے ابن جریج کے یہ الفاظ یہود کے تعلق سے: فیما اظھروا من التوراة واخفوا من محمد صلی اللہ علیہ وسلم: دوسری توجیہ کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ ﴾ ع ۱۱ / ۱۶

ترجمہ: اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی، اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جب یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہونگے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہونگے، ہاں اپنی جانیں نکالو، آج تم کو ذلت کی سزا دی جاوے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے، اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم تو تمہارے ہمراہ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے، جن کی نسبت تم دعوی رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں، واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعوی سب تم سے گیا گزرا ہوا۔

ربط: اوپر نبوت کے منکروں کی قسموں میں سے بعض کا رد تھا اور ان قسموں کی بھی مذمت ہے جن میں سے ایک وہ تھے کہ صرف آپ کی نبوت کے منکر تھے، مگر اپنے لئے بھی کوئی دعوی نہیں کرتے تھے، جن میں سے بعض کا قول اوپر بھی آیا ہے۔ ﴿ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ آگے ﴿ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ میں تو ان کا ذکر ہے، اور دوسرے وہ تھے جو خود اپنے لئے نبوت کے مدعی تھے، جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ ﴿ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ ﴾ سے یہ مراد ہے جیسا کہ روح میں ابن جریج سے عبد بن حمید اور ابن المنذر کی روایت سے منقول ہے۔ اور تیسرے وہ تھے جو قرآن جیسی تصنیف

کر سکنے یا کرنے کے مدعی تھے، جیسے نضر بن حارث جس کا کہنا تھا: ﴿لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَآ﴾ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں، یہ اللباب میں بیان کیا گیا ہے اور جیسا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو پہلے مسلمان ہوگیا تھا، ایک بار اس سے ایک آیت لکھوائی گئی اتفاق سے اس کے منہ سے بعض کلمات وحی کے مطابق نکل گئے، حضور ﷺ نے ہی وہی لکھایا تو کہنے لگا: إن كان محمد يوحى إليه فقد أوحي إلي وإن كان الله ينزل فقد أنزلتُ مثل ما أنزل الله: یعنی اگر محمد پر وحی آتی ہے تو مجھ پر بھی وحی آتی ہے اور اگر اللہ نازل کرتا ہے تو میں بھی ویسا ہی نازل کر دیتا ہوں جیسا اللہ نے نازل کیا ہے، اس کو اللباب میں ابن جریر سے السدی سے روایت کیا ہے، اور آیت ﴿قَالَ سَاُنۡزِلُ مِثۡلَ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ میں ایسے لوگ مراد ہیں اور اگر چہ نضر نے یہ لفظ ﴿سَاُنۡزِلُ﴾ نہیں کہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو کہ نازل کرنے والے ہیں ان کے فعل کو جو کہ قرآن کے ساتھ تکلم کے لئے مخصوص ہے دعوی کرنے میں یہ معنی لازم آتے ہیں، اور ایک قول کے اعتبار سے ﴿اُوۡحِیَ اِلَیَّ﴾ کا مصداق عبداللہ (ابن ابی سرح) بھی ہوسکتا ہے اور چونکہ ان میں بعض نے نضر بن الحارث وغیرہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر مجھے عذاب ہونے لگا تو لات وعزی شفاعت کر دیں گے اس لئے ﴿وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا﴾ میں اس کا جواب بھی ارشاد فرمایا، اس کو اللباب میں ابن جریر سے عکرمہ سے روایت کیا ہے۔

نبوت کا انکار کرنے والوں کی مذمت:

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو کہ اللہ پر تہمت لگائے (اور مطلق نبوت یا خاص نبوت کا انکار کرے، جیسا کہ اوپر بعض کا قول آیا ہے ﴿مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ﴾ اور بعض کا قول تھا ﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا﴾ یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی (جیسے مسیلمہ وغیرہ) اور (اس طرح اس سے بھی زیادہ کون ظالم ہوگا) جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام، اللہ تعالیٰ نے (رسول اللہ ﷺ کے دعوی کے مطابق) نازل کیا ہے، اس طرح کا میں بھی لا (کر دکھا) تا ہوں (جیسا کہ نضر یا عبداللہ بن ابی سرح کہتا تھا۔ غرض یہ سب لوگ بڑے ظالم ہیں) اور (ظالموں کا حال یہ ہے کہ) اگر آپ (ان کو) اس وقت دیکھیں (تو بڑا ہولناک منظر دکھائی دے) جبکہ یہ ظالم لوگ (جن کا اوپر ذکر ہوا) موت کی (روحانی) سختیوں میں (گرفتار ہوں گے اور (موت کے) فرشتے (جو ملک الموت کے معاون ہیں، ان کی روح نکالنے کے واسطے ان کی طرف) اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور شدت کو ظاہر کرنے کے لئے یوں کہتے جاتے ہوں گے کہ) ہاں! جلدی اپنی جانیں نکالو (کہاں بچائے پھرتے تھے دیکھو) آج (مرنے کے ساتھ ہی) تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی (یعنی جس میں جسمانی تکلیف بھی ہو اور روحانی ذلت بھی ہو) اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی (جھوٹی) باتیں بکتے تھے (جیسے ﴿مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ اور ﴿اُوۡحِیَ اِلَیَّ﴾ اور ﴿سَاُنۡزِلُ﴾ وغیرہ) اور تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں (کے قبول کرنے) سے (جو کہ ہدایت کا ذریعہ تھی) تکبر کرتے تھے (یہ کیفیت تو موت کے وقت ہوگی) اور

(جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ) تم ہمارے پاس (یار و مددگار سے) تنہا تنہا (ہوکر) آ گئے (اور اس حالت سے آئے) جس طرح ہم نے پہلی بار تمہیں (دنیا میں) پیدا کیا تھا (کہ نہ بدن پر کپڑا نہ پاؤں میں جوتا) اور جو کچھ ہم نے تمہیں (دنیا میں ساز و سامان) دیا تھا (جس پر تم پھولے بیٹھے تھے) اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے (اپنے ساتھ کچھ نہ لا سکے، مطلب یہ کہ مال و دولت کے بھروسہ پر نہ رہنا، یہ سب یہاں ہی رہ جائے گا) اور (تم میں سے بعض کو جو اپنے باطل معبودوں کی شفاعت کا بھروسہ تھا تو) ہم تو تمہارے ہمراہ (اس وقت) تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے (جس سے ثابت ہوا کہ واقع میں بھی تمہارے ساتھ نہیں ہیں) جن کی نسبت تم دعویٰ کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں (کہ تمہارا جو عبادت کا معاملہ ہمارے ساتھ ہوتا تھا، وہی ان کے ساتھ ہوتا تھا) واقعی تمہارے (اور ان کے) آپس میں تو قطع تعلق ہوگیا (کہ آج وہ تم سے بیزار اور تم ان سے بیزار، پھر وہ شفاعت کیا کریں گے) اور تمہارا وہ دعویٰ (جس کا اوپر ذکر ہوا) سب تم سے گیا گذرا ہوا (کچھ کام کا نہ نکلا تو اب پوری پوری مصیبت پڑے گی)

فائدہ: ﴿غَمَرٰتِ الْمَوْتِ﴾ یعنی موت کی سختیوں میں روحانی کی قید اس لئے لگائی کہ نزع کی جسمانی شدت نہ کفار کے لوازم میں سے ہے اور نہ خواص میں سے، اور ملائکہ کا ﴿اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی اپنی جانیں نکالو کہنا حقیقت طلب کرنے کے لئے نہیں بلکہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی کی کوئی چیز لے کر بھاگ جائے اور اس کو چھپاتا پھرتا ہے، اور مالک یا اس کا آدمی اس کو پکڑ کر جبراً اس کی بغل اور جیب اور ہاتھ میں سے خود نکالتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ ہاں یہاں سے نکال، وہاں سے نکال، اس سے صرف شدت کا اظہار مقصود ہوتا ہے، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ پھر عبداللہ نے نادم ہوکر اسلام کی تجدید کر لی، اس صورت میں اس کا وعید سے استثناء ہو جائے گا، کیونکہ وعید کی جو علت تھی جب وہ دور ہوگئی تو وعید بھی ختم ہوگئی، اور اہل محشر کا ننگے بدن ننگے پاؤں ہونا صحاح یعنی حدیث صحیح کی کتابوں میں آیا ہے۔ اور روح میں ابن ابی حاتم اور حاکم کی روایت سے حضرت عائشہ سے مرفوعاً اسی تفسیر کی تائید منقول ہے، اور بعض روایتوں میں جو مومنوں کے کپڑے پہننے کی روایت ہے وہ اس کے خلاف نہیں، کہ برہنگی اصل حالت ہو اور لباس اس کے بعد ہو خواہ قبروں سے نکلنے سے پہلے یا اس کے بعد۔ واللہ اعلم اور قطع تعلق یا تو ظاہری حیثیت سے بھی ہوگیا ہوگا جیسا کہ ﴿فَزَيَّلْنَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے، یا شفاعت کی حیثیت سے قطع کیا جائے گا خواہ حسی طور پر یکجائی رہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۚ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۞ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۞ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۞ وَهُوَ

الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیۡءٍ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخۡلِ مِنۡ طَلۡعِهَا قِنۡوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّیۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُشۡتَبِهًا وَّغَیۡرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنۡظُرُوۡۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَیَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ۝

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو، وہ جاندار کو بے جان سے نکال لاتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالنے والا ہے۔ اللہ یہ ہے تو تم کہاں الٹے چلے جارہے ہو، وہ صبح کا نکالنے والا ہے، اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنائی ہے اور سورج اور چاند کو حساب سے رکھا ہے، یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے ایسی ذات کی جو کہ قادر ہے بڑے علم والا ہے۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں، خشکی میں بھی اور دریا میں بھی راستہ معلوم کرسکو۔ بیشک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کردیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو خبر رکھتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چندے رہنے کی، بیشک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کردیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نبات کو نکالا، پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں سے خوشے ہیں جو نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے، ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو، ان میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر رسالت کے مسئلہ کی تحقیق اس کے متعلقات سمیت تھی اور اس سے اوپر توحید کے مسئلہ کا ذکر تھا، اب پھر توحید کی طرف لوٹتے ہیں، اور اس کے ساتھ چونکہ استدلال میں اپنی نعمتوں کا ذکر ہے۔ اور اپنے نعمت دینے والا ہونے کا بھی ذکر ہے، تاکہ شرک کا طبعی طور پر قبیح ہونا بھی ظاہر ہوجائے۔

توحید کے اثبات کی طرف واپسی:

بیشک اللہ تعالیٰ دانہ کو اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے (یعنی زمین میں دبانے کے بعد جو دانہ یا گٹھلی پھوٹتی ہے اور اس سے پودا اگتا ہے، یہ اللہ ہی کا کام ہے) وہ جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکال لاتا ہے (جیسے نطفہ سے آدمی پیدا ہوتا ہے) اور وہ بے جان (چیز) کو جاندار (چیز) سے نکالنے والا ہے (جیسے آدمی کے بدن سے نطفہ ظاہر ہوتا ہے) اللہ یہ ہے (جس کی ایسی قدرت ہے) تو تم (اس کی عبادت چھوڑ کر) کہاں (اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کی طرف) الٹے جارہے ہو؟ وہ (اللہ تعالیٰ) صبح (صادق) کا (رات میں سے) نکالنے والا ہے (یعنی رات ختم ہوجاتی ہے اور صبح صادق ظاہر ہوتی

ہے) اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے (کہ سب تھکے تھکائے سو کر آرام پاتے ہیں) اور سورج اور چاند (کی رفتار) کو حساب سے رکھا ہے (یعنی ان کی رفتار کو ایک ضابطہ میں رکھا ہے جس سے اوقات کے تعین میں سہولت ہو) یہ (ان کی حساب سے رفتار ایسی ذات کی مقرر کی ہوئی بات ہے، جو کہ قادر (مطلق) ہے، اس کو اس طرح کی حرکت پیدا کرنے پر قدرت ہے اور) وہ بڑے علم والا ہے (کہ وہ پہلے سے اس رفتار کی مصلحتیں اور حکمتیں جانتا ہے اس لئے یہ خاص ضابطہ مقرر کردیا) اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہارے (فائدہ کے) لئے ستاروں کو پیدا کیا (اور وہ فائدہ یہ ہے) تاکہ تم ان کے ذریعہ سے (رات کے) اندھیروں میں خشکی میں بھی اور سمندر میں بھی راستہ معلوم کرسکو۔ بیشک ہم نے (توحید وانعام کے یہ) دلائل خوب کھول کھول کر بیان کردیئے ہیں (اور گو پہنچیں گے سب کو مگر نفع بخش) انہی لوگوں کے لئے (ہوں گے) جو (بھلے برے کی کچھ) خبر رکھتے ہیں (کیونکہ غور ایسے ہی لوگ کیا کرتے ہیں) اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تم (سب) کو (اصل میں) ایک شخص سے (کہ آدم علیہ السلام ہیں) پیدا کیا پھر (آگے کو نسلوں کی پیدائش جاری رہنے کا سلسلہ اس طرح چلا آرہا ہے کہ تم میں سے ہر شخص کے لئے مادہ کے مرتبہ میں) ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے (یعنی ماں کا رحم) اور ایک جگہ تھوڑا رہنے کی (یعنی باپ کی پشت، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مِنۢ بَيْنِ الصُّلْبِ ﴾۔ بیشک ہم نے (توحید وانعام کے یہ) دلائل (بھی) عام طور پر خوب کھول کھول کر بیان کردیئے (مگر ان کا نفع بھی گذشتہ کی طرح) انہی لوگوں کے لئے ہوگا جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں (یہ ﴿ يُخْرِجُ الْحَيَّ ﴾ کی تفسیر ہوگئی) اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے آسمان (کی طرف) سے (بارش کا) پانی برسایا، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے (اس کے ایک طرح کا ہونے کے باوجود) ہر (مختلف) قسم کے نباتات کو (زمین سے) نکالا اور (یہ بھی عجیب بات ہے کہ واحد سبب کے مختلف مسبب) پھر ہم نے اس (نبات کی پہلی نمودار ہونے والی چیز) سے (جو پہلی بار زمین سے نکلتی ہے جس کو بعض غلوں میں سوئی یا کھونٹی کہتے ہیں اور رنگ میں زرد ہوتی ہے) سبز شاخ نکالی کہ اس (شاخ) سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں (یہ تو غلوں کی کیفیت ہے جس کا ذکر اجمالی طور پر ﴿ فَالِقُ الْحَبِّ ﴾ میں آچکا ہے) اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں خوشے (نکلتے) ہیں جو (بوجھ کے مارے) نیچے کو لٹکے جاتے ہیں، اور (اس پانی سے ہم نے (انگوروں کے باغ (پیدا کئے) اور زیتون وانار (کے درخت پیدا کئے) جو کہ (بعض انار اور بعض زیتون کے پھل کی شکل وصورت اور مقدار ورنگ ومزہ کے اعتبار سے) ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور (بعض) ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے (ذرا) ہر ایک پھل کو تو دیکھو، جب وہ پھلتا ہے (کہ اس وقت بالکل کچا، بدمزہ، ناقابل فائدہ واستعمال ہوتا ہے) اور (پھر) اس کے پکنے کو دیکھو (کہ اس وقت تمام اوصاف میں کیسا کامل ہوگیا، یہ بھی (اللہ کی قدرت کا ظہور ہے) ان (امور) میں (بھی) توحید کے (دلائل (موجود) ہیں (اور گویا تبلیغ کے اعتبار سے سب کے لئے ہیں مگر نفع اٹھانے کے اعتبار سے) انہی لوگوں کے لئے (ہیں) جو ایمان (لانے کی فکر) رکھتے ہیں (یہ میووں اور پھلوں کا بیان ہوا جن کا ذکر اجمالی طور پر ﴿ وَالنَّوٰى ﴾ میں آچکا ہے)

فائدہ: ان مضامین میں ایک عجیب ترتیب کی رعایت رکھی گئی ہے، وہ یہ کہ یہاں تین قسم کی کائنات کا ذکر ہے: (۱) سفلیات (۲) علویات (۳) خلا یا فضا کی کائنات یعنی زمین وآسمان کے درمیان والی کائنات جہاں ہوا بھری ہوئی ہے، اور شروع سفلیات سے کیا کہ وہ ہم سے زیادہ قریب ہیں اور پھر اس کے دو حصے بیان کئے، ایک نباتات کا بیان دوسرے نفس کا بیان۔ پہلے کو اس لئے بیان کیا کہ وہ دوسرے کی بہ نسبت زیادہ ظاہر ہے اور دوسرا زیادہ دقیق یعنی مشکل ہے۔ چنانچہ نطفہ کے تقلبات کا ادراک طبیبوں اور ڈاکٹروں کے ساتھ مخصوص ہے بخلاف تقلبات نباتات کے کہ عام طور سے مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں، پھر خلا کی کائنات کا ذکر کیا یعنی صبح اور رات، پھر علویات کا ذکر کیا سورج وچاند اور ستارے پھر چونکہ سفلیات عام طور سے مشاہدہ میں رہتی ہیں، اس لئے ان کو مکرر لاکر مضمون کو اس پر ختم فرمایا۔ مگر پہلے ان کا ذکر اجمالی طور پر تھا، اب ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، لیکن تفصیل کی ترتیب میں اجمال کی ترتیب کے برعکس کر دیا گیا کہ نفس کے بیان کو پہلے رکھا۔ اور نباتات کے بیان کو بعد میں۔ ممکن ہے کہ اس کی بنیاد یہ ہو کہ اس مفصل بیان میں نعمت کے اظہار کا بیان اختیار کیا گیا ہے تو اس حیثیت سے منعم علیہ یعنی جس پر انعام کیا گیا وہ مقصود اور متبوع ہونے کی وجہ سے پہلے آنے کا مستحق ہوا۔ اور نباتات کے بیان میں پہلے والی ترتیب باقی ہے کہ حبوب یعنی دانوں کی کیفیت نوی یعنی گٹھلی سے پہلے رہی، اور درمیان میں بارش کا ذکر باوجودیکہ وہ نباتات کے تابع ہے۔ لیکن اس میں ایک اور لطیفہ بھی ہوسکتا ہے کہ بارش کی دو جہتیں ہیں، ابتدا کے لحاظ سے تو علوی اور انتہا کے اعتبار سے سفلی، اور مسافت کے اعتبار سے خلا والی کائنات۔

﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے، حالانکہ ان لوگوں کو خدا نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے بیٹیاں محض بلاسند تراش رکھی ہیں، وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اللہ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے، حالانکہ اس کے کوئی بی بی تو ہے نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ تو تم لوگ اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی، اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے، اور وہی بڑا باریک بین باخبر ہے۔

ربط: اوپر توحید کے دلائل کا ذکر تھا، اب صراحت کے ساتھ توحید کا اثبات اور شرک کا باطل ہونا ہے۔

توحید کا اثبات اور شرک کا باطل ہونا:

اور (مشرک) لوگوں نے (اپنے اعتقاد میں) شیطانوں کو (ایسے) اللہ کا (جس کی صفات اور افعال کا اوپر ذکر ہوا) شریک قرار دے رکھا ہے (کہ ان کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کے کہنے پر چلتے ہیں) حالانکہ ان لوگوں کو (خود ان کے اقرار کے مطابق بھی) اللہ (ہی) نے پیدا کیا ہے (جب خالق کوئی اور نہیں تو معبود بھی کوئی اور نہیں ہونا چاہئے) اور ان (مشرکوں میں سے بعض) لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں (اپنے اعتقاد میں) محض بلاسند گھڑ رکھی ہیں (جیسے نصاری حضرت مسیح کو اور بعض یہود حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا اور عرب کے مشرک فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے) وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کے بارے میں) بیان کرتے ہیں (یعنی یہ کہ اس کا کوئی شریک ہو یا اس کے کوئی اولاد ہو) وہ آسمانوں اور زمین کا موجد (یعنی ناپید سے وجود میں لانے والا) ہے (اور دوسرا کوئی موجد نہیں، لہٰذا معبود بھی اور کوئی نہیں ہوگا، اس سے تو شریک کی نفی ہوئی، اور اولاد کی نفی کی دلیل یہ ہے کہ (مریم کے علاوہ) غیر مؤنث کی اولاد کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی بیوی ہو، اور ان دونوں کے ملنے سے تیسری جاندار چیز پیدا ہو تو) اللہ تعالیٰ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے، حالانکہ اس کی تو کوئی بیوی ہی نہیں ہے (جن پر اولاد کا ہونا موقوف ہے، ظاہر ہے جب بیوی نہیں تو اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے (جس طرح ان لوگوں کو پیدا کیا ﴿وَخَلَقَهُمْ﴾ اور زمین و آسمان کو پیدا کیا ﴿بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ﴾ الخ اسی طرح اسی نے) ہر چیز کو پیدا کیا (لہٰذا معبود وہی ہو سکتا ہے) اور (جس طرح وہ خالق ہونے میں یکتا، اکیلا ہے، اسی طرح اس صفت میں بھی یکتا ہے کہ) وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (ازل کے اعتبار سے بھی اور ابد کے اعتبار سے بھی اور اس وصف میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور تخلیق بغیر علم کے نہیں ہو سکتی، اس سے بھی ثابت ہوا کہ اور کوئی خالق نہیں) یہ (ذات جس کی صفات و کمال بیان کئے گئے یہ) ہے اللہ تعالیٰ۔ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا (جیسا کہ اوپر بیان ہوا، جب یہ صفات صرف اللہ ہی میں ہیں) تو تم لوگ اسی کی عبادت کرو، اور (پھر یہ کہ) وہی ہر چیز کا (حقیقی) پیدا کرنے والا ہے (دوسرا کوئی پیدا کرنے والا اور بنانے والا بھی نہیں، لہٰذا اگر تم اس کی عبادت کرو گے تو وہ تمہیں حقیقی نفع پہنچائے گا، اور دوسرا کیا دیدے گا۔ غرض خالق یعنی پیدا کرنے والا بھی وہی، علیم یعنی علم والا بھی وہی اور وکیل یعنی ہر چیز کا کام بنانے والا بھی وہی، اور ان سب امور کا تقاضا ہے کہ معبود بھی وہی ہو، اور اس کے علیم ہونے کی اور اس میں منفرد یعنی سب سے تنہا ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ) اس کا تو کسی کی نگاہ احاطہ نہیں کر سکتی (دنیا میں تو اس طرح کہ اسے کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا، جیسا کہ شرعی دلیلوں سے ثابت ہے اور آخرت میں اس طرح کہ اگرچہ اہل جنت دیکھیں گے جیسا کہ یہ بھی شرعی دلیلوں سے ثابت ہے، لیکن احاطہ محال رہے گا۔ اور نظر سے جس محسوس ہونے والے کے ظاہر کا احاطہ نظر کے احساس سے محال ہو تو اس کی باطنی حقیقت کا جو کہ ظاہر کے مقابلہ میں بہت

زیادہ خفی ہے، عقل سے احاطہ کرنا جس میں کہ احساس کے مقابلہ میں غلطی کا بہت زیادہ احتمال ہے بدرجۂ اولیٰ محال ہوگا) اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) سب نگاہوں کا (جو کہ اس کا احاطہ کرنے سے عاجز تھیں، احاطہ کر لیتا ہے (اسی طرح دوسری چیزوں کا بھی علم کے اعتبار سے احاطہ کر لیتا ہے، ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾) اور (اس امر سے کہ وہ سب کا احاطہ کرتا ہے اور اس کا کوئی احاطہ نہیں کرتا، لازم آگیا کہ) وہی بڑا باریک بین، باخبر ہے (اور کوئی دوسرا نہیں، اور یہی علم کے کمال میں سب سے منفرد ہونا تھا، جو ثابت ہو گیا)

تفسیر: حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کوئی دیکھنے والا اور دکھائی دینے والا چاہے کیسا ہی اکبر واعظم ہو، ایسا نہیں کہ کسی دیکھنے والے کی نظر سے چاہے وہ کیسا ہی چھوٹا اور حقیر ہو، اس کا احاطہ محال ہو، چنانچہ عقل کے تقاضہ سے اس کا امکان ظاہر ہے، بخلاف حق تعالیٰ کے کہ باوجودیکہ دنیا میں عقل کے اعتبار سے اپنے آپ میں دکھائی دینا ممکن ہے، جیسا کہ ﴿ رَبِّ اَرِنِيْٓ ﴾ کی درخواست سے ظاہر ہے۔ مگر شرعاً محال ہے، جیسا کہ ﴿ لَنْ تَرٰىنِيْ ﴾ سے یقینی ہے۔ اور حدیثوں میں مطلق طور پر اس کی تصریح ہے اور آخرت میں دکھائی دینا واقع ہے، لیکن احاطہ ہر حال میں محال ہے، اور یہ امر اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہے۔

لہٰذا یہ شبہ دور ہو گیا کہ بعض بہت بڑے بڑے جسموں پر بھی یہ امر صادق آتا ہے کہ ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ یعنی نظریں ان کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ شبہ کے دور ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ وہاں ادراک، احاطہ کے معنی میں محال تو نہیں، لہٰذا آیت میں مذکور ادراک کی نفی محال ہونے کے درجہ میں واجب تعالیٰ کے خواص سے ہوا، اور عقلی احاطہ کا محال ہونا مستقل طور پر بھی علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اور ﴿ لَا يُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ بھی درجۂ اولیٰ میں اس پر دلالت کرتا ہے، جس کی تقریر ترجمہ کے دوران بیان کر دی گئی اور ﴿ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ﴾ میں نظروں کی تخصیص، مقام کی خصوصیت کے تقاضہ سے ہے کہ موقع نظروں کے بیان کا ہے، حکم کی خصوصیت بیان کرنا مقصود نہیں، کیونکہ عموم دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

اور اس کا مضمون واجب تعالیٰ کے خواص سے اس طرح ہے کہ ممکنات میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ دوسری چیز کا اس کا احاطہ کرنا محال ہو۔ اور اس کا احاطہ اس دوسری چیز کے لئے واجب ہو، لہٰذا ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ میں نفی محال کے درجہ میں معتبر ہوگی، اور ﴿ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ﴾ میں اثبات وجوب کے درجہ میں معتبر ہوگا، اب دونوں حکموں کا خواص میں سے ہونا ظاہر اور یقینی ہو گیا۔

اور ادراک کا جو ترجمہ کیا گیا، اس سے اہل جنت کے لئے اللہ کی رویت کے انکار کے باب میں معتزلہ کا استدلال ساقط ہو گیا، اور ادراک کے یہ معنی ابن عباس سے منقول ہیں۔ چنانچہ درمنثور میں ہے: أخرج ابن جرير عن ابن عباس لاتدركه الأبصار لايحيط بصر أحد بالله تعالىٰ إلخ: یعنی ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت

کیا ہے کہ ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی نظر اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتی، اور روح المعانی میں ہے: وإليه ذهب الكثير من أئمة اللغة وغيرهم: یعنی ائمہ لغت وغیرہ میں سے زیادہ تر کی رائے یہی ہے۔ لہٰذا مطلق رویت ثابت ہے جبکہ احاطہ کی نفی ہے اور حدیثوں میں حضور ﷺ سے اس سوال کے جواب میں کہ هل رأيت ربك؟ جو دو جواب آئے ہیں، ایک نور انى أراه، اور دوسرا رأيت نوراً، پہلے جواب میں احاطہ مراد ہے اور دوسرے میں مطلق رؤیت یعنی دیکھنا۔

اور جاننا چاہئے کہ معراج کی رات میں آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا جیسا کہ جلالین میں مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کی روایت سے حضور ﷺ کا ارشاد منقول ہے: رأيت ربي عزوجل الحديث: یعنی میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا وہ دنیا میں اس شرعی امتناعی حکم سے مخصوص ہے۔ اور شیخ اکبر رحمہ اللہ آسمانوں اور ان سے اوپر پائی جانے والی تمام چیزوں کو دنیا سے خارج فرماتے ہیں، اور آخرت کے امور میں داخل فرماتے ہیں، اس بنا پر کہ آخرت کا ایک زمانہ ہے جو قیامت میں آئے گا اور ایک مکان ہے جس کا اوپر ذکر ہوا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ رؤیت آخرت میں ہوئی تھی، لہٰذا تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔

﴿ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے ہیں، سو جو شخص دیکھ لے گا، وہ اپنا فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا رہے گا، وہ اپنا نقصان کرے گا، اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں، اور ہم اس طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تا کہ آپ سب کو پہنچا دیں اور تا کہ یہ یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے پڑھ لیا ہے اور تا کہ ہم اس کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کر دیں۔ آپ خود اس طریق پر چلتے رہئے جس کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپ کو ان کا نگراں نہیں بنایا۔

ربط: اوپر توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال یعنی باطل ہونے کے دلائل بیان ہوئے ہیں، اب رسالت کے مسئلہ سے متعلق اس امر کا بیان ہے کہ آپ کے ذمہ رسالت کی حیثیت سے صرف ان مضامین کی تبلیغ اور عبد ہونے کے اعتبار سے خود عمل پر قائم رہنا ہے، نہ کہ ان کے فکر وغم میں پڑ جانا۔

رسالت وعبدیت کا خاص کام:

(آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق کو دیکھنے کے لئے ذرائع پہنچ چکے ہیں (اور وہ توحید ورسالت کے حق ہونے کے عقلی ونقلی دلائل ہیں) تو جو شخص (ان کے ذریعہ سے حق کو) دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا، اور جو شخص اندھا رہے گا، وہ اپنا نقصان کرے گا۔ اور میں تمہارا (یعنی تمہارے اعمال کا) نگراں نہیں (یعنی جس طرح نگرانی کرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے کہ ناشائستہ حرکت نہ کرنے دے ایسا میرے ذمہ نہیں ہے، میرا کام صرف تبلیغ ہے) اور (دیکھئے) ہم اس (عمدہ) طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ سب کو پہنچادیں، اور تاکہ یہ (منکرین تعصب سے یوں کہیں گے کہ آپ نے کسی سے (ان مضامین کو) پڑھ لیا ہے (مطلب یہ کہ تاکہ ان پر اور زیادہ الزام ہو کہ ہم تو اس طرح حق کو ثابت کرتے ہیں اور تم ایسا کہتے تھے اور یہ کہنا محض عناد کی وجہ سے تھا ورنہ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے) اور تاکہ ہم اس (قرآن کے مضامین) کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کردیں (یعنی قرآن کے نازل کرنے کے تین فائدے ہیں: ایک یہ کہ آپ کو تبلیغ کا اجر ملے۔ دوسرے یہ کہ انکار کرنے والوں پر زیادہ جرم قائم ہو۔ اور تیسرے یہ کہ دانشمندوں اور حق طلب کرنے والوں کے لئے حق ظاہر ہوجائے۔ لہٰذا آپ (یہ نہ دیکھئے کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا) خود اس طریقہ پر چلتے رہئے جس (پر چلنے) کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے (اور اس طریقہ میں بڑی چیز یہ اعتقاد ہے کہ) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، (اور اس طریقہ میں تبلیغ کا حکم بھی داخل ہے) اور اس پر قائم رہ کر) مشرکوں کی طرف خیال نہ کیجئے (کہ افسوس انھوں نے کیوں قبول نہیں کیا) اور (یہ خیال نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ) اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے (لیکن ان لوگوں کی بدعنوانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ انہیں سزا دیں۔ اس لئے ویسے ہی اسباب جمع کردیئے، پھر ان کو آپ کب مسلمان بناسکتے ہیں) اور (آپ اس فکر میں پڑیں ہی کیوں؟) ہم نے آپ کو ان (کے اعمال) کا نگراں نہیں بنایا، اور نہ آپ (ان اعمال پر عذاب دینے کے ہماری طرف سے) مختار ہیں (لہٰذا جب نہ آپ سے متعلق ان کے جرائم کی تفتیش ہے اور نہ آپ کو انہیں سزا دینے کا حکم ہوا ہے تو پھر آپ کو تشویش کیوں ہے؟)

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور دشنام، مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے، ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے، پھر اپنے رب ہی

کے پاس ان کو جانا ہے۔ سو وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔
ربط: اوپر کے مضامین میں مشرکوں کے طریقہ کے باطل ہونے کا اور مذکورہ مضامین کے ساتھ اس کی تبلیغ کا امر بھی بیان کیا گیا ہے۔ اب مشرکوں کے باطل معبودوں کو سب وشتم کرنے سے مسلمانوں کو ممانعت فرما کر دین کی تبلیغ کے حدود قائم کرتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر قوم سے مناظرہ کرنا تو تبلیغ کا جزء ہے، لیکن وہ جن کی تعظیم کرتے ہیں، ان کے حق میں دشنامی اور دل خراش الفاظ استعمال کرنا اس وجہ سے ممنوع ہے کہ بدلہ میں وہ ہمارے معبود یا رسولوں اور قابل تعظیم اشخاص وغیرہ کی شان میں گستاخی کریں گے، تو گویا اس گستاخی کا سبب ہم ہوئے۔

کفار کو سب وشتم کی ممانعت:

اور برا مت کہو ان (باطل معبودوں) کو جن کی یہ (مشرک) لوگ اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ (تمہارے ایسا کرنے سے) پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے گذر کر (غصہ میں آ کر) اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے (اور اس کا تعجب نہ کیا جائے کہ ایسی گستاخی کرنے والوں کو ساتھ کے ساتھ سزا کیوں نہیں مل جاتی، کیونکہ) ہم نے (دنیا میں تو) اسی طرح (جیسا ہو رہا ہے) ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل (بھلا ہو یا برا) مرغوب بنا رکھا ہے (یعنی ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ ہر ایک کو اپنا طریقہ پسند ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں یہ آزمائش کا عالم ہے، لہٰذا اس میں سزا ضروری نہیں) پھر البتہ اپنے وقت پر (اپنے رب ہی کے پاس (سب) کو جانا ہے، تو (اس وقت) وہ ان کو جتا دے گا جو کچھ بھی وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے اور مجرموں کو سزا دیدے گا)

فائدہ: بتوں کو برا کہنا اپنے آپ میں مباح ہے، مگر جب وہ ایک امر حرام یعنی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا ذریعہ بن جائے تو وہ ممنوع اور قبیح ہو جائے گا، اس سے ایک شرعی قاعدہ ثابت ہوا کہ جب کوئی مباح امر کسی حرام کا سبب بن جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے، اور باوجودیکہ اوپر کی آیت میں اور دوسری آیتوں میں جو مضامین توحید ورسالت کے اثبات اور شرک وکفر کے ابطال کے بیان ہوئے ہیں، بعض اوقات کفار ان کے بدلہ میں بھی اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی اور حضور پرنور ﷺ کی تکذیب کے کلمات کہا کرتے تھے، چنانچہ وہ متعدد مقامات میں منقول ہیں، لیکن ان مضامین کا بیان کرنا ممنوع نہیں ہوا۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ ان مضامین کا ظاہر کرنا واجب اور شریعت میں مطلوب ہے، ایسے امر پر اگر کچھ مفاسد پیدا ہو جائیں تو اس امر کو ترک نہیں کیا جائے گا، یہ دوسرا قاعدہ ثابت ہوا اور بتوں کے سلسلہ میں دشنام امر مباح تھا، لیکن شریعت کے نزدیک یہ واجب اور مطلوب نہیں تھا، ایسے امر پر جب مفاسد پیدا ہوں گے تو اس کو ترک کرنا واجب ہوگا۔ دونوں امر میں یہی فرق ہے۔ یہ دونوں فقہی قاعدے علم عظیم ہیں ان سے بیشمار فروع کا حکم اور فیصلہ معلوم ہوتا ہے۔ روح المعانی میں ابوالمنصور سے ایک سوال کے جواب میں جو ان سے پوچھا گیا تھا یہی فرق نقل کیا ہے اور ابن سیرین سے

بھی اس کی تائید نقل کی ہے، اور قرآن مجید کی بعض آیتوں میں جو باطل معبودوں کی تحقیر کا بیان ہے، وہ سب دشنام کے قصد سے نہیں بلکہ مناظرہ میں مطلوب کی تحقیق اور مخالف کے الزام کے طور پر ہے جیسا کہ مناظروں میں ہوتا ہے، اور قرائن سے فرق معلوم ہو جاتا ہے کہ تحقیق مقصود ہے یا تحقیر۔ اول جائز ہے دوسرا ناجائز۔

﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَاۗءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۹ وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱۰ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝۱۱۱ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشان آ جاوے تو وہ ضرور ہی اس پر ایمان لے آویں گے، آپ کہہ دیجئے کہ نشان سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں، اور تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشان جس وقت آ جاویں گے یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لاویں گے۔ اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسا یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے، اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں حیران رہنے دیں گے۔ اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لا کر جمع کر دیتے تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے، ہاں اگر خدا ہی چاہے تو اور بات ہے، لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔

ربط: اوپر اللہ کی نازل کی ہوئی آیتوں سے مشرکوں کے فائدہ نہ اٹھانے کا ذکر تھا، چنانچہ ﴿نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ﴾ میں ان آیتوں کا اور اس کے بعد ان کا اپنے شرک پر قائم رہنے کا بیان ہے۔ اب مشرکوں کا بطور عناد فرمائشی آیتوں کی درخواست کرنے کا مع جواب ذکر ہے، جس کا قصہ ابن جریر نے محمد قرظی سے اس طرح نقل کیا ہے کہ جب آپ نے قریش سے اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں گفتگو کی تو وہ بولے آپ گذشتہ نبیوں کے ایسے ایسے معجزات کا بیان کرتے ہیں، تو ایسا ہی کوئی معجزہ آپ بھی ظاہر کیجئے۔ آپ نے معجزہ کی تعیین پوچھی تو انھوں نے کہا کہ صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: اگر ایسا کروں تو کیا تم میری اتباع کرنے لگو گے؟ تو وہ قسمیں کھانے لگے کہ ہاں کریں گے، آپ دعا کرنے کے واسطے کھڑے ہو گئے، لیکن اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے کہ آپ چاہیں تو پہاڑ سونا ہو جائے گا، لیکن اگر یہ ایمان نہ لائے تو میں ان پر عذاب نازل کر دوں گا۔ اب چاہے اس فیصلہ کو اختیار کیجئے اور چاہے یوں رہنے دیجئے کہ جس کی قسمت میں ایمان ہے، وہ (بقیہ معجزوں کو کافی سمجھ کر) ایمان لے آئے گا، تو آپ نے فرمایا پھر یوں ہی رہنے دیا جائے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

نشانیوں کے طلب کرنے کا جواب:

اور ان (منکر) لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے (یعنی ہمارے) پاس (ان کی فرمائش کے مطابق کوئی نشانی (ظہور میں) آجائے تو وہ (یعنی یہ) ضرور ہی اس (نشان) پر ایمان لے آئیں گے (یعنی نشانی ظاہر کرنے والے کی نبوت کو مان لیں گے) آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور وہ ان میں جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں دوسرے کو دخل دینا اور فرمائش کرنا بیجا ہے، کیونکہ اللہ کے سوا کسی کو یہ معلوم نہیں کس نشان کا ظاہر ہونا حکمت ہے اور کس کا ظاہر نہ ہونا حکمت ہے، البتہ رسولوں کی بعثت کے وقت مطلقاً کسی نشان کو ظاہر کر دینے میں حکمت یقینی ہے تو اللہ تعالیٰ رسالت محمدیہ کے دعوی کی سچائی پر بہت سے نشان ظاہر فرما چکے ہیں جو کہ دلالت کے لئے کافی ہیں، اس طرح یہ ان کی فرمائش کا جواب ہو گیا) اور (چونکہ مسلمانوں کے دل میں خیال تھا کہ اگر یہ نشان ظاہر ہو جائیں تو اچھا ہو کہ شاید یہ ایمان لے آئیں، اس لئے ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ) تمہیں اس کی کیا خبر (بلکہ ہمیں خبر ہے) کہ جس وقت وہ (فرمائش کے مطابق) نشانیاں (ظہور میں) آجائیں گی، یہ لوگ (انتہائی عناد کی وجہ سے) تب بھی ایمان نہ لائیں گے، اور (ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے) ہم بھی ان کے دلوں کو (حق کی طلب کے قصد سے) اور ان کی نگاہوں کو (حق بینی کی نظر سے) پھیر دیں گے (اور ان کا یہ ایمان نہ لانا ایسا ہے) جیسا یہ لوگ اس (قرآن) پر (جو کہ عظیم ترین معجزہ ہے) پہلی دفعہ (جبکہ وہ آیا) ایمان نہیں لائے (تو اب ایمان نہ لانے کو بعید مت سمجھو) اور نظروں کے پھیر دینے کا مطلب ظاہری پھیر دینا نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ) اگر ہم فرمائش کے مطابق ایک نشان کیا کئی کئی اور (فرمائش کے مطابق) اور بڑے بڑے نشان بھی ظاہر کر دیتے، مثلاً یہ کہ) ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے (جیسا کہ وہ کہتے ہیں ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ﴾) اور ان سے مردے (زندہ ہو کر) باتیں کرنے لگتے (جیسا کہ وہ کہتے ہیں ﴿فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ﴾) اور (یہ تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں ﴿تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾) ہم (اسی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ) تمام (غیبی) موجودات کو (جن میں جنت و دوزخ سبھی کچھ آ گیا) ان کے پاس ان کی آنکھوں کے سامنے لا کر جمع کر دیتے (کہ سب کو کھلم کھلا دیکھ لیتے) تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے، ہاں مگر اللہ ہی چاہے (اور ان کی تقدیر بدل دے) تو اور بات ہے (لہٰذا جب ان کے عناد اور شرارت کی یہ کیفیت ہے اور وہ خود بھی اس کو جانتے ہیں کہ ہماری نیت اس وقت بھی ایمان لانے کی نہیں تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ نشانیوں کی فرمائش نہ کرتے کہ بالکل بے کار ہے) لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں (کہ ایمان لانے کا تو قصد ہے نہیں، پھر خواہ مخواہ کی فرمائشوں کا جہالت ہونا ظاہر ہے)

فائدہ: ﴿لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا﴾ میں کفار کا قول نقل کیا ہے اور ﴿اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ میں ان کا جواب ہے۔ اور

﴿ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ﴾ سے آخر تک مسلمانوں کو فہمائش اور خطاب ہے۔ جواب کا حاصل ترجمہ کی تقریر سے ظاہر ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ رسول، نبوت کا دعوی کرتے ہیں اور خلاف عادت نشانیاں اس دعوی کی دلیل ہیں اور مدعی کے ذمہ عقلی قضیہ کے مطابق دلیل کا قائم کرنا ضروری ہے، کسی خاص دلیل کی تعیین ضروری نہیں جس کے لئے اسلام کی حقانیت کا ہر مدعی اب بھی تیار ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے عدالت میں کسی شخص پر ہزار روپے کا دعوی کیا اور دو یا چار معتبر گواہ بھی پیش کر دیئے تو مدعی علیہ کو یعنی جس کے خلاف دعوی کیا گیا ہے یہ تو اجازت ہوگی کہ ان گواہوں پر جرح کرے اور ان کی گواہی کا ناقابل اعتبار ہونا ثابت کرے، اور مدعی سے اس کا جواب طلب کیا جائے گا، لیکن اسے یہ اختیار نہیں دیا جائے گا کہ ان گواہوں میں کسی خرابی کے ثابت نہ کر سکنے کے باوجود یوں کہے کہ میں تو فلاں فلاں شخص کی گواہی کو حجت سمجھوں گا، ان موجودہ گواہوں کو میں نہیں مانتا، حاکم عدالت اس بے ہودہ عذر کو ہرگز نہیں سنے گا، اور مدعی کو ڈگری دیدے گا۔ اور مدعا علیہ چاہے جتنی بک بک کرے قرضہ میں اس کا گھر بار سب نیلام دیا جائے گا، اس بیان سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ جدید معجزوں کی ضرورت نہ تھی۔ اب یہ بات کہ اگر ہو جاتا تو کیا حرج تھا؟ تو اس جرح کا بیان دوسری آیتوں میں ہے۔ چنانچہ اسی سورت کے شروع میں آیت ﴿ وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ﴾ کی تفسیر میں گذر چکا ہے، اور اسی ضرر کی وجہ سے حضور ﷺ نے بھی حق تعالیٰ کے پوچھنے پر مطلوبہ نشانیوں کے نازل نہ ہونے کی اسی شق کو اختیار فرمایا جیسا کہ تمہید میں بیان کیا گیا۔

اور ﴿ نُقَلِّبُ ﴾ الخ سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ نے ہی خراب کر دیا تو پھر مواخذہ کا الزام کیا۔ اس کا جواب کئی جگہ گذر چکا ہے، چنانچہ اجمال کے طور پر یہاں بھی ﴿ نُقَلِّبُ ﴾ کے ترجمہ سے پہلے اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے، لہٰذا ان کے دل پھیرنے کا سبب ان کا اعراض ہے، یہ نہیں کہ ان کے دل حق کی طرف متوجہ ہوں اور پھر انہیں پھیر دیا جائے حاشا وکلا، ہرگز نہیں بلکہ توجہ کے ساتھ تو یہ وعدہ ہے: ﴿ وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (سورۃ العنکبوت ٦٩) خوب سمجھ لو۔ اور لفظ اکثر اس لئے بڑھایا کہ علم الٰہی میں بعض لوگ ایمان لانے والے تھے۔

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـــِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعضے دوسرے بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے، تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ

ایسے کام نہ کر سکتے، سو ان لوگوں کو اور جو کچھ افترا پردازی کر رہے ہیں، اس کو آپ رہنے دیجئے، اور تا کہ اس کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جاویں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تا کہ اس کو پسند کر لیں اور تا کہ مرتکب ہو جاویں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں کفار کے عناد اور عداوت کا ذکر تھا، جو کہ مذکورہ اقوال وافعال کی بنیاد ہے۔ اب رسول اللہ ﷺ کی تسلی کی جاتی ہے کہ ایسی عداوت دوسرے انبیاء کے ساتھ بھی ہوتی رہی ہے، اور اس پر ایسے ہی آثار مرتب آتے ہیں۔

کفار کی عداوت کے بارے میں نبی ﷺ کی تسلی اور اس کے آثار:

اور (یہ لوگ جو آپ سے عداوت کا معاملہ کرتے ہیں تو یہ کوئی آپ ہی کے لئے نئی بات نہیں ہوئی، بلکہ جس طرح یہ آپ سے عداوت رکھتے ہیں) اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی (جن سے اصل معاملہ تھا) اور کچھ جنات (ابلیس اور اس کی اولاد) جن میں سے بعض (یعنی ابلیس اور اس کا لشکر) دوسرے بعض کو (یعنی کافر آدمیوں کو) چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے، تا کہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں (ان سے کفر و مخالفت کی باتیں مراد ہیں، کہ ظاہر میں نفس کو بھلی معلوم ہوتی تھیں اور باطن میں مہلک تھیں، اور یہی وجہ ہے کہ جب یہ کوئی نئی بات نہیں تو اس کا غم نہ کیجئے کہ آپ کے ساتھ یہ لوگ ایسے معاملات کیوں کرتے ہیں، اصل یہ ہے کہ اس میں بعض حکمتیں ہیں، اس وجہ سے ان کو ایسے امور پر قدرت بھی ہوگئی ہے) اور اگر اللہ تعالیٰ (یہ) چاہتا (کہ یہ لوگ ایسے امور پر قادر نہ رہیں) تو (پھر) یہ ایسے کام نہ کر سکتے (مگر بعض حکمتوں سے ان کو قدرت دیدی ہے) تو (جب اس میں حکمتیں ہیں تو) ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ (دین کے بارے میں) افتراء پردازی کر رہے ہیں (جن سے نبوت کا انکار، جس پر عداوت مرتب ہے) اس کو آپ رہنے دیجئے (اس کی فکر وغم میں نہ پڑیئے، ہم خود متعین وقت پر سزا دیں گے کہ ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے) اور (وہ شیاطین ان کافر آدمیوں کو اس لئے وسوسہ میں ڈالتے تھے) تا کہ اس (فریب آمیز بات) کی طرف ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر (جیسا چاہئے) یقین نہیں رکھتے (مراد کافر لوگ ہیں، اگر چہ اہل کتاب ہوں، کیونکہ جیسا چاہئے ویسا یقین ان کو بھی نہیں، ورنہ نبوت کے انکار پر جس پر قیامت میں سزا ہوگی، کبھی جرأت نہ کرتے) اور تا کہ (نفسانی میلان کے بعد) اس کو (دل کے اعتقاد سے بھی) پسند کر لیں، اور تا کہ (اعتقاد کے بعد) ان امور کے مرتکب (بھی) ہو جائیں، جن کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔

فائدہ: یہاں شیطان سے — تقسیم کے قرینہ سے — مجاز اعام مراد لیا گیا، اور اس سے یہ لازم نہیں کہ ہر جگہ حقیقی معنی چھوڑ دیئے جائیں، بلکہ اس مجازی معنی کی تقسیم میں خود حقیقت کا اثبات ہے کہ شیطان کی ایک قسم جنات کو بتایا ہے، لہٰذا اس مجاز سے جنات کے وجود کے انکار کی گنجائش حاصل نہ ہوئی، اور چونکہ یہاں وسوسہ پر جس کی طرف وسوسہ ڈالا گیا ہے اس

میں میلان اور پھر عزم اور پھر فعل مرتب ہوا ہے اس لئے اس وسوسہ سے متاثر ہونے پر مذمت کی گئی بلکہ صرف عزم کا درجہ بھی مذمت کے لئے کافی ہے، ورنہ خالی وسوسہ سے کوئی ضرر نہیں، اگرچہ وسوسہ ڈالنے والے کے حق میں گمراہ کرنے اور غرور کے عزم کی وجہ سے وہ بھی گناہ ہے، اور چونکہ ممنوع امور سے بچنے میں آخرت کے عذاب کے خوف کو زیادہ دخل ہے، اس لئے اس کی تخصیص کی گئی، کیونکہ اگر کوئی اللہ کا قائل ہو، مگر آخرت کا منکر ہو تو گناہ سے بچنا دشوار ہے۔

﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے، اس کی یہ حالت ہے کہ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے واقعیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے، سو آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں۔ اور آپ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے، اس کے کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں، اور وہ خوب سن رہے ہیں، خوب جان رہے ہیں۔ اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں، وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں، بالیقین آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں۔

ربط: اوپر ثابت کیا گیا ہے کہ نبوت پر نئے دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں، اب اس دلیل کو بتاتے ہیں جو کہ اس بارے میں پوری طرح کافی ہے، یعنی قرآن جو خود بہت بڑا معجزہ ہے، اور اس کو ماننے اور نہ ماننے والوں کی حالت کو بیان فرماتے ہیں۔

نبوت پر قرآن کی دلالت اور تصدیق کرنے والوں اور تکذیب کرنے والوں کے حال کا بیان:

(آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میں جو رسالت کے مقدمہ میں اختلاف ہے کہ میں سرکاری حکم سے اس کا مدعی یعنی دعویٰ کرنے والا ہوں اور تم منکر، اور اس مقدمہ کا احکم الحاکمین کے اجلاس سے میرے حق میں اس طرح فیصلہ ہو چکا ہے کہ میرے اس دعویٰ پر کافی ثبوت اور دلیل یعنی خود قرآن جو کہ عظیم معجزہ ہے قائم فرما دیا ہے، اور تم پھر بھی نہیں

ماننے) تو کیا (تم یہ چاہتے ہو کہ اس خدائی فیصلہ کو کافی قرار نہ دوں۔ اور) اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں، حالانکہ وہ ایسا (کامل فیصلہ کر چکا) ہے کہ اس نے ایک کتاب (جو اپنے معجزہ ہونے میں کامل ہے) تمہارے پاس بھیج دی ہے (جو اپنے اعجاز (یعنی معجزہ ہونے کی وجہ سے نبوت پر دلالت کے معاملہ میں کافی ہے۔ لہٰذا اس کے دو کمال تو یہ ہیں: ایک اس کا معجزہ ہونا اور دوسرے اللہ کی طرف سے نازل ہونا۔ اور اس کے علاوہ دوسرے وجوہ سے بھی کامل ہے، اور اس سے جو دوسرے مقاصد اور ہدایت اور تعلیم سے متعلق ہیں ان کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ) اس کی (ایک یعنی تیسرے کمال کی) حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین (جو دین کے بارے میں اہم ہیں) خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں۔ اور (اس کے کمال کا چوتھا وصف یہ ہے کہ گذشتہ کتابوں میں اس کی خبر دی گئی تھی جو اس کے عظیم الشان ہونے کی علامت ہے چنانچہ) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (یعنی توریت وانجیل) دی ہے، وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے واقعیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے (اس کو جانتے تو سب ہیں، پھر جن میں سچ بولنے کی صفت تھی انھوں نے ظاہر بھی کر دیا اور جو عناد رکھتے تھے وہ ظاہر نہ کرتے تھے) تو آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں، اور (اس کا پانچواں کمال یہ ہے کہ) آپ کے رب کا (یہ) کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے (بھی) کامل ہے (یعنی علوم اور عقائد میں واقعیت اور ظاہری اور باطنی اعمال میں اعتدال لئے ہوئے ہے، اور اس کے وصف کا چھٹا کمال یہ ہے کہ) اس کے (اس) کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں (یعنی کسی کی تحریف وتغییر سے، اس کا اللہ حافظ ہے ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾) اور (ایسی کامل دلیل پر بھی جو لوگ دلی اور زبانی تکذیب سے پیش آئیں) وہ (یعنی اللہ تعالیٰ ان کے اقوال کو) خوب سن رہے ہیں (اور ان کے عقائد کو) خوب جان رہے ہیں (اپنے وقت پر ان کو کافی سزا دیں گے) اور (دلائل کے واضح ہونے کے باوجود) دنیا میں زیادہ لوگ ایسے (منکر اور گمراہ) ہیں کہ اگر (بالفرض) آپ ان کا کہنا ماننے لگیں، تو وہ آپ کو اللہ کے (سیدھے) راستہ سے بے راہ کر دیں (کیونکہ وہ خود گمراہ ہیں، چنانچہ عقائد میں) وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور (اقوال میں) بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں (اور ان کے مقابلہ میں اللہ کے بعض بندے سیدھی راہ پر بھی ہیں اور) یقیناً آپ کا رب ان کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی (بتائی ہوئی سیدھی) راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے، اور وہ (ہی) ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی (بتائی ہوئی) راہ پر چلتے ہیں (لہٰذا جس طرح گمراہوں کو سزا ملے گی، سیدھے راستہ پر چلنے والوں کو انعام واکرام ہوگا)

فائدہ: ﴿لَا تَكُونَنَّ﴾ اور ﴿إِنْ تُطِعْ﴾ میں جو فعل کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کی گئی ہے، اس سے دوسروں کو سنانا مقصود ہے، آپ کی طرف نسبت کرنے سے مبالغہ ہو گیا کہ جب کسی نافرمانی کے احتمال کے نہ ہونے اور کمال اطاعت کے باوجود آپ کے لئے یہ کہا گیا تو دوسروں کی کیا ہستی ہے، جیسا کہ ﴿أَبْتَغِي﴾ یعنی ''میں تلاش کروں'' میں بھی بظاہر نسبت آپ کی طرف ہے اور مقصود ﴿تَبْتَغُونَ﴾ یعنی ''تم تلاش کرو'' ہے، جس کی بنیاد مناظرہ میں ملاطفت

یعنی نرمی و مہربانی ہے جو کہ دعوت کے کام میں زیادہ نفع دیتی ہے۔

اور یہاں قرآن مجید کے چھ کمالات کا بیان ہے کیونکہ کمال کی دو قسمیں ہیں: (۱) ذاتی (۲) صفاتی۔ پھر ذاتی تو بلاغت کے کمال کے اعتبار سے ہے جس کی طرف الکتاب سے اشارہ ہے یا احکام و مضامین کے اعتبار سے ہے، پھر اس میں دو درجے ہیں: (۱) احکام کی ذات اور کمیت یعنی مقدار جس پر تفصیل کے ساتھ دلالت ہے، اور (۲) احکام کی صفت و کیفیت جو کہ صدق وعدل کا مدلول ہے، اور اضافی یا تو نازل کرنے والے کے اعتبار سے ہے جس کا ذکر ﴿ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ ﴾ میں ہے اور یا نازل ہونے والے کے اعتبار سے، پھر اس میں دو اعتبار ہیں، ایک تائید کا کہ نازل شدہ دوسری کتابیں اس کی تائید کرنے والی ہوں جو کہ ﴿ یَعْلَمُوْنَ ﴾ سے معلوم ہے، دوسرا تفضیل کا کہ اس کو دوسری نازل شدہ کتابوں پر فضیلت ہو، جس کا ذکر ﴿ لَا مُبَدِّلَ ﴾ میں ہے۔ واللہ اعلم

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۞ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۞ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۞ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: جس جانور پر اللہ کا نام لیا جاوے اس میں سے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو۔ اور تم کو کون امر اس کا باعث ہوسکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے، مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جاوے تو حلال ہیں، اور یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی اپنے غلط خیالات پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو، بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب سزا ملے گی، اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بلاشبہ یہ گناہ کی بات ہے، اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کو تعلیم کر رہے ہیں تاکہ یہ تم سے جدال کریں اور تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَاِنْ تُطِعْ ﴾ میں گمراہ لوگوں کی اتباع کرنے سے مطلق طور پر منع فرمایا تھا۔ اب ایک واقعہ کے تقاضہ سے ایک خاص امر میں اتباع کرنے سے منع فرماتے ہیں، وہ خاص مذبوح اور غیر مذبوح کا حلال اور حرام ہونا ہے، اس سلسلہ میں واقعہ یہ پیش آیا کہ کفار نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا کرنا چاہا کہ اللہ کے مارے ہوئے جانور کو تو

کھاتے نہیں ہو، اور اپنے مارے ہوئے یعنی ذبح کیے ہوئے کو کھاتے ہو، اس کو ابوداؤد اور حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، بعض مسلمانوں نے یہ شبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر نقل کیا، اس پر یہ چار آیتیں یعنی ﴿ لَمُشْرِكُونَ ﴾ تک نازل ہوئیں۔ اس کو اللباب کے مطابق ابوداؤد اور ترمذی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ تم مسلمان ہو، اللہ کے احکام کی پابندی کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام کی تفصیل بتا دی ہے، لہٰذا اس پر چلتے رہو، حلال پر حرام ہونے کا اور حرام پر حلال ہونے کا شبہ مت کرو، اور مشرکوں کے وسوسوں پر دھیان مت دو، ان کا مقصد تو صرف بحث ولڑائی کرنا ہے۔

اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ اصول کے اثبات کے لئے تو عقلی دلیلوں کی ضرورت ہے، اور اصول کے ثابت ہو جانے کے بعد اعمال اور فروع میں صرف دلائل نقلی کافی ہیں، یعنی پھر عقلی دلیلوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات اس مرحلہ میں عقلی دلائل نقصان دیتے ہیں کہ شبہات کے دروازے کھلتے ہیں، کیونکہ فروع میں قطعی دلیل کی کوئی سبیل نہیں، ہاں اگر کوئی شخص حق کا طالب اور دل کی شفا تلاش کرنے والا ہو، تو اس کے سامنے بھلائی وخیر خواہی کے طور پر تھوڑے سے امور کے بیان کر دینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب یہ بھی نہ ہو بلکہ صرف بحث ولڑائی ہی مقصود ہو تو اپنے کام میں لگ جانا چاہئے، اور اعتراض وبحث کرنے والے کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے۔

ہاں اگر معترض کسی فرع کا قطعی عقلی دلیل کے خلاف ہونا ثابت کرنا چاہے تو اس کا جواب مدعی کے ذمہ ہوگا، مگر مشرکوں کے ظاہر کیے ہوئے شبہ میں اس کا احتمال ہی نہیں، اس لئے اس جواب میں صرف مسلمانوں کو مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق خطاب ہے، کہ ایسی خرافاتی باتوں پر دھیان مت دو، صرف حق کا عقیدہ رکھو اور اس پر عمل کرو۔

اس بنا پر اس مقام میں مشرکوں کے شبہ کا جواب صراحت کے ساتھ بیان نہ کرنے پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا، پھر بھی اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے، جہاں ﴿ كُلُوا ﴾ یعنی کھاؤ میں ﴿ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ ﴾ یعنی اللہ کا نام لیا ہوگا اور ﴿ لَا تَأْكُلُوا ﴾ یعنی مت کھاؤ میں ﴿ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ ﴾ یعنی اللہ کا نام نہ لینے کا ذکر ہوگا، اور یہ عام عادت اور دوسرے دلائل سے معلوم ہے کہ ﴿ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ ﴾ ذبح کے وقت ہوگا، اور ﴿ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ ﴾ کے تحقق کی دو صورتیں ہوں گی: ایک ذبح کا نہ ہونا اور دوسرے ذبح کے وقت ذکر کا نہ ہونا۔

اس طرح شبہ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ حلال ہونے کی بنیاد دو امر کا مجموعہ ہے۔ ایک ذبح کہ خون کے نکلنے کی وجہ سے جو کہ ناپاک ہے نجاست یعنی ناپاکی کو زائل کرنے والا ہے جو کہ حلال ہونے میں رکاوٹ ہے، دوسرے اللہ کا نام لینا کہ برکت کے لئے مفید ہے جو کہ خون والے حیوانوں میں حلال ہونے کی شرط ہے، اور علت کی تکمیل میں رکاوٹ بننے والی شے کا نہ ہونا اور شرط کا پایا جانا دونوں ضروری امر ہیں، لہٰذا ان کے مجموعہ سے حلال ہو گیا اور ایک جزء کے دور ہونے سے پوری علت دور ہو گئی، اس طرح جس کے لئے علت بیان کی گئی اس کے لئے مفید نہ ہوگی۔

آگے یہ فرع فقہی ہے کہ اگر اللہ کا ذکر حکم کے طور پر نہ ہو تو بھی حقیقت کے درجہ میں قرار دیا گیا، جیسا کہ ایسے جانور میں جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو ائمہ کے درمیان کلام ہے، اور ایسے جانور جو کھائے جاتے ہیں، لیکن ان میں بہنے والا خون نہیں ہے یا جو چیزیں کھائی جاتی ہیں، لیکن حیوان نہیں ہیں چونکہ وہ ناپاک خون سے خالی ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ اس میں اس طرح پاک کرنے کے لئے اس برکت کے داخل کرنے کی ضرورت نہ ہو اور بغیر اس شرط کے وہ حلال قرار دیئے گئے، اس میں کوئی ممانعت لازم نہیں آتی۔ خوب سمجھ لو۔

حلال وحرام کے احکام میں مؤمنوں کو مشرکوں کے شبہات کی طرف دھیان دینے کی ممانعت:

(اور جب اوپر کفار کے اتباع کا قابل مذمت ہونا معلوم ہو گیا) تو جس (حلال) جانور پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام (بغیر کسی کو شریک کئے ہوئے) لیا جائے، اس میں سے (بلا تکلف) کھاؤ (اور اس کو مباح وحلال سمجھو) اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو (کیونکہ حلال کو حرام جاننا ایمان کے خلاف ہے) اور تمہیں کونسا امر (عقیدہ کی قسم سے) اس کا باعث ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام (بغیر کسی کو شریک کئے ہوئے) لیا گیا ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (دوسری آیت میں) ان سب جانوروں کی تفصیل بتادی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے، مگر وہ بھی جب تمہیں سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہیں (اور اس تفصیل میں یہ اللہ کے نام سے ذبح کیا ہوا داخل نہیں، پھر اس کے کھانے میں عقیدہ کے طور پر الجھن کیوں ہو؟) اور (ان لوگوں کے شبہات کی طرف بالکل دھیان نہ دو، کیونکہ) یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی (کہ انہی میں سے یہ بھی ہیں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی) اپنے غلط خیالات (کی بناء) پر بغیر کسی سند کے گمراہ کرتے (پھرتے) ہیں، (لیکن آخر کہاں تک خیر منائیں گے؟) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایمان کی) حد سے نکل جانے والوں کو (جن میں یہ بھی شامل ہیں) خوب جانتا ہے (لہٰذا ایک ہی بار میں سزا دیدے گا) اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو (مثلاً حلال کو حرام کرنا باطنی گناہ ہے اور اس کے برعکس بھی) بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں، جلد ہی (قیامت میں) انہیں ان کے کئے کی سزا ملے گی، اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر (مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو (جیسا کہ مشرک ایسے جانوروں کو کھاتے ہیں) بلاشبہ یہ (یعنی جن پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، ان کا کھانا گناہ کی بات ہے (غرض یہ کہ نہ کھانے میں ان کا اتباع کرو، اور نہ فعل میں) اور (ان لوگوں کے شبہات اس لئے قابل توجہ نہیں کہ) یقیناً شیطان (جنات) اپنے (ان) دوستوں (اور پیروں) کو (یہ شبہات) تعلیم کر رہے ہیں تاکہ یہ تم سے (بیکار) بحث ولڑائی کریں (یعنی اول تو یہ شبہات نص کے خلاف ہیں، دوسرے ان کی غرض محض بحث اور لڑائی ہے، اس لئے توجہ کے قابل نہیں) اور اگر تم (خدانخواستہ) ان لوگوں کی اطاعت (عقائد میں یا افعال میں) کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ (کہ اللہ کی تعلیم پر دوسرے کی تعلیم کو ترجیح دو، جہاں برابر سمجھنا بھی شرک ہے، یعنی ان کی

اطاعت ایسی بری چیز ہے، اس لئے اس سے پہلے کی چیزوں یعنی دھیان اور توجہ سے بھی بچنا چاہئے)

فائدہ: ﴿مَا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ﴾ یعنی ”جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو“ ذبح اختیاری یعنی جو اپنے ہاتھ سے گلے پر چھری پھیر کر ذبح کیا جائے اور ذبح اضطراری یعنی جس پر چھری پھیرنا اپنے اختیار میں نہ ہو، جیسے تیر و باز اور کتے کا شکار جبکہ ان کو چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھی جائے اور ذکر حقیقی یعنی جس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو اور ذکر حکمی جس پر بسم اللہ بھولے سے چھوٹ جائے سب داخل ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جس پر بسم اللہ بھولے سے چھوٹ جائے وہ حکم کے اعتبار سے ﴿مَا ذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ﴾ میں داخل ہے، البتہ قصداً ترک کرنے سے امام صاحب کے نزدیک حرام ہوتا ہے۔

﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ رُسُلُ اللهِ ؔۘ اَللهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝ فَمَنْ يُّرِدِ اللهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: ایسا شخص جو پہلے مُردہ تھا ہم نے اس کو زندہ بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دیدیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے کہ ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں ہے، ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا، اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال مستحسن معلوم ہوا کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا تاکہ وہ لوگ وہاں شرارتیں کیا کریں، اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔ اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لاویں گے جب تک ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جاوے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے، اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے، عنقریب ان لوگوں کو جنھوں نے یہ جرم کیا ہے خدا کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی اور سزائے سخت ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں، سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں، اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں، اور جس کو

بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ کر دیتے ہیں، جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔ اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا۔ ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے، اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے، ان کے اعمال کی وجہ سے۔

ربط: اوپر والے عنوان سے پہلے مطلوبہ نشانیوں کا غیر ضروری ہونا ثابت کر کے قرآن کی آیتوں کا حق کے ثابت کرنے کے لئے دلالت کرنے میں کافی ہونا اور اس کے ساتھ حق کی تصدیق و تکذیب کرنے والوں کے حال کا بیان ہوا تھا اتب اس کی مزید وضاحت ہے۔

اہل حق اور اہل باطل کا حال اور حق کی تعیین میں قرآن کا کافی ہونا:

ایسا شخص جو پہلے مردہ (یعنی گمراہ) تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ (یعنی مسلمان) بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور (یعنی ایمان) دیدیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے (یعنی ہر وقت وہ اس کے ساتھ رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ تمام مضرتوں گمراہی وغیرہ سے محفوظ و بے فکر پھرتا ہے تو) کیا ایسا شخص (بدحالی میں) اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ (گمراہی کی) تاریکیوں میں (گھرا ہوا) ہے (اور) ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا (مراد یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا اور اس کا تعجب نہ کیا جائے کہ وہ کفر پر اس کے ظلمت و تاریکی ہونے کے باوجود کیوں قائم رہا، وجہ یہ ہے کہ جس طرح مؤمنوں کو ان کا ایمان اچھا معلوم ہوتا ہے) اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال (کفر وغیرہ) پسندیدہ معلوم ہوا کرتے ہیں (چنانچہ اسی وجہ سے یہ مکہ کے رئیس لوگ جو آپ سے بے کار فرمائشیں اور شبہات پیش کرتے اور بحثیں ولڑائیاں کرتے رہتے ہیں، وہ اپنے کفر کو پسندیدہ سمجھ کر ہی اس پر اصرار کرتے ہیں) اور (یہ کوئی نئی بات نہیں، جس طرح مکہ کے رئیس لوگ ان جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ان کے اثر سے دوسرے لوگ شامل ہو جاتے ہیں، اسی طرح ہم نے (پہلی امتوں میں بھی) ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو (پہلے) جرائم کا مرتکب بنایا (پھر ان کے اثر سے دوسرے عوام بھی ان میں مل گئے) تا کہ وہ لوگ وہاں (انبیا کو ضرر پہنچانے کے لئے) شرارتیں کیا کریں (جن سے ان کا سزا کا مستحق ہونا خوب ثابت ہو جائے) اور وہ لوگ (اگرچہ اپنے زعم میں دوسروں کو ضرر پہنچاتے ہیں، لیکن واقع میں) اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں (کیونکہ اس کا وبال تو انہی کو بھگتنا پڑے گا) اور (انتہائی جہالت کی وجہ سے) ان کو (اس کی) ذرا خبر نہیں اور (مکہ کے ان کفار کا جرم یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ) جب انہیں کوئی آیت پہنچتی ہے تو (اس کے باوجود کہ وہ اپنے اعجاز یعنی معجزہ ہونے کی وجہ سے نبوت پر دلالت میں کافی ہوتی ہے، مگر یہ لوگ پھر بھی) یوں کہتے ہیں کہ ہم (اس نبی پر) ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی ایسی ہی چیزیں نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے (یعنی وحی اور خطاب یا صحیفہ

وکتاب جس میں ہمیں آپ پر ایمان لانے کا حکم ہو، اور اس قول کا عظیم اور بدترین ہونا ظاہر ہے کہ تکذیب، عناد تکبر وغرور اور گستاخی سب اس میں جمع ہیں، آگے اللہ تعالیٰ اس قول کو رد فرماتے ہیں کہ) اس موقع کو تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنا پیغام (وحی کے ذریعہ سے) بھیجتا ہے (کیا ہر کس وناکس اس شرف کے قابل ہو گیا جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ ہی کسی کو اپنے فضل سے نہ بخشے، آگے اس جرم کی سزا کا بیان ہے کہ) جلد ہی ان لوگوں کو جنھوں نے یہ جرم کیا ہے، اللہ کے پاس پہنچ کر (یعنی آخرت میں) ذلت کا سامنا کریں گے (جیسا انھوں نے خود کو نبی کے مقابلہ میں نبوت کی عزت کا مستحق سمجھا تھا) اور ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں سخت سزا ملے گی) تو (اوپر مؤمن وکافر کا جو حال بیان ہوا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ) جس شخص کو اللہ تعالیٰ (نجات کے) راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں، اس کے سینہ (یعنی دل) کو اسلام (کو قبول کرنے) کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں (کہ اس کو قبول کرنے میں ہچکچاتا نہیں ہے اور وہ مذکورہ نور یہی ہے) اور جس کو (قدرتی طور پر اور تقدیر کے طور پر) بے راہ رکھنا چاہتے ہیں، اس کے سینہ (یعنی دل) کو (اسلام کے قبول کرنے سے) تنگ (اور) بہت تنگ کر دیتے ہیں (اور اس کو اسلام لانا ایسی مصیبت نظر آتا ہے) جیسے کوئی (فرض کرو) آسمان میں چڑھ (ناچاہ) تا ہو (اور چڑھا نہیں جاتا اور دل تنگ ہوتا ہے اور مصیبت کا سامنا ہوتا ہے، لہٰذا جس طرح اس شخص سے چڑھا نہیں جاتا) اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر (چونکہ ان کے کفر اور شرارت کے سبب) پھٹکار ڈالتا ہے (اس لئے ان سے ایمان نہیں لایا جاتا) اور (اوپر جو اسلام کا ذکر ہے تو) یہی (اسلام) آپ کے رب کا (بتایا ہوا) سیدھا راستہ ہے (جس پر چلنے سے نجات ہوتی ہے، جس کا ذکر ﴿ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ ﴾ میں ہے، اور اسی صراط مستقیم کی وضاحت کے لئے) ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطہ ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ہے (جس سے وہ اس کے اعجاز سے اس کی تصدیق کریں اور پھر اس کے مضامین پر عمل کر کے نجات حاصل کریں، یہی تصدیق اور عمل کامل صراط مستقیم ہے، ان کے برخلاف جن کو نصیحت حاصل کرنے کی فکر ہی نہیں، ان کے واسطے نہ یہ کافی ہے نہ ہی دوسرے دلائل کافی ہیں۔ آگے ان ماننے والوں کی جزا کا ذکر ہے، جیسا کہ نہ ماننے والوں کی سزا اوپر کئی جملوں میں بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ) ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) سلامتی (یعنی امن وبقا) کا گھر (یعنی جنت) ہے اور اللہ ان کے اعمال (حسنہ) کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے۔

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰي بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کریں گے، اے جماعت جنات کی! تم نے انسانوں میں سے بڑا حصہ لیا۔ جو انسان ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے، وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے جو آپ نے ہمارے لئے معین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماویں گے کہ تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہو گے، ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے، بیشک آپ کا رب بڑی حکمت والا اور بڑا علم والا ہے۔ اور اسی طرح بعض کفار کو بعض کے قریب رکھیں گے ان کے اعمال کے سبب۔ اے جماعت جنات اور انسانوں کی! کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم سے میرے احکام بیان کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے؟ وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر اقرار کرتے ہیں اور ان کو دنیوی زندگانی نے بھول میں ڈال رکھا ہے اور یہ لوگ مقر ہونگے کہ وہ کافر تھے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو کفر کے سبب ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے بے خبر ہوں، اور ہر ایک کے لئے درجے ملیں گے ان کے اعمال کے سبب۔ اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ اور آپ کا رب بالکل غنی ہے رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے تو سب کو اٹھالیوے۔ اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کردے جیسا کہ تم کو ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے، جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ بیشک آنے والی ہے، اور تم عاجز نہیں کر سکتے۔ آپ یہ فرمادیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں، سو اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم کا انجام کار کس کے لئے نافع ہوگا، یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی فلاح نہ ہوگی۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں حق کی پیروی کرنے والوں اور باطل راستوں پر چلنے والوں کے احوال ہیں، ہر ایک کی جزا وسزا کا بھی بیان کیا گیا ہے، اب اس کے واقع ہونے کا وقت اور اس کی بعض کیفیتوں اور اس سے متعلق بعض امور اور عنوان کے اختلاف کے ساتھ اس کی تکرار اور تقریر کا ذکر ہے۔ اور دونوں جگہ یعنی اوپر اور آگے باطل پرستوں کی سزا کا زیادہ

اور حق پرستوں کی جزاء کا مختصر تذکرہ ہے۔

دنیا اور آخرت میں حق پرستوں اور باطل پرستوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بعض معاملات کا بیان:

اور (وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے) جس روز اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو جمع کریں گے (اور ان میں سے خاص طور سے کفار کو حاضر کر کے ان میں جو شیطان جنات ہیں، ان سے سرزنش اور ملامت کے طور پر کہا جائے گا کہ) اے جنات کی جماعت! تم نے انسانوں (کے گمراہ کرنے) میں بڑا حصہ لیا (اور ان کو خوب بہکایا، اسی طرح انسانوں سے پوچھا جائے گا ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ﴾ الخ یعنی اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی اور عبادت نہ کرنا؟" غرض شیطان جنات بھی اقرار کریں گے) اور جو انسان ان (شیطانی جنات) کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے، وہ (بھی اقرار کے طور پر) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ صحیح فرماتے ہیں، واقعی) ہم میں ایک نے دوسرے سے (اس گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کے باب میں نفسانی) فائدہ حاصل کیا تھا (چنانچہ گمراہ انسانوں کو اپنے کفریہ وشرکیہ عقائد میں لذت آتی ہے اور گمراہ کرنے والے شیطانوں کو اس سے خوشی ہوتی ہے کہ ہماری بات مانی گئی) اور (حقیقت میں ہم ان کے بہکانے سے قیامت کے منکر تھے، یعنی وہ انکار غلط ثابت ہوا، چنانچہ) ہم اپنی اس معین میعاد تک آپہنچے، جو آپ نے ہمارے لئے معین فرمائی (یعنی قیامت آگئی) اللہ تعالیٰ (تمام کفار جنات اور انسانوں) سے فرمائیں گے کہ تم سب کا ٹھکانا جہنم ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے (اس سے نکلنے کی کوئی سبیل وتدبیر نہیں ہے) ہاں اگر اللہ ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے (لیکن یہ یقینی امر ہے کہ اللہ بھی نہیں چاہے گا، اس لئے اب اس میں ہی ہمیشہ رہنا) بیشک آپ کا رب بڑی حکمت والا اور بڑا علم والا ہے (علم سے سب کے جرائم معلوم کرتا ہے اور حکمت سے مناسب سزا دیتا ہے۔ اور (جس طرح دنیا میں گمراہی میں سب میں تعلق اور قرب تھا) اسی طرح (دوزخ میں) بعض کفار کو ان کے (کفریہ) اعمال کے سبب بعض کے قریب (اور جمع کر کے) رکھیں گے (یہ مذکورہ خطاب تو جن وانس کو ان کے آپس میں ایک دوسرے سے متعلق احوال کے اعتبار سے تھا۔ آگے ہر ایک کو ذات خاص سے متعلق احوال کے اعتبار سے خطاب ہے کہ) اے جنات اور انسانوں کی جماعت! (ہاں! یہ تو بتاؤ، تم جو کفر اور انکار کرتے رہے تو) کیا تمہارے پاس تم ہی میں کے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم سے (عقائد اور اعمال سے متعلق) میرے احکام بیان کیا کرتے تھے، اور آج کے اسی دن (کے واقع ہونے) کی خبر دیا کرتے تھے؟ (پھر کیا وجہ ہے کہ تم کفر اور انکار سے باز نہ آئے؟) وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر (جرم کا) اقرار کرتے ہیں (ہمارے پاس عذر اور براءت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ ان کو اس مصیبت کے پیش آنے کا سبب بتاتے ہیں) اور ان کو (یہاں) دنیاوی زندگی نے بھول میں ڈال رکھا ہے (کہ دنیوی لذتوں کو مقصود اعظم سمجھ رکھا ہے، آخرت کی فکر ہی نہیں) اور (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں) یہ لوگ اقرار کریں گے

کہ وہ (یعنی ہم) کافر تھے (اور غلطی میں تھے، مگر وہاں کے اقرار سے کیا ہوگا، اگر دنیا میں ذرا غفلت دور کریں تو اس برے دن کا کیوں سامنا ہو ــــــ آگے رسولوں کے بھیجنے میں جس کا اوپر ذکر تھا، اپنی رحمت کا اظہار فرماتے ہیں کہ) یہ (رسولوں کا بھیجنا) اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو (ان کے) کفر کے سبب (دنیا میں بھی) ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے (رسولوں کے نہ آنے کی وجہ سے اللہ کے احکام سے) بے خبر ہوں (لہٰذا آخرت کا عذاب جو کہ بہت شدید ہے، بدرجۂ اولیٰ نہ ہوتا، اس لئے رسولوں کو بھیجتے ہیں، تاکہ انہیں جرائم کی اطلاع ہو جائے، پھر جس کو عذاب ہو، اسے اس کا مستحق ہونے کی وجہ سے ہو ــــــ چنانچہ آگے فرماتے ہیں) اور (جب رسول آگئے اور اطلاع ہوگئی پھر جیسا جیسا کوئی کرے گا) ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے سبب (جن وانس نیک وبد میں سے جزا وسزا کے لئے ویسے ہی) درجے ملیں گے، اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے، اور آپ کا رب (رسولوں کو کچھ اس لئے نہیں بھیجتا کہ نعوذ باللہ وہ عبادت کا محتاج ہے، وہ تو) بالکل غنی (بے نیاز و بے پرواہ) ہے (بلکہ وہ اس لئے بھیجتا ہے کہ وہ) رحمت والا (بھی) ہے (اس نے اپنی رحمت سے رسولوں کو بھیجا تاکہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو نفع ونقصان معلوم ہو جائیں، پھر نفع سے فائدے اٹھائیں اور نقصان سے محفوظ رہیں، تو اس میں بندوں ہی کا فائدہ ہے اور باقی ان کی بے نیازی و بے پروائی تو ایسی ہے کہ) اگر وہ چاہے تو سب کو (دنیا سے ایک ہی بار میں) اٹھالے اور تمہارے بعد جس (مخلوق) کو چاہے تمہاری جگہ (دنیا میں) آباد کر دے، جیسا (اس کی نظیر موجود ہے کہ) تمہیں (جو کہ اب موجود ہو) ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے (کہ ان کا کہیں پتہ نہیں اور تم ان کی جگہ موجود ہو، اور اسی طرح سلسلہ چلا آرہا ہے، لیکن یہ سلسلہ تدریج کے ساتھ یعنی درجہ بہ درجہ اور دھیرے دھیرے چلا آرہا ہے، اگر ہم چاہیں تو ایک ہی دفعہ میں ایسا کر دیں، کیونکہ کسی کے ہونے نہ ہونے سے ہمارا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا ہے۔ چنانچہ رسولوں کا بھیجنا ہماری کسی حاجت یا محتاجی کی وجہ سے نہیں، یہ تمہاری حاجت کی وجہ سے ہے، اب تمہیں چاہئے کہ ان کی تصدیق اور ان کا اتباع کر کے سعادت حاصل کرو، اور کفر وانکار کے نقصان سے بچو، کیونکہ) جس چیز کا (رسولوں کی معرفت) تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (یعنی قیامت اور عذاب کا) وہ بیشک آنے والی چیز ہے اور (اگر احتمال ہو کہ چاہے قیامت آجائے، ہم کہیں بھاگ جائیں گے، جیسے دنیا میں کوئی مجرم کبھی ایسا کرسکتا ہے تو خوب سمجھ لو کہ تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کرسکتے (کہ اس کے ہاتھ نہ آؤ، اور اگر حق کی تعیین کے دلائل قائم ہونے کے باوجود کسی کو اس میں کلام ہو کہ کفر ہی کا طریقہ اچھا ہے، اسلام کا برا ہے، پھر قیامت سے کیا اندیشہ؟ تو ایسے لوگوں کے جواب میں) آپ (آخری بات) یہ فرمادیجئے کہ اے میری قوم! (تم لوگ جس بات کو بہتر سمجھتے ہو) تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو، میں بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں، تو اب جلد ہی تم لوگوں کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ اس عالم (کے اعمال) کا انجام کس کے لئے نفع بخش ہوگا (ہمارے لئے یا تمہارے لئے) یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی (انجام میں) فلاح نہ ہوگی (اور سب سے بڑھ کر اللہ کی حق تلفی ہے، اور یہ امر صحیح دلائل میں تھوڑا سا غور کرنے سے ہی

معلوم ہوسکتا ہے کہ اسلام کا طریقہ حق تلفی ہے یا کفر کا طریقہ؟ اور جو دلائل میں بھی غور نہ کرے، اس سے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے۔ ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾)

فائدہ: ﴿مِّنْكُمْ﴾ یعنی "تم میں سے" کی قید رسولوں کے ذکر میں فرمائی گئی، اس کا فائدہ فیض حاصل کرنے کی سہولت کو بیان کرنا ہے، پھر اگر جنات میں بھی رسول انہی کی جنس سے ہوئے ہوں تب تو ایک ہی جنس کے ہونے کی وجہ سے سہولت ظاہر ہے اور اگر انسانوں ہی کے رسول کا اتباع ان پر بھی واجب ہو تو اس پر تین سوال ہوں گے، ایک تو یہ کہ پھر جنات کے اعتبار سے ﴿مِّنْكُمْ﴾ کے کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ﴿مِّنْكُمْ﴾ سے مراد من مجموعکم یعنی "تم سب میں سے" ہے، جو صرف انسانوں کے رسول ہونے سے بھی صادق آجائے گا۔ دوسرا سوال یہ کہ پھر جنات کو انسان رسولوں کے ساتھ ایک جنس ہونے کی سہولت کہاں رہے گی؟ اس کا جواب ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۶۴) کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ تیسرا سوال یہ کہ پھر دوسرے رسولوں کی بعثت بھی عام ہوگی، اس کا جواب ﴿ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ ﴾ (سورۃ آلِ عمران آیت ۵۲) کی تفسیر میں گزر چکا ہے، وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔ اور یہاں تو توحید کا بیان ہے جو دین کے اصولوں میں سے ہے، ایسے اصول میں ہر رسول کا اتباع تمام مکلّف لوگوں پر فرض ہے، اور بعثت کے عام وخاص ہونے کا فرق غیر اصول میں ہے، اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ اس سے بڑھ کر رحمت یہ تھی کہ احکام کا مکلّف ہی نہ کرتے، اس کا جواب یہ ہے کہ پھر آپس میں جس قدر فساد ہوتا اس پر قابو پانے کی کوئی صورت نہ تھی، چنانچہ دنیا کے بادشاہ اور حکمراں بھی قانون کے ذریعہ ہی انتظام کرتے ہیں۔

﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۗ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۗ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کیے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود

کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ معبودوں کا ہے، پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے۔ انھوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے! اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے طریقہ کو مخبوط کردیں اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یونہی رہنے دیجئے، اور وہ اپنے خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ مواشی ہیں اور کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے ان کے جن کو ہم چاہیں اور مواشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کردی گئی ہے، اور مواشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر، ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افتراء کی سزا دیئے دیتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں ان مواشی کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مُردہ ہے تو اس میں سب برابر ہیں، ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیئے دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ حکمت والا ہے، وہ بڑا علم والا ہے۔ واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو محض براہِ حماقت بلا کسی سند کے قتل کر ڈالا، اور جو چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں ان کو حرام کرلیا محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر، بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے۔

ربط: اوپر مشرکوں کے شرکیہ و کفریہ اعتقادات کی جہالت کا بیان تھا، اب ان کی بعض عملی جہالتوں کا بیان ہے کہ ان کا منشاء بھی شرک و کفر تھا۔

جن امور کا یہاں بیان ہے، وہ چند رسمیں ہیں:

اول: غلہ اور پھلوں میں سے کچھ حصہ اللہ کے نام کا نکالتے اور کچھ بتوں اور جنات کے نام کا، پھر اگر اتفاق سے اللہ کے حصہ میں سے کچھ حصہ بتوں کے حصہ میں مل جاتا تو اس کو ملا رہنے دیتے، اور اگر اس کے برعکس ہوجاتا تو اس کو نکال کر پھر بتوں کے حصہ میں ملا دیتے، اور بہانہ یہ کرتے کہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے، اس کا کچھ حصہ کم ہوجانے سے اس کا کوئی نقصان نہیں، اور شرکا محتاج ہیں، ان کا حصہ نہیں گھٹنا چاہئے۔

دوسری رسم: بحیرۃ (یعنی وہ جانور جس کا دودھ بتوں کے نام کردیتے تھے اور کوئی اسے اپنے کام نہ لاتا تھا) اور سائبہ (یعنی وہ جانور جس کو بتوں کے نام سے چھوڑ دیتے تھے اور اس سے کوئی کام نہ لیتے تھے) کو بتوں کے نام پر چھوڑتے اور کہتے کہ یہ اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے، اس میں بھی بتوں کا حصہ یہ ہوا کہ عبادت ان کی تھی اور اللہ کا حصہ یہ ہوا کہ خوشنودی اللہ کی سمجھتے تھے۔

تیسری رسم: اپنی اولاد دختری یعنی بیٹیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔

چوتھی رسم: کچھ کھیت بتوں کے نام وقف کردیتے اور کہتے کہ اس کا اصل مصرف مرد ہیں، اور اس میں سے عورتوں کو

کچھ دینا ہماری رائے پر ہے، اگر ہماری مرضی ہو تو کچھ حصہ ان کو دے سکتے ہیں، ورنہ وہ اس کا مصرف نہیں۔

پانچویں رسم: مویشیوں کے بارے میں بھی ان کا اسی طرح کا عمل تھا۔

چھٹی رسم: جن چوپایوں کو بتوں کے نام مخصوص کر کے چھوڑ دیتے تھے ان پر سواری اور بار برداری کو جائز نہ سمجھتے تھے۔

ساتویں رسم: بعض چوپائے مخصوص تھے، جن پر کسی بھی موقع پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، نہ دودھ نکالتے وقت، نہ سوار ہوتے وقت اور نہ ذبح کے وقت۔

آٹھویں رسم: بحیرہ اور سائبہ کے ذبح کے وقت جو بچہ اس کے پیٹ سے نکلتا، اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کو ذبح کر لیتے اور اس کو مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھتے، اور اگر وہ مردہ ہوتا تو سب کے لئے حلال سمجھتے۔

نویں رسم: بعض چوپایوں کے دودھ کو بھی مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام سمجھتے۔

دسویں رسم: بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ (یعنی وہ اونٹنی جو پہلی بار مادہ بچہ جنے، پھر دوسری بار بھی مادہ بچہ جنے اور درمیان میں نر بچہ پیدا نہ ہوا اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے) اور حام (یعنی وہ نر اونٹ جو ایک خاص گنتی کے مطابق جفتی کر چکا ہو، اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے) ان چاروں کے ہمیشہ کے لئے حرام ہونے کے قائل تھے، یہ سب روایتیں درمنثور اور روح المعانی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، ومجاہد اور ابن زید اور سدی سے ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن ابی شیبہ، ابن حمید، ابوالشیخ اور فریابی کے حوالہ سے منقول ہیں۔ اگلی آیتوں میں ان رسموں پر رد ہے۔

جاہلیت کی بعض رسموں کا رد:

اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی (وغیرہ) اور مویشی پیدا کئے ہیں، ان (مشرک) لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ (کے نام) کا مقرر کیا، حالانکہ ان کے پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں) اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے (جو کہ مہمانوں اور مسکینوں اور مسافروں وغیرہ عام مصارف میں صرف ہوتا ہے) اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے (جس کے مصارف خاص ہیں) پھر جو چیز ان کے معبودوں (کے نام) کی ہوتی ہے، وہ تو اللہ (کے نام کے حصہ) کی طرف نہیں پہنچتی (بلکہ اتفاقیہ طور پر مل جانے پر بھی نکال لی جاتی ہے) اور جو چیز اللہ (کے نام کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں (کے نام کے حصہ) کی طرف پہنچ جاتی ہے (جیسا کہ پہلی اور دوسری رسم میں بیان ہوا) انھوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے (کیونکہ اول تو اللہ کا پیدا کیا ہوا، دوسرے کے نام کیوں کیا جائے؟ دوسرے پھر جتنا اللہ کا حصہ نکالا ہے، اس میں سے بھی گھٹ جائے اور اگر اس کی بنیاد اللہ کا غنی ہونا اور ان کے معبودوں کا محتاج ہونا ماننے کے بعد معبود سمجھنا اور زیادہ حماقت ہے) اور (جس طرح یہ مذکورہ قبیح رسم انہیں مستحسن یعنی پسندیدہ معلوم ہوتی ہے) اسی طرح بہت سے مشرکوں کے خیال میں ان کے (شیطان (معبودوں نے اپنی اولاد کو قتل کرنے کو مستحسن و پسندیدہ بنا رکھا ہے (جیسا کہ تیسری رسم میں بیان ہوا) تا کہ اس قبیح یعنی برے عمل کے

ارتکاب سے) وہ (شیطان) ان (مشرکوں) کو (عذاب کے مستحق ہونے کی وجہ سے) برباد کردیں اور تا کہ ان کے طریقہ کو مشتبہ بنا دیں (کہ وہ ہمیشہ غلطی میں پھنسے رہیں) اور (آپ ان کی ان گھناؤنی حرکتوں سے مغموم و رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ) اگر اللہ تعالیٰ کو (ان کی بھلائی) منظور ہوتی تو یہ ایسا کام نہ کرتے (مگر ان کی قسمت ہی پھوٹی ہوئی ہے) تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں (کہ ہمارا یہ فعل بہت اچھا ہے) یوں ہی رہنے دیجئے (کچھ فکر نہ کیجئے، ہم آپ سمجھ لیں گے) اور وہ اپنے (باطل) خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مویشی ہیں اور (مخصوص) کھیت ہیں، جن کا استعمال ہر ایک کے لئے جائز نہیں، انہیں کوئی نہیں کھا سکتا، سوائے ان کے جنہیں ہم چاہیں (جیسا پانچویں اور چھٹی رسم میں بیان ہوا، اور یہ سب باتیں) محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر کہتے ہیں (افتراء اس لئے کہ وہ ان امور کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب سمجھتے تھے) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افترا کی سزا دیئے دیتا ہے (''ابھی'' اس لئے کہا کہ قیامت جو کہ آنے والی ہے، وہ دور نہیں ہے اور کچھ کچھ سزا تو مرتے ہی شروع ہو جائے گی) اور وہ (یوں بھی) کہتے ہیں کہ جو چیز ان مویشیوں کے پیٹ میں (سے نکلتی) ہے (مثلاً دودھ یا بچہ) وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے (حلال) ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ (پیٹ کا نکلا ہوا بچہ) مردہ ہو تو اس (سے فائدہ اٹھانے کے جواز میں (مرد و عورت) سب برابر ہیں، جیسا کہ آٹھویں اور نویں رسم میں بیان ہوا) ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی (اس) غلط بیانی کی سزا دیئے دیتا ہے (غلط بیانی کی وہی تقریر ہے جو افتراء کی گذری، اور اب تک جو سزا نہیں دی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) بلاشبہ وہ حکمت والا ہے (بعض حکمتوں کی وجہ سے مہلت دے رکھی ہے، اور ابھی سزا نہ دینے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس کو خبر نہیں، کیونکہ) وہ بڑا علم والا ہے (اس کو سب خبر ہے۔ آگے خلاصہ اور انجام کے طور پر فرماتے ہیں کہ) واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے (ان مذکورہ افعال کو طریقہ بنا لیا کہ) اپنی اولاد کو محض حماقت کی وجہ سے بغیر کسی (معقول و مقبول) سند کے قتل کر ڈالا، اور جو (حلال) چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی دی تھیں، ان کو (اعتقاد کے طور پر یا عمل کے طور پر) حرام کر لیا (جیسا کہ اوپر کی رسموں اور دسویں رسم میں کہ سب کا منشا ایک ہی ہے بیان ہوا اور یہ مجموعہ) محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر (ہوا۔ جیسا کہ اوپر اولاد کے قتل میں ﴿ يَفْتَرُوْنَ ﴾ اور چوپایوں کو حرام قرار دینے میں افتراء جدا جدا بھی آچکا ہے) بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور (یہ گمراہی نئی نہیں، بلکہ پرانی ہے کیونکہ پہلے بھی) کبھی راہ پر چلنے والے نہیں ہوئے (لہٰذا ﴿ ضَلُّوْا ﴾ میں طریقہ کا خلاصہ اور ﴿ مَا كَانُوْا ﴾ میں اس کی تاکید اور ﴿ خَسِرُوْٓا ﴾ میں برے انجام کا خلاصہ یعنی عقوبت کا ذکر ہے)

﴿ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿141﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۚ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۚ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ع

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کئے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں اور زیتون کو اور انار جو باہم ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے، ان کی پیداوار کھاؤ جب وہ نکل آوے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو اور حد سے مت گزرو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں، اور مواشی میں اونچے قد کے اور چھوٹے قد کے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو، بلاشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ آٹھ نر و مادہ یعنی بھیڑ میں دو قسم اور بکری میں دو قسم آپ کہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادوں کو یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں، تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتلاؤ اگر سچے ہو، اور اونٹ میں دو قسم اور گائے میں دو قسم، آپ کہئے کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادوں کو یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہوئے ہوں، کیا تم حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس کا حکم دیا، تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل جھوٹ تہمت لگائے تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے، یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو راستہ نہ دکھلاویں گے۔

ربط: اوپر مشرکوں کا کھیتی اور چوپایوں میں تحلیل یعنی حلال کرنے اور تحریم یعنی حرام کرنے کے ساتھ تصرف کرنے کی گڑھی ہوئی رسموں کا مع ان کے رد کا ذکر تھا، اب بھی اسی رد کی کسی قدر تفصیل سے تقریر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اشیاء اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں، لہٰذا جس طرح اللہ کے سوا کسی کے لئے یہ حق نہیں کہ ان اشیاء کو عبادت کے طور پر اس کے لئے نامزد کیا جائے، جیسا کہ مشرک کرتے تھے، اسی طرح تحلیل یعنی حلال کرنے اور تحریم یعنی حرام کرنے کا اختیار بھی اللہ کے سوا دوسروں کو حاصل نہ ہوگا، اور اللہ نے ان اشیاء سے کھانے اور سوار ہونے کے فائدے اٹھانے کو حلال فرمایا ہے، لہٰذا بغیر حرام کئے ہوئے حرمت ممکن نہیں اور تمہاری جانب سے حرام کرنا شریعت کے اعتبار سے غیر ممکن ہے، اور اللہ کی طرف سے غیر واقع، ورنہ دلیل لاؤ، لہٰذا حرمت ثابت نہیں۔

گڑھی ہوئی تحلیل و تحریم کے باطل ہونے پر استدلال:

اور وہی (اللہ پاک) ہے جس نے باغ پیدا کئے، وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں (جیسے انگور) اور وہ بھی جو

ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے (یا تو اس لئے کہ بیل دار نہیں جیسے تنے دار درخت یا بیل دار ہونے کے باوجود ایسی عادت نہیں، مثلاً خربوزہ، تربوز وغیرہ) اور کھجور کے درخت اور کھیتی (بھی اسی نے پیدا کئے) جن میں کھانے کی چیزیں مختلف قسم کی (حاصل) ہوتی ہیں، اور زیتون اور انار (بھی اسی نے پیدا کئے) جو (انار، انار) آپس میں (اور زیتون، زیتون) آپس میں رنگ اور مزہ اور شکل اور مقدار وغیرہ میں سے بعض صفات میں کبھی) ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور (کبھی) ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے (اور اللہ نے ان چیزوں کو پیدا کر کے اجازت دی ہے کہ) ان سب کی پیداوار کھاؤ (چاہے اسی وقت سے) جب وہ نکل آئے (اور پکنے بھی نہ پائے) اور (البتہ اس کے ساتھ اتنا ضرور ہے کہ) اس میں جو حق (شریعت کے اعتبار سے) واجب ہے (یعنی خیر خیرات) وہ اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو اور (اس دینے میں بھی) حد (یعنی شرعی حکم) سے مت بڑھو یقیناً وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) حد (شرعی حکم) سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں اور (جس طرح) باغ اور کھیت اللہ نے پیدا کئے ہیں، اسی طرح حیوانات بھی، چنانچہ) مویشیوں میں اونچے قد کے (بھی) اور چھوٹے قد کے (بھی) اسی نے پیدا کئے اور ان کے بارے میں بھی باغوں اور کھیتوں کی طرح اجازت دی ہے کہ) جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے (اور شریعت کے لحاظ سے حلال کیا ہے اس کو) کھاؤ اور (اپنی طرف سے تحریم کا حکم گڑھ کر) شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (کہ تمہیں حق کے واضح دلائل کے باوجود گمراہ کر رہا ہے، اور یہ مویشی جن کے بارے میں حلال اور حرام کے حکم لگا رہے ہو) آٹھ نر و مادہ (پیدا کئے) یعنی بھیڑ (اور دنبہ) میں دو قسم (ایک نر ایک مادہ) اور بکری میں دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ) آپ (ان سے) کہئے کہ (یہ تو بتاؤ کہ) کیا اللہ تعالیٰ نے ان (دونوں جانوروں کے) دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو (حرام کیا ہے) یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں (وہ بچہ نر ہو یا مادہ یعنی تم جو مختلف صورتوں سے ان کے حرام ہونے کے دعویدار ہو تو کیا ان کو حرام اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے) تم مجھے کسی دلیل سے تو بتاؤ اگر اپنے (دعویٰ میں) سچے ہو (یہ تو چھوٹے قد والے سے متعلق بیان ہوا۔ آگے بڑے قد والوں کا بیان ہے کہ بھیڑ بکری میں بھی نر و مادہ پیدا کیا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا) اور (اسی طرح) اونٹ میں دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ) اور گائے اور بھینس میں دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ پیدا کئے) آپ (ان سے اس بارے میں بھی) کہئے کہ (یہ تو بتاؤ کہ) کیا اللہ تعالیٰ نے (ان دونوں جانوروں کے) دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مادہ کو (حرام کیا ہے) یا اس (بچہ) کو جس کو دونوں مادہ (اپنے) پیٹ میں لئے ہوئے ہوں (وہ بچہ نر ہو یا مادہ ہو اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ تم جو مختلف صورتوں سے حرام ہونے کے دعویدار ہو تو کیا یہ اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے، اس پر کوئی دلیل قائم کرنی چاہئے، جس کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ کسی رسول اور فرشتہ کے واسطہ سے ہو تو نبوت اور وحی کے مسئلہ سے تو تمہیں انکار ہی ہے، اس شق کو تو اختیار نہیں کر سکتے، لہٰذا دعویٰ کرنے کے لئے دوسرا طریقہ متعین ہو گیا کہ خود اللہ تعالیٰ نے براہ راست تمہیں یہ حکم دیئے ہوں تو) کیا تم (اس وقت) حاضر (یا موجود) تھے، جس

وقت اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس (تحریم وتحلیل) کا حکم دیا (اور ظاہر ہے کہ اس کا دعوی بھی نہیں ہوسکتا، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں) تو اس امر کے ثبوت کے بعد کہ اس دعوی پر کوئی دلیل نہیں، یقینی بات ہے کہ) اس سے زیادہ کون ظالم (اور جھوٹا) ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بغیر دلیل کے (تحلیل وتحریم کے بارے میں) جھوٹی تہمت لگائے، تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے (یعنی یہ شخص بڑا ظالم ہوگا اور) یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو (آخرت میں) جنت کا راستہ نہ دکھائیں گے (بلکہ دوزخ میں بھیجیں گے، لہٰذا یہ لوگ بھی اس جرم کی سزا میں دوزخ میں جائیں گے)

فائدہ: اس آیت میں جو شرعی خیر خیرات کا ذکر ہے، اس سے زمین کی پیداوار کی زکوۃ یعنی عشر (دسواں حصہ) مراد نہیں ہے، جیسا کہ درمنثور میں سنن بیہقی کے حوالہ سے ابن عباس کا قول منقول ہے کہ اس کو یعنی اس کے وجوب کو عشر اور نصف عشر نے منسوخ کردیا اور اسی میں ابوداؤد کے ناسخ ومنسوخ سے سفیان کا سوال اور سدی کا جواب منقول ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور اس کا وجوب عشر ونصف عشر سے منسوخ ہے اور سدی نے اسی قول کو علماء کی طرف منسوب کیا ہے، اور زکوۃ مدینہ میں فرض ہوئی تھی، جیسا کہ الدر المختار میں ہے۔

اور اسراف میں شرعی اذن کی قید اس لئے لگائی کہ شرعی وجوب سے تجاوز کرنا اسراف نہیں ہے اور حصاد یعنی کھیتی کاٹنے کی قید اس اعتبار سے ہے کہ اس وقت دیا جاتا ہے ورنہ وجوب اس سے پہلے ہوجاتا ہے، یعنی جب آفتوں سے امن ہوجائے، لہٰذا اس کے بعد جو خود خرچ کرے گا، وہ یاد رکھے جیسا کہ الدر المختار میں ہے، لہٰذا اس جز کے اعتبار سے یہ منسوخ نہیں۔

﴿قُل لَّآ أَجِدُ فِى مَآ أُوحِىَ إِلَىَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُۥ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ ۚ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں، ان میں تو میں کوئی غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لئے نامزد کردیا گیا ہو، پھر جو شخص بیتاب ہوجاوے، بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔

ربط: اوپر مشرکوں کے گڑھی ہوئی تحریم وتحلیل کو باطل قرار دیا ہے، اب بھی اسی مضمون کی تائید ہے کہ جن حیوانوں کے سلسلہ میں کلام ہو رہا ہے ان میں حرام تو فلاں فلاں چیزیں ہیں تم اپنی طرف سے کیوں گڑھتے ہو، اور اس میں ان کی ایک دوسری گمراہی کی طرف بھی اشارہ ہے، کیونکہ بہنے والا خون اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے ہوئے کو کھانے کی ان کی عادت تھی، لہٰذا اوپر حلال کو حرام کرنے کا ذکر تھا اور یہ حرام کو حلال کرنے کا ذکر ہے۔

کھانے کی حرام چیزیں:

آپ کہہ دیجئے کہ (جن حیوانوں کے بارے میں بات ہو رہی ہے ان سے متعلق) بذریعہ وحی جو کچھ احکام میرے پاس آتے ہیں، ان میں تو کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے کوئی حرام غذا نہیں پاتا (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) مگر (ان چیزوں کو البتہ حرام پاتا ہوں، وہ) یہ کہ وہ مردار (جانور) ہو (یعنی جس جانور کو ذبح کرنا واجب ہے وہ شرعی طریقہ سے ذبح کئے بغیر مر جائے) یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ (خنزیر) بالکل ناپاک ہے (اس لئے اس کے تمام اجزاء نجس اور حرام ہیں، ایسا نجس نجس العین کہلاتا ہے) یا جو (جانور وغیرہ) شرک کا ذریعہ ہو (اس طرح) کہ غیر اللہ کے (تقرب کے قصد سے) نامزد کر دیا گیا ہو (اس لئے یہ سب حرام ہیں) پھر (بھی اس میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ) جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے، بشرطیکہ نہ تو (کھانے میں) لذت کا طالب ہو اور نہ (ضرورت وحاجت کی مقدار سے) تجاوز کرنے والا ہو تو (اس حالت میں ان حرام چیزوں کے کھانے میں بھی اس شخص کو کچھ گناہ نہیں ہوتا) واقعی آپ کا رب اس شخص کے لئے (غفور رحیم ہے (کہ ایسے وقت میں رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں سے گناہ اٹھا دیا)

فائدہ: انہی الفاظ سے ملتی جلتی ایک آیت سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۳ ابھی گذر چکی ہے، وہاں اس کی تفسیر ملاحظہ فرمالی جائے، اور یہ جو قید لگائی گئی کہ جن حیوانوں کے سلسلہ میں کلام ہو رہا ہے، اس سے یہ شبہ جاتا رہا کہ کیا سوائے ان چار چیزوں کے اور کوئی چیز حرام نہیں؟ حالانکہ احادیث میں اور حیوانوں کی بھی حرمت آئی ہے۔

﴿ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۞ ﴾

ترجمہ: اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی ہو، ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی، اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

ربط: اوپر جو مضمون بیان ہوا تھا، اب اس سے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ زیر بحث کھائی جانے والی چیزوں میں سوائے مذکورہ چیزوں کے سب کو حلال کہا گیا ہے، حالانکہ بعض اہل کتاب سے معلوم ہوا کہ بعض اور جانور بھی حرام ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ان چیزوں کے حرام ہونے کا یہ حکم صرف یہودیوں کے لئے ایک خاص وجہ سے ہوا تھا، جو کہ اب منسوخ ہو گیا، لہٰذا مذکورہ دعوی اپنے آپ میں صحیح اور اس کے مقابلہ میں آنے والا حکم غلط ہے۔

یہود پر بعض اشیاء کی تحریم کی تحقیق:

اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری (کے اجزا) میں سے ان دونوں کی

چربیاں ان (یہود) پر ہم نے حرام کردی تھیں، مگر وہ (چربی اس سے الگ تھی) جو ان (دونوں) کی پشت پر یا آنتوں میں لگی ہو، یا جو (چربی) ہڈی سے ملی ہو (باقی سب چربی حرام تھی، تو ان چیزوں کا حرام ہونا خود اپنے آپ میں مقصود نہ تھا، بلکہ) ان کی شرارت کے سبب ہم نے انہیں یہ سزا دی تھی، اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

فائدہ: سورۃ آلِ عمران آیت ۹۳ ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ الخ اور سورۃ النساء آیت ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ ﴾ الخ میں اس تحریم یعنی حرام کرنے اور اس کی علت کا تھوڑا بیان گذر چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے اور یہود کا اس تحریم کو قدیم یعنی پرانے وقت سے قرار دینا بھی اس سے پہلی آیت کی تمہید میں بیان ہوا ہے، یہاں ﴿ لَصٰدِقُوْنَ ﴾ سے ان کے اس قول کی تکذیب بھی ہوگئی، اور ناخن والے سے ہر وہ جانور مراد ہے جس کا پنجہ یا کھر پھٹا ہوا نہ ہو، جیسے گھوڑا، اونٹ، شتر مرغ، مرغابی اور بطخ وغیرہ، جیسا کہ تفسیر الجمل میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، اور جو چربی ان کے سوا ہے جن کا اوپر ذکر ہوا، وہ سب حرام تھیں، جیسے: گردہ کی چربی، درمنثور میں اس بارے میں آثار کا بیان ہے، اور اونٹ بنی اسرائیل پر توریت سے پہلے سے حرام تھا۔

﴿ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر اگر یہ آپ کو کاذب کہیں تو آپ فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا۔

ربط: اوپر تحلیل وتحریم کے مضمون سے متعلق ایک شبہ کا جواب دیا جا چکا ہے، اب اس سے متعلق ایک دوسرے شبہ کا جواب ہے، وہ شبہ یہ ہے کہ اگر اس بحث میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشرکوں کا یہ طریقہ باطل ہے تو اللہ تعالیٰ کو قدرت ہونے کے باوجود انہیں سزا کیوں نہیں ہوتی، تو اس سے تو دوسری جانب کے کذب کا نعوذ باللہ شبہ ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ قدرت تو عذاب کو صحیح قرار دیتی ہے اور ان کے طریقہ کا باطل ہونا اس کا تقاضہ کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ایک خاص وقت تک اس کو روکتی ہے پھر جب وہ وقت آجائے گا تب وہ تقاضا ظاہر ہو جائے گا۔

عذاب میں تاخیر کی وجہ سے پیدا ہونے والے شبہ کا جواب:

پھر (اس مذکورہ تحقیق کے بعد بھی) اگر یہ (مشرک) آپ کو (نعوذ باللہ اس مضمون میں صرف اس وجہ سے) جھوٹا کہیں (کہ ان پر عذاب نہیں آتا) تو آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے (بعض حکمتوں سے جلدی سے پکڑ نہیں فرماتا) اور (اس سے یوں نہ سمجھو کہ ہمیشہ یوں بچے رہیں گے جب وہ معین وقت آجائے گا، پھر اس وقت) اس کا عذاب مجرم لوگوں سے (کسی طرح) نہ ٹلے گا۔

فائدہ: یہ جواب تحقیقی ہے اور اس کا الزامی جواب بھی ظاہر ہے کہ اگر عذاب کا جلدی نہ آنا تمہارے حق پر ہونے کی

دلیل ہے تو اس بناء پر مسلمانوں کا طریقہ بھی جو اس کی ضد ہے حق ہوگا، اور اس سے دو ضدوں کا جمع ہونا لازم آتا ہے کہ ایک شے کا حق ہونا بھی صحیح ہو اور اس شے کا باطل ہونا بھی صحیح ہو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ شبہ محض بکواس ہے۔

﴿ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ مشرکین یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے، اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انھوں نے بھی تکذیب کی تھی، یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا، آپ کہئے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تا کہ اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو، تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔ آپ کہئے کہ بس پوری حجت اللہ ہی کی رہی، پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ پر لے آتا، آپ کہئے کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو آپ اس شہادت کی سماعت نہ فرمائیے، اور ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا اتباع مت کرنا جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں۔

ربط: اوپر مشرکوں کی تحلیل و تحریم کی قسم کی شرکیہ رسموں سے متعلق دو شبہوں کا جواب گذر چکا ہے۔ اب اس تحریم اور اس کے منشا یعنی شرک سے متعلق ایک تیسرے عقلی شبہ کا جواب ہے، وہ عقلی شبہ یہ ہے کہ وہ ان امور کے جواز اور پسندیدہ ہونے پر یوں استدلال کرتے تھے کہ ہم جو کچھ شرک اور تحریم کر رہے ہیں اگر یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتا تو وہ ہمیں اپنی مرضی کے خلاف یہ کام کیوں کرنے دیتا، اس سے معلوم ہوا کہ اسے یہ امور ناپسند نہیں ہیں۔

اس کا جواب اس آیت میں دو طرح سے دیا گیا ہے: ایک کا حاصل دلیل کا مطالبہ ہے، جس کو مناظرہ کی اصطلاح میں 'منع' کہتے ہیں، وہ یہ کہ یہ مقدمہ ایک دعویٰ ہے کہ شرک کی قدرت دینے کا مطلب راضی ہونا ہے جبکہ اس دعویٰ کے لئے دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہے، ﴿هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ﴾ یعنی ''کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے''؟ میں یہی جواب ہے۔

دوسرے جواب کا حاصل اس دلیل کے باطل ہونے پر خود دلیل قائم کرنا ہے جسے اصطلاح میں 'نقض' کہتے ہیں، وہ یہ

کہ اس سے رسول کی تکذیب لازم آتی ہے، کیونکہ رسول شرک اور گڑھی ہوئی تحریم کو باطل کہتے رہے ہیں اور اس دلیل سے اس کا حق ہونا لازم آتا ہے، اور رسولوں کا سچا ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے، اس لئے ان کا کذب محال ہے اور جس سے محال لازم آئے وہ خود محال ہے، لہٰذا مشرکوں کی یہ دلیل ٹوٹ گئی۔

﴿ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ یعنی ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انھوں نے بھی تکذیب کی تھی'' میں اس کی طرف اشارہ ہے اور پہلے جواب کی وضاحت ایک الزام سے ظاہر ہے کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے تمام امور حق ہوں اور یہ کھلے طور پر ضدوں کا جمع ہوتا ہے، جیسا کہ دوسرے شبہ کے جواب میں بیان ہوا، چونکہ یہ الزامی جواب بہت ظاہر ہے اس لئے اس کا ذکر نہیں ہوا۔

پھر ان دونوں جوابوں پر فرع کے طور پر فرمایا ہے کہ عقلی دلیل کا حال تو معلوم ہو گیا، مدعا ثابت کرنے کا دوسرا طریقہ صحیح نقل ہے، اگر عقلی دلیل سے عاجز ہو تو دلیل نقلی ہی لاؤ، ﴿ قُلْ هَلُمَّ ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے، اور ﴿ سَيَقُوْلُ ﴾ میں جیسا کہ مفسرین نے تصریح کی ہے، مشرکوں کے یہ شبہ پیش کرنے کی پیشین گوئی ہے، جو بعد میں واقع ہوا، جیسا کہ سورۃ النحل آیت ۳۵ ﴿ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ﴾ الخ میں ہے اور آپ ﷺ کا یہ بھی ایک معجزہ ہے۔

شرک اور تحریم سے متعلق شبہ کا جواب:

یہ مشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو (رضامندی کے طور پر یہ امر) منظور ہوتا (کہ ہم شرک اور تحریم نہ کریں یعنی اللہ تعالیٰ شرک اور تحریم کو ناپسند کرتے) تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے) اور نہ ہم (اور ہمارے بزرگ) کسی چیز کو (جن کا اوپر ذکر ہوا ہے) حرام کہہ سکتے (اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس شرک اور تحریم سے ناراض نہیں، اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ یہ استدلال اس لئے باطل ہے کہ اس سے رسولوں کی تکذیب لازم آتی ہے، لہٰذا یہ لوگ رسولوں کی تکذیب کر رہے ہیں اور جس طرح یہ کر رہے ہیں) اسی طرح (کافر) لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں، انھوں نے بھی (رسولوں کی) تکذیب کی تھی، یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھا (خواہ دنیا میں جیسا کہ گذشتہ کافروں پر عذاب نازل ہوا ہے، یا مرنے کے بعد تو ظاہر ہی ہے، اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان لوگوں کی ان کفریہ باتوں کے مقابلہ میں صرف زبانی جواب اور مناظرہ پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ گذشتہ کافروں کی طرح عملی سزا بھی دی جائے گی خواہ دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں۔

آگے دوسرا جواب دینے کے لئے ارشاد ہے کہ) آپ (ان سے) کہئے کہ کیا تمہارے پاس اس دعوی پر کہ کسی کام کے کرنے کی قدرت دینے کے لئے رضامندی لازمی ہے) کوئی دلیل ہے تاکہ اس کو ہمارے سامنے ظاہر کرو؟ (اصل یہ ہے کہ دلیل وغیرہ کچھ بھی نہیں) تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔

(اور دونوں جواب دے کر) آپ (ان سے) کہئے کہ بس (دونوں جوابوں سے معلوم ہوا کہ) پوری حجت اللہ ہی کی رہی (اور تمہاری حجت باطل ہوگئی) پھر (اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم سب راہ پر آجاتے، مگر اس کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے) اگر وہ چاہتا تو تم سب کو (سیدھے) راستہ پر لے آتا (مگر حق تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں کسی کو توفیق دی، کسی کو نہیں دی، البتہ حق کا اظہار اور اختیار وارادہ عطا کرنا سب کے لئے عام ہے۔

آگے دلیل نقلی کے مطالبہ کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ) آپ (ان سے) کہئے کہ (اپنی عقلی دلیل کا حال تو تمہیں معلوم ہوگیا، اچھا اب کوئی صحیح دلیل نقلی پیش کرو، مثلاً) اپنے گواہوں کو لاؤ، جو اس بات پر (باقاعدہ) شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان (مذکورہ) چیزوں کو حرام کردیا ہے (باقاعدہ شہادت وہ ہوتی ہے جو مشاہدہ پر مبنی یا ایسی قطعی دلیل پر مبنی ہو جو یقین کا فائدہ دینے میں مشاہدہ کے برابر ہو، جیسا کہ ﴿ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے) پھر اگر (اتفاق سے کسی کو جھوٹا گواہ بنا کر لے آئیں اور) وہ (گواہ اس کی) گواہی (بھی) دیدے تو (چونکہ وہ شہادت یقیناً بے قاعدہ اور محض سخن سازی ہوگی، کیونکہ نہ اس میں مشاہدہ ہے اور نہ ہی مشاہدہ جیسی قطعی دلیل ہے، اس لئے) آپ اس شہادت کو قبول نہ فرمایئے، اور (جب ان کا جھوٹا ہونا جیسا کہ ﴿ وَلَا حَرَّمْنَا ﴾ الخ اور ﴿ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ ﴾ الخ سے ظاہر ہے اور آخرت کا منکر ہونا جیسا کہ بہت سی آیتوں سے ثابت ہے اور شرک ہونا جیسا کہ ﴿ أَشْرَكْنَا ﴾ الخ ظاہر ہے، ثابت ہوگیا تو اے مخاطب!) ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا (جن کا باطل ہونا ابھی ثابت ہو چکا) اتباع مت کرنا، جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (اور اس سبب سے نڈر ہو کر حق کی تلاش نہیں کرتے) اور وہ (معبود ہونے کے مستحق ہونے میں) اپنے رب کے برابر دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی شرک کرتے ہیں)

﴿ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ

کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو، ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ، خواہ وہ علانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر، اس کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو، اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جاوے، اور ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ، ہم کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے، اور جب تم یہ بات کیا کرو تو انصاف رکھا کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو اس کو پورا کیا کرو، ان کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو، اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم احتیاط رکھو۔

ربط: اوپر مشرکوں کی گڑھی ہوئی تحریم کا انکار تھا، اب واقعی حرام کی ہوئی چیزوں کو جن کو اہل جاہلیت حلال کئے ہوئے تھے، بیان فرماتے ہیں، بعض کو تو تفصیل کے ساتھ ممنوع کی صراحت کے ساتھ اور اوامر میں دلالت کے طور پر اور بقیہ کو ﴿هٰذَا صِرَاطِيْ﴾ میں اجمالی طور پر، لہٰذا اس انکار اور اس بیان کے مجموعہ سے ان کے حال پر اشارہ ہو گیا کہ عجیب بات ہے کہ جو امور واقعی حرام ہیں، ان میں تو مبتلا ہیں، یعنی ان کو تو حلال کئے ہوئے ہیں اور جو اشیاء واقعی حلال تھیں ان میں تحریم گڑھ رکھی ہے، اس انداز سے گفتگو کرنا ''خطاب علی اسلوب الحکیم'' کہلاتا ہے۔

بعض واقعی حرام چیزوں کا بیان:

آپ (ان سے) کہئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے، وہ (چیزیں یہ ہیں، ایک) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ (لہٰذا شریک ٹھہرانا حرام ہوا) اور (دوسرے یہ کہ) ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو (لہٰذا ان سے بدسلوکی کرنا حرام ہوا) اور (تیسری یہ کہ) اپنی اولاد کو افلاس کے سبب (جیسا کہ دور جاہلیت میں غالب عادت تھی) قتل مت کیا کرو (کیونکہ) ہم انہیں اور تمہیں (دونوں کو مقدر میں لکھا ہوا) رزق دیں گے (وہ تمہارے مقدر میں لکھے ہوئے رزق میں شریک نہیں ہیں، پھر کیوں قتل کرتے ہو؟ لہٰذا قتل کرنا حرام ہوا) اور چوتھے یہ کہ بے حیائی (یعنی بدکاری) کے جتنے طریقے ہیں، ان کے پاس بھی مت جاؤ (پس زنا کرنا حرام ہوا) چاہے وہ علانیہ ہو اور چاہے پوشیدہ ہو (وہ طریقے یہی ہیں) اور (پانچویں یہ کہ) جس کا خون کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے، اس کو قتل مت کرو، ہاں! مگر وہ (شرعی) حق پر (قتل جائز ہے، مثلاً قصاص میں یا رجم میں، لہٰذا ناحق قتل کرنا حرام ہوا) اس (سب) کا تمہیں (اللہ تعالیٰ نے) تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (ان کو) سمجھو اور سمجھ کر عمل کرو) اور (چھٹے یہ کہ) یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ (یعنی اس میں تصرف مت کرو) مگر ایسے طریقہ سے (تصرف کی اجازت ہے) جو کہ (شرعی طور پر)

مستحسن (یعنی پسندیدہ) ہے (مثلاً اس کے کام میں لگانا، اس کی حفاظت کرنا، اور بعض ولیوں اور وصیوں کو اس میں یتیم کے لئے تجارت کرنے کی بھی اجازت ہے) یہاں تک کہ وہ اپنی بالغ ہونے کی عمر کو پہنچ جائے، (اس وقت تک ان مذکورہ تصرفات کی بھی اجازت ہے، اور پھر اس کا مال اس کو دیدیا جائے گا، اس شرط کے ساتھ کہ وہ نادان و کم عقل نہ ہو، لہٰذا یتیم کے مال میں غیر شرعی تصرف حرام ہوا) اور (ساتویں یہ کہ) ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو، انصاف کے ساتھ (کہ کسی کا حق اپنے پاس نہ رہے اور نہ آئے، لہٰذا اس میں دغابازی کرنا حرام ہوا، اور یہ احکام کچھ دشوار نہیں کیونکہ) ہم (تو) کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ (احکام کی) تکلیف (بھی) نہیں دیتے (پھر ان احکام میں کوتاہی کیوں کی جائے) اور (آٹھویں یہ کہ) جب تم (فیصلہ یا شہادت وغیرہ سے متعلق کوئی) بات کیا کرو تو (اس میں) انصاف (کا خیال) رکھا کرو، اگرچہ وہ شخص (جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو، تمہارا قرابت دار ہی ہو (لہٰذا عدل کے خلاف فیصلہ کرنا حرام ہوا) اور (نویں یہ کہ) اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو جیسے قسم یا نذر، اس شرط کے ساتھ کہ وہ شرعی طور پر درست ہو) اس کو پورا کیا کرو (لہٰذا اس کا پورا نہ کرنا حرام ہوا) ان (سب) کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو (اور عمل کرو) اور یہ (بھی کہہ دیجئے) کہ (کچھ انہی احکام کی تخصیص نہیں بلکہ) یہ دین (اسلام اور اس کے تمام احکام) میرا راستہ ہے (جس کی طرف میں اللہ کے اذن سے دعوت دیتا ہوں) جو کہ (بالکل) مستقیم (سیدھا) ہے، اس لئے اس راہ پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو، کہ وہ راستے تمہیں اللہ کی راہ سے (جس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں) جدا (اور دور) کردیں گے، اس کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے، تاکہ تم (اس راہ کے خلاف چلنے اور عمل کرنے سے) احتیاط رکھو۔

فائدہ: یتیم کے مال کے احکام سورۂ نساء کے شروع میں گذر چکے ہیں، ملاحظہ کرلیے جائیں، اور ترجمہ کے درمیان میں جو "بعض ولیوں اور بعض وصیوں" کہا گیا ہے، اس سے قاضی اور یتیم کا دادا اور باپ اور دادا کا وصی مراد ہے، ان کے سوا کسی کو یتیم کے مال میں تجارت کا تصرف جائز نہیں، اور قسم کے احکام سورۃ المائدۃ آیت ۸۹ میں گذر چکے ہیں۔

﴿ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور سب احکام کی تفصیل

ہو جاوے اور راہنمائی ہو اور رحمت ہو تا کہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے پر یقین لاویں۔ اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و برکت والی سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحمت ہو۔ کبھی تم لوگ یوں کہنے لگتے کہ کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے، ان پر نازل ہوئی تھی، اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے محض بے خبر تھے، یا یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ راہ پر ہوتے سو اب تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور راہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آچکی ہے سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلا دے اور اس سے روکے۔ ہم ابھی ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے۔

ربط: اوپر عقائد میں شرک اور تحلیل و تحریم کا اور اس سے متعلق مضامین کا بہت تفصیل کے ساتھ رد فرمایا ہے۔ اب نبوت کے مسئلہ پر جو کہ ﴿ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ ﴾ الخ سے اور ﴿ هٰذَا صِرَاطِيْ ﴾ الخ سے بھی سمجھ میں آتا ہے یہ بحث ہے کہ نبوت کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں ہے، پہلے دوسرے نبی ہوئے جن میں موسیٰ علیہ السلام مشہور و معروف ہیں، آخر میں آپ صاحب وحی ہو گئے، تو اس کا انکار کیوں کیا جاتا ہے؟

موسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ پر کتاب کا نازل ہونا:

پھر (شرک کو باطل ثابت کرنے کے بعد ہم نبوت کے مسئلہ میں گفتگو کرتے ہیں کہ ہم نے صرف آپ کو ہی اکیلا نبی نہیں بنایا، جس پر یہ لوگ اس قدر شور و غل مچا رہے ہیں، بلکہ آپ سے پہلے) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) کتاب (توریت) دی تھی، جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر (ہماری) نعمت پوری ہوئی (کہ عمل کر کے ثواب کامل حاصل کریں) اور سب (ضروری) احکام کی (اس کے ذریعہ سے) تفصیل ہو جائے اور (اس کے ذریعہ سے سب کو) رہنمائی ہو اور (ماننے والوں کے لئے) رحمت ہو (ہم نے اس صفت کی کتاب اس لئے دی) تا کہ وہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل) اپنے رب کے ملنے پر ایمان لائیں (اور ملاقات کے عقیدہ سے سب احکام کو بجا لائیں)

اور (جب اس کا اور اس کے تتمہ انجیل کا دور ختم ہو چکا، اس کے بعد) یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے (آپ کے پاس) بھیجا، بڑی خیر و برکت والی ہے، اس لئے اس کا اتباع کرو اور (اس کی خلاف ورزی کرنے کے بارے میں اللہ سے) ڈرو تا کہ تم پر (اللہ تعالیٰ کی) رحمت ہو۔

(اور ہم نے یہ قرآن اس لئے بھی نازل کیا کہ) کبھی تم لوگ (قیامت میں اس کے نازل نہ ہونے کی صورت میں کفر اور شرک پر عذاب ہونے کے وقت) یوں کہنے لگتے کہ (آسمانی) کتاب تو صرف ہم سے پہلے جو دو فرقے (یہودی و عیسائی) تھے ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے (اس لئے ہمیں توحید کی تحقیق نہ ہوئی) یا (دوسرے گذشتہ مؤمنوں کو ثواب ملنے کے وقت) یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان (گذشتہ مؤمنوں)

سے بھی زیادہ راہ پر ہوتے (اور عقائد واعمال میں ان سے زیادہ کمال حاصل کر کے ثواب کے مستحق ہوتے) تو (یاد رکھو کہ) اب (تمہارے پاس) کوئی عذر نہیں، کیونکہ تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب (جس کے احکام) واضح (ہیں) اور (جو) رہنمائی کا ذریعہ (ہے) اور (اللہ کی) رحمت (ہے) آچکی ہے، تو (ایسی نشانی وکافی کتاب آنے کے بعد) اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتائے (اور دوسروں کو بھی) اس سے روکے؟ ہم ابھی (آخرت میں) ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں، ان کے اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے (یہ سختی اس روکنے سے بڑھی ورنہ صرف تکذیب بھی سزا کا سبب ہے)

فائدہ: غفلت کی وجہ یہ نہیں کہ توریت اور انجیل عربی زبان میں نہیں تھیں، کیونکہ ترجمہ کے ذریعہ مضامین کا علم حاصل کرنا ممکن ہے، بلکہ حاصل ہوتا تھا، اصل وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب نے اہل عرب کو تعلیم وتوحید سے واقف کرانے کا بھی اہتمام نہیں کیا، اور اتفاق سے کان میں کسی مضمون کا پڑ جانا عام طور سے خبردار ہونے میں کم اثر رکھتا ہے، اگرچہ اس خبردار پر بھی اس کا طلب کرنا اور اس میں غور وفکر کرنا واجب ہوجاتا ہے، اور اسی بنا پر توحید کو ترک کرنے میں عذاب ممکن تھا۔

اور اس سے موسیٰ وعیسیٰ کی بعثت کے عام ہونے کا اشکال لازم نہیں آتا، کیونکہ اس عموم کا اختصاص ہمارے حضور ﷺ کے ساتھ اصول وفروع کے مجموعہ کے اعتبار سے ہے ورنہ اصول میں تمام انبیاء کا اتباع تمام مخلوقات پر واجب ہے، لہٰذا اس بنا پر عذاب صحیح ہوتا، لیکن پہلی نظر میں یہ عذر پیش کیا جاسکتا تھا، اب اس کی بھی گنجائش نہ رہی اور اللہ کی حجت پوری ہوگئی۔

اور دوسرا قول ﴿لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ﴾ کے متعلق ایک سوال اور جواب اہل فترت یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کی مدت والوں کی نجات کے اعتبار سے سورۂ مائدہ آیت ۱۹ میں گذر چکا ہے، ملاحظہ کرلیا جائے۔

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آویں یا ان کے پاس آپ کا رب آوے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آوے۔ جس روز آپ کے رب کی بڑی نشانی آپہنچے گی کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آوے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔

ربط: اوپر جھٹلانے والوں کا ظالم اور عذاب کا مستحق ہونا بیان فرمایا ہے۔ اب بھی ان جھٹلانے والوں کو ایمان نہ لانے پر سرزنش اور ملامت ہے۔

ایمان نہ لانے پر سرزنش وملامت:

یہ لوگ (جو کتاب ودلائل کے نازل ہونے اور حق کے واضح ہونے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے اپنے ایمان لانے کے لئے) صرف اس امر کے منتظر (معلوم ہوتے) ہیں (یعنی ایسا توقف کر رہے ہیں جیسے کوئی انتظار کر رہا ہو) کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے (جیسا قیامت میں حساب کے وقت ہوگا) یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی (قیامت کی نشانیوں میں سے) آئے (اس سے بڑی نشانی یعنی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کیا ایمان لانے میں قیامت کے واقع ہونے یا قیامت کے قرب کا انتظار ہے تو اس بارے میں سن رکھیں کہ) جس روز آپ کے رب کی (یہ مذکورہ) بڑی نشانی آپہنچے گی (اس دن) کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا ہو (بلکہ اسی روز ایمان لایا ہو) یا (ایمان تو پہلے سے بھی رکھتا ہو، لیکن) اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو (بلکہ برے اعمال اور گناہوں میں مبتلا ہو، اور اس روز ان سے توبہ کرکے نیک عمل شروع کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، اور اگر اس سے پہلے گناہوں سے توبہ نہ کرتا تو مؤمن ہونے کی برکت سے تو یہ قبول ہو جاتی تو توبہ تو ایمان کے فائدوں میں سے ہے اس وقت ایمان نے یہ خاص نفع نہیں دیا اور جب قیامت کی علامت ایمان وتوبہ کے قبول ہونے میں رکاوٹ بن گئی تو خاص قیامت کا واقع ہو جانا تو بدرجۂ اولٰی رکاوٹ ہوگا، پھر انتظار کس چیز کا؟ اور اگر اس ملامت وتنبیہ پر بھی ایمان نہ لائیں تو) آپ (مزید سرزنش کے طور پر) فرما دیجئے کہ (خیر بہتر) تم (ان امور کے) منتظر رہو (اور مسلمان نہیں ہوتے تو مت ہو) ہم بھی (ان امور کے) منتظر ہیں (اس وقت تم پر مصیبت پڑے گی اور ہم مؤمن انشاء اللہ نجات پائیں گے)

فائدہ: حساب کے لئے حق تعالیٰ کا اور فرشتوں کا آنا سورۂ بقرہ آیت ۲۱۰ ﴿ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّآ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ ﴾ الخ کی تفسیر میں نقل ہو چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے۔ اور لفظ بعض آیات جو اس آیت میں واقع ہے اس کی تفسیر مغرب سے سورج کا طلوع ہونا بہت ساری صحیح حدیثوں میں وارد ہے، ترمذی اور مسلم وغیرہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی کیفیت ایک روایت میں اس طرح آئی ہے کہ اس دن غروب ہونے کے بعد آفتاب کو اللہ کے حکم سے رجعت قہقری یعنی واپسی ہوگی، اس لئے مغرب سے طلوع ہوگا اور درمنثور وغیرہ میں یہ روایت بیان ہوئی ہے، اور روح المعانی میں تاریخ بخاری وابو الشیخ وابن عساکر کی روایت سے حضرت کعبؓ سے اس کی کیفیت منقول ہے کہ قطب کی طرف گھوم کر مغرب کے نقطہ پر آجائے گا، اور رجعت قہقری کی بھی اسی سے تاویل کر سکتے ہیں۔

اور اہل ہیئت جن قواعد اور اصولوں کی بنیاد پر اس کو محال کہتے ہیں، ان قواعد کے لازم ہونے پر اب تک خود کوئی دلیل قائم نہیں، اور در منثور میں ایک روایت عبد بن حمید اور ابن مردویہ کے حوالہ سے عبداللہ بن ابی اوفی سے بطور مرفوع منقول ہے کہ مغرب سے طلوع ہو کر جب آسمان کے درمیان تک پہنچے گا تو پھر مغرب ہی کی طرف لوٹ کر غروب ہو جائے گا اور پھر بدستور مشرق سے نکلنے لگے گا، اور بعض احادیث میں اس وقت ایمان مقبول نہ ہونے کی اور بعض میں توبہ کے قبول نہ ہونے کی تصریح ہے۔

باقی دو امر قابل تحقیق رہے، ایک یہ کہ اس وقت ایمان اور توبہ کے قبول نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ دوسرے یہ کہ کیا اس کے بعد بھی یہ قبول نہ ہونا جاری رہے گا یا نہیں؟ صاحب روح المعانی نے پہلے امر میں کہا ہے کہ جب اوپر کی دنیا کا تغیر آنکھوں سے دیکھ لیا تو نزع کے وقت عالم غیب کے کھل کر سامنے آجانے کی طرح ایمان بالغیب نہ رہا۔ دوسرے امر میں اس کو ترجیح دی ہے کہ پھر قبول ہونے لگے گا جو بعد میں شریعت کا مخاطب ہوا ہو، یا مدت گذر جانے کے بعد وہ ہولناکی دور ہو جائے، زواجر اور بُلیقنی سے یہ مضمون نقل کیا ہے، اور نسیان کی تائید میں فتح الباری سے ایک حدیث مرفوعاً نقل کی ہے کہ اس کے بعد ایک سو بیس آدمی باقی رہیں گے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۝﴾

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔

ربط: یہاں تک بیان کا زیادہ حصہ مشرکوں کے بارے میں ہے۔ اب ایک عام عنوان سے دوسرے گمراہوں کا حق سے دور اور وعید کا مستحق ہونا بیان فرماتے ہیں، جس میں تمام کفار و مشرک و اہل کتاب، اہل خواہشات و بدعات وعید کے درجات و مرتبوں کے فرق سے سب داخل ہو گئے۔

تمام اہل ضلالت سست قدم:

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو (جس کے وہ مکلف تھے) جدا جدا کر دیا (یعنی دین حق کو پوری طرح قبول نہیں کیا، خواہ سارے کو چھوڑ دیا یا کچھ کو۔ اور کفر و شرک کے طریقے اختیار کر لئے) اور (الگ الگ) گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں (یعنی آپ ان سے بری ہیں، آپ پر کوئی الزام نہیں) بس (وہ خود اپنے نیک و بد کے ذمہ دار ہیں اور) ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے (وہ دیکھ بھال رہے ہیں) پھر (قیامت میں) ان کو ان کا کیا ہوا جتائیں گے (اور حجت قائم کر کے) عذاب کا مستحق ہونا ظاہر کر دیں گے۔

فائدہ: درمنثور میں ابن عباسؓ سے ان گروہوں سے یہود ونصاریٰ مراد ہونا اور ابو ہریرہؓ سے مرفوع کے طور پر اہل بدعات مراد ہونا اور خازن میں حسن سے تمام مشرکوں کا مراد ہونا اس اعتبار سے منقول ہے کہ بعض بت پرست ہیں بعض ستارہ پرست ہیں وغیرہ وغیرہ، لفظ ﴿ فَرَّقُوْا ﴾ میں سب شامل ہو سکتے ہیں، اس لئے عام مراد لینا زیادہ مناسب ہے، البتہ وعید کے درجات الگ الگ ہوں گے یعنی کفار کو ہمیشہ کا عذاب ہوگا اور بدعتیوں میں ایمان موجود ہونے کی وجہ سے ان کو فاسد عقائد کی سزا کے بعد نجات مل جائے گی۔

اور حدیث میں جو آیا ہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا یعنی نجات پائے گا، باقی تمام ناری یعنی جہنمی ہوں گے، اس سے مراد ہمیشہ کا داخلہ ہونا اور ہمیشہ کا داخلہ نہ ہونا مراد نہیں ہے، کیونکہ کسی مؤمن کو جہنم میں ہمیشہ کا داخلہ نہیں ہوگا، اور نہ ہی مطلق داخلہ ہونا اور داخلہ نہ ہونا مراد ہے، کیونکہ بعض اہل سنت کو بھی گناہوں کی وجہ سے داخلہ ہوگا، بلکہ اس سے مراد عقائد کے فساد کی وجہ سے داخلہ ہے جو ہمیشہ کے لئے نہ ہوگا، خوب سمجھ لو۔

اور داخلہ سے میری مراد داخلہ کا مستحق ہونا ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ دیگر گناہوں کی طرح عقیدہ کا فساد بھی جو کفر تک نہ پہنچا ہو۔ بغیر عذاب کے معاف ہو جائے، جیسا کہ عذاب کے بعد معاف ہوگا۔ عذاب کے لازم ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، اسی لئے میں نے ترجمہ میں مستحق ہونے کا لفظ بڑھایا ہے۔

اور ﴿ فَرَّقُوْا ﴾ کی تفسیر کے متعلق جاننا چاہئے کہ جب بعض برحق امور کا چھوڑنا جائز نہیں تو تمام کا چھوڑنا تو بدرجۂ اولیٰ قابل مذمت ہوگا، لہٰذا یہ شبہ نہ رہا کہ ﴿ فَرَّقُوْا ﴾ میں تو ان ہی پر وعید ہے جنھوں نے بعض حق کو ترک کر دیا اور تمام کو چھوڑنے والوں پر ﴿ فَرَّقُوْا ﴾ صادق نہیں آتا۔

﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۶۰﴾

ترجمہ: جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے ملیں گے اور جو شخص برا کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔

ربط: اوپر ﴿ يُنَبِّئُهُمْ ﴾ میں قیامت کی جزا کا بیان تھا، اب اس جزاء کا عام قانون بیان کیا گیا ہے، جس سے مذکورہ بالا خاص جزا کا حال بھی معلوم ہو جائے گا، شاید دوسرا جزء یعنی نیک کام کرنے والے کی جزا بڑھا دینے سے ترغیب مقصود ہو کہ اگر کفر کو چھوڑ کر ایمان لے آؤ تو کس قدر نفع ہو کہ عمل تھوڑا سا کرو اور جزا بہت ساری ملے۔

اعمال کی جزا کا قانون:

جو شخص نیک کام کرے گا، اس کو (کم سے کم) اس کا دس گنا ملے گا (یعنی ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا وہ نیکی دس بار کی اور ایک

نیکی پر جس قدر ثواب ملے گا اب اس سے دس گنا ملے گا) اور جو شخص برا کام کرے گا، اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی (زیادہ نہ ملے گی) اور ان لوگوں پر (ظاہری طور پر بھی) ظلم نہ ہوگا (کہ کوئی نیکی درج نہ ہو، یا کوئی بدی زیادہ بڑھا کر لکھ دی جائے)

فائدہ: ﴿ بِالْحَسَنَةِ ﴾ یعنی نیکی میں کم سے کم درجہ کی قید اس لئے لگائی کہ بعض اوقات اس سے زیادہ ملنے کی دوسری نصوص میں تصریح اور معروف ہے، اور درمنثور میں مرفوع حدیثوں میں تصریح ہے کہ لا إلٰه إلا الله بھی حسنہ ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصدیق اور اس کا اقرار دونوں حسنہ ہیں، لہٰذا ایمان بھی حسنہ ہوا، اس کے دس حصے ہونے کا مطلب احقر کی توضیح سے حل ہو گیا، یعنی ایمان لانے پر جس فضل وکرم کا وعدہ ہے ویسا فضل وکرم دس حصہ یعنی دس گنا ہوگا، اور اگر شبہ ہو کہ جب ایمان حسنہ ہے تو کفر سیۂ ہوگا اور سیۂ پر برابر سزا ہے، تو کفر پر ہمیشہ کا عذاب ہونا بظاہر برابر سے زیادہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ جب کہیئے کہ جس قدر سزا کا حق خود کفر پر ہے، اس سے زیادہ سزا ہو جاتی، اور اس کی نفی ہے بلکہ ممکن ہے کہ خود کفر گو وہ بڑھایا نہ جائے اتنی ہی سزا کا تقاضا ہو، کیونکہ اس کا قبیح اور شدید ہونا انتہائی درجہ تک بنتا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۥۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

ربط: اوپر دین میں اختلاف کی مذمت تھی، اب دین حق کی تعیین ہے جس کا اختیار کرنا سب کو ضروری ہے۔

دین حق کی تعیین اور راہ نمائی:

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے میرے رب نے ایک سیدھا راستہ (وحی کے ذریعہ سے) بتا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے (جو دلائل کے ثبوت کی وجہ سے) مستحکم (ہے) جو طریقہ ہے ابراہیم (علیہ السلام) کا جس میں ذرا ٹیڑھا پن نہیں اور (ابراہیم) شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے (اور) آپ (اس مذکورہ دین کی قدرے تفصیل کے لئے) فرما دیجئے کہ (اس دین کا حاصل یہ ہے کہ) یقیناً میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے، جو مالک ہے سارے جہان کا، اس کا (عبادت، تصرفات یا رب ہونے کے حق میں) کوئی شریک نہیں، اور مجھے اسی (مذکورہ دین پر رہنے) کا حکم ہوا ہے، اور (حکم کے مطابق) میں (اس دین والوں میں) سب ماننے والوں سے پہلا (ماننے والا) ہوں۔

فائدہ: یہاں دین کے جو اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں ان کے اعتبار سے وہ خاص اسلام ہو گیا، اور اسلام میں سے سنت طریقہ کے ساتھ، چنانچہ ملت ابراہیمی کا اسلام ہونا، سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۵ میں گذر چکا ہے۔ اور ﴿ مَا كَانَ مِنَ

﴿الْمُشْرِكِيْنَ﴾ سے مشرکوں اور یہود ونصاریٰ سب کا رد ہوگیا، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں یہ بھی بیان ہوا ہے۔ اور حنیف سے بدعت کے تمام طریقوں کا رد ہوگیا کہ سب میں ٹیڑھا پن ہے، اور تفصیل میں صلوٰۃ یعنی نماز اور نسک یعنی ساری عبادتیں تو تشریعی امور ہیں، اور جینا ومرنا تکوینی امور ہیں، پہلے کا اللہ کے لئے ہونا عبادت کے قصد کے اعتبار سے ہے اور دوسرا رب ہونے کے اعتقاد کے اعتبار سے ہے، مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ عبادت کے مستحق ہونے میں بھی اللہ کا کوئی شریک نہیں، اور تصرف میں بھی اللہ کا کوئی شریک نہیں، اور یہی توحید کا مجموعہ ہے، جو اسلام کی بڑی تعلیم ہے، اور یہ شبہ کہ حضور ﷺ کو ملت ابراہیمی پر رہنے کا کیسے حکم ہوا؟ حالانکہ آپ خود مستقل نبی ہیں، سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۵ میں حل ہو چکا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے، اور یہ جو فرمایا ﴿بِذٰلِكَ اُمِرْتُ﴾ اس میں دوسروں کو لطف وعنایت کے ساتھ دعوت ہے کہ جب نبی تک ایمان کے لئے مکلف ہے تو دوسرے کیوں نہ ہوں گے۔

﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾﴾

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کیا میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں حالانکہ وہ مالک ہے ہر چیز کا۔ اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا پھر وہ تم کو جتلا دیں گے جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔

ربط: اوپر دین حق کی تعیین کر کے اس کی طرف عام دعوت کی گئی تھی، چونکہ بعض اہل باطل یعنی مشرک خود آپ کو اور مسلمانوں کو اپنے باطل طریقہ کی طرف بلاتے تھے، اور یہ بھی کہتے تھے کہ اس میں تمہیں جو گناہ ہوگا، وہ ہمارے سر پر رہے گا، جیسا کہ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ﴾ (سورۃ العنکبوت آیت ۱۲) سے اور ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾ (سورۃ الزمر آیت ۶۴) سے معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی قصہ سورۃ الکافرون کے نزول کا سبب ہے، جیسا کہ لباب میں منقول ہے، اس لئے اب اس دعویٰ کا رد ہے۔

مشرکوں کی فریب کاری کی تردید:

آپ (ان باطل کی طرف بلانے والوں سے) فرما دیجئے کہ کیا (توحید اور اسلام کی حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد تمہارے کہنے سے) میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں (یعنی نعوذ باللہ شرک اختیار کرلوں؟) حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے (اور سب چیزیں اس کی ملکیت ہیں، اور مملوک، مالک کا شریک نہیں ہوسکتا) اور (تم جو کہتے ہو کہ "تمہارا گناہ ہمارے سر" تو یہ محض لغو بات ہے کہ کرنے والا پاک صاف رہے اور صرف دوسرا گنہ گار ہو جائے، بلکہ بات یہ ہے کہ) جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے، وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہ اٹھائے

گا (بلکہ سب اپنی اپنی بھگتیں گے) پھر (سب کے عمل کر چکنے کے بعد) تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا پھر وہ تمہیں جتائیں گے جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے (کہ کوئی کسی دین کو حق بتاتا تھا اور کوئی کسی کو، وہاں عملی اطلاع سے فیصلہ کر دیا جائے گا کہ اہل حق کو نجات اور اہل باطل کو سزا ہوگی)

فائدہ: اگر کسی کو شبہ ہو کہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کسی کو گمراہ کرے تو اس گمراہ ہونے والے کا گناہ گمراہ کرنے والے کو بھی ہوتا ہے، اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کا گناہ دوسرے کو نہیں ہوتا، جواب یہ ہے کہ گمراہ کرنے سے جو گناہ ہوا وہ تو گمراہ کرنے والے کے اپنے ہی فعل سے ہوا کہ جب گمراہ ہونے والا شخص اس فعل کو کرے گا، اس وقت اس گمراہ کرنے والے کا سبب ہونا جو کہ اس کے گمراہ کرنے کے فعل سے پیدا ہوتا ہے، ظاہر ہوگا، لہٰذا وہ حقیقت میں خود اپنے فعل سے گناہ ہوا، اور اس آیت کا یہ مقصود ہے کہ دوسرے کے فعل سے گناہ نہیں ہوتا، لہٰذا دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ دوسرے یہ کہ کفاریوں کہتے تھے کہ تم پر کچھ گناہ نہ ہوگا، تو یہ امر بالکل منفی اور باطل ہے، بلکہ دونوں پر اپنے اپنے فعل کا گناہ ہوگا، لہٰذا شبہ دور ہو گیا۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تا کہ تم کو آزماوے ان چیزوں میں جو کہ تم کو دی ہیں، بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔

ربط: یہ اس سورت کی آخری آیت ہے، پوری سورت میں دین حق کی تحقیق پھیلی ہوئی ہے، اب اپنے ایک عام انعام میں مشابہت اور ایک خاص انعام میں فضیلت، دین حق کے قبول و اعراض کے بارے میں اطاعت کی ترغیب و موافقت اور معصیت و مخالفت سے ڈرانے کے قصد سے ذکر فرما کر اپنی دو صفتوں کے اثبات پر جو کہ ترغیب اور ڈرانے کے لئے مناسب ہے، ختم فرماتے ہیں، لہٰذا اس مضمون کے اعتبار سے خاتمہ کو پوری سورت سے ربط ہو گیا، اور ایسا ہی خاتمہ حسن اختتام کہلاتا ہے۔

حسن اختتام: انعام کا تذکرہ اور ترغیب و ترہیب:

اور وہ (اللہ) ایسا ہے جس نے تمہیں زمین میں صاحب اختیار بنایا (اس نعمت میں تو مشابہت ہے) اور ایک کا دوسرے پر (مختلف چیزوں میں) رتبہ بڑھایا (اس نعمت میں فضیلت ہے) تا کہ (ان نعمتوں سے) تمہیں (بظاہر) ان چیزوں میں آزمائے جو کہ (مذکورہ نعمتوں سے) تمہیں دی ہیں (آزمانا یہ کہ کون ان نعمتوں کی قدر کر کے نعمت دینے والے

کی اطاعت کرتا ہے، اور کون ناقدری کر کے اطاعت سے منہ پھیرتا ہے، لہٰذا بعض اطاعت کرنے والے ہوئے اور بعض نافرمان ہوئے، اور دونوں کے ساتھ مناسب معاملہ کیا جائے گا، کیونکہ) یقیناً آپ کا رب جلد سزا دینے والا (بھی) ہے اور یقیناً وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا، مہربانی کرنے والا (بھی) ہے (لہٰذا نافرمانی کرنے والوں کے لئے عذاب ہے اور فرماں برداروں کے لئے رحمت ہے، اور نافرمانی سے فرماں برداری کی طرف آنے والوں کے لئے مغفرت ہے، لہٰذا مکلّف لوگوں پر لازم ہوا کہ دین حق کے مطابق اطاعت اختیار کریں، اور باطل کو اختیار کرنے اور مخالفت سے باز آئیں)

فائدہ: جن چیزوں میں عام طور سے کمی بیشی رکھی، وہ یہ غیر اختیاری امور ہیں، عقل، جاہ و مرتبہ، رزق، حسن و جمال، صحت و قوت وغیرہ۔ اس فرق کی حکمت کے مطابق ہونا تو ظاہر ہے، باقی رہا نعمت کا سبب ہونا تو ان اوصاف میں جو فاضل اور فائق ہے، اس کے لئے یہ بھی ظاہر ہے، رہا جس کو فضیلت دی گئی اس کے لئے نعمت ہونا تو وہ ان حکمتوں کی نظر سے ہے جو اس فرق سے قریب اور اس میں رکھا گیا ہے، کیونکہ ہر نقص اور ہر بلا میں کوئی نہ کوئی نفع ہوتا ہے، چاہے دنیاوی جیسے کسی بڑے وبال سے بچالینا۔ چاہے آخرت کا ثواب اور درجات کی بلندی اور سیئات کا کفارہ، جیسا کہ واقعات میں غور کرنے سے دنیاوی فائدے اور آیتوں و روایتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتے اور سمجھ میں آتے ہیں۔

﴿بفضلہٖ تعالیٰ جمعرات بوقت چاشت ۲۴ رصفر سنہ ۱۴۳۴ھ کو سورۃ الانعام کی تفسیر پوری ہوئی﴾

﴿ الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ یہ ایک کتاب ہے، جو آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے ڈرائیں، سو آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہ ہونی چاہئے اور یہ نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے۔ تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے، اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع مت کرو، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو۔

ربط: اس سورت سے متعلق تین مناسبتیں لکھی جاتی ہیں:

ایک: اس سورت کی ابتدا کی مناسبت: گذشتہ سورت کے آخری حصہ سے ـــــ جس کی تقریر یہ ہے کہ اس کے آخر میں ﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ ﴾ الخ میں دین حق کی تعیین فرمائی تھی اور اس کے بعد ﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ ﴾ الخ میں آخرت کے ثواب وعذاب کے اعتبار سے ترغیب وترہیب یعنی ڈروخوف کا ذکر تھا۔ اس سورت کے شروع میں ﴿ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ میں اسی دین حق کی تبلیغ کا حکم ہے۔ اور ﴿ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ ﴾ میں آخرت کے معاملات، سوال، اعمال کا وزن کیا جانا اور جزا وسزا کا بیان ہے۔ اس طرح وہ دونوں مضمون ان دونوں مضمونوں سے متحد ہو گئے۔

دوسری مناسبت: خود اس سورت کے آپس کے اجزاء میں ـــــ اس کی تقریر یہ ہے کہ پوری سورت کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ مضامین معاد یعنی آخرت اور نبوت سے متعلق ہیں، چنانچہ سورت کے شروع ہی میں ﴿ كِتٰبٌ اُنْزِلَ ﴾ الخ میں نبوت اور ﴿ فَلَنَسْئَلَنَّ ﴾ الخ معاد کی تحقیق ہے، اور آیت ۳۷ سے ۵۳ تک بالکل معاد کی بحث ہے، پھر آیت ۵۹ سے ۱۷۱ تک انبیاء علیہم السلام کے اور ان کی امتوں کے ساتھ جو معاملے ہوئے، ان کا بیان ہے۔ رسالت کے یہ سب مسئلے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ رسالت کوئی انوکھی اور عجیب چیز نہیں ہے کہ جس کا انکار کیا جاسکے، پہلے سے بھی رسول ہوتے آئے ہیں اور ان قصوں میں ساتھ ہی ساتھ رسالت کا انکار کرنے والوں کی سزاؤں کا بھی ذکر چلا آیا ہے، تاکہ موجودہ منکروں کو عبرت ہو، اور آیت ۱۸۲ سے ۱۸۸ تک پھر معاد کی بحث ہے، صرف ۱۷۲ سے ۱۸۱ تک اور ۱۸۹

سے سورۃ کے آخر تک کے اکثر حصہ میں توحید پر خاص بحث ہے، اور آیت ۱۱ سے ۳۰ تک امور حق مثلاً رسالت اور معاد کی تکذیب اور انکار کی وجہ کی طرف جو کہ بغاوت و سرکشی ہے، اشارہ کرنے کے لئے شیطان کی عداوت کا قصہ بیان فرما کر اس سے احتیاط اور بچاؤ کی تاکید فرمائی ہے اور سورت کا جو بہت تھوڑا سا حصہ رہ گیا اس میں بعض جزئی و فروعی امور موقع کی مناسبت سے ذکر کیے گئے ہیں۔ غرض اس سورت میں زیادہ کلام معاد اور نبوت کے سلسلہ میں ہے اور ان دونوں امور کا مع اپنے متعلقات کے ایک دوسرے سے مناسبت رکھنا معلوم ہے، لہٰذا اس سے سورت کے اجزاء میں باہم ربط کی وجہ سے ظاہر ہوگئی۔

تیسری مناسبت: اس سورت کے مجموعہ کو گذشتہ سورت کے مجموعہ سے ہے ــــ تو پہلی سورت کے شروع میں تمہید میں اس کی بحثوں کا جو خلاصہ لکھا گیا ہے اس کو اس سورت کے خلاصہ کے ساتھ ملانے سے وہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس میں یہ دونوں بحثیں بھی مع توحید کی بحث کے اور ان کا انکار کرنے والوں کے ساتھ گفتگو، اور بحث کا معاملہ تھا اور ان سب کا آپسی تعلق ظاہر ہے، تو سب سے پہلے ﴿ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ تک قرآن کا حق اور واجب الاتباع ہونا بیان فرماتے ہیں، پھر ﴿ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ ﴾ سے اس کے انکار اور مخالفت پر دنیاوی اور اخروی سزا سے ڈراتے ہیں، اور شاید رسالت کے مسئلہ کو بعثت کے مسئلہ سے پہلے اس لئے لایا گیا ہو کہ بعثت کا علم رسالت کے علم پر موقوف ہے، واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

قرآن مجید کا برحق ہونا اور اس کی اتباع کا واجب ہونا:

﴿ الٓمّٓصٓ ﴾ (اس کے معنی کی تو اللہ ہی کو خبر ہے، اس سے آگے لکھا جاتا ہے) یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جو (اللہ کی جانب سے) آپ کے پاس اس لئے بھیجی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو نافرمانی کی سزا سے) ڈرائیں، اس لئے (اگر کوئی نہ مانے تو) آپ کے دل میں اس سے بالکل تنگی نہیں ہونی چاہئے (کیونکہ اس کے نہ ماننے سے آپ کے انذار میں تو جو کہ اصل غرض ہے خلل نہیں پڑتا، پھر آپ کیوں تنگ ہوں) اور یہ (قرآن خصوصیت کے ساتھ) ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے (آگے عام امت کو خطاب ہے کہ جب قرآن کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا معلوم ہو گیا تو) تم لوگ اس (کتاب) کا اتباع کرو جو (رسول کے واسطہ سے) تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے (اتباع یہ ہے کہ اس کی تصدیق بھی کرو اور اس کی تعلیمات پر عمل بھی کرو) اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر (جس نے تمہاری ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا ہے) دوسرے رفیقوں کا (جو تمہیں گمراہ کرتے ہیں جیسے انسان اور جنات شیطان) اتباع مت کرو (مگر اس شفیقانہ فہمائش کے باوجود) تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو (چنانچہ ظاہر ہے کہ گمراہ اور گمراہی زیادہ ہے)

﴿ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ: اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ان کو ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت پہنچا، یا ایسی حالت میں کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے۔ سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے بجز اس کے اور کوئی بات نہ نکلتی تھی کہ واقعی ہم ظالم تھے۔ پھر ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے۔ پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے روبرو بیان کر دیں گے اور ہم کچھ بے خبر نہ تھے۔ اور اس روز وزن واقع ہونے والا ہے پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہونگے۔ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا، سو یہ وہ لوگ ہونگے جنھوں نے اپنا نقصان کر لیا بہ سبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔

ربط: اوپر قرآن کے حق اور واجب الاتباع ہونے کا ذکر تھا، اب اس کے انکار اور مخالفت پر دنیاوی اور اخروی عذاب سے ڈراتے ہیں، جیسا کہ سورت کی تمہید کے آخر میں بیان ہو چکا۔

حق کے انکار پر ڈرانا:

اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ انہیں (یعنی ان کے رہنے والوں کو ان کے کفر اور تکذیب پر) ہم نے تباہ کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب (یا تو) رات کے وقت پہنچا (جو کہ آرام کا وقت ہوتا ہے) یا ایسی حالت میں (پہنچا) کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے (یعنی کسی کو کسی وقت اور کسی کو دوسرے وقت) تو جس وقت ان پر عذاب آیا، اس وقت ان کے منہ سے اس کے سوا اور کوئی بات نہیں نکلتی تھی کہ واقعی ہم ظالم (اور خطاوار) تھے (یعنی اس وقت اپنے جرم کا اقرار کیا جبکہ اقرار کا وقت گذر گیا، یہ تو دنیاوی عذاب ہوا) پھر (اس کے بعد اخروی عذاب کا سامان ہوگا کہ قیامت میں) ہم ان لوگوں سے (بھی) ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے (کہ تم نے پیغمبروں کا کہنا مانا یا نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾: اور ہم پیغمبروں سے (بھی) ضرور پوچھیں گے (کہ تم نے پیغمبروں کا کہنا مانا یا نہیں؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ﴾ (المائدۃ ۱۰۹) (اور دونوں سوالوں سے کفار کو سرزنش وملامت مقصود ہوگی) پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں (خود ہی) ان کے سامنے (ان سب کے اعمال کو) بیان کر دیں گے، اور ہم (ان کے اعمال سے) کچھ بے خبر نہ تھے، اور اس روز (یعنی قیامت کے روز اعمال وعقائد کا) وزن واقع ہونے والا ہے (تا کہ عام طور پر ہر ایک کی حالت ظاہر ہو جائے) پھر (وزن کے بعد) جس شخص کا (ایمان کا) پلکا ہلکا ہوگا) یعنی وہ کافر ہوگا) تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنا نقصان کر لیا، اس سبب سے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے (یعنی ان پر ایمان نہ رکھتے تھے)

فائدہ: چونکہ اکثر ظلم کا اطلاق کفر پر آیا ہے، اس لئے اس اخر والی آیت کو کفار کے بارے میں سمجھا گیا اور مقابلہ کی وجہ سے ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ﴾ الخ کی تفسیر مطلق مؤمن سے کی گئی۔ اور سورۂ مؤمنون میں خفت کے بعد ﴿فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ آیا ہے یہ بھی مذکورہ تفسیر کا قرینہ ہے، اور پلا کا ہلکا ہونا ایمان کی کمی کی وجہ سے نہ ہوگا، بلکہ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہوگا، یعنی جو پلا ایمان کی موجودگی کے لئے مخصوص ہے، وہ خالی ہوگا، اور دوسرے پلے میں کفر ہوگا، لازمی بات ہے کہ خالی پلا بھرے ہوئے پلے کے مقابلہ میں ہلکا ہوگا۔

لیکن اس تفسیر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ایمان اور کفر کے سوا دوسرے اعمال حسنہ یا سیئہ کا وزن نہ ہوگا، کیونکہ قرآن مجید کی بعض آیتوں میں جیسے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا﴾ اور ﴿وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا﴾ (انبیاء ۴۷) اور بہت ساری حدیثوں میں کلی عنوان سے یا تصریح سے تمام اعمال کا وزن کیا جانا بیان ہوا ہے۔ مقصد یہ کہ بعض آیتیں حکم کے عام ہونے کے سلسلہ میں خاموش ہیں، لیکن وہ اس کی نفی نہیں کرتیں، لہٰذا اس قسم کی آیتوں میں فلاح سے مراد مطلق نجات ہوگی، خواہ اعمال کی سزا کے بعد ہی سہی، لہٰذا اس میزان یعنی ترازو میں ایمان و کفر کا بھی وزن کیا جائے گا اور اس وزن میں ایک پلا خالی رہے گا اور ایک پلے میں اگر وہ مؤمن ہے تو ایمان اور اگر کافر ہے تو کفر رکھا جائے گا۔

جب اس قول سے مؤمن اور کافر الگ الگ ہوجائیں گے، پھر خاص مؤمنوں کے لئے ایک پلے میں ان کی حسنات اور دوسرے میں سیئات رکھ کر ان کا وزن ہوگا، اور جیسا کہ درمنثور میں ابن عباس سے روایت ہے کہ اگر حسنات غالب ہوئیں تو جنت اور سیئات غالب ہوئیں تو دوزخ اور اگر دونوں برابر ہوئیں تو اعراف تجویز ہوگی۔ اور پھر چاہے شفاعت سے چاہے سزا سے پہلے یا سزا کے بعد مغفرت ہوجائے گی، اب بحمد للہ کسی آیت اور حدیث میں کوئی اشکال نہیں رہا۔

اور اس کی تحقیق کہ اعمال جب اجسام نہیں تو ان میں وزن کیسے ہوگا؟ تو اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ نامۂ اعمال وزن کئے جائیں گے جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وزن کے لئے جسم کا ہونا عام حالات کی شرائط سے ہو جو اس عالم کے ساتھ خاص ہو، اور اس عالم میں غیر جسم والی اشیاء میں بھی وزن ہو۔

اور بعض نے جواب کی تیسری صورت اختیار کی ہے کہ میزان میں تاویل کردی یہ ظاہر نصوص کے خلاف ہے، چنانچہ مرفوع حدیثوں میں اس کے لئے کفر کے ثبوت کی تصریح ہے، جیسا کہ ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ابن عباسؓ سے بیہقی نے اس کے لئے زبان اور دونوں ہتھیلیوں یعنی قدیم طرز کی ترازو کی ڈنڈی اور پلے کا ہونا روایت کیا ہے، جیسا کہ درمنثور میں ہے، لہٰذا ایسی تاویل جو بلاضرورت ہو اور روایتوں سے ٹکراتی ہو، قابل قبول نہیں، خواہ کوئی کتنا ہی بڑا شخص کہے۔

رہا یہ سوال کہ اس میں حکمت کیا ہے؟ تو ممکن ہے کہ عام مخلوقات کے سامنے عدل کے اظہار اور معذرت کی گنجائش ختم

کرنا اس کی حکمت ہو۔

اور ﴿ ھُمْ قَآئِلُوْنَ ﴾ یعنی ''دوپہر کے وقت آرام کی حالت میں تھے'' مذکورہ تفسیر میں اکثر کے اعتبار سے فرمادیا، کیونکہ بعض تو اس وقت بھی کاروبار میں ہوتے ہیں اور اگر اس کی تفسیر مطلق دوپہر کے وقت ہونے سے کی جائے تو حکم عام رہے گا۔

﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ ﴾ ع ۲

ترجمہ: اور بے شک ہم نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں سامانِ زندگانی پیدا کیا تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو، سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔

ربط: اوپر عذاب کا ذکر کرکے حق کے انکار پر ترہیب یعنی ڈرانا تھا، اب نعمتوں کا ذکر کرکے قبول حق کی ترغیب ہے، اول ﴿ مَكَّنّٰكُمْ ﴾ میں نعمت تربیت کا ذکر ہے، پھر ﴿ خَلَقْنٰكُمْ ﴾ الخ میں نعمت ایجاد کا پھر ﴿ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ ﴾ میں نعمتِ اکرام کا، تاکہ اطاعت کی کامل رغبت ہو، اور تیسری نعمت کے تتمہ میں ابلیس کے قصہ کے ضمن میں حق کے انکار ونافرمانی اور مخالفت کا ذکر فرمادیا، جن پر اوپر بھی ترہیب تھی، جو کہ برا نتیجہ اور خسارہ ہے، جس میں ایک لحاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ گمراہ ابلیس ان منکروں کو گمراہ کر رہا ہے۔

کچھ نعمتوں کے ذکر کے ذریعہ اطاعت کی ترغیب اور معصیت کی برائی پر ابلیس کے قصہ سے تنبیہ:

اور بیشک ہم نے تمہیں زمین پر رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لئے اس (زمین) میں زندگی کا سامان پیدا کیا (اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ تم اس کے شکر میں اطاعت کرتے لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو، (شکر سے طاعت مراد ہے اور کم اس لئے فرمایا کہ تھوڑا بہت نیک کام تو اکثر لوگ کر ہی لیتے ہیں، لیکن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ شمار کے قابل نہیں ہوتا، یہ تو تربیت کی نعمت ہوئی) اور ہم نے تمہیں پیدا (کرنے کا سامان شروع) کیا (یعنی آدم علیہ السلام کا مادہ بنایا کہ اسی مادہ سے تم لوگ ہو) پھر ہم نے (مادہ بنا کر) تمہاری صورت بنائی (یعنی اس مادہ میں آدم علیہ السلام کی صورت بنائی کہ وہی صورت ان کی اولاد میں چلی آرہی ہے۔ یہ نعمت ایجاد ہوئی) پھر (جب آدم علیہ السلام بن گئے اور اسماء کے علوم سے مشرف ہو چکے تو) ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو (اب) سجدہ کرو (اور یہ عزت واکرام کی نعمت ہوئی) تو سب (فرشتوں) نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے (کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا (اور سجدہ نہ کیا)

فائدہ: سورۂ بقرہ آیت ۳۴ کے تحت اس سلسلہ میں لکھا گیا ہے۔ ملاحظہ کرلیا جائے۔

﴿ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ۝۱۲ ﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا: تو جو سجدہ نہیں کرتا تجھ کو اس سے کون امر مانع ہے جب کہ میں تجھ کو حکم دے چکا، کہنے لگا کہ میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے۔

قصہ کا تتمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا تو تجھ کو اس (سجدہ) میں کونسا امر رکاوٹ ہے، جبکہ میں (خود) تجھے (سجدہ کا) حکم دے چکا؟ کہنے لگا (وہ رکاوٹ یہ ہے کہ) میں اس (آدم) سے بہتر ہوں (کیونکہ) آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس (آدم) کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے (یہ ایک مقدمہ ہوا، اور آگ نورانی ہونے کی وجہ سے خاک سے افضل ہے، یہ دوسرا مقدمہ ہوا اور افضل کی فرع بھی غیر افضل کی فرع سے افضل ہے، یہ تیسرا مقدمہ ہوا اور افضل کا غیر افضل کو سجدہ کرنا نامناسب ہے، یہ چوتھا مقدمہ ہے، اس لئے میں نے سجدہ نہیں کیا)

فائدہ: پہلا مقدمہ تو اس معنی میں کہ انسان میں غالب جزئی خاک یعنی مٹی ہے، صحیح ہے، لیکن باقی سارے مقدمے باطل ہیں، لہٰذا نتیجہ بھی غلط ہے۔ چنانچہ دوسرے مقدمہ میں یہ غلطی ہے کہ عناصر میں سے کسی کو بھی کسی دوسرے پر کلی فضیلت نہیں ہے اور جزئی فضیلت مفید نہیں ہے اور تیسرے مقدمہ میں یہ غلطی ہے کہ بعض اوقات مؤمن کی فرع کافر اور کافر کی فرع مؤمن ہوتا ہے، اور چوتھا مقدمہ اس لئے غلط ہے کہ ممکن ہے کہ فاضل کو مفضول کے اکرام کا کسی مصلحت سے حکم ہو، جیسے تواضع کا حاصل کرنا اور نفس کی تہذیب وغیرہ۔

اور جن لوگوں نے اس قصہ سے فقہی قیاس کو باطل قرار دیا ہے، انھوں نے سخت غلطی کی ہے، کیونکہ ابلیس کا قیاس نص سے ٹکراتا ہے اور فقہی قیاس نص سے مستند ہے، اور ابلیس جو کافر ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حق تعالیٰ کے حکم پر اعتراض کیا، جس کا منشا تکبر تھا، اور یہ کفر ہے، ورنہ اگر تحقیق کی غرض سے حکم کی حکمت کا سوال کرے تو کفر نہیں۔

﴿ قَالَ فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا يَكُوۡنُ لَكَ اَنۡ تَتَكَبَّرَ فِيۡهَا فَاخۡرُجۡ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيۡنَ ۝۱۳ ﴾

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا: تو آسمان سے اتر، تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے آسمان میں رہ کر، سو نکل بے شک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا۔

قصہ کا تتمہ:

حق تعالیٰ نے فرمایا (جب تو ایسا نافرمان ہے) تو (اچھا پھر) آسمان سے اتر، تجھے کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے

(کیونکہ بندہ کو عاجزی اختیار کرنا اور فرماں بردار ہونا لازم ہے، اور خاص کر) آسمان میں رہ کر (جہاں سب فرماں بردار ہی فرماں بردار جمع ہیں، تو یہاں سے) نکل (دور ہو) بے شک تو (اس تکبر کی وجہ سے) ذلیلوں میں شمار ہونے لگا (اور آسمان عزت والوں کے رہنے کی جگہ ہے، اس لئے یہاں سے چلتا بن)

فائدہ: درمنثور میں ابن جریر سے سعید بن منصور کا قول سورۂ کہف میں نقل کیا ہے کہ ایک بار ملائکہ سے جنات کو ان کی نافرمانی کی سزا دلائی گئی، چنانچہ بہت سے جنات قتل ہوئے، یہ ابلیس بچہ سا تھا، اس کو آسمان پر لا کر رکھا گیا اور فرشتوں کے ساتھ عبادت میں مشغول تھا، اب آسمان سے نکلنے کا حکم ہوا۔

﴿قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝﴾

ترجمہ: وہ کہنے لگا کہ مجھ کو مہلت دیجئے قیامت کے دن تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی گئی۔

تتمہ: وہ (ابلیس) کہنے لگا کہ مجھے قیامت کے دن تک (مرنے سے) مہلت دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے مہلت دی گئی۔

فائدہ: یہاں چند تحقیق[1] ہیں:

اول: اس جواب میں بظاہر مہلت کا وہی وقت منظور کیا گیا جو اس نے درخواست میں عرض کیا تھا اور دوسری آیت میں ﴿اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ (الحجر ۳۸) آیا ہے، لہٰذا دونوں سے مراد ایک ہی ہوگا۔

پھر اس کے مرنے کے وقت میں کلام ہوا ہے، عرائس میں کعب احبار سے خاص یوم حشر میں اس کا مرنا منقول ہے، اور اس اشکال کا کہ وہ تو زندہ ہونے کا دن ہے نہ کہ مرنے کا، بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ اس کے پہلے حصہ میں مر جائے اور اس کے بعد زندہ کیا جائے۔ اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے قیامت کے قریب دابۃ الأرض کا اس کو ہلاک کرنا منقول ہے، اور یہ وقت معلوم کی یہ تفسیر کی ہے، یہ دونوں روایتیں روح المعانی میں منقول ہیں، اس قول پر یوم بعثت مجاز ہوگا، یعنی قیامت کے قرب کو یوم قیامت کہہ دیا گیا، چنانچہ محاوروں میں یہ استعمال عام ہے۔

اور مجھے یہ قول بعید معلوم ہوتا ہے کہ یوم بعث اور ﴿یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ کو ایک دوسرے سے الگ کیا جائے۔ اور ﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ میں یوم البعث کو معتبر مانا جائے، بلکہ ﴿یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ مقدر کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اس کی درخواست نا تمام منظور ہوئی۔

بعید ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی ضروری قید کا مقدر کرنا خاص طور سے جبکہ اس کے خلاف کا وہم ہو، جیسے یہاں جواب میں ﴿اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ﴾ کی تقدیر کا وہم واقع ہے، حال کے تقاضے کے خلاف ہے۔

(۱) تحقیق: حقیقۃ الامر جاننا ۱۲

اس کے بعد نظر ثانی کے وقت تفسیر ابن جریر میں ایک روایت نظر سے گذری، جس میں سدی سے منقول ہے: فلم يُنظره إلى يوم البعث ولكن أنظره إلى يوم الوقت المعلوم وهو يوم ينفخ في الصور النفخة الأولى فصعق من في السموات ومن في الأرض فمات إلخ: یعنی لہٰذا اس کو یوم البعث یعنی قیامت کے دن تک کی مہلت نہیں دی گئی، لیکن اس کو مقررہ وقت تک مہلت دی گئی، اور یہ وہ دن ہے جب صور میں پہلی بار پھونک ماری جائے گی تو جو بھی آسمانوں میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے اور جو زمین میں ہیں وہ سب مر جائیں گے الخ۔ اس روایت کے مطابق اس کی موت کا وقت وہی ہے جو تمام مخلوقات کے فنا ہونے کا وقت ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اب صرف یہ بات رہ گئی کہ کیا یہ وقت مبعوث ہونے کے دن سے دوسرا دن ہے، یا یہ وہی دن ہے؟ تو سدی تو الگ مانتے ہیں، لیکن احقر کو وہی دن زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح سے کہ پہلی پھونک مارے جانے کے وقت سے جنت وجہنم میں داخلہ کے وقت تک ایک طویل دن ہوگا، اس کے مختلف حصوں میں مختلف واقعات ہوں گے، انہی واقعات کی بنا پر اس دن کی ہر واقعہ کی طرف اضافت کر سکتے ہیں، مثلاً اس کو یوم نفخ بھی کہہ سکتے ہیں، یوم بعث بھی کہہ سکتے ہیں، اس سے تمام اشکال ختم ہو گئے۔ والحمد لله على ذٰلك۔

دوسرے: اس سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی کافر کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے، لیکن اس سے محبت واکرام لازم نہیں آتا۔ اور ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ یعنی کافروں کی دعا تو ضائع ہی ہوگی، سے اس کے خلاف جو شبہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں قبول نہ ہوگی۔

اور یہ قول بعید معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب درخواست کی منظوری نہیں ہے، بلکہ خبر دینا ہے کہ تو کیا درخواست کرتا ہے تجھے تو پہلے ہی سے ہماری حکمت کے تقاضے سے ہمارے علم میں مہلت دے دی گئی ہے۔ بعید ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دوسری آیت میں فإنك آیا ہے، جس سے بظاہر مہلت کا فیصلہ اس کے سوال ہی پر معلوم ہوتا ہے۔

تیسرے: یہ قصہ کئی جگہ آیا ہے اور ہر جگہ اس سوال و جواب کی عبارت مختلف ہے، اور ظاہر ہے کہ واقعہ کسی خاص ایک ہی طریقہ پر ہوا ہوگا، پھر سب کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہے، اصل یہ ہے کہ جس کی حکایت بیان کی گئی ہے چاہے وہ ایک خاص طریقہ پر ہوا ہو، لیکن حکایت باللفظ یعنی ایک ہی طرح کے الفاظ سے حکایت بیان کرنا ضروری نہیں، بلکہ اصل مقصود محفوظ رہنا چاہئے، اور دلالت وتعبیر کے طریقے ہر مقام کی مناسبت سے مختلف ہو سکتے ہیں، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

چوتھے: یہ مہلت کیوں دی گئی؟ اس کا حقیقی جواب یہ ہے کہ اللہ کی حکمتوں کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اور ظاہری حکمتیں ظاہر ہیں۔

پانچویں: ظاہر یہ ہے کہ یہ سب مکالمے بلاواسطہ یعنی براہِ راست ہوئے تھے، رہا یہ کہ جرأت کیسے ہوئی؟ اس کی وجہ یہ

ہے کہ ادھر سے عظمت کی تجلی کا پردہ اور ادھر سے بے حیائی و بیجا جسارت، اس جرأت کا سبب ہوئی۔

﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: وہ کہنے لگا کہ بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان پر حملہ کروں گا۔ ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی، اور ان کے داہنی جانب سے بھی اور ان کے بائیں جانب سے بھی، اور آپ ان میں اکثروں کو احسان ماننے والا نہ پائیے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل، جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے جہنم کو بھر دوں گا۔

تتمہ: وہ (ابلیس) کہنے لگا کہ اس سبب سے کہ آپ نے مجھے (تکوینی حکم سے) گمراہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان (کے یعنی آدم اور ان کی اولاد کی رہزنی) کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر (جو کہ دین حق ہے، جا کر) بیٹھوں گا پھر ان پر (ہر طرف سے) حملہ کروں گا، ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کے داہنی جانب سے بھی اور ان کے بائیں جانب سے بھی (یعنی ان کو بہکانے میں خوب کوشش کروں گا جس سے وہ آپ کی عبادت نہ کرنے پائیں) اور (میں کامیاب بھی ہوں گا، چنانچہ) آپ ان میں سے اکثر کو (آپ کی نعمتوں کا) احسان ماننے والا (کہ احسان مان کر اطاعت کریں) نہ پائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں (آسمان) سے ذلیل و خوار ہو کر نکل (اور تو جو بہکانے کو کہتا ہے تو جا بہکا، مجھے کسی کی عبادت کی پروا نہیں بلکہ جو تیری راہ پر چلے گا اسی کا ضرر ہوگا، چنانچہ) ان میں سے جو شخص تیرا کہنا مانے گا میں (بھی) ضرور تم سے (یعنی تجھ سے اور تیرے بہکائے میں آنے والوں سے) جہنم کو بھروں گا (اور جہنم میں جانے کو کون کامیابی کہے گا؟)

فائدہ: چند فائدے سمجھنے چاہئیں: اول: دشمن کا قاعدہ ہے کہ چار طرف سے حملہ کرتا ہے، چنانچہ یہاں کلام میں استعارہ تمثیلیہ ہے، مراد یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہوگا خوب کوشش کروں گا، اور کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا، چنانچہ ابن آدم کے بدن کے اندر داخل ہو کر خون کی طرح چلنا پھرنا بھی جیسا کہ حدیثوں میں ہے، اس میں داخل ہو گیا، لہٰذا چار طرف کی تخصیص سے یہ شبہ کرنا کہ بدن کے اندر نہیں جا سکتا محض باطل ہے۔ اور اسی طرح اس تفسیر سے اوپر اور نیچے آنے کی بھی نفی نہیں ہوئی، جیسا کہ اثبات بھی نہیں ہے۔

دوسرے: یہ امر ابلیس کو کیسے معلوم ہو گیا کہ میں اکثر کو بہکا سکوں گا؟ یہ قرائن سے معلوم ہوا جیسا کہ دوسری آیت میں اس کو ظن سے تعبیر فرمایا ہے ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ﴾۔

تیسرے: پہلے جو اخراج کا حکم ہوا ہے وہ تجویز تھی اور یہاں جو حکم ہوا ہے یہ اس حکم پر عمل و نفاذ ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے اخراج کی تاکید ہو۔

چوتھے: اس نے جو گمراہ کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے، یہ: كلمة حق أريد بها الباطل: ہے یعنی ایسا حق کلمہ جس کا مطلب غلط نکالا جائے کا مصداق ہے، یعنی گمراہ کرنا، گمراہی کو پیدا کرنے کے معنی میں لیا، نہ کہ گمراہی کی ترغیب کے معنی میں۔ گمراہی کی نسبت اللہ کی طرف اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہ بات اپنے آپ میں صحیح ہے، لیکن اس کا مقصد اعتراض کرنا ہے اور یہ باطل اور کھلی گمراہی ہے۔

پانچویں: یہاں یہ قسم اجمالی طور پر بیان فرمائی جبکہ دوسری آیت میں اس کا بیان ہے ﴿ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ ﴾ واللہ اعلم

﴿ وَ يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بی بی جنت میں رہو، پھر جس جگہ سے چاہو دونوں آدمی کھاؤ اور اس درخت کے پاس مت جاؤ، کبھی ان لوگوں کے شمار میں آ جاؤ جس سے نامناسب کام ہو جایا کرتا ہے۔

تتمہ: اور (ہم نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ) اے آدم! تم اور تمہاری بیوی (حوا) جنت میں رہو، پھر (وہاں) جس جگہ سے چاہو (اور جس چیز کو چاہو) دونوں آدمی کھاؤ اور (اتنا خیال رہے کہ) اس (خاص) درخت کے پاس (بھی) مت جاؤ (یعنی اس کا پھل مت کھاؤ) کبھی ان لوگوں کی گنتی میں آ جاؤ، جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتے ہیں۔

فائدہ: ایسی ہی آیت سورۃ البقرۃ ۳۵ گذر چکی ہے، وہاں کے ضروری متعلقات ملاحظہ کر لئے جائیں۔

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَ قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ﴾

ترجمہ: پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کر دے۔ اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں کہیں فرشتے ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور ان دونوں کے روبرو قسم کھالی کہ یقین جانئے میں آپ دونوں کا خیر خواہ ہوں، سو ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا۔

تتمہ: پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ (ان کو وہ درخت کھلا کر) ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے (اور خود اپنے آپ سے بھی) پوشیدہ تھا، دونوں کے سامنے بے پردہ کر دے (جیسا کہ اس درخت کے کھانے کی ذاتی طور پر یا ممانعت کی وجہ سے تاثیر تھی، اور (وہ وسوسہ یہ تھا کہ دونوں سے) کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت (کے کھانے) سے کسی اور وجہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ صرف اس وجہ سے (منع فرمایا کہ) تم دونوں (اس کو کھا کر) کہیں فرشتے (نہ ہو جاؤ یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے (نہ) ہو جاؤ (جو کہ واقعی ممانعت کے وقت آپ کے لئے یہ فرشتہ ہونا یا ابدی زندگی، مناسب حال نہ تھی اور اب حالت میں ترقی ہو کر مناسب بن گئی، وہ ممانعت اس وقت سے متعلق ہی نہیں) اور ان دونوں کے سامنے (اس بات پر) قسم (بھی) کھائی کہ یقین جانئے کہ میں آپ دونوں کا (دل سے) خیر خواہ ہوں، تو (ایسی باتیں بنا بنا کر) ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا (حالت اور رائے کے اعتبار سے بھی اور مقام وجگہ کے اعتبار سے بھی حتی کہ وہ اپنی اعلیٰ رائے سے اس کی اسفل یعنی گھٹیا رائے کی طرف مائل ہو گئے، جس سے جنت سے نیچے کی طرف اتارے گئے۔

فائدہ (۱): اس دھوکہ میں آجانے کی توجیہ سورۂ بقرۃ آیات ۳۶ تا ۳۸ میں بہت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور یہ وسوسہ چونکہ ایک نفسانی تصرف ہے اور نفسانی تصرف میں مکان کی دوری حائل نہیں ہوتی، اس لئے اس کے اثبات کی ضرورت نہیں کہ شیطان سامنے آکر ان سے ملا ہو، اور بات کی ہو، بلکہ زمین ہی میں رہ کر وسوسہ ڈالا ہو اور آدم علیہ السلام کو وسوسہ ہونا معلوم نہ ہوا ہو۔

فائدہ (۲): نظر ثانی کے وقت ﴿ اَخْرَجَ مِنْهُمَا ﴾ کے مرجع میں اور وسوسہ کے ترجمہ میں کچھ خدشہ یعنی شک وشبہ ہو گیا اس کی تحقیق بھی سورۂ بقرہ میں بڑھادی گئی، وہاں دیکھ لی جائے۔

﴿ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پس ان دونوں نے جو درخت کو چکھا دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے، اور ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے ممانعت نہ کر چکا تھا، اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔ دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا۔

تتمہ: چنانچہ ان دونوں نے جو درخت کو چکھا (فوراً) دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے سامنے ہو گیا (اور جنت کا

لباس اتر گیا اور وہ ایک دوسرے سے شرما گئے) اور (بدن کو چھپانے کے لئے) دونوں اپنے (اپنے بدن کے) اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے اور (اس وقت) ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں تم دونوں کو اس درخت (کے کھانے) سے منع نہ کر چکا تھا؟ اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ (اس کے گمراہ کرنے سے بچنا؟ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ﴾ الخ دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم نے بڑا نقصان کیا (کہ پوری احتیاط اور تامل، غور وفکر سے کام نہ لیا) اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا۔

فائدہ: اس امر کی تحقیق کہ آدم علیہ السلام کا یہ فعل گناہ نہ تھا اور باوجود گناہ نہ ہونے کے یہ عتاب ہونا اور ان کا توبہ کرنا یہ سب سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ اور یہاں بھی ترجمہ میں غور کرنے سے خاص طور سے ﴿ظَلَمْنَآ﴾ کے ترجمہ وتوضیح سے گناہ نہ ہونا ظاہر ہوسکتا ہے اور یہ جو کہا کہ ہمارا نقصان ہو جائے گا تو درجات میں ترقی نہ ہونا بھی نقصان ہے، یا تواضع وانکساری کے طور پر ایسا کہا ہو۔

﴿ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ ﴾ ع ۲

ترجمہ: حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم بعضے دوسرے بعضوں کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ ہے اور نفع حاصل کرنا ایک وقت تک۔ فرمایا کہ تم کو وہاں کی زندگی بسر کرنا ہے، اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے پھر پیدا ہونا ہے۔

تتمہ: حق تعالیٰ نے (آدم وحوا علیہما السلام سے) فرمایا کہ (جنت سے) نیچے (زمین پر) ایسی حالت میں جاؤ کہ تم (یعنی تمہاری اولاد) آپس میں بعض دوسرے بعض کے دشمن رہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ (تجویز کی گئی) ہے اور (معیشت کے اسباب وسامان سے) نفع حاصل کرنا (تجویز ہوا ہے) ایک وقت (خاص) تک (کہ وہ ہر ایک کی موت کا وقت ہے اور یہ بھی) فرمایا کہ تمہیں وہاں ہی زندگی بسر کرنی ہے اور وہاں ہی مرنا ہے، اور اسی میں سے (قیامت کے دن (پھر پیدا ہونا ہے آگے پھر جیسا عمل ہوگا ویسے ٹھکانے پر جانا ہوگا، جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے: ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ﴾۔

فائدہ (۱): ﴿فِيْهَا تَحْيَوْنَ﴾ الخ کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا اصلی اور ایک مدت تک مسکن ٹھکانا رہائش گاہ یہ ہوگا، اور اگر کسی دوسری وجہ سے کوئی خلاف عادت امر ہو جائے تو اس کی نفی نہیں ہے، لہٰذا اس سے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے اور وہاں رہنے کی نفی پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔

فائدہ(۲): سورۂ بقرہ میں ایسی آیت آچکی ہے۔ ملاحظہ کرلیا جائے۔

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ۭ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ۧ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اے اولادآدم کی! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ دار بدن کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقوی کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ یاد رکھیں۔ اے اولاد آدم کی، شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے، جیسا کہ تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کرادیا، ایسی حالت سے کہ ان کا لباس بھی ان سے اتروادیا تاکہ ان کو ان کا پردہ کا بدن دکھلائی دینے لگے، وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو، ہم شیطان کو انہی لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتلایا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی تعلیم نہیں دیتا۔ کیا خدا کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حکم دیا ہے انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو، اور اس کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو، تم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح شروع میں پیدا کیا تھا، اسی طرح پھر تم دوبارہ پیدا ہوگے۔ بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے۔ ان لوگوں

نے شیطانوں کو رفیق بنالیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔ اے اولادِ آدم کی! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو۔ آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس شخص نے حرام کیا ہے؟ آپ یہ کہہ دیجئے کہ یہ اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں۔ ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے تمام فحش باتوں کو، ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی اور ان میں جو پوشیدہ ہیں، وہ بھی۔ اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی، اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگادو جس کی تم سند نہ رکھو اور ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین ہے، سو جس وقت ان کی میعاد معین آ جاوے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

ربط: اوپر کے قصہ میں ابلیس کی گمراہی اور اس کی دشمنی کا ذکر تھا، اب اس کے گمراہ کرنے اور اس سے بچنے اور احتیاط رکھنے کی تاکید کا بیان ہے، مطلق بھی جیسے ﴿ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ﴾ وغیرہ اور بعض خاص علمی و عملی امور میں بھی جیسا کہ ان آیتوں کے اسبابِ نزول سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن المنذر نے عکرمہ سے ﴿ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا ﴾ الخ میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت قریش اور عرب کے دوسرے قبائل کے بارے میں نازل ہوئی کہ وہ گوشت نہ کھاتے تھے اور قریش کے علاوہ دوسرے قبائل برہنہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے، اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے ﴿ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ﴾ الخ میں نقل کیا ہے کہ بعض عرب برہنہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور جب اس کی وجہ پوچھی جاتی تو کہتے: ﴿ وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ یعنی "ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے ہمیں اسی طرح حکم دیا ہے" اور مسلم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ عورتیں برہنہ ہو کر طواف کرتی تھیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: ﴿ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ ﴾ اور ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ ﴾ الخ اور کلبی نے نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت حج کے دنوں میں اس سے زیادہ نہ کھاتے تھے جتنے سے کہ زندہ رہ سکیں اور چکنائی چھوڑ دیتے تھے، بعض مسلمانوں کو بھی ایسا ہی خیال ہوا تو آیت ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا ﴾ نازل ہوئی۔ اور ابوالشیخ نے ابن زید سے نقل کیا ہے کہ بعض لوگ بکری کے دودھ اور گوشت اور گھی کو حرام کر لیتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ ﴾ الخ اور ابن جریر وغیرہ نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت بہت سی حلال چیزوں کو حرام سمجھتے تھے، جیسے کپڑا وغیرہ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ ﴾۔ اور ابوالشیخ نے ابن عباسؓ سے ﴿ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ ﴾ الخ میں نقل کیا ہے کہ ﴿ مَا ظَهَرَ ﴾ الخ سے ننگا ہونا مراد ہے کہ وہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور باطن سے زنا مراد ہے۔ یہ روایتیں درمنثور، لباب اور روح المعانی

سے نقل کی ہیں، اوران امور کی تخصیص کو اس مقام سے خاص مناسبت بھی ہے، کیونکہ اوپر کے قصہ میں شیطان کی آدم علیہ السلام کے ساتھ عداوت کا اثر طعام ولباس میں معلوم ہو چکا کہ جس درخت سے منع کیا گیا تھا، اسے کھلا کر جنت کی کھانے کی باقی چیزوں سے محروم کرادیا اور لباس بھی اتر وادیا اور یہی اثر ان کی اولاد کے ساتھ ظاہر ہوا کہ فاسد عقائد میں مبتلا کر کے کھانے اور پینے کی چیزوں سے محروم کرتا ہے۔ اوراوپر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر فرمایا تھا، جیسا کہ آیت کی تمہید ﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ ﴾ میں گذر چکا۔ آگے کھانے اور پینے کی چیزیں عطا کرنے کا بیان ہے، یہ بھی نعمت ہے۔ غرض کئی وجہوں سے ان آیتوں میں آپس میں مناسبت ہے۔

ابلیس کے گمراہ کرنے کی کوشش سے ڈرانا عمومی طور پر بھی اور خصوصی طور پر بھی:

اے آدم کی اولاد! (ہمارا ایک انعام یہ ہے کہ) ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہارے پردہ والے بدن کو ڈھانپتا بھی ہے اور (تمہارے بدن کے لئے) زیب وزینت کا سبب بھی (ہوتا) ہے اوراس ظاہری لباس کے علاوہ تمہارے لئے ایک معنوی لباس بھی تجویز کیا ہے کہ وہ) تقویٰ (یعنی دین داری) کا لباس (ہے کہ) یہ اس (ظاہری لباس) سے بڑھ کر (ضروری) ہے کیونکہ اس ظاہری لباس کا شرعی طور پر مطلوب ہونا اسی تقویٰ کے وجوب کی فرع ہے، لہٰذا اصل مقصود ہر حالت میں یہ لباس ہے) یہ (لباس کا پیدا کرنا جس سے پردہ اور زینت دونوں کا نفع ہے) اللہ تعالیٰ (کے فضل وکرم) کی نشانیوں میں سے ہوتا ہے، تاکہ یہ لوگ (جن کو یہ بات بتائی گئی ہے اس نعمت کو) یاد رکھیں (اور یاد رکھ کر انعام دینے والے کا حق ادا کریں، اور وہ حق وہی ہے جس کو تقویٰ کا لباس فرمایا ہے) اے آدم کی اولاد! جب تمہیں اوپر تقویٰ کا واجب ہونا اور اس سے اوپر شیطان کی عداوت کا حال معلوم ہو چکا تو ذرا اس بات کا خیال رکھنا کہ) شیطان تمہیں کسی خرابی میں نہ ڈال دے (کہ تم سے تقویٰ اور دین کے خلاف کوئی کام کرادے) جیسا کہ اس (بدبخت) نے تمہارے دادا دادی (یعنی حضرت آدم وحوا علیہما السلام) کو (خرابی میں ڈال دیا تھا کہ انہیں) جنت سے باہر کرادیا (یعنی ان سے ایسا عمل کرادیا کہ وہ جنت سے باہر ہو گئے، اور باہر بھی) ایسی حالت سے (کرایا) کہ ان کا لباس بھی ان (کے بدن) سے اتر وادیا، تاکہ ان (دونوں کو) ان کے پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے (جیسا کہ اوپر آچکا۔ غرض وہ تمہارا پرانا دشمن ہے، اس سے بہت ہوشیار رہو، اور زیادہ احتیاط اس لئے بھی ضروری ہے کہ) وہ اور اس کا لشکر تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم ان کو (عام حالات میں) نہیں دیکھتے ہو (اور ظاہر ہے کہ ایسے دشمن سے بہت ہی زیادہ ڈرنا چاہئے، اور اس سے ڈرنے اور بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ تقویٰ اور کامل ایمان اختیار کرلو، کیونکہ) ہم شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے (اگر ایمان بالکل ہی نہیں ہے تو کامل رفاقت اور قدرت ہوتی ہے اور اگر کمال ایمان منتفی ہوتا ہے تو ناقص رفاقت اور قدرت ہوتی ہے، برخلاف مؤمن کامل کے اس پر بالکل قابو نہیں چلتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ

﴿لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ یعنی اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں (سورۃ النحل ۹۹) اور خود اس کا قول ﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ یعنی ان میں سے آپ کے مخلص بندوں کو گمراہ نہ کرسکوں گا (سورۃ ص ۸۳) اور (جو لوگ ایمان نہیں لائے ان پر اس کے قابو کے چلنے کی یہ حالت ہے کہ) وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں (خواہ عقائد سے متعلق جیسے شرک کہ اعلی درجہ کی بے حیائی ہے، خواہ اعمال کی قسم سے جیسے طواف کے وقت ننگے ہوجانا۔ اور اس سے کوئی منع کرتا ہے) تو (وہ جواب میں) کہتے ہیں کہ ہم نے (تو) اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر (عمل کرتے ہوئے) پایا ہے، اور (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں یہی بتایا ہے (اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا قابو چلے گا کہ کفر اور شرک میں مبتلا کررکھا ہے۔ آگے جواب کی تعلیم ہے کہ اے محمد (ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش بات کی (کبھی) تعلیم نہیں دیتا (ہرگز اللہ تعالیٰ نے ایسی باتوں کی اجازت نہیں دی) کیا (ایسا دعوی کرکے) اللہ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تم سند نہیں رکھتے (اور اسی سے ﴿وَجَدْنَا عَلَيْهَآ﴾ کا جواب نکلا کیونکہ تقلید اسی مسئلہ میں جائز ہے جس میں تقلید کرنے کے لئے حکم اور شرعی سند ہو، جو اس کے شرائط کے جمع ہونے پر موقوف ہے، اور یہاں خود قطعی نص کی مخالفت سے شرائط ناپید ہیں، لہٰذا ایسی تقلید سے احتجاج خود باطل ہوگیا) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (جن باتوں کے حکم کرنے کی نسبت تم اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہو، وہ غلط ثابت ہوئیں، اب وہ بات سنو جس کا حکم کرنے کی نسبت اللہ کی طرف واقعی ہے، وہ یہ کہ) میرے رب نے (تو ایسی اچھی اچھی باتوں کا) حکم دیا ہے (مثلاً) انصاف کرنے کا حکم دیا ہے) اور (مثلاً) یہ (حکم دیا ہے) کہ تم سجدہ (یعنی عبادت) کے وقت اپنا رخ (یعنی دل) سیدھا (اللہ کی طرف) رکھا کرو (یعنی نہ بت وغیرہ کو سجدہ کیا کرو نہ ان کی عبادت کیا کرو) اور اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ اس عبارت کو (عقیدہ کے اعتبار سے) خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو (یعنی شرک کا عقیدہ مت رکھا کرو، ان احکام میں شریعت کے تمام اصول آگئے۔ لفظ قسط میں حقوق العباد، ﴿اَقِيْمُوْا﴾ میں اعمال وطاعت، اور ﴿مُخْلِصِيْنَ﴾ میں عقائد۔ مطلب یہ کہ اللہ کے تو یہ احکام ہیں، ان کو مانو، کیونکہ تمہیں صرف حکم دے کر نہیں چھوڑ دیا جائے گا، بلکہ ایک وقت حساب کتاب کے لئے بھی آنے والا ہے یعنی قیامت، چنانچہ) جس طرح تمہیں اللہ تعالیٰ نے (اپنی قدرت سے) شروع میں پیدا کیا تھا، اسی طرح تم (ایک وقت پر) پھر دوبارہ پیدا ہوگے (اللہ کی قدرت پر نظر رکھتے ہوئے بعید سمجھنا لغو بات ہے، غرض جب دوبارہ پیدا ہوگے، اس وقت جزا وسزا واقع ہوگی، آگے جزا وسزا کا موقع بتاتے ہیں کہ) بعض لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ نے (دنیا میں) ہدایت کی ہے (ان کو اس وقت جزا ملے گی) اور بعض پر گمراہی ثابت ہوچکی ہے (انہیں اس وقت سزا ملے گی۔ اور ان لوگوں کے گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ) ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطانوں کو (اپنا) رفیق بنالیا (یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی، اور شیطانوں کی اطاعت کی) اور (اس کے باوجود پھر اپنی نسبت) خیال رکھتے ہیں کہ وہ (سیدھے) راستہ پر ہیں (سیدھے راستہ پر ہونے کا یہ خیال چاہے

ان کے اپنے زعم کے مطابق دین حق ہونے کے اعتبار سے ہو، چاہے مصلحت کے مطابق ہونے کے اعتبار سے ہو) اے آدم کی اولاد! (جب ننگے ہو کر طواف کرنے کا فحش اور اللہ کے نزدیک قابل مذمت ہونا معلوم ہو گیا تو) تم مسجد کی ہر حاضری (یعنی عبادت) کے وقت (کہ اس میں نماز و طواف سب آ گیا) اپنا لباس پہن لیا کرو اور (جس طرح لباس کا ترک کرنا شیطانی گمراہی ہے۔ اسی طرح کھانے اور پینے کی حلال چیزوں کو حرام سمجھ کر کہ چھوڑ دینا بھی جیسا کہ اہل جاہلیت اس میں مبتلا تھے، شیطانی گمراہی ہے، اس سے بھی باز آؤ، اور حلال چیزوں کو) خوب کھاؤ اور پیو (خواہ مخواہ ان کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھ کر شرعی حد سے مت نکلو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ آپ (ان لوگوں سے جو کہ پینے و کھانے اور پہننے کی چیزوں کو بغیر دلیل کے بلکہ دلیل کے خلاف حرام سمجھ رہے ہیں یوں) فرمائیے کہ (یہ بتاؤ) اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے (استعمال کے) واسطے بنایا ہے اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو (جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال بنایا ہے) کس شخص نے حرام کیا ہے؟ (یعنی تحریم کے لئے تو حرام قرار دینے والے کی ضرورت ہے، پھر وہ حرام قرار دینے والا اللہ کے سوا کون ہے؟ اب اس مقام پر ﴿ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ﴾ سے کفار کو وہم ہو سکتا تھا کہ ہم بھی اللہ کے بڑے محبوب و مقبول ہیں کہ ہمارے لئے کیسی کیسی پہننے اور کھانے کی چیزیں پیدا کیں، اس لئے اس خیال کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محمد! (ﷺ) آپ یہ کہہ دیجئے (کہ مطلق استعمال کی اجازت مقبولیت کی دلیل نہیں، ہاں جس کے استعمال کے بعد بھی کوئی وبال نہ ہو، وہ البتہ مقبولیت کی دلیل ہے، تو ایسا استعمال خاص اہل ایمان کا حصہ ہے۔ چنانچہ) یہ (یعنی زینت اور مذکورہ پاکیزہ و حلال) اشیاء اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی (گندگی سے) خالص رہیں، دنیاوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں (کفار کے برخلاف کہ اگر چہ یہاں انہیں نعمتیں ملی ہوئی ہیں، مگر چونکہ ان نعمتوں کا حق ادا نہیں کیا، بلکہ کفر و شرک میں مبتلا رہے، اس لئے وہاں یہ نعمتیں وبال بن جائیں گی، جیسے عدالت کا حاکم اپنے دو اہلکاروں کو کچھ کام بتاوے اور کام کی میعاد ختم ہونے تک ان کو اپنے گھر سے کھانا بھی منگا کر کھانے کی اجازت دے تو صرف یہ اجازت خوشنودی کی دلیل نہیں، یہ تو اعانت ہے، جس نے وہ کام کر لیا اس کا کھایا پیا، سب جان کو لگا، جس نے کام نہ کیا، اس کا سب کھایا پیا ناک کی راہ کو نکلا) ہم اسی طرح (یعنی جیسا یہ مضمون بیان کیا) تمام آیتوں کو سمجھ داروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں، آپ (ان سے یہ بھی) فرمائیے کہ (تم نے جن چیزوں کو بغیر دلیل کے حرام ہونے کا عقیدہ قرار دے کر چھوڑ رکھا ہے اور بعض اوقات ان کے حرام ہونے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر دیتے ہو، ان کو تو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا) البتہ میرے رب نے صرف (ان چیزوں کو جن میں سے اکثر میں تم مبتلا ہو) حرام کیا ہے (مثلاً) تمام فحش باتوں کو، ان میں جو اعلانیہ ہیں وہ بھی (جیسے ننگے ہو کر طواف کرنا) اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی (جیسے بدکاری) اور (مثلاً) ہر گناہ کی بات کو (حرام کیا ہے) اور (مثلاً) ناحق کسی پر ظلم (و زیادتی) کرنے کو (حرام کیا ہے) اور (مثلاً) اس بات کو (حرام کیا ہے) کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو

(عبادت میں) شریک ٹھہراؤ، جس (کے شریک ہونے) کی اللہ نے کوئی سند (اور دلیل) نازل نہیں فرمائی (نہ کلی طور پر اور نہ ہی جزئی طور پر) اور (مثلاً) اس بات کو (حرام کیا ہے) کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا دو، جس (کی نسبت اللہ کی طرف ہونے) کی تمہارے پاس کوئی سند نہ ہو (یعنی جو واقعی حلال ہیں، انہیں تم نے حرام سمجھا، اور جو واقعی حرام ہیں انہیں حلال سمجھا، عجیب جہالت میں مبتلا ہو، اور جس طرح ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ﴾ الخ میں تمام احکام داخل ہو گئے تھے، اس طرح یہاں ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ﴾ الخ میں تمام چیزیں جن سے منع کیا گیا داخل ہیں، یعنی گمراہی میں تو سارے معاملات آگئے، اور ﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا﴾ اور ﴿وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا﴾ میں تمام فاسد عقائد آگئے اور اثم میں تمام اعمال و معصیتیں آگئیں، جن میں سے فحش معصیتوں کی تخصیص ذکر کے ساتھ اہتمام کے لئے کی گئی) اور اگر ان حرام کاموں کا ارتکاب کرنے والوں کو فوراً سزا نہ ہونے سے ان کے حرام ہونے میں کسی کو شبہ ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے علم میں) ہر گروہ (کے ہر فرد کی سزا) کے لئے (حکمت کے تقاضے کے مطابق) ایک میعاد معین ہے، تو جس وقت ان کی (وہ) معین میعاد (نزدیک) آجائے گی، اس وقت ایک ساعت نہ (اس سے) پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے (بلکہ فوراً ہی سزا جاری ہو جائے گی، اس میعاد سے پہلے سزا نہ ہونا، اس کی دلیل نہیں کہ ان حرام کی ہوئی چیزوں پر سزا نہ ہوگی)

چند ضروری فوائد کو سمجھنا چاہئے:

اول: یہ کہ جو ارشاد فرمایا: ﴿لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا جنات کو دیکھنا ظاہری اور عام عادت کے خلاف ہے، اور دیکھنے کی قطعی نفی نہیں ہے، لہٰذا بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کا یا غیر انبیاء کا کسی خاص یا عام جن کو دیکھنا اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔

دوسرے: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ﴾ الخ میں جو وقت کی تخصیص کی گئی، حالانکہ ستر کا ڈھانپنا دوسرے اوقات میں بھی واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ مذکورہ وقت میں ننگے ہو جایا کرتے تھے، لہٰذا اس وقت وجوب کی زیادہ تاکید ہوتی ہے۔

تیسرے: ﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ الخ کی جو تفسیر احقر نے اختیار کی ہے یہی درمنثور میں طبرانی وغیرہ کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: قال ینتفعون بھا فی الدنیا لایتبعھم فیھا ما ثم یوم القیامۃ: یعنی "فرمایا ان سے دنیا میں اس طرح نفع اٹھائیں گے کہ قیامت کے دن کوئی گناہ ان کا پیچھا نہ کرے گا"

چوتھے: ﴿لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ الخ کی قید واقعی ہے، اور اس کو کلی اور جزئی اعتبار سے عام کر دیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام شرعی حجتیں اس میں شامل ہو جائیں، کیونکہ نازل ہونے والی نصوص کلی طور پر ان کے معتبر ہونے پر

دلالت کرتی ہیں۔

پانچویں: ﴿ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴾ الخ میں جو بات عام کی گئی کہ "خواہ دین حق ہونے کی ہو" اس کی توضیح یہ ہے کہ بعض کفار تو اپنے مذہب کو واقعی حق سمجھتے ہیں، ان پر تو ﴿ یَحۡسَبُوۡنَ ﴾ کا صادق آنا ظاہر ہے، اور بعض باطل سمجھنے کے باوجود اس پر جمے رہتے ہیں، ان پر یہ اس اعتبار سے صادق آتا ہے کہ اس صورت میں لازمی طور پر یہ اصرار ان کے زعم یا وہم کے مطابق کسی مصلحت کی وجہ سے ہوگا، اور اس مصلحت کو حاصل کرنے اور اس کی رعایت رکھنے کو وہ کسی وجہ سے ضروری و مناسب سمجھتے ہیں، اور ضروری رعایت کرنا عقلی طور پر ہدایت ہے، اور اگر کسی کو پہلی صورت میں شبہ ہو کہ ایک شخص واقعی طور پر خود کو حق پر سمجھتا ہے، چاہے غلطی پر ہو تو پھر اس پر کیا الزام ہے، اس کو تو معذور قرار دیا جانا چاہئے، کیونکہ اس کو اپنی غلطی کا علم ہی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ معذور اس لئے قرار نہیں دیا جائے گا کہ اس نے قوی اور صحیح دلائل قائم ہونے کے باوجود جن سے دل میں مخالف جانب کا فطری طور پر احتمال اور تردد و اضطرار کے ساتھ پیدا ہوتا ہے غور و فکر کیوں نہیں کیا۔ اور آیت میں جن لوگوں کی مذمت ہے وہ ایسے ہی تھے، بلکہ اکثر تو اپنے طریقہ کو باطل سمجھنے والے تھے، البتہ جو لوگ حق کی طلب میں اپنی بھرپور کوشش کر چکے اور پھر بھی ان کی نظر صحیح مطلوب تک نہ پہنچے، ان کی نسبت روح المعانی میں ہے: **ومذهب البعض انه معذورٌ ولم يفرقوا بين من لا عقل له ومن له عقل لم يدرک به الحق إن لم يدع فى القوس منزعا فى طلبه إلخ قلت وكذا من لم يخطر فى باله تردد واحتمال النقيض وقلت وبسط القول فى المسئلة الغزالى فى التفرقة بين الإسلام والزندقه وقلت والسلامة فى أمثال ذلک التفويض إلى الله تعالىٰ وهو أعلم العالمين وأحكم الحاكمين:** یعنی اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص معذور ہے اور انھوں نے اس شخص میں جس کے پاس بالکل عقل نہیں ہے اور جس کے پاس عقل ہے، لیکن اس سے حق کی طلب میں اپنی تمام کوشش کے باوجود حق کا ادراک نہیں کر سکا، کوئی فرق نہیں کیا ہے الخ۔ میں کہتا ہوں کہ یہی حال اس شخص کا ہے جس کے دل میں اس کے برعکس کا کوئی احتمال اور تردد پیدا نہیں ہوا، اور میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ کی غزالی نے اپنی کتاب: **التفرقة بين الإسلام والزندقة** میں پوری تفصیل کی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اس طرح کے معاملوں کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرنے میں ہی سلامتی ہے، اور وہ جاننے والوں میں سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اور اگر کسی کو دوسری صورت میں شبہ ہو کہ جب یہ شخص حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتا ہے تو مؤمن ہونا چاہئے، پھر اس کو کفار میں کیوں شمار کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے دل سے تکذیب کرنا کفر ہے، اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا اور برتاؤ میں انبیاء سے مخالفت و عداوت کرنا بھی کفر ہے۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے اولاد آدم کی! اگر تمہارے پاس پیغمبر آویں جو تم میں سے ہونگے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے، سو جو شخص پرہیز رکھے اور درستی کرے، سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے نہ وہ غمگین ہونگے، اور جو لوگ ہمارے ان احکام کو جھوٹا بتادیں گے اور ان سے تکبر کریں گے، وہ لوگ دوزخ والے ہونگے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ربط: اوپر عقائد اور اعمال میں ابلیس کی اتباع وموافقت اور اللہ کے احکام کی مخالفت سے منع کیا گیا ہے، اب یہ بتاتے ہیں کہ اس مضمون کا خطاب تمہارے لئے کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ عالم ارواح ہی میں یہ عہد لے لیا گیا تھا، اور وعدہ ووعید سنا دیئے گئے تھے، اب اس کو دہرایا جارہا ہے، اور اس میں رسالت اور معاد کے مسئلہ کا اثبات بھی ہوگیا جو کہ اس سورت کے عظیم ترین مقاصد میں سے ہے۔

رب کریم کی اطاعت کے قدیم عہد کی حکایت اور جنت وجہنم کا بیان:

(ہم نے عالم ارواح ہی میں کہہ دیا تھا) اے آدم کی اولاد! اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں گے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے (تو ان کے آنے پر) جو شخص (تم میں سے ان آیتوں کی تکذیب سے) پرہیز رکھے اور (اعمال کی) درستی کرے (مراد یہ کہ کامل اتباع کرے) تو ان لوگوں پر (آخرت میں) نہ کچھ اندیشہ (کی بات ہونے والی ہے) اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ (تم میں سے) ہمارے ان احکام کو جھوٹا بتائیں گے اور ان (کے قبول کرنے) سے تکبر کریں گے، وہ لوگ دوزخ میں رہنے) والے ہوں گے (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا

ع

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: سواس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلادے، ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ ہے وہ ان کو مل جاوے گا، یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آویں گے تو کہیں گے: وہ کہاں گئے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے، وہ کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہوگئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماوے گا کہ جو فرقے تم سے پہلے گذر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں سے بھی، ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ، جس وقت کوئی جماعت داخل ہوگی اپنی جیسی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی، یہاں تک کہ جب اس میں سب جمع ہو جاویں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا، سو ان کو دوزخ کا عذاب دوگنا دیجئے، اللہ تعالیٰ فرماویں گے کہ سب ہی کا دوگنا ہے۔ لیکن تم کو خبر نہیں۔ اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں، سو تم بھی اپنے کردار کے مقابلہ میں عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور ان سے تکبر کرتے ہیں ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جاویں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے نہ چلا جاوے۔ اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں، ان کے لئے آتشِ دوزخ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا۔ اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

ربط: اوپر مذکورہ عہد میں نعیم یعنی جنت اور جحیم یعنی جہنم کا اجمالی طور پر بیان تھا۔ اب تفریع کے طور پر اس کا کسی قدر تفصیلی ذکر ہے، اول اہل جحیم یعنی جہنم والوں کا اور پھر اہل نعیم یعنی جنت والوں کا۔

جھٹلانے والوں کی سزا:

(جب تکذیب کرنے والوں کا شدید وعید کا مستحق ہونا اجمالی طور پر معلوم ہوگیا) تو (اب تفصیل سنو کہ) اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے (یعنی جو بات اللہ کی کہی ہوئی نہ ہو، اس کو اللہ کی کہی ہوئی بتائے) یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتائے (یعنی جو بات اللہ کی کہی ہوئی ہو اس کو بغیر کہی ہوئی بتائے) ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ (رزق اور عمر) ہے وہ (تو) ان کو (دنیا میں) مل جائے گا (لیکن آخرت میں مصیبت ہی مصیبت ہے) یہاں تک کہ (برزخ میں مرنے کے وقت تو ان کی یہ حالت ہوگی کہ) جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبض کرنے آئیں گے تو (ان سے) کہیں گے کہ (کہو) وہ کہاں گئے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے؟ (اب وہ اس مصیبت میں کیوں کام نہیں آتے؟) وہ (کفار) کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے (یعنی واقعی کوئی کام نہیں آیا) اور (اس وقت)

اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے (لیکن ان کا اس وقت کا اقرار محض بے کار ہوگا۔

اور بعض آیتوں میں ایسے ہی سوال و جواب کے قیامت میں واقع ہونے کا بھی ذکر ہے، تو دونوں موقعوں پر ہونا ممکن ہے اور قیامت میں ان کا یہ حال ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ (کفار کے) جو فرقے جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں سے بھی تم سے پہلے گذر چکے ہیں، ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ (چنانچہ آگے پیچھے سب کفار اس میں داخل ہوں گے، اور یہ کیفیت واقع ہوگی کہ) جس وقت بھی (کفار کی) کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی، اپنی جیسی دوسری جماعت کو (جو انہی جیسے کافر ہوں گے، اور ان سے پہلے دوزخ میں جا چکے ہوں گے) لعنت کرے گی (یعنی آپس میں ہمدردی نہ ہوگی، بلکہ حقائق کے انکشاف کی وجہ سے ہر شخص دوسرے کو بری نظر سے دیکھے گا، اور برا کہے گا) یہاں تک کہ جب اس (دوزخ) میں سب جمع ہو جائیں گے تو (اس وقت) پچھلے لوگ (جو بعد میں داخل ہوں گے، اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو کفر میں دوسروں کے تابع تھے) پہلے (داخل ہونے والے) لوگوں کی نسبت (یعنی ان لوگوں کی نسبت جو رئیس اور کفر کے پیشوا ہونے کی وجہ سے دوزخ میں پہلے داخل ہوئے ہوں گے) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا، اس لئے ان کو دوزخ کا عذاب (ہم سے) دوگنا دیجئے، اللہ تعالیٰ (ارشاد) فرمائیں گے کہ (ان کو دوگنا ہونے سے تمہیں کونسی تسلی اور راحت ہو جائے گی، بلکہ چونکہ تمہارا عذاب بھی ہمیشہ ہر حال میں بڑھتا ہی جائے گا، اس لئے تمہارا عذاب بھی ان کے دوگنے عذاب جیسا ہی ہوگا، لہٰذا اس حساب سے) سب ہی کا (عذاب) دوگنا ہے، لیکن (ابھی) تمہیں (پوری) خبر نہیں (کیونکہ ابھی تو عذاب کی ابتداء ہی ہے، ابھی تم نے اس بڑھتے ہوئے عذاب کو دیکھا ہی نہیں ہے، اس لئے ایسی باتیں بنا رہے ہو، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کے عذاب کے بڑھنے سے اپنے لئے غیظ و غضب کی شفا و تشفی اور تسلی کا سبب سمجھ رہے ہو) اور پہلے (داخل ہونے والے) لوگ بعد میں (داخل ہونے والے) لوگوں سے (اللہ تعالیٰ کے اس جواب کی اطلاع پا کر) کہیں گے کہ (جب سب کی سزا کی یہ حالت ہے تو) پھر تمہیں ہم پر (عذاب کے ہلکا ہونے کے بارے میں) کوئی فوقیت و برتری نہیں (کیونکہ ہلکا نہ ہمارے لئے ہے نہ تمہارے لئے) تو تم بھی اپنے (برے) کردار کے مقابلہ میں (بڑھتے ہوئے) عذاب کا مزا چکھتے رہو۔

(یہ حالت تو کفار کی جہنم میں داخل ہونے کی ہوئی، اب جنت سے محرومی کی کیفیت سنو کہ) جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتاتے ہیں اور ان (کے ماننے) سے تکبر کرتے ہیں (ان کے مرنے کے بعد ان کی روحوں کے آسمان میں چڑھنے کے لئے) ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے (یہ حالت تو مرنے کے بعد برزخ میں ہوئی اور قیامت کے روز) وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جائے (اور یہ ناممکن ہے، لہٰذا جو ناممکن سے متعلق ہے وہ بھی ہمیشہ کے لئے منفی ہوگا) اور ہم ایسے مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں (یعنی ہمیں کوئی عداوت نہ تھی جیسا کیا ویسا بھگتا، اور اوپر جو دوزخ میں جانے کا ذکر ہوا ہے وہ آگ ان کو ہر چہار طرف سے احاطہ

کرنے والی ہوگی کہ کسی طرف سے کچھ راحت نہ ملے، چنانچہ یہ حال ہوگا کہ) ان کے لئے دوزخ کی آگ کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا، اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں (جن کا ذکر ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ ﴾ میں اوپر آیا ہے)

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کوئی کام نہیں بتلاتے، ایسے لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا ہم اس کو دور کردیں گے۔ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ کہیں گے: اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے، واقعی ہمارے رب کے پیغمبر، سچی باتیں لے کر آئے تھے، اور ان سے پکار کر کہا جاوے گا کہ یہ جنت تم کو دی گئی ہے تمہارے اعمال کے بدلے۔

ربط: اوپر جھوٹ بولنے والوں اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں کی سزا کی تفصیل تھی۔ اب مؤمنوں کی جزا کی تفصیل ہے۔

مؤمنوں کی جزا کی تفصیل:

اور جو لوگ (اللہ کی آیتوں پر) ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے (اور یہ نیک کام کچھ مشکل بھی نہیں، کیونکہ ہماری عادت ہے کہ) ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کوئی کام نہیں بتاتے (یہ جملہ معترضہ تھا، غرض) ایسے لوگ جنت (میں جانے) والے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور (ان کی حالت اہل جہنم جیسی نہ ہوگی، جن میں وہاں بھی ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے اور غیظ وغضب دکھانے کا سلسلہ رہے گا، بلکہ ان کی کیفیت یہ ہوگی کہ) جو کچھ ان کے دلوں میں (کسی معاملہ کی وجہ سے دنیا میں طبعی تقاضہ کی وجہ سے) غبار (اور رنج) تھا، ہم اس کو (بھی) دور کردیں گے (کہ آپس میں الفت ومحبت کے ساتھ رہیں گے اور) ان کے (مکانوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ (انتہائی فرحت وسرور سے) کہیں گے: اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے، جس نے ہمیں اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی (یہاں تک) رسائی نہ ہوتی، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں نہ پہنچاتے (اس میں یہ بھی آگیا کہ یہاں تک پہنچنے کا جو طریقہ تھا یعنی ایمان وعمل، وہ ہمیں بتایا اور اس پر چلنے کی توفیق دی) واقعی ہمارے رب کے پیغمبر، سچی باتیں لے کر آئے تھے (چنانچہ انھوں نے جن اعمال پر جنت کا وعدہ کیا تھا، وہ سچا ثابت ہوا) اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ یہ جنت تمہیں دی گئی ہے تمہارے (نیک)

اعمال کے بدلے (میں)

فائدہ: یہ ندا کرنے والا ایک فرشتہ ہوگا، جیسا کہ درمنثور میں ابن ابی حاتم کی روایت سے ابو معاذ بصری سے مرفوع کے طور پر منقول ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: فیذهب الملک فیقول سلام علیکم تلکم الجنة اورثتموها بما کنتم تعملون: یعنی فرشتہ جائے گا اور کہے گا: السلام علیکم! تم جو کچھ اعمال کیا کرتے تھے ان کے صلہ میں تم اس جنت کے وارث بنادیئے گئے ہو اور ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سے بظاہر اعمال کا جنت میں داخل ہونے کا سبب ہونا معلوم ہوتا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ اعمال کے سبب کوئی جنت میں نہ جائے گا، بلکہ سب اللہ کی رحمت کے سبب جائیں گے۔ اصل یہ ہے کہ آیت میں ظاہری سبب مراد ہے، اور حدیث میں حقیقی سبب مراد ہے۔ لہٰذا ظاہری کے اثبات اور حقیقی کی نفی میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾﴾

ع ۱۲

ترجمہ: اور اہل جنت اہلِ دوزخ کو پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا، سو تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا تم نے بھی اس کو مطابق واقع پایا؟ وہ کہیں گے: ہاں! پھر ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مار ہو ان ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے اعراض کیا کرتے تھے اور اس میں کجی تلاش کرتے رہتے تھے۔ اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہونگے، وہ لوگ ہر ایک کو ان کے قیافہ سے پہچانیں گے۔ اور اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم، ابھی یہ

اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہونگے، اوراس کے امیدوار ہونگے۔ اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جاپڑیں گی تو کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کیجئے۔ اور اہل اعراف بہت سے آدمیوں کو جن کو کہ ان کے قیافہ سے پہچانیں گے پکاریں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا تمہارے کچھ کام نہ آیا۔ کیا یہ وہی ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ رحمت نہ کرے گا۔ ان کو یوں حکم ہوگیا کہ جاؤ جنت میں، تم پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہوگے۔ اور دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا اور ہی کچھ دے دو، جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے، جنت والے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی کافروں کے لئے بندش کررکھی ہے، جنھوں نے دنیا میں اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگانی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا، سو ہم بھی آج کے روز ان کا نام نہ لیں گے جیسا انھوں نے اس دن کا نام تک نہ لیا، اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

ربط: اوپر اہل جنت اور اہل جہنم کی جزا وسزا کی تفصیل تھی۔ اب ان میں جو آپس میں کلام وخطاب ہوں گے، تتمہ کے طور پر ان کا بیان ہے، اور ان کے ساتھ اہل اعراف کے بھی کچھ حال وگفتگو کا بیان ہے، جن کی حالت شروع میں درمیانی کی ہوگی۔

اہل جنت، اہل اعراف اور اہل جہنم میں گفتگو:

اور (جب اہل جنت جنت میں جا پہنچیں گے، اس وقت وہ) اہل جنت، اہل دوزخ کو (اپنی حالت پر خوشی ظاہر کرنے اور ان کی حسرت بڑھانے کے لئے) پکاریں گے کہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا (کہ ایمان اور نیک اعمال اختیار کرنے سے جنت دیں گے) ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا تو (تم بتاؤ کہ) تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا (کہ کفر کے سبب جہنم میں ڈالے جاؤ گے) کیا تم نے بھی اس کو واقعہ کے مطابق پایا؟ (یعنی اب تو اللہ ورسول کی سچائی اور اپنی گمراہی کی حقیقت معلوم ہوگئی؟) وہ (اہل جہنم، جواب میں کہیں گے: ہاں! (واقعی اللہ اور رسول کی سب باتیں ٹھیک نکلیں)

پھر (ان دوزخیوں کی حسرت اور جنتیوں کی مسرت بڑھانے کے لئے) ایک پکارنے والا (یعنی کوئی فرشتہ) دونوں (فریقوں) کے درمیان میں (کھڑا ہوکر) پکارے گا کہ اللہ کی مار ہو ان ظالموں پر جو اللہ کی راہ (یعنی دین حق) سے منہ پھیرا کرتے تھے اور اس (دین حق) میں (ہمیشہ اپنے زعم میں) کجی (وکمی کی باتیں) تلاش کرتے رہتے تھے (کہ اس میں عیب اور اعتراض پیدا کریں) اور وہ لوگ (اس کے ساتھ) آخرت کے بھی منکر تھے (جس کا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں۔

یہ تو اہل جنت کا اور ان کی تائید میں اس سرکاری منادی کا کلام ہوا۔ آگے اعراف والوں کا ذکر ہے) اور ان دونوں

(فریقوں یعنی اہل جنت واہل دوزخ) کے درمیان ایک آڑ (یعنی دیوار) ہوگی (جس کا ذکر سورۂ حدید آیت ۱۴ ﴿ فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ ﴾ الخ میں ہے یعنی ''ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی'' اس دیوار کا خاصہ یہ ہوگا کہ جنت کا اثر دوزخ تک اور دوزخ کا اثر جنت تک نہ جانے دے گی۔ رہا یہ سوال کہ پھر گفتگو کیوں کر ہوگی، تو ممکن ہے کہ اس دیوار میں جو دروازہ ہوگا جیسا کہ سورۂ حدید کی مندرجہ بالا آیت میں ہی آگے ہے ﴿ لَّهُ بَابٌ ﴾ یعنی اس دیوار میں ایک دروازہ ہوگا، اس دروازے میں سے یہ گفتگو ہوجائے یا ویسے ہی آواز پہنچ جائے، اور اس دیوار کا یا اس کے بالائی حصہ کا نام اعراف ہے اور اس پر سے جنتی اور دوزخی سب نظر آئیں گے تو) اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے (جن کی حسنات اور سیئات میزان یعنی ترازو کے پلڑوں میں وزن کے وقت برابر ہوئی ہوں گی) وہ لوگ (اہل جنت اور اہل دوزخ میں سے) ہر ایک کو (جنت اور جہنم کے اندر ہونے کی علامتوں کے علاوہ) ان کے قیافہ سے (بھی) پہچانیں گے (قیافہ یہ کہ اہل جنت کے چہروں پر نورانیت اور اہل جہنم کے چہروں پر ظلمت اور کدورت ہوگی، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴾ (سورۃ عبس ۳۸ تا ۴۲) اور یہ (اہل اعراف) اہل جنت کو پکار کر کہیں گے: السلام علیکم! یہ اہل اعراف ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے (چنانچہ حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کی امید پوری کردی جائے گی، اور ان کے لئے جنت میں جانے کا حکم ہوجائے گا) اور جب ان کی نگاہیں اہل جہنم کی طرف جا پڑیں گی تو (اس وقت خوف ودہشت سے گھبرا کر) کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ساتھ (عذاب میں) شامل نہ کیجئے۔

اور (جیسے ان اہل اعراف نے اوپر اہل جنت سے سلام وکلام کیا، اسی طرح یہ) یہ اہل اعراف (دوزخیوں میں سے) بہت سے آدمیوں کو (جو کہ کافر ہوں گے اور) جن کو کہ ان کے قیافہ (چہروں کی ظلمت وکدورت) سے پہچانیں گے (کہ یہ کافر ہیں) پکاریں گے (اور) کہیں گے کہ تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا (اور انبیاء کا اتباع نہ کرنا) تمہارے کچھ کام نہ آیا، (اور تم اسی تکبر کی وجہ سے مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ یہ بیچارے فضل وکرم کے کیا مستحق ہوتے؟ جیسا کہ ﴿ أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ﴾ سے بھی یہ مضمون سمجھ میں آتا ہے۔ تو لو ان مسلمانوں کو اب دیکھو) کیا یہ (جو جنت میں عیش کر رہے ہیں) وہی (مسلمان) ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ (اپنی) رحمت نہ کرے گا (لو ان پر تو اتنی بڑی رحمت ہوئی کہ) ان کو یوں حکم ہوگیا کہ جاؤ جنت میں (جہاں) تم پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم رنجیدہ ہوگے۔

(اور اس کلام میں جو کی رجال کی تخصیص کی، تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابھی گناہ گار مؤمن بھی دوزخ میں پڑے ہوں گے، اس کا قرینہ یہ ہے کہ جب ابھی اہل اعراف جنت کی امید میں ہیں اور جنت میں داخل نہیں ہوئے تو گناہ گار جن کے سیئات اہل اعراف کے سیئات سے زیادہ ہیں، ظاہر ہے بدرجۂ اولیٰ ابھی دوزخ سے نہ نکلے ہوں گے، مگر ایسے

لوگ اس کلام کے مخاطب نہ ہوں گے۔ واللہ اعلم)

اور (جس طرح اوپر جنت والوں نے دوزخ والوں سے گفتگو کی تھی، اسی طرح) دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ (ہم بھوک و پیاس اور گرمی کے مارے بے دم ہوئے جاتے ہیں، اللہ کے واسطے) ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو (کہ شاید کچھ تسکین ہو جائے) یا اور کچھ دیدو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھا ہے (اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امید کر کے مانگیں گے کیونکہ انتہائی بے چینی کی حالت میں توقع سے دور کی باتیں بھی منہ سے نکل جایا کرتی ہیں) جنت والے (جواب میں) کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی (یعنی جنت کے کھانے اور پانی کی) کافروں کے لئے بندش کر رکھی ہے۔ جنھوں نے دنیا میں اپنے دین کو (جس کا قبول کرنا ان کے ذمہ واجب تھا) لہو ولعب (کھیل تماشہ اور مذاق) بنا رکھا تھا اور جن کو دنیاوی زندگی نے دھوکہ (اور غفلت) میں ڈال رکھا تھا (اس لئے دین کی کچھ پرواہی نہ کی اور یہ دارالجزاء ہے جب دین نہیں تو اس کا ثمرہ اور نتیجہ کہاں سے ملے گا۔

آگے حق تعالیٰ اہل جنت کے اس جواب کی تصدیق وتائید میں فرماتے ہیں) تو (جب ان کی دنیا میں یہ حالت تھی تو) ہم بھی آج (قیامت) کے دن ان کا نام نہ لیں گے (اور کھانا پینا خاک بھی نہ دیں گے) جیسا انھوں نے اس (عظیم الشان) دن کا نام تک نہ لیا اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

فائدہ: درمنثور میں اس مقام میں اور سورۂ حدید کی آیت ﴿ فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُوْرٍ ﴾ الخ میں بہت سی مرفوع اور موقوف روایتیں بیان ہوئی ہیں جن سے ان امور کا پتہ چلتا ہے کہ اعراف اور سور ایک ہی چیز ہیں۔ اہل اعراف وہ ہیں جن کے حسنات اور سیئات برابر ہیں، اہل اعراف بعد میں جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور دلالت النص سے ان کا جنت میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب گناہ گار اہل جہنم سیئات کے غلبہ کے باوجود دوزخ سے نکل آئیں گے تو اہل اعراف بدرجۂ اولی نکلیں گے جیسا کہ ترجمہ کی تقریر کے دوران رجالا کی تخصیص کے فائدہ میں گناہ گاروں کا اس وقت تک جہنم میں رہنا بھی دلالت النص سے ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ جو آپس میں گفتگو ہوگی، اس میں دو احتمال ہیں یا تو اتفاق سے جس کو جہاں جیسا موقع ملا بعض کی بعض سے گفتگو ہو یا خاص جان پہچان والوں سے ہو۔ واللہ اعلم

﴿ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾ ع ۱۴

ترجمہ: اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح کر کے

بیان کردیا ہے، ذریعۂ ہدایت ورحمت ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آتے ہیں۔ ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس کے اخیر نتیجہ کا انتظار ہے۔ جس روز اس کا اخیر نتیجہ پیش آوے گا اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے، یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی سچی باتیں لائے تھے، سو اب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کردے یا کیا ہم پھر واپس بھیجے جاسکتے ہیں، تاکہ ہم لوگ ان اعمال کے جن کو ہم کیا کرتے تھے، برخلاف دوسرے اعمال کریں، بے شک ان لوگوں نے اپنے کو خسارہ میں ڈال دیا، اور یہ جو جو باتیں تراشتے تھے سب گم ہوگئیں۔

ربط: اوپر جزاء وسزا کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اب یہ فرماتے ہیں کہ اس کھلے بیان کا اور قرآن کے دوسرے مضامین کا بھی تقاضا ہے کہ کفر اور مخالفت سے باز آجائیں، چنانچہ اہل ایمان اس سعادت سے مشرف ہوتے بھی ہیں، لیکن کفر اور عناد رکھنے والوں کی بدبختی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ یہ سزا ملنے سے پہلے نہ مانیں گے جبکہ اب ان کا ماننا کچھ کام نہ آئے گا۔

قرآن کا ہدایت ہونا اور سرکش لوگوں کا اس سے منتفع نہ ہونا:

اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب (یعنی قرآن) پہنچادی ہے، جس کو ہم نے اپنے کامل علم سے بہت ہی واضح واضح کرکے بیان کردیا ہے (اور یہ بیان سب کو سنانے کے لئے کیا ہے، لیکن) ہدایت اور رحمت کا ذریعہ (انہی) لوگوں کے لئے (ہوا) ہے جو (اس کو سن کر) ایمان لے آتے ہیں (اور جو حجت پوری ہونے کے باوجود ایمان نہیں لاتے، ان کی حالت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ) ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں، صرف اس (قرآن) کے (بتائے ہوئے) آخری نتیجہ (یعنی سزا کے وعدہ) کا انتظار ہے (یعنی دلیل سے ثابت وعید سے نہیں ڈرتے تو گویا خود اس سزا کا وقوع چاہتے ہوں گے جس کی وعید سنائی گئی ہے تو) جس روز اس کا (بتایا ہوا) آخری نتیجہ پیش آئے گا (جس کی تفصیل دوزخ کی سزا عذاب وغیرہ اوپر بیان ہوئی) اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے (پریشان ومجبور ہوکر) یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر (دنیا میں) سچی سچی باتیں لائے تھے (مگر ہم سے حماقت ہوئی) تو اب کیا کوئی ہمارا سفارشی ہے کہ وہ ہماری سفارش کردے؟ یا کیا ہم پھر (دنیا میں) واپس بھیجے جاسکتے ہیں، تاکہ ہم لوگ (پھر دنیا میں) جاکر ان (برے) اعمال کے برخلاف جن کو ہم کیا کرتے تھے، دوسرے (نیک) اعمال کریں (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب نجات کی کوئی صورت نہیں) بیشک ان لوگوں نے خود کو (کفر کے) خسارہ میں ڈال دیا اور یہ جو باتیں گڑھتے تھے (اس وقت) سب گم ہوگئیں (اب سوائے سزا کے کچھ نہ ہوگا)

﴿ إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝

وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًاۢ بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۸﴾

ع ۱۴

ترجمہ: بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب اور آسمانوں زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے۔ اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو! اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا۔ بڑی خوبیوں کے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں۔ تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی، واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو حد سے نکل جاویں، اور دنیا میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کر دی گئی ہے فساد مت پھیلاؤ اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو، خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے، بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔ اور وہ ایسا ہے کہ اپنے بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ خوش کر دیتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک سرزمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، یوں ہی ہم مردوں کو نکال کھڑا کریں گے، تاکہ تم سمجھو اور جو سرزمین ستھری ہوتی ہے اس کی پیداوار تو خدا کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار بہت کم نکلتی ہے۔ اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے رہتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو قدر کرتے ہیں۔

ربط: اوپر معاد یعنی آخرت کی تفصیل تھی، چونکہ مشرک دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن سمجھتے تھے، اس لئے اب اپنی قدرت اور کامل تصرف کو بیان فرماتے ہیں، جس کو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے ذکر سے شروع فرمایا اور بارش کے ذکر پر جس کا اثر مردہ زمین کا زندہ ہونا ہے، ختم فرمایا ہے، چنانچہ ﴿ كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی ﴾ کی تصریح سے اس کے مقصود ہونے کی تائید ہوتی ہے، اور ﴿ ضَلَّ عَنۡهُمۡ ﴾ میں ان کے بنائے ہوئے شریکوں کے کام نہ آنے کا ذکر تھا، اور اس سے شرک باطل قرار پاتا تھا، اس مناسبت سے آگے توحید کا بیان ہے، اور اوپر قرآن سے اس کے عام خطاب ہونے کے باوجود صرف مؤمنوں کے فائدہ اٹھانے کا ذکر تھا، آیت ﴿ وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ ﴾ میں اس کی مثال ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ:

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ❁ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یعنی بارش کی طبیعت کی لطافت میں تو کوئی فرق نہیں ہوتا، پھر بھی باغ میں لالہ اُگتا ہے اور کھاری زمین میں بے کار گھاس پھونس۔ چنانچہ درمنثور میں بہت سے بزرگوں سے اس کی اسی طرح تفسیر کرنا نقل کیا ہے۔

توحید وقدرت کا اثبات اور دوبارہ زندہ ہونے کی اور قرآن سے فائدہ اٹھانے کی مثالیں:

بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ دن (کے برابر وقت) میں پیدا کیا، پھر عرش پر (جو سلطنت کے تخت کے مشابہ ہے، اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو کہ اس کی شان کے لائق ہے، جس سے سننے والے کے دل ودماغ میں عرف عام کے اعتبار سے لازم دو شانیں بیٹھ جاتی ہیں، ایک رفعت وبلندی، دوسرے شاہی احکام کا صادر ہونا، کیونکہ عام طور سے شاہی تخت پر جلوہ افروز ہونے کے لئے یہ دو امر لازم ہیں، چنانچہ دوسری شان کا آگے بھی ذکر ہے کہ) دن (کی روشنی) کو رات (کی تاریکی سے اس طرح چھپا دیتا ہے یعنی رات کی تاریکی سے دن کی روشنی پوشیدہ اور زائل ہو جاتی ہے) کہ وہ رات، اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے (یعنی دن آناً فاناً گذرتا معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ ایک ہی دفعہ میں رات آجاتی ہے) اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا۔ ایسے طور پر کہ سب (انوار وآثار اور اپنی رفتار میں) اس کے (تکوینی) حکم کے تابع ہیں (کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان میں تصرف کرنا چاہیں کرتے ہیں) یاد رکھو، اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا (جیسا کہ خَلَقَ سے معلوم ہوا) اور حاکم ہونا (جیسا کہ بامرہ سے معلوم ہوا) بڑی خوبیوں والے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں (انہی خوبیوں میں سے خالق اور حاکم ہونا ہے اور جب پروردگار میں ایسی خوبیاں ہیں تو) تم لوگ (ہر حالت اور ہر حاجت میں اپنے رب سے دعا کیا کرو عاجزی اور انکساری ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی (البتہ یہ بات) واقعی (ہے کہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو (دعا میں ادب کی) حد سے نکل جائیں (مثلاً عقلی یا شرعی طور پر محال یا عادت کے طور پر محال یا گناہوں یا بے کار چیزوں کے لئے دعائیں مانگنے لگیں، مثلاً خدائی یا نبوت یا فرشتوں پر حکومت یا جن عورتوں سے نکاح نہیں ہوا ان سے فائدہ اٹھانے یا جنت الفردوس کے داہنی طرف کا سفید محل جیسی چیزوں کی دعائیں مانگنے لگیں، یہ سب ادب کے خلاف ہے، ہاں جنت یا جنت الفردوس کی دعا مانگنا مطلوب ہے، لیکن اس میں یہ فضول قیدیں لگانا منع ہے) اور دنیا میں (تعلیم توحید، انبیاء کے مبعوث ہونے اور شرعی احکام کے ایجاب سے اس کی درستی کر دیئے جانے کے بعد فساد مت پھیلاؤ (یعنی امور حق توحید وغیرہ کے ماننے اور ان پر چلنے سے جن کی تعلیم اوپر آئی ہے دنیا میں امن قائم ہوتا ہے، تم مذکورہ تعلیم کو چھوڑ کر نقض امن مت کرو) اور (جیسا کہ اوپر تمہیں خاص دعا کرنے کا حکم ہوا ہے، اسی طرح باقی دوسری عبادتیں کرنے کا حکم کیا جاتا ہے کہ) تم اللہ تعالیٰ کی عبادت (جس طرح تمہیں بتا دی ہے) کیا کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے (یعنی عبادت کر کے نہ تو ناز ہو اور نہ ہی مایوسی ہو۔

آگے عبادت کی ترغیب ہے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت، نیک کام کرنے والوں سے قریب ہے۔ اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اپنی رحمت کی بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ (بارش کی امید دلا کر دل کو) خوش کر دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں (جس سے مذکورہ بالا تصرفات کی طرح ہماری توحید بھی ثابت ہوتی ہے اور بعثت پر قدرت بھی ثابت ہوتی ہے، چنانچہ) اسی طرح (قیامت کے دن) ہم مردوں کو (زمین سے) نکال کھڑا کریں گے (یہ سب اس لئے سنایا) تا کہ تم سمجھو (کہ جو ان مذکورہ امور پر قادر ہے، وہ بعثت یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے) اور (یوں تو ہمارا کلام ہدایت کے لئے اپنے آپ میں کافی ہے، جس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو سن کر سب توحید، رسالت اور بعث وغیرہ امور حق کے قائل ہو جاتے، لیکن قابل و نا قابل کے فرق سے کوئی فائدہ اٹھاتا ہے کوئی نہیں، اس کی مثال اسی مذکورہ بارش ہی کے آثار میں غور کر کے سمجھ لو کہ) جو زمینیں صاف ستھری ہوتی ہے اس کی پیداوار تو اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار (اگر نکلی بھی تو) بہت کم نکلتی ہے (اور جس طرح ہم نے یہاں قطعی دلائل بیان کئے ہیں) اسی طرح ہم (ہمیشہ) دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے رہتے ہیں (مگر وہ سب ان (ہی) لوگوں کے لئے (نفع بخش ہوتے ہیں) جو (ان کی) قدر کرتے ہیں (اور ان کو اپنی فلاح کی چیز سمجھ کر ان میں غور کرتے اور ان پر عمل کرتے ہیں)

فائدہ: ان آیتوں کا خلاصہ جیسا کہ تمہید میں بھی اشارہ کیا گیا یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کے یہ ذاتی وصفاتی کمالات ثابت ہوئے تو عبادت اور حاجت کے طلب کرنے میں ان کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور ان کی قدرت کو اور نمونہ کو پیش نظر رکھ کر بعثت کا انکار مت کرو، اور ہم نے بیان کافی کر دیا، اگر کوئی نہ مانے تو کھاری زمین کی طرح اس کی نا قابلیت ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ ہوا بادل کو اٹھا لیتی ہے، اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ بادل کے اجزا کو ہوا آپس میں ملا دیتی ہے، دوسرے یہ کہ ہوا کی وجہ سے وہ اجزا اوپر معلق رہتے ہیں، ورنہ مرکز زمین کی طرف مائل ہو جاتے۔ تیسرے یہ کہ ہوا کی وجہ سے بادل ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتا ہے، جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ بارش سے پہلے ہوا آتی ہے، یہ غالب کے اعتبار سے ہے، چنانچہ ایک کا دوسرے کے بغیر ہونا اشکال کا موقع نہیں، جیسا کہ کبیر میں ہے۔

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝ ع

ترجمہ: ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، سو انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، ان کی قوم کے آبرو دار لوگوں نے کہا ہم تم کو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں، لیکن میں پروردگار عالم کا رسول ہوں، تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں خدا کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں، اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری جنس کا ہے، کوئی نصیحت کی بات آگئی اور تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جاوے، سو وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کردیا، بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے۔

ربط: سورت کے شروع سے یہاں تک نبوت اور معاد اور توحید کا اثبات اور اتباع کی ترغیب اور ان کی مخالفت پر ترہیب اور ابلیس کے گمراہ کرنے کا بیان تھا، جیسا کہ عنوانات سے ظاہر ہے، اب انہی مضامین کی مناسبت سے چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے قصوں کا بیان ہوتا ہے۔ نبوت سے تو مناسبت ظاہر ہے کہ جب دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی ہو چکے ہیں، تو پھر آپ کی نبوت پر کیا تعجب ہوتا ہے اور توحید سے مناسبت اس طرح ہے کہ یہ سب حضرات انبیاء، توحید کی تعلیم فرماتے رہے۔ اور ترہیب سے یہ مناسبت ہے کہ ان قصوں میں مختلف عذابوں کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔ ان کو سن کر مخاطب لوگوں کو بھی ڈر اور خوف پیدا ہو۔ اور اس سے ترغیب کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ مخالفت نہ کرتے تو ان مصائب سے محفوظ رہتے، اور اسی سے معاد کا مقصود حاصل ہو گیا کہ جیسے پہلی امتوں کو چندے مہلت ہونا عذاب کے مستحق نہ ہونے کی دلیل نہ تھی، اسی طرح اگر تمہیں زیادہ مہلت بھی ہو تب بھی اس سے تمہیں خود کو آخرت کے عذاب سے محفوظ و مامون نہ سمجھنا چاہئے، اور قصوں کے بعض الفاظ سے ان حضرات کا اپنی امتوں کو آخرت کے عذاب اور معاد سے ڈرانا معلوم ہوتا ہے، اور ابلیس کے گمراہ کرنے کا مشترک ہونا اگلے پچھلے تمام کفار میں ظاہر ہے، اور ان تمام فوائد کے ساتھ ان قصوں میں آپ کے لئے بھی یہ تسلی ہے کہ پہلے سے بھی تکذیب اور مخالفت ہوتی چلی آئی ہے۔ تو سورت کے شروع میں جو ﴿فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ﴾ آیا ہے، اس کی بھی تقویت ہو گئی اور صحیح طور پر رسالت کے مدعی کے لئے خود اپنے زمانہ سے غائب قصوں کی بغیر کسی مستقل نقل کے خبر دینا نبوت کا معجزہ اور دلیل ہے، لہٰذا نبوت کے مسئلہ کے مضمون سے ربط اس وجہ سے اور زیادہ ہو گیا۔

پہلا قصہ: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا:

ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا، تو انھوں نے (اس قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم! تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اور بتوں کی پرستش کرنا چھوڑ دو، جن کے نام سورۂ نوح میں ﴿ وَدًّا ، سُوَاعًا ، یَغُوْثَ ، یَعُوْقَ اور نَسْرًا ﴾ آئے ہیں) مجھے تمہارے لئے (میرا کہنا نہ ماننے کی صورت میں) ایک بڑے (سخت) دن کے عذاب کا اندیشہ ہے (کہ وہ قیامت کا یا طوفان کا دن ہے) ان کی قوم کے معزز لوگوں نے کہا کہ ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں (کہ توحید کی تعلیم کر رہے ہو اور عذاب کے نام سے ڈرا رہے ہو) انھوں نے (جواب میں) فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں، لیکن (چونکہ) میں پروردگار عالم کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں (انھوں نے مجھے توحید پہنچانے کا حکم کیا ہے، اس لئے اپنا منصبی کام کرتا ہوں، کہ) تمہیں اپنے رب کے پیغام اور (احکام) پہنچاتا ہوں اور (اس پہنچانے میں میری کوئی دنیاوی غرض نہیں، بلکہ محض) تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں (کیونکہ توحید کو قبول کرنے میں تمہارا ہی نفع ہے) اور (عظیم دن کے عذاب سے جو تمہیں تعجب ہوتا ہے تو یہ تمہاری غلطی ہے، کیونکہ) میں اللہ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں، جن کی تمہیں خبر نہیں (تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ ایمان نہ لانے سے عظیم دن عذاب کا واقع ہوگا) اور (تمہیں جو میرے رسول ہونے پر، میرے انسان ہونے کی وجہ سے انکار ہے، جیسا کہ سورۂ مؤمنون آیت ۲۳ ﴿ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ﴾ الخ تو) کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا (بشر، انسان) ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی (وہ نصیحت کی بات یہی ہے کہ جس ذکر ہوا، ﴿ اعْبُدُوا اللّٰهَ ﴾ سے ﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ ﴾ تک) تا کہ وہ شخص تمہیں (اللہ کے حکم سے عذاب سے ڈرائے) اور تا کہ تم (اس کے ڈرانے سے) ڈر جاؤ۔ اور تا کہ تم (ڈرنے کی وجہ سے مخالفت چھوڑ دو، جس سے) تم پر رحم کیا جائے، تو (اس تمام تر فہمائش کے باوجود) وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے، تو ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے (طوفان کے عذاب سے) بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے (طوفان میں) غرق کر دیا۔ بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے (حق و باطل، نفع اور نقصان کچھ بھی نہ سوجھتا تھا)

فائدہ: کشتی کا قصہ سورۂ ہود میں آئے گا، اور طوفان میں کشتی والوں کے سوا سب کا غرق ہو جانا سورۂ نوح میں آئے گا، اور اس پر جو بظاہر بعثت کے عموم کا اشکال لازم آتا ہے اس کا جواب سورۂ آل عمران آیت ۵۲ ﴿ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ ﴾ الخ کے تحت گذر چکا ہے۔ اور ایک قصہ کے قرآن میں مختلف الفاظ سے بیان ہونے کی تحقیق و توجیہ اسی سورت کی آیت ۱۴ ﴿ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ ﴾ الخ کے تحت گذر چکی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انبیاء سے سارے اقوال صادر

ہوئے ہوں اور قوم میں سے کسی نے کچھ کہا ہو اور کسی نے کچھ سنا مختلف مجلسوں میں گفتگو ہوئی ہو۔

﴿ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ۝ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾

ع ۹ / ۱۶

ترجمہ: اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا، انھوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، سو کیا تم نہیں ڈرتے۔ ان کی قوم میں جو آبرو دار لوگ کافر تھے، انھوں نے کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں دیکھتے ہیں، اور ہم بے شک تم کو جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں، لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔ اور کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈراوے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ زیادہ دیا، سو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو، تاکہ تم کو فلاح ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہو نگے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کیا کریں، اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ہم ان کو چھوڑ دیں؟ اور ہم کو جس عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو اس کو ہمارے پاس منگوادو اگر سچے ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ بس اب تم پر خدا کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے، کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے باب میں جھگڑتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھیرا لیا ہے؟ ان کے معبود ہونے کی خدا تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں بھیجی، سو تم منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ غرض ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے

بچا لیا، اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

دوسرا قصہ: حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا:

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے (برادری یا وطن کے) بھائی (حضرت) ہود (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔ انھوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا: اے میری قوم! تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اور بت پرستی چھوڑ دو، جیسا آگے ﴿وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے) تو کیا تم (ایسے بڑے عظیم جرم یعنی شرک کے مرتکب ہو کر اللہ کے عذاب سے) نہیں ڈرتے؟ ان کی قوم میں جو آبرودار لوگ تھے انھوں نے (جواب میں) کہا کہ ہم تمہیں کم عقلی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں (کہ توحید کی تعلیم کر رہے ہو اور عذاب سے ڈرا رہے ہو) اور ہم بے شک تمہیں جھوٹے لوگوں میں سمجھتے ہیں (یعنی نعوذ باللہ نہ توحید صحیح مسئلہ ہے اور نہ عذاب کا آنا صحیح ہے) انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! میں ذرا بھی کم عقل نہیں، لیکن (چونکہ) میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں (انھوں نے مجھے توحید کی تعلیم اور عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے، اس لئے اپنا منصبی کام کرتا ہوں، کہ) تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام (اور احکام) پہنچاتا ہوں اور میں (اس بارے میں) تمہارا سچا خیر خواہ ہوں (کیونکہ توحید اور ایمان میں تمہارا ہی نفع ہے) اور (تم جو میرے بشر ہونے کی وجہ سے میری نبوت کا انکار کرتے ہو، جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں قوم نوح و عاد و ثمود کے ذکر کے بعد ہے: ﴿قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ اور سورۂ فصلت (حم السجدۃ) میں عاد و ثمود کے ذکر کے بعد ہے: ﴿قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾ (آیت ۱۴ تو) کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا (بشر، انسان) ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی (وہ نصیحت کی بات وہی ہے جس کا ذکر ہوا (﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ سے ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ تک) تاکہ وہ شخص تمہیں (اللہ کے عذاب سے) ڈرائے (یعنی یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، کیا بشر ہونے اور نبوت میں ایک دوسرے کی نفی ہے؟

اوپر ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ میں ترہیب تھی، آگے ترغیب ہے) اور (اے قوم!) تم یہ حالت یاد کرو (اور یاد کر کے احسان مانو اور اطاعت کرو) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد (زمین پر آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تمہیں پھیلاؤ (بھی) زیادہ دیا تو اللہ تعالیٰ کی (ان) نعمتوں کو یاد کرو (اور یاد کر کے احسان مانو اور اطاعت کرو) تاکہ تمہیں (ہر طرح کی) فلاح ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا (خوب!) آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہوں گے کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کریں؟ اور جن (بتوں) کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ہم ان (کی عبادت) کو چھوڑ دیں (یعنی ہم ایسا نہ کریں گے) اور ہم کو (اپنی بات نہ ماننے پر تم) جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو (جیسا ﴿اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ سے بھی معلوم ہوتا ہے) اس (عذاب) کو

ہمارے پاس منگا دو، اگر تم سچے ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ (جب تمہاری سرکشی کی یہ حالت ہے تو) بس اب تم پر اللہ کی طرف سے عذاب اور غضب آنے ہی والا ہے (لہٰذا عذاب کے شبہ کا جواب تو اس وقت معلوم ہو جائے گا اور توحید پر جو شبہ ہے کہ ان بتوں کو معبود کہتے ہو، جن کو تم معبود تو کہتے ہو، لیکن واقع میں ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل ہی نہیں تو) کیا تم مجھ سے ایسے (بے حقیقت) ناموں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو؟ (یعنی ان چیزوں کے یہ صرف تمہارے رکھے ہوئے نام ہیں) جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (آپ ہی) گھڑ لیا ہے (لیکن) ان کے معبود ہونے کی اللہ تعالیٰ نے کوئی (نقلی یا عقلی) دلیل نہیں بھیجی (یعنی بحث میں مدعی کے ذمہ دلیل ہوتی ہے اور مخالف کی دلیل کا جواب بھی۔ اور تم نہ دلیل قائم کر سکتے ہو نہ ہی میری دلیل کا جواب دے سکتے ہو، پھر بحث کا کیا مطلب؟) تو (اب) تم (بحث ختم کرو اور اللہ کے عذاب کے منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ غرض (عذاب آیا اور) ہم نے انہیں اور ان کے ساتھیوں (یعنی مؤمنوں) کو اپنی رحمت (و کرم) سے (اس عذاب سے) بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ (تک) کاٹ دی (یعنی بالکل ہلاک کر دیا) جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ (انتہائی سنگ دلی کی وجہ سے) ایمان لانے والے نہ تھے (یعنی اگر یہ لوگ ہلاک بھی نہ ہوتے تب بھی ایمان نہ لاتے، اس لئے ہم نے اس وقت کی حکمت کے تقاضہ کے مطابق ان کا خاتمہ ہی کر دیا)

فائدہ: اہل نسب کے نزدیک مشہور یہی صحیح ہے کہ ہود علیہ السلام قوم عاد کے نسبی بھائی اور قوم عاد سے ہیں، اور بعض دوسرے اہل علم انہیں دوسری قوم کا بتاتے ہیں، اور ﴿ أَخَاهُمْ ﴾ (ان کے بھائی) کے معنی صاحبہم (کے ساتھ والے) لیتے ہیں، واللہ اعلم۔

اور اصل میں عاد ایک خاص شخص کا نام ہے، پھر اس کی اولاد کو بھی عاد کہنے لگے اور یہ لوگ بڑے قد آور قوی الجثہ یعنی لمبے تڑنگے اور بھاری بھر کم ہوتے تھے، ﴿ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ﴾ کے یہی معنی ہیں۔

اور ﴿ قَطَعْنَا دَابِرَ ﴾ الخ کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ ان کی نسل بالکل ہی ختم ہو گئی اور بعض نے کہا ہے کہ کفار بالکل ہلاک ہو گئے، اور مؤمن باقی رہ گئے اور ممکن ہے کہ کفار کی چھوٹی چھوٹی اولاد بھی باقی رہ گئی ہوں، جن سے ان کی نسل آگے بڑھی، ان کو عاد اخری کہتے ہیں۔ اور پہلے والوں کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے، اور بعض مفسرین نے عرائس ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ ان عاد میں سے بعض لوگ جو اس وقت مکہ کے آس پاس گئے ہوئے تھے وہ بچ گئے تھے، ان کو عاد اخری کہتے ہیں، اور پہلے قول والوں نے کہا ہے کہ اولیٰ انہیں اس لئے کہتے ہیں کہ قوم نوح کے بعد جتنی قومیں ہلاک ہوئیں ان میں یہ اول تھے۔ اور لفظ ارم جو سورۃ الفجر میں عاد کے ساتھ بدل کے طور پر آیا ہے اس کے بارے میں بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ارم عاد کے بزرگوں میں سے ہے، اس قبیلہ کے دونوں لقب ہیں، بعض نے کہا ہے کہ ارم عاد کی ایک شاخ ہے، لہٰذا یہ بدل البعض ہو جائے گا۔ در منثور میں سورۃ النجم کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے۔ اور مشہور تر یہ ہے کہ ارم کے ایک بیٹے عوص کا بیٹا

عاداولیٰ ہے، اور ارم کے دوسرے بیٹے جثو کا بیٹا ثمود، عاد ثانی ہے۔ ایک کی اولاد عاد اولیٰ کہلاتی ہے اور دوسرے کی اولاد عادِ اخریٰ، اور اس کی کچھ تحقیق سورۃ النجم اور سورۃ الفجر میں آئے گی۔

اور اس قوم عاد کا عذاب تیز آندھی تھی جیسا کہ قرآن میں کئی جگہ ذکر ہے۔ اور سورۃ فصلت میں جو صاعقہ یعنی آسمانی بجلی آیا ہے، اس سے مطلق عذاب مراد ہے، اور سورہ مؤمنون میں نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد ﴿ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴾ آیا ہے، اس کی تفسیر جن علماء نے قوم عاد سے کی ہے، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ ان پر صیحہ یعنی سخت کڑک دار آواز کا عذاب بھی آیا اور تیز آندھی کا بھی۔ واللہ اعلم۔

اور دوسری آیت میں اس کا ٹھکانا احقاف آیا ہے جو محمد بن اسحاق کے مطابق عمان اور حضر موت کے درمیان ایک ریگستان ہے۔

﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا، انھوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے۔ یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے، سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے، اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا، کبھی تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔ اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عاد کے بعد آباد کیا، اور تم کو زمین پر رہنے کا ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بناتے ہو، سو خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انھوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان

لے آئے تھے پوچھا کہ کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں، انھوں نے کہا کہ بیشک ہم تو اس پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے۔ وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس چیز پر یقین لائے ہوئے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ غرض اس اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح! جس کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوایئے اگر آپ پیغمبر ہیں۔ پس آ پکڑا ان کو زلزلہ نے سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ اس وقت صالح ان سے منہ موڑ کر چلے گئے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا، اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی، لیکن تم لوگ خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

تیسرا قصہ: حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا:

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا، انھوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا: اے میری قوم! تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں (انھوں نے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی کہ اس پتھر میں سے ایک اونٹنی پیدا ہو تو ہم ایمان لائیں۔ چنانچہ آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا کہ وہ پتھر پھٹا اور اس کے اندر سے ایک بڑی اونٹنی نکلی۔ اس کو محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل (بھی میرے رسول ہونے کی) آچکی ہے (آگے اس کا بیان ہے) یہ اللہ کی اونٹنی ہے، جو تمہارے لئے دلیل (بنا کر ظاہر کی گئی) ہے (اور اس لئے اللہ کی اونٹنی کہلائی کہ اللہ کی دلیل ہے) تو (اس کے علاوہ کہ یہ میری رسالت پر دلیل ہے، خود اس کے بھی کچھ حقوق ہیں، ان حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ) اس کو چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین میں (گھاس پھوس) کھاتی پھرے (اسی طرح اپنی باری کے دن پانی پیتی رہے، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے، اور اس کو برائی (اور تکلیف دینے کے ارادہ) کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا، کبھی تمہیں دردناک عذاب آ پکڑے۔ اور (اے قوم!) تم یہ حالت یاد کرو (اور یاد کر کے احسان مانو اور اطاعت کرو) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں (قوم) عاد کے بعد (زمین پر) آباد کیا، اور تمہیں زمین پر رہنے کے لئے ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر (بھی بڑے بڑے) محل بناتے ہو۔ اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں (بھی) گھر بناتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی (ان) نعمتوں کو (اور دوسری نعمتوں کو بھی) یاد کرو (اور کفر و شرک کر کے) زمین میں فساد مت پھیلاؤ (یعنی ایمان لے آؤ، مگر اس فہمائش کے باوجود کچھ غریب لوگ ایمان لائے اور ان غریبوں میں اور ان کے رئیسوں میں یہ گفتگو ہوئی) ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے، انھوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے، پوچھا کہ کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے (پیغمبر بنا کر) بھیجے ہوئے (آئے) ہیں؟ انھوں نے (جواب میں) کہا کہ بیشک ہم تو اس (حکم) پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے، وہ متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس چیز پر یقین لائے ہوئے ہو ہم اس کے

منکر ہیں۔ غرض (وہ نہ صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور نہ اونٹنی کے حقوق ادا کئے، بلکہ) اس اونٹنی کو (بھی) مار ڈالا اور اپنے پروردگار کے حکم (ماننے) سے (بھی) سرکشی کی (وہ حکم، توحید اور رسالت پر عقیدہ کا تھا) اور (اس پر یہ بیباکی کی کہ) کہنے لگے کہ اے صالح! جس (عذاب) کی آپ ہمیں دھمکی دیتے تھے (جیسا کہ ﴿ لَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ اور سورۃ الشعراء کی آیت ۱۴۲ ﴿ لَا تَتَّقُونَ ﴾ سے اونٹنی کو چھیڑنے اور کفر پر وعدہ کیا گیا ہے) اس کو منگا ئیے اگر آپ پیغمبر ہیں (کیونکہ پیغمبر کا سچا ہونا لازم ہے) لہٰذا ان کو زلزلے نے آ پکڑا تو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے، اس وقت صالح (علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے اور (حسرت کے ساتھ دل میں یہ باتیں) کہنے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا (جس پر عمل کرنا فلاح کا باعث تھا) اور میں نے تمہاری (بہت) خیر خواہی کی (کہ کس کس طرح شفقت کے ساتھ سمجھایا) لیکن (افسوس تو یہ ہے کہ) تم لوگ اپنی خیر خواہی کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے (اس لئے ایک نہ سنی اور آخر یہ برا دن دیکھا)

فائدہ: دوسری آیت میں ﴿ صَيْحَةً ﴾ یعنی سخت کڑک دار آواز یا فرشتہ کے نعرہ سے ہلاک ہونا آیا ہے، بعض نے کہا ہے کہ اوپر سے صیحہ اور نیچے سے زلزلہ آیا تھا، اور بعض نے کہا ہے کہ رجفۃ سے دل کی حرکت مراد ہے، جو صیحہ کے خوف سے پیدا ہوئی تھی۔

اور جس شخص نے اونٹنی کو قتل کیا تھا اس کا نام قدار آیا ہے، اور آیت میں سب کی طرف اس لئے نسبت کی کہ اس فعل سے سب راضی تھے، اور اہل سیر نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ اونٹنی بہت بڑی تھی، اس لئے جس جنگل میں وہ چرتی تھی دوسرے مویشی اس سے ڈر کر بھاگ جاتے تھے، اور جس کنویں سے پانی پینے کی اس کی باری مقرر ہوئی تھی، وہ اپنی باری میں کنوئیں میں گردن ڈال کر تمام پانی پی جاتی تھی، اس دن دوسرے مویشیوں کو وہاں پانی نہ ملتا تھا، اس وجہ سے وہ تنگ دل ہوئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔

اور ﴿ تَأْكُلْ فِيٓ أَرْضِ اللّٰهِ ﴾ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ چاہے کسی کا بھی کھیت چرتی پھرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ مباح گھاس چرنے میں اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔

اور دوسری آیت میں ان کے رہنے کا مقام حجر آیا ہے جو کہ حجاز اور شام کے درمیان ایک مقام تھا اور آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صالح علیہ السلام یہاں سے قوم کے ہلاک ہونے کے بعد تشریف لے گئے اور یہ دل میں خیال حسرت کے اظہار کے لئے تھا، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ان کی ہلاکت کے آثار دیکھ کر زندہ لوگوں سے یہ خطاب کر کے چلے گئے، اس صورت میں آیت میں تقدیم و تاخیر ہوگی، پھر بعض نے شام کی طرف جانا اور بعض نے مکہ کی طرف جانا نقل کیا ہے۔

واللہ اعلم

﴿ وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖؗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے لوطؑ کو بھیجا جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسے فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا، تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم حد ہی سے گزر گئے ہو۔ اور ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا بجز اس کے کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو، یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں۔ سو ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو بچالیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی جو عذاب میں رہ گئے تھے۔ اور ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا، سو دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

چوتھا قصہ: حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا:

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو (چند بستیوں کی طرف پیغمبر بنا کر) بھیجا، جبکہ انھوں نے اپنی قوم (یعنی اپنی امت) سے فرمایا کہ تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا جہاں والوں میں سے کسی نے نہیں کیا (یعنی) تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو (اور اس کام کے ارتکاب میں ایسا نہیں کہ تمہیں کوئی دھوکہ ہوگیا ہو) بلکہ (اس بارے میں تم (انسانیت کی) حد ہی سے گذر گئے ہو اور (ان مضامین کا) ان کی قوم سے کوئی (معقول) جواب نہ بن پڑا، سوائے اس کے کہ (آخر میں بے ہودگی کی راہ سے) آپس میں کہنے لگے کہ تم ان لوگوں کو (یعنی لوط علیہ السلام کو اور ان کے ساتھ مؤمنوں کو اپنی اس بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں (اور ہمیں گندا بتاتے ہیں، پھر گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ یہ بات انھوں نے تمسخر کے طور پر کہی تھی) تو (جب یہاں تک نوبت پہنچ گئی تو) ہم نے (اس قوم پر عذاب نازل کیا اور لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے متعلقین کو (یعنی ان کے گھر والوں کو اور دوسرے ایمان والوں کو بھی اس عذاب سے) بچالیا (اس طرح کہ وہاں سے نکل جانے کا پہلے ہی حکم ہوگیا) سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ (ایمان نہ لانے کی وجہ سے) انہی لوگوں میں رہی، جو عذاب میں رہ گئے تھے۔ اور (وہ عذاب جو ان پر نازل ہوا یہ تھا کہ) ہم نے ان پر ایک نئی قسم کا مینہ برسایا (کہ وہ پتھروں کا مینہ تھا) تو (اے دیکھنے والے!) دیکھ تو سہی اِن مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟ (اگر غور سے دیکھے گا تو تعجب کرے گا اور سمجھے گا کہ نافرمانی کا کیا انجام ہوتا ہے)

فائدہ: پتھروں کے مینہ کی وضاحت دوسری آیتوں میں آئی ہے اور دوسری آیتوں میں ان بستیوں کے الٹ دینے کا بھی ذکر ہے، جس کا بیان اُن آیتوں کی تفسیر کے ساتھ ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور اہل سیر نے کہا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں، بابل سے انہی کے ساتھ ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں مقیم ہوئے اور لوط علیہ السلام کو سدوم میں رہنے کا، اور اس شہر اور اس کے آس پاس کے شہر والوں کی ہدایت کا حکم ہوا، کبھی ابراہیم علیہ السلام بھی جا کر نصیحت فرماتے تھے، وہ لوگ لواطت یا ہم جنسی کے عادی تھے، جس کا ارتکاب عمرو بن دینار کے قول کے مطابق ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا، اس کا ذکر روح المعانی میں بیہقی کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔

اور ﴿ بَلْ اَنْتُمْ ﴾ کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ بعض گناہوں میں باپ دادا وغیرہ کی تقلید سے دھوکا ہو جاتا ہے، اس عمل میں تو یہ بات بھی نہیں، اور بعض آیتوں میں جو ﴿ تَجْهَلُوْنَ ﴾ آیا ہے، اس سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ انہیں اس کی قباحت معلوم نہیں تھی، کیونکہ وہاں جہل سے یہ مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ کیا تمہیں اس کا برا انجام یعنی عذاب معلوم نہیں ہے؟

اور یہ بیوی کافر تھی جب لوط علیہ السلام کو عذاب سے پہلے بستی سے نکل جانے کا حکم ہوا تو بعض نے تو کہا ہے کہ یہ بیوی ساتھ نہیں گئی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ساتھ چلی تھی مگر پھر لوٹنے لگی، تب ہلاک کر دی گئی۔

اور لوط علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ کر رہنے لگے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ عورتوں پر عذاب کیوں نازل ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عذاب کا ایک سبب کفر بھی تھا، اور وہ مردوں و عورتوں سب میں مشترک تھا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ان کی عورتیں بھی آپس میں ہم جنسی میں مبتلا تھیں۔ درمنثور میں حذیفہ اور محمد بن علی سے روایت کی ہے۔ اس صورت میں شبہ بھی ختم ہو گیا، اور اگر شبہ کیا جائے کہ اگر کچھ مرد اور عورتیں اس خبیث فعل کا ارتکاب نہ کرتے ہوں تو ان کے عذاب میں اس کو کیا دخل ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نکیر نہ کرنا اور معاونت بھی اصل فعل ہی کی طرح ہوتا ہے۔

﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ

بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿ۚۖ۹۱﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا، انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے تو تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو، اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو، اور روئے زمین میں بعد اس کے کہ اس کی درستی کردی گئی، فساد مت پھیلاؤ۔ یہ تمہارے لئے نافع ہے اگر تم تصدیق کرو۔ اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو، اور اس میں کجی کی تلاش میں لگے رہو، اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم کم تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو زیادہ کردیا اور دیکھو کیا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا۔ اور اگر تم میں سے بعضے اس حکم پر جس کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے، ایمان لائے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے تو ذرا ٹھیر جاؤ یہاں تک کہ ہمارے درمیان میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کئے دیتے ہیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں۔ ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم آپ کو اور آپ کے ہمراہ جو ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ۔ شعیبؑ نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے مذہب میں آجاویں گے گو ہم اس کو مکروہ ہی سمجھتے ہوں، ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہوجاویں گے، اگر ہم تمہارے مذہب میں آجاویں، بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی ہو۔ اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آجاویں، لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے مقدر کیا ہو۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کردیجئے حق کے موافق، اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اور ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو گے تو بیشک بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ پس ان کو زلزلہ نے آپکڑا، سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے جنھوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی، ان کی یہ حالت ہوگئی، جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، جنھوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی وہی خسارہ میں پڑ گئے۔ اس وقت شعیب ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچادیئے تھے اور میں نے تمہاری خیرخواہی کی، پھر

میں ان کافر لوگوں پر کیوں رنج کروں۔

پانچواں قصہ: شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا:

تمہید: قرآن میں حضرت شعیب علیہ السلام کا اہل مدین اور اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہونا اور اہل مدین پر کہیں صیحہ، اور کہیں رجفہ یعنی زلزلہ کا عذاب، اور اصحابِ ایکہ پر ظلہ یعنی سایہ یا سائبان کا عذاب ہونا بیان ہوا ہے۔ اس لئے بعض اہل علم نے تو دونوں قوموں کو ایک ہی کہا ہے، اور بعض نے الگ الگ قرار دیا ہے کہ ایک قوم یعنی اہل مدین کے ہلاک ہونے کے بعد دوسری یعنی اصحابِ ایکہ کی طرف جو مدین ہی کے قریب رہتے تھے اور اس قرب کی وجہ سے ان میں بھی کم تولنے و کم ناپنے کا مرض مشترک تھا، مبعوث ہوئے۔ اکثر کا قول یہی ہے۔

اور عذاب کی دو یا تین قسموں کا جمع ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان کے اوپر شدید گرمی مسلط ہوئی کہ گھر میں بھی چین نہ آتا تھا، اس دوران ایک بدلی آئی جس میں سے ٹھنڈی ہوا نکلی اور اس کے سایہ میں سب اپنے اپنے گھروں سے نکل کر میدان میں جمع ہو گئے، اس وقت اس میں سے ایک آگ برسی، اور زمین میں بھی زلزلہ آیا، جس سے سب جل کر مر گئے، اس صورت میں دار سے مراد مطلق زمین ہو گی، جیسے دار الاسلام اور دار الحرب وغیرہ میں یہی مراد ہے۔ اور صیحہ اور رجفہ کے جمع ہونے کی توجیہہ تیسرے قصہ میں گذر چکی ہے۔ اور ان کفار کے ہلاک ہونے کے بعد آپ مکہ میں آ کر رہنے لگے تھے۔ پھر وہاں ہی وفات پائی۔

اور مدین اصل میں ابراہیم علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام ہے، پھر ان کے قبیلہ اور شہر کے لئے یہی نام استعمال ہونے لگا، جو ان کی اولاد تھے یا ان کی اولاد کے رہنے کی جگہ تھی، یہ سب اہل سیر نے لکھا ہے۔

تفسیر: اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا، انھوں نے (اہل مدین سے) فرمایا کہ اے میری قوم! تم (صرف) اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود (بننے کے قابل) نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (میرے نبی ہونے پر) کھلی دلیل (کہ کوئی معجزہ ہے) آ چکی ہے (جب میری نبوت ثابت ہے) تو (شرعی احکام میں میرا کہنا مانو، چنانچہ میں کہتا ہوں کہ) تم ناپ تول پوری پوری کیا کرو، اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو (جیسا کہ تمہاری عادت ہے، اور تعلیم و توحید، بعثت انبیاء، عدل وانصاف کی قبولیت اور ناپ تول کے ذریعہ حقوق کی ادائیگی سے) زمین میں اس کی درستی (تجویز) کر لئے جانے کے بعد فسادات مت پھیلاؤ (یعنی ان احکام کی مخالفت اور کفر مت کرو کہ یہ فساد کا باعث ہیں، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرنا) یہ تمہارے لئے (دنیا اور آخرت دونوں میں) نفع بخش ہے، اگر تم (میری) تصدیق کرو (جس پر دلیل قائم ہے، اور تصدیق کر کے عمل کرو تو مذکورہ امور دونوں جہاں میں نفع بخش ہیں، آخرت میں ظاہر ہے کہ نجات ہو اور دنیا میں شریعت پر عمل سے

امن وانتظام قائم رہتا ہے، خاص طور سے پورا ناپنے اور تولنے میں اعتبار بڑھنے سے تجارت کو ترقی ہوتی ہے) اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو (ایمان لانے پر) دھمکیاں دو اور (ان کو) اللہ کی راہ (یعنی ایمان سے روکو، اور اس راہ) میں کجی اور (شبہات) کی تلاش میں لگے رہو (کہ بیجا اعتراض سوچ سوچ کر لوگوں کو بہکاؤ، یہ لوگ مذکورہ سابقہ گمراہی کے ساتھ اس گمراہی میں بھی مبتلا تھے کہ سڑکوں پر بیٹھ کر آنے والوں کو بہکاتے کہ شعیب علیہ السلام پر ایمان نہ لانا، ورنہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے۔ آگے معرفت کی تذکیر سے ترغیب اور سزا و عذاب کی تذکیر سے ترہیب ہے یعنی) اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم (گنتی میں یا مال و دولت میں) کم تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں (گنتی میں یا مال میں) زیادہ کر دیا (یہ تو ایمان لانے کی ترغیب تھی) اور دیکھ لو فساد (یعنی کفر و تکذیب وظلم) کرنے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا (جیسے قوم نوح اور عاد و ثمود کے قصے گذر چکے ہیں، اسی طرح تم پر عذاب آنے کا اندیشہ ہے، یہ کفر پر ترہیب ہے) اور اگر (تمہیں عذاب نہ آنے کا اس سے شبہ ہو کہ) تم میں سے بعض (تو) اس حکم پر جس کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے، ایمان لائے ہیں۔ اور بعض ایمان نہیں لائے (اور پھر بھی دونوں فریق ایک ہی حالت میں ہیں، یہ نہیں کہ ایمان نہ لانے والوں پر عذاب آ گیا ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عذاب سے ڈرانا بے اصل ہے) تو (اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ فوراً عذاب نہ آنے سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ عذاب نہ آئے گا!) ذرا ٹھہر جاؤ، یہاں تک کہ ہمارے (یعنی دونوں فریقوں کے) درمیان میں اللہ تعالیٰ (عملی) فیصلہ کئے دیتے ہیں (یعنی عذاب نازل کر کے مؤمنوں کو نجات دیں گے، اور کافروں کو ہلاک کر دیں گے) اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں (کہ ان کا فیصلہ بالکل ہی مناسب ہوتا ہے) ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے (جو یہ باتیں سنیں تو انھوں نے گستاخانہ انداز میں) کہا کہ اے شعیب! (یاد رکھئے) ہم آپ کو اور جو آپ کے ہم راہ ایمان والے ہیں، ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے، یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ (تو البتہ ہم کچھ نہ کہیں گے، انھوں نے واپس آنے کی بات مؤمنوں کے سلسلہ میں اس لئے کہی کہ وہ لوگ ایمان لانے سے پہلے اسی کفر کے طریقہ پر تھے، لیکن شعیب علیہ السلام کے حق میں اس کے باوجود کہ انبیاء سے کبھی کفر صادر نہیں ہوتا، اس لئے کہی کہ ان کے بعثت سے پہلے کے سکوت سے وہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کا اعتقاد بھی ہم جیسا ہی ہوگا) شعیب (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں گے؟ چاہے ہم (دلیل و بصیرت سے) اس کو مکروہ (اور قابل نفرت) ہی سمجھتے ہوں (یعنی جب اس کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہے، تو ہم کیسے اسے اختیار کر لیں؟) ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں، اگر (خدا نہ کرے) ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں (خاص طور سے) اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی ہو (کیونکہ اول تو مطلق طور پر کفر کو دین حق سمجھنا، یہی اللہ تعالیٰ پر تہمت لگانا ہے کہ یہ دین معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، خاص طور سے کسی مؤمن کا کافر ہونا چونکہ یہ علم اور حق کی دلیل کے قبول کرنے کے بعد ہے، اس لئے اور بھی زیادہ بڑی نصیحت ہے، ایک تو وہی تہمت، دوسری یہ تہمت کہ اللہ نے مجھے جو دلیل کا علم دیا تھا، جس کو میں حق

سمجھتا تھا، وہ علم غلط دیا تھا۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام نے لفظ عود یعنی ان کے ان کے دین میں واپس لوٹنا یا تو دوسروں کے اعتبار سے غلبہ کے طور پر استعمال کیا یا ان کے گمان کو فرض کر کے یا مشابہت کے طور پر استعمال کر دیا) اور ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں، لیکن ہاں! یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے (ہمارے) مقدر (میں) کیا ہو (جس کی مصلحت انہی کے علم میں ہے تو خیر یہ اور بات ہے) ہمارے رب کا علم ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے (اس علم سے تمام مقدر کی ہوئی چیزوں کی مصلحتوں کو جانتے ہیں، مگر) ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں (اور بھروسہ کر کے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دین حق پر ثابت رکھے۔ اور اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انھیں خیر پر اپنے خاتمہ کا یقین نہ تھا، انبیاء کو یہ یقین عطا کیا جاتا ہے، بلکہ مقصود عجز و انکساری کا اظہار اور اپنا معاملہ اپنے مالک کے حوالہ کرنا ہے، جو کہ نبوت کے کمال کے لئے لازم ہے، اور دوسرے مؤمنوں کے اعتبار سے لیا جائے تو کوئی اشکال ہی نہیں۔

جب یہ جواب دینے کے بعد بھی دیکھا کہ ان سے خطاب کرنے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے اور ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں ہے تو ان سے خطاب ترک کر کے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ) اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری (اس) قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے (جو کہ ہمیشہ) حق کے مطابق (ہوا کرتا ہے، کیونکہ اللہ کے فیصلہ کا حق ہونا لازم ہے۔ یعنی اب عملی طور پر حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح کر دیجئے) اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں اور ان کی قوم کے (انہی مذکور) کافر سرداروں نے (شعیب علیہ السلام کی یہ بلیغ تقریر سن کر اندیشہ ظاہر کیا کہ کہیں سننے والوں میں اس کا اثر نہ ہو جائے، اس لئے انھوں نے بقیہ کفار سے) کہا اگر تم شعیب (علیہ السلام) کی راہ پر چلنے لگو گے تو بیشک بڑا نقصان اٹھاؤ گے (دین کا بھی کیونکہ ہمارا مذہب حق ہے اور حق کو چھوڑنے میں نقصان ہے، اور دنیا کا بھی اس لئے کہ پورا ناپنے تولنے میں بچت و نفع کم ہوں گے۔ غرض وہ سب اپنے کفر و ظلم پر جمے رہے، تب عذاب کی آمد ہوئی) چنانچہ انہیں زلزلہ نے آ پکڑا تو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے، جنھوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی (اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے پر آمادہ تھے، خود) ان کی یہ حالت ہوگئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، جنھوں نے شعیب (علیہ السلام) کی تکذیب کی تھی (اور ان کی اتباع کرنے والوں کو خسارہ میں بتاتے تھے، خود) وہی خسارہ میں پڑ گئے، اس وقت شعیب (علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے، اور (حسرت کے طور پر دل میں) فرمانے لگے کہ اے میری قوم! میں نے تو تمہیں اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے (جن پر عمل کرنا ہر طرح کی فلاح کا سبب تھا) اور میں نے تمہاری (بڑی) خیر خواہی کی (کہ کس کس طرح سمجھایا مگر افسوس! تم نے نہ مانا اور یہ برا دن دیکھا، پھر ان کے کفر اور عناد وغیرہ کو یاد کر کے فرمانے لگے کہ جب انھوں نے خود اپنے ہی ہاتھوں یہ مصیبت خریدی تو) پھر میں ان کافر لوگوں (کے ہلاک ہونے) پر کیوں رنج کروں، انھوں نے جیسا کیا ویسا بھگتا۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

ع

ترجمہ: اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو، تا کہ وہ ڈھیلے پڑ جاویں۔ پھر ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی، یہاں تک کہ ان کو خوب ترقی ہوئی اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء واجداد کو بھی تنگی اور راحت پیش آئی تھیں تو ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی۔ اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے تو تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔ پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب شب کے وقت آپڑے، جس وقت وہ پڑے سوتے ہوں، اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہوگئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دوپہر میں آپڑے، جس وقت کہ وہ اپنے لایعنی قصوں میں مشغول ہوں، ہاں تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس پکڑ سے بے فکر ہوگئے، سو خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت آگئی ہو، اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔ اور ان زمین پر رہنے والوں کے بعد جو لوگ زمین پر بجائے ان کے رہتے ہیں کیا ان واقعات مذکورہ نے ان کو یہ بات نہیں بتلائی کہ ہم چاہتے تو ان کو ان کے جرائم کے سبب ہلاک کر ڈالتے، اور ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں، اس سے وہ سنتے نہیں۔ ان بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں، اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے لے کر آئے تھے، پھر جس چیز کو انھوں نے اول میں جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں۔ اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا۔

ربط: اوپر جن قوموں کے قصے بیان ہوئے ہیں، چونکہ دوسری قوموں کے قصے بھی ایسے ہی واقع ہوئے ہیں، اب عام عنوان سے اجمالی طور پر ان سب کے جرم کی حالت اور جرم پر بھی پہلے مہلت ملنے کا اور پھر بھی نہ سمجھنے پر سزا جاری ہونے کا ذکر ہے۔ اور حکایت کے بعد آیت ﴿ اَوَلَمۡ یَہۡدِ ﴾ الخ سے حکایت کی غرض وغایت یعنی عبرت حاصل کرنے پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔

سابق کفار کی حالت کا اجمالی تذکرہ بعد میں آنے والے کفار کی عبرت کے لئے:

اور ہم نے (ان مذکورہ اور ان کے علاوہ دوسری بستیوں میں سے بھی) کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا کہ وہاں کے رہنے والوں کو (اس نبی کے نہ ماننے پر پہلے تنبیہ نہ کی ہو، اور پھر تنبیہ کی غرض سے ان کو ہم نے محتاجی اور بیماری میں نہ پکڑا ہو، تاکہ وہ ڈھیلے پڑ جائیں (اور اپنے کفر وتکذیب سے توبہ کریں) پھر (جب اس سے متنبہ نہ ہوئے تو خلافِ عقل صورتِ حال کو ذہنوں میں بٹھانے کے لئے یا اس غرض سے کہ مصیبت کے بعد جو نعمت ہوتی ہے، اس کی زیادہ قدر ہوتی ہے اور فطری طور پر آدمی نعمت دینے والے کی اطاعت کرنے لگتا ہے) ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوشحالی بدل دی۔ یہاں تک کہ انہیں (بے نیازی اور صحت وتندرستی کے ساتھ مال واولاد میں) خوب ترقی ہوئی۔ اور (اس وقت ٹیڑھی سمجھ کی بنا پر) کہنے لگے کہ ہمارے اوپر وہ پہلی مصیبت کفر وتکذیب کے سبب نہیں تھی، ورنہ پھر خوشحالی کیوں ہوتی، بلکہ یہ زمانہ کے اتفاقات ہیں۔ چنانچہ) ہمارے باپ داداؤں کو بھی (یہ دو حالتیں کبھی) تنگی اور (کبھی) راحت پیش آئی تھیں (اس طرح ہم پر بھی یہ حالتیں گذر گئیں۔ جب وہ اس بھول میں پڑ گئے) تو (اس وقت) ہم نے ان کو ایک ہی دفعہ میں (مہلک عذاب میں) پکڑ لیا۔ اور ان کو (اس عذاب کے آنے کی) خبر بھی نہ تھی (یعنی اگرچہ ان کو انبیاء نے خبر کی تھی، مگر چونکہ وہ اس خبر کو غلط سمجھتے تھے اور عیش وآرام میں بھولے ہوئے تھے، اس لئے انہیں گمان نہ تھا) اور (ہم نے جو ان کو مہلک عذاب میں پکڑا اس کا سبب صرف ان کا کفر اور حق کی مخالفت تھی، ورنہ) اگر ان بستیوں کے رہنے والے (پیغمبروں پر) ایمان لے آتے اور (ان کی مخالفت سے) پرہیز کرتے تو ہم (آسمانی اور زمینی آفتوں کی بجائے) ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے (یعنی ان کو آسمان سے بارش اور زمین سے پیداوار برکت کے ساتھ عطا فرماتے اور اگرچہ اس ہلاکت سے پہلے ان کو خوشحالی ایک حکمت کے تحت دی گئی، لیکن اس خوشحالی میں اس لئے برکت نہ تھی کہ آخر میں وہ وبالِ جان ہوگئی، ان نعمتوں کے برخلاف جو ایمان اور طاعت کے ساتھ ملتی ہیں ان میں یہ خیر وبرکت ہوتی ہے کہ وہ وبال کبھی بھی نہیں ہوتیں، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ حاصل یہ کہ اگر وہ ایمان وتقوی اختیار کرتے تو ہم انہیں بھی یہ برکتیں دیتے) لیکن انھوں نے تو (پیغمبروں کی) تکذیب کی تو ہم نے (بھی) ان کے (برے) اعمال کی وجہ سے ان کو (مہلک عذاب میں) پکڑ لیا (جس کو اوپر ﴿ فَاَخَذۡنٰہُمۡ بَغۡتَۃً ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے۔

آگے موجودہ کفار کو عبرت دلاتے ہیں) کیا (ان قصوں کو سن کر) پھر بھی ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے (جو رسول اللہ ﷺ کے دورِ نبوت میں موجود ہیں) اس بات سے بےفکر ہو گئے ہیں کہ ان پر (بھی) ہمارا عذاب رات کے وقت آپڑے، جس وقت وہ پڑے سوتے ہوں۔ اور کیا ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے (کفر و تکذیب کے باوجود جو کہ سابق کفار کی ہلاکت کا سبب تھا) اس بات سے بےفکر ہو گئے ہیں کہ (انہی پہلے والوں کی طرح) ان پر ہمارا عذاب دن میں دوپہر کے وقت آپڑے، جس وقت کہ وہ اپنے بےکار قصوں میں مشغول ہوں (اس سے دنیاوی کاروبار مراد ہیں) ہاں تو کیا اللہ تعالیٰ کی اس (ناگہانی) پکڑ سے (جس کا اوپر بیان ہوا ہے) بےفکر ہو گئے تو (سمجھ رکھو کہ) اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ان کے سوا جن کی شامت ہی آگئی ہو، اور کوئی بےفکر نہیں ہوتا

(آگے اس کی علت بتاتے ہیں کہ انہیں عذاب سے کیوں ڈرنا چاہئے؟ اور وہ علت ان کا گذشتہ امتوں کے ساتھ کفر کے جرم میں شریک ہونا ہے، یعنی) اور ان زمین پر رہنے والے (گذشتہ لوگوں) کے بعد جو لوگ (اب) ان کی جگہ میں رہتے ہیں، کیا ان مذکورہ واقعات نے انہیں یہ بات (ابھی بھی) نہیں بتائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو (بھی سابق امتوں کی طرح) ان کے جرائم (کفر و تکذیب) کے سبب ہلاک کر ڈالتے (کیونکہ گذشتہ امتیں اپنے جرائم کے سبب ہلاک کی گئیں) اور (واقعی یہ واقعات تو ایسے ہی ہیں کہ ان سے سبق لینا چاہئے تھا، لیکن اصل یہ ہے کہ) ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے وہ (حق بات کو دل سے) سنتے (بھی) نہیں (اور ماننا تو دور کی بات رہا، بس اس بند لگانے سے ان کی سنگ دلی بڑھ گئی کہ ایسے عبرت خیز واقعات سے بھی عبرت نہیں ہوتی، اور اس بند لگانے کا سبب انہی کا ابتدا میں کفر کرنا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾: (سورۃ النساء ۱۵۵)

آگے شاید رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے مذکورہ سارے مضمون کا خلاصہ ہے کہ) ان (مذکورہ) بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب (بستیوں میں رہنے والوں) کے پاس ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے (مگر) پھر (بھی ان کی ضد اور ہٹ کی یہ کیفیت تھی کہ) جس چیز کو انھوں نے شروع (پہلے مرحلہ) میں (ایک بار) جھوٹا کہہ دیا، پھر یہ بات نہیں ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے (اور جیسے یہ لوگ دل کے سخت تھے) اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیئے ہیں اور (ان میں سے بعض لوگ مصیبتوں میں ایمان لانے کا عہد بھی کر لیتے تھے، لیکن) اکثر لوگوں میں ہم نے عہد کی پابندی نہیں پائی (یعنی مصیبت کے زوال کے بعد پھر ویسے کے ویسے ہی ہو جاتے تھے) اور ہم نے اکثر لوگوں کو رسولوں کے بھیجنے، معجزوں کے اظہار، بلاؤں کے نزول اور معاہدوں کی توثیق کے باوجود) نافرمان ہی پایا (چنانچہ کفار ہمیشہ سے ایسے ہی ہوتے رہے ہیں، آپ بھی غم نہ کیجئے)

تفسیر: ﴿جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ میں ھم کی ضمیر میں سارے مذکورہ بالا لوگوں کا داخل ہونا اور بینات سے معجزوں کا مراد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ جن نبیوں کے معجزوں کا قرآن و حدیث میں ذکر نہیں ہے، وہ بھی صاحب معجزہ

تھے، اور ہود (علیہ السلام کی قوم کا قول جو سورۂ ہود میں ہے: ﴿ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ ﴾ چونکہ یہ آیت اس قول کو رد کرتی ہے، اس لئے ان کا قول حجت نہیں، بلکہ اس کا منشاء عناد ہے کہ معجزہ کو نا قابل اعتبار قرار دے کر ایسا کہہ دیا۔

اور ﴿ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ الخ کی جو تقریر ترجمہ کے دوران کی گئی ہے، اس سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ ﴿ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ ﴾ الخ سے تو ان پر عیش کی فراخی کا ہونا ثابت ہے۔ اسی طرح سورۂ انعام میں ﴿ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

اور عہد کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ یوم میثاق کا عہد مراد ہو اور اس تفسیر پر اکثر اس لئے کہا گیا کہ ان میں سے بعض مسلمان ہو گئے تھے۔ اور پہلی تفسیر پر اکثر کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مصیبت میں عہد کرنا سب سے صادر نہیں ہوا تھا، اکثر نے ایسا کہا تھا، اور انھوں نے ہی پورا نہیں کیا۔ واللہ اعلم

مسئلہ: آیت ﴿ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ میں استثناء سے معلوم ہوا کہ عذابِ الٰہی سے بے خوف ہونا کفر ہے، کیونکہ قرآن کے محاوروں میں خاسر سے مراد اکثر کافر ہی ہوتا ہے، جیسا کہ دوسری آیت ﴿ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (سورۂ یوسف ۸۷) میں اس مسئلہ کا دوسرا جز ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔

اور روح المعانی میں شافعیہ کا مذہب نقل کیا ہے کہ یہ دونوں امر بالمعنی المشہور گناہ کبیرہ ہیں کفر نہیں۔ اور بعض محققین کا قول محاکمہ میں نقل کیا ہے کہ امن بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کو انتقام پر قادر نہ سمجھنا اور یاس بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کو انعام پر قادر نہ سمجھنا کفر ہے۔ اور مشہور معنی میں یعنی ایسی یاس و نا امیدی جس میں گناہوں کو بہت بڑا سمجھ کر معافی کو ناممکن سمجھ لیا جائے، جس سے طاعتیں و توبہ ترک ہو جائیں۔ اور امن اس معنی میں کہ امید پر ایسا غلبہ ہو جائے کہ گناہوں پر جری ہو جائے، گناہ کبیرہ ہیں اور آیت کو تغلیظ یعنی سختی و شدت پر یا مطلق خسارہ اور کفرانِ نعمت و ناشکری کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔

عاجز کہتا ہے کہ قطعی وعید کے بعد بے خوف ہونا، جیسا کہ مرتکب لوگوں کی حالت تھی اور قطعی وعدہ کے بعد مایوس ہونا جیسے کسی نبی کی بشارت کے بعد، ایسا امن و یاس کفر ہے۔ اور آیتوں میں یہی معنی مراد معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنے دلائل دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس بھیجا، سو ان لوگوں نے ان کا بالکل حق ادا نہ کیا، سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔ اور موسیٰ نے فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے پیغمبر ہوں، میرے لئے یہی شایاں ہے کہ بجز سچ کے خدا کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل بھی لایا ہوں، سو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا کہ اگر آپ کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے اگر آپ سچے ہیں۔ پس آپ نے اپنا عصا ڈال دیا، سو دفعۃً وہ صاف ایک اژدہا بن گیا، اور اپنا ہاتھ باہر نکال لیا، سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔

چھٹا قصہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سبطیوں (بنی اسرائیل) اور قبطیوں (فرعونیوں) کے ساتھ:

اور یہ قصہ یہاں بھی اور قرآن مجید کے دوسرے بار بار آنے والے مواقع میں دوسرے اکثر قصوں کے مقابلہ میں زیادہ تفصیل کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اس جگہ بھی آیت ۱۷۱ تک مسلسل چلا گیا ہے۔ اور اس کو بار بار لانے اور اس کی تفصیل میں یہ نکتہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی عظیم ہیں، اور فرعونیوں کا کفر بھی شدید ہے، اور بعض اسرائیلیوں کی جہالتیں عجیب ہیں۔ چنانچہ یہ باتیں اس قصہ کی تفصیل اور اس کو بار بار لانے کی مقتضی ہوئیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور فرعون کے ساتھ ان کی گفتگو کا ذکر:

پھر ان (مذکورہ پیغمبروں) کے بعد ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے دلائل (یعنی معجزات) دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس (ان کی ہدایت اور تبلیغ کے لئے) بھیجا، تو (جب موسیٰ علیہ السلام نے وہ دلائل ظاہر کئے تو) ان لوگوں نے ان (معجزات) کا بالکل حق ادا نہ کیا (کیونکہ ان کا حق اور مقتضی یہ تھا کہ وہ ایمان لے آتے) تو دیکھئے: ان مفسدوں کا کیا (برا) انجام ہوا (جیسا کہ دوسری جگہ ان کے غرق اور ہلاک ہونے کا ذکر رہے ہے، یہ تمام قصہ تو اجمال کا تھا۔ اب تفصیل ہے، یعنی) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (اللہ کے حکم سے فرعون کے پاس جا کر) فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے (تم لوگوں کی ہدایت کے واسطے) پیغمبر مقرر ہوا ہوں (اور جو مجھے جھوٹا بتائے، اس کی غلطی ہے، کیونکہ) میرے شایانِ شان یہی بات ہے کہ سچ کے سوا اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں (اور میں خالی رسالت کا دعویٰ ہی نہیں کرتا بلکہ) میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل (یعنی معجزہ) بھی لایا ہوں (جو ضرورت کے وقت دکھا سکتا ہوں) تو (جب میں دلیل کے ساتھ رسول ہوں تو میں جو کہوں، اس کی اطاعت کر، اور ان تمام امور میں سے ایک یہ کہتا ہوں کہ) تو بنی اسرائیل کو (اپنی بیگار سے چھٹکارا دے کر) میرے ساتھ (ملک شام کو جو ان کا اصلی وطن ہے) بھیج دے، فرعون نے کہا کہ اگر آپ (اللہ کی جانب سے) کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے، اگر آپ (اس دعویٰ میں) سچے ہیں۔ پس آپ نے (فوراً) اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیا تو وہ فوراً ہی صاف ایک اژدہا بن گیا

(جس کے اژدہا ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا تھا) اور (دوسرا معجزہ یہ ظاہر کیا کہ) اپنا ہاتھ (گریبان کے اندر بغل میں دبا کر) باہر نکال لیا تو وہ اچانک سب دیکھنے والوں کے سامنے بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا (کہ اس کو بھی سب نے دیکھا)

تفسیر: اوپر جو ﴿ بِاٰيٰتِنَآ ﴾ فرمایا ہے، اس سے مراد یا تو یہی دو معجزے ہیں، اور جمع کا صیغہ یا تو ان کے بہت بڑے معجزے ہونے کی وجہ سے ہے یا ان کے بار بار دکھائے جانے کی وجہ سے، یا پھر وہ تمام معجزات مراد ہیں جن کا ذکر آیت ۱۳۰ میں اور اس کے بعد آیا ہے۔ مگر وہ سب اس وقت واقع نہیں ہوئے، بلکہ مختلف اوقات میں ان کا ظہور ہوتا رہا، اور یہاں اجمال کے ساتھ اوقات کے مجموعہ کا اعتبار ہوگا، اور یہاں ملائکہ کی تخصیص اس اعتبار سے ہے کہ وہ سردار تھے اور لوگ ان کے تابع تھے۔ اور بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونے کا ذکر دوسری آیتوں میں ہے، اور اس سے بعثت کا عموم لازم نہیں آتا، کیونکہ سارے مکلف انہی دو قوموں میں محدود نہیں تھے۔ اور دوسری آیتوں میں ہارون علیہ السلام کے ساتھ ہونے کا بھی ذکر ہے۔ شاید یہاں ان کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع ہونے کی وجہ سے نہ کیا گیا ہو۔

اور اس مقام پر توحید کی طرف دعوت کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ ذکر دوسری آیتوں میں موجود ہے، چونکہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنا حقوق العباد کو تکلف کرنے میں سے تھا، اس اعتبار سے اس کا اہم ہونا ذکر کی تخصیص کا باعث ہوسکتا ہے۔

اور بعض نے ﴿ فَاَرْسِلْ ﴾ یعنی "بھیج دے" کے معنی أطلق عن قيدك یعنی "انہیں اپنی قید سے آزاد کر دے" لئے ہیں۔ لہٰذا اس کے معنی میں شام وغیرہ کا اعتبار نہ ہوگا۔

اور اس آیت میں ﴿ ثُعْبَانٌ ﴾ یعنی اژدہا فرمایا جبکہ دوسری آیتوں میں جان یعنی پتلا سانپ آیا ہے، ان دونوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ یا تو وہ کسی وقت ثعبان ہوتا ہو اور کبھی جان یا شروع میں پتلا ہوتا اور پھر بڑھ جاتا ہو، یا جسم کے لحاظ سے بڑا ہوتا ہو اور تیز رفتار سے چلنے میں پتلے سانپ کی طرح ہو۔

اور لفظ ﴿ مُّبِيْنٌ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت تبدیل ہو جاتی تھی، خیالی قصہ نہیں تھا، اور لفظ ﴿ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ کی وجہ سے نظر بندی کا شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ یہ بیضاء یعنی چمکنے کی تاکید ہے۔ جیسے اردو محاورہ میں کہتے ہیں: "میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا"

فائدہ: اور حقائق کے انقلاب کا محال ہونا جو فلاسفہ کے درمیان مشہور ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ حقائق ثلاثہ یعنی وجوب، امتناع اور امکان کا ایک دوسرے کی طرف انقلاب نہیں ہوتا، ورنہ عناصر کے استحالہ کا سب ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔

﴿ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝۱۱۳ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۱۱۴ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝۱۱۵ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝۱۱۶ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝۱۱۷ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۸ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝۱۱۹ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝۱۲۰ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۲۱ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝۱۲۲ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۲۳ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۲۴ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝۱۲۵ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝۱۲۶

ع ۱۴

ترجمہ: قوم فرعون میں جو سردار لوگ تھے، انھوں نے کہا کہ واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے، یہ چاہتا ہے کہ تم کو تمہاری سرزمین سے باہر کردے، سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ آپ ان کو اور ان کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں چپراسیوں کو بھیج دیجئے کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لاکر حاضر کردیں۔ اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے۔ کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آئے تو ہم کو کوئی بڑا صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ ہاں، اور تم مقرب لوگوں میں داخل ہوجاؤ گے۔ ان ساحروں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ! خواہ آپ ڈالئے اور یا ہم ہی ڈالیں۔ موسیٰ نے فرمایا کہ تم ہی ڈالو، جب انھوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کردی اور ان پر ہیبت غالب کردی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا۔ اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا، پس حق ظاہر ہوگیا اور انھوں نے جو کچھ بنایا تھا سب آتا جاتا رہا، پس وہ لوگ اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے۔ اور وہ جو ساحر تھے وہ سجدہ میں گر گئے، کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ وہارون کا بھی رب ہے۔ فرعون کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لائے ہو، بدوں اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں، بے شک یہ کارروائی تھی جس پر تمہارا عمل درآمد ہوا ہے اس شہر میں، تاکہ تم سب اس شہر سے وہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو، سو اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم مر کر اپنے مالک ہی کے پاس جاویں گے، اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے بجز اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکالیے۔

جادوگروں کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ:

(حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ بڑے بڑے معجزے ظاہر ہوئے تو فرعون نے اہل دربار سے کہا کہ یہ شخص بڑا جادوگر ہے، اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں پر اپنے جادو کے ذریعہ غالب آکر یہاں کا رئیس ہو جائے، اور تمہیں یہاں آباد نہ رہنے دے، تو اس بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟ چنانچہ سورۃ الشعراء آیت ۳۵ میں یہ فرعون کا قول نقل کیا گیا ہے، اس کو سن کر جیسا کہ سلاطین کے مصاحبوں، درباریوں کی تملق و چاپلوسی اور ہاں میں ہاں ملانے کی عادت ہوتی ہے، فرعون کے قول کی تصدیق اور موافقت کے لئے) فرعون کی قوم میں جو سردار (اور اہل دربار) لوگ تھے، انھوں نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ واقعی (جیسا ہمارے بادشاہ کہتے ہیں) یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے (ضرور یہی چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے بنی اسرائیل سمیت خود رئیس ہو جائے اور) تم کو (اس وجہ سے کہ تم بنی اسرائیل کی آنکھوں میں کھٹکتے ہو) تمہاری (اس) سرزمین سے تمہیں باہر کر دے، تو تم لوگ (جیسا کہ بادشاہ دریافت کر رہے ہیں) کیا مشورہ دیتے ہو؟ (غرض مشورہ کر کے) انھوں نے (فرعون سے) کہا کہ آپ ان (موسیٰ علیہ السلام) کو اور ان کے بھائی (ہارون علیہ السلام) کو مہلت دیجئے! اولاً اپنی قلمرو کی حدود کے شہروں میں ملازموں کو (حکم نامے دے کر) بھیج دیجئے کہ وہ (سب شہروں سے) سب ماہر جادوگروں کو (جمع کر کے) آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں (چنانچہ ایسا ہی انتظام کیا گیا)

اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے (اور) کہنے لگے کہ اگر ہم (موسیٰ علیہ السلام) پر غالب آئے تو (کیا) ہمیں کوئی بڑا صلہ (اور انعام) ملے گا۔ فرعون نے کہا کہ ہاں! (انعام بھی بڑا ملے گا) اور (اس سے بھی زیادہ یہ ہوگا کہ) تم (ہمارے) مقرب لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

(غرض موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی جانب سے اطلاع دی گئی، اور مقابلہ کے لئے تاریخ معین ہوئی اور تاریخ پر سب ایک میدان میں جمع ہوئے، اس وقت) ان جادوگروں نے (موسیٰ علیہ السلام سے) عرض کیا کہ اے موسیٰ! (ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں) چاہے آپ (پہلے اپنا عصا میدان میں) ڈالئے (جس کو آپ معجزہ بتاتے ہیں) اور یا (آپ کہیں تو) ہم ہی (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں) ڈالیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ (پہلے) تم ہی ڈالو، پس جب انھوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو (جادو سے دیکھنے والے) لوگوں کی نظر بندی کر دی (جس سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ کی شکل میں لہراتی نظر آنے لگیں) اور ان پر ہیبت غالب کر دی، اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھایا، اور (اس وقت) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (وحی کے ذریعہ) حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے (جیسا کہ ڈالا کرتے ہیں) تو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے (اژدہا بن کر) ان کے سارے بنائے ہوئے کھیل کو نگلنا شروع کیا تو (اس وقت) حق (کا حق ہونا) ظاہر ہو گیا۔ اور انھوں نے (یعنی جادوگروں نے) جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا، تو وہ لوگ (یعنی فرعون اور اس کی قوم)

اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے (اور اپنا سامنہ لے کر رہ گئے) اور وہ جو جادوگر تھے وہ سجدہ میں گر گئے (اور پکار پکار کر) کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے، جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا بھی رب ہے۔

فرعون (بڑا گھبرایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ساری رعایا ہی مسلمان ہو جائے تو ایک مضمون گڑھ کر جادوگروں سے) کہنے لگا کہ ہاں! تم میرے اجازت دینے سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے ہو؟ بے شک (معلوم ہوتا ہے کہ) یہ (جو کچھ دکھاوے کی مقابلہ آرائی کے طور پر ہوا ہے) یہ (تمہاری پہلے سے طے کی ہوئی کارروائی تھی، اس شہر میں (خفیہ سازش ہوگئی اور یہ ملی بھگت اس لئے ہوئی ہے) تاکہ تم سب (مل کر) اس شہر کے رہنے والوں کو یہاں سے نکال دو (پھر بے فکر ہو کر سب مل کر یہاں اپنی حکومت چلاؤ) تو (ٹھیک) ہے، اب تمہیں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (اور وہ یہ ہے کہ) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا (تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو) انھوں نے جواب دیا کہ (کچھ پرواہ نہیں) ہم مرنے کے بعد اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے (جہاں ہر طرح امن وراحت ہے تو ہمارا نقصان ہی کیا ہے) اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے (جس کی وجہ سے اس قدر بھڑک رہا ہے؟) سوائے اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے۔ تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں، پھر انھوں نے اس سے اعراض کر کے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما (کہ اگر یہ سختی کرے تو ہم ثابت قدم رہیں) اور ہماری جان اسلام کی حالت پر نکالئے (کہ اس کی سختی سے پریشان ہو کر کوئی بات ایمان کے خلاف نہ ہو جائے)

یہاں چند فائدے قابل توجہ ہیں:

اول: یہ کہ یہاں جو ارشاد فرمایا: ﴿ سَحَرُوٓا أَعۡيُنَ ٱلنَّاسِ ﴾: یعنی لوگوں کی نظر بندی کر دی۔ یہ ایک خاص واقعہ ہے: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جادو کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ نظر بندی ہو جاتی ہے، بلکہ جادو کی بعض قسموں سے حقیقت کی تبدیلی بھی ممکن ہے، اور اس کے ناممکن ہونے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل قائم نہیں ہے۔ اور فقرہ اور سحر عظیم سے بھی کسی کو شبہ نہ ہو کہ عظیم سے زیادہ تو کوئی چیز نہیں۔ جب نظر بندی کو ﴿ بِسِحۡرٍ عَظِيمٖ ﴾ کہا تو معلوم ہوا کہ جادو کی دوسری قسمیں اس سے بھی کم ہیں۔ جواب یہ ہے کہ عظیم سے زیادہ اعظم ہوتا ہے، پھر عظیم میں بھی مختلف درجے ہوتے ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ کسی درجہ میں یہ بھی عظیم ہو، اور اس سے بڑے درجہ میں حقیقت کی تبدیلی عظیم ہو، چنانچہ عظیم کے ترجمہ میں لفظ ''ایک طرح کا'' سے اس طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔

دوسرے: ''موسیٰ و ہارون کا رب'' اس لئے بڑھایا کہ فرعون خود کو رب اعلیٰ بتاتا تھا، تو کہیں رب العالمین سے سننے والے اس کا مصداق فرعون ہی کو نہ سمجھ جائیں، اس لئے اس کو بڑھا کر مراد متعین کر دی کہ جس کو موسیٰ اور ہارون رب کہتے ہیں۔

تیسرے: سوال یہ ہے کہ جادو سے معجزہ کا مقابلہ کرنا کفر ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس کی کیسے اجازت دی کہ

﴿اَلْقُوْا﴾ یعنی "ڈال دو" حالانکہ کفر کی اجازت دینا نبی تو دور کسی مؤمن کے لئے بھی ممکن نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ﴿اَلْقُوْا﴾ بھی نہ فرماتے تب بھی وہ لوگ یقیناً یہ عمل کرتے، تو معلوم ہوا کہ یہ اجازت القا کی نہیں، بلکہ خود ان کے قول کی دوشقوں میں سے ایک شق کو متعین فرمایا کہ حق کا اظہار اسی پر موقوف تھا، پہلے القا یعنی ڈالنے کا عمل کس کی طرف سے ہو، جیسا کہ بعض آیتوں میں جو ﴿اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴾ آیا ہے، وہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ عصا کو پہلے ڈالنے میں اس کا اژدہا بننا تو ظاہر ہوتا، لیکن اس صورت میں ان پر غلبہ ظاہر نہ ہوتا، اس صورت میں ان کی لاٹھیوں اور رسیوں کو فوراً نگل جانے سے پورا غلبہ ظاہر ہو گیا، حالانکہ اگر وہ بعد میں ڈالتے تب بھی وہ عصا ان کو نگل جاتا، لیکن فوراً موسیٰ علیہ السلام کے عصا ڈالتے ہی اس کا باطل ہونا جو کہ دل و دماغ میں زیادہ بہتر طور پر بیٹھتا ہے یہ تو ظاہر نہ ہوتا۔ لہٰذا امر ڈالنے کا نہیں، بلکہ یقینی طور پر ڈالنے میں پہل کا ہے۔ اور وہ بھی حق کے غلبہ کے کمال کی مصلحت کے تحت۔ خوب سمجھ لو۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں امر کے صیغہ سے مقصود اجازت نہیں، بلکہ مراد پرواہ نہ کرنے کا اظہار ہے یعنی ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ تم جو چاہو کرلو۔

چوتھے: فرعون کا یہ کہنا ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ﴾ یہ محض بات بنانے کی کوشش ہے، اس کے شبہ کا کوئی منشا ہونا ضروری نہیں، تاہم بعض اہل علم نے ایک منشا بھی بیان کیا ہے وہ یہ کہ مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے سردار کے درمیان یہ بات ہوئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اگر میں غالب آ گیا تو کیا تو ایمان لے آئے گا؟ اس نے جواب دیا کہ میرے جادو پر کسی کا غالب آنا ممکن ہی نہیں ہے، اور اگر آپ غالب آ گئے تو میں ضرور ایمان لے آؤں گا۔ اور فرعون نے یہ بات سنی تھی، اس کو ابن جریر اور ابو الشیخ نے ابن مسعود اور کئی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ اس لئے اس نے کہا تم نے سازش کی ہے، حالانکہ اس کا سازش ہونا محض لغو بات ہے۔

پانچویں: بعض علماء نے کہا ہے کہ فرعون نے ان نو مسلموں کو یہ سزا دی تھی، اور بعض نے اس آیت ﴿اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ کے واسطہ سے اس کا انکار کیا ہے، لیکن یہ جواب ممکن ہے کہ غلبہ سے مراد دلیل اور مقابلہ میں غلبہ ہو۔ یا یوں کہا جائے کہ بعض کا قتل ہو جانا غلبہ کے منافی نہیں، چنانچہ جنگوں میں ایک فریق کو آخر میں غالب کہا جاتا ہے، حالانکہ اس فریق میں سے بھی لوگ قتل ہوتے ہیں۔

﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَالْعَاقِبَةُ

لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ع

ترجمہ: اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی رہنے دیں گے کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں، اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو ترک کیے رہیں۔ فرعون نے کہا: ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کردیں اور عورتوں کو زندہ رہنے دیں اور ہم کو ہر طرح کا ان پر زور ہے۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو، یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، جس کو چاہیں مالک بنادیں اپنے بندوں میں سے۔ اور اخیر کامیابی ان ہی کو ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کی تشریف آوری کے قبل بھی اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی۔ موسیٰ نے فرمایا: بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کردیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس سرزمین کا مالک بنادیں گے، پھر تمہارا طرز عمل دیکھیں گے۔

سبطیوں کے ساتھ قبطیوں کی نازیبا حرکتیں اور اس سے

ان کا رنجیدہ ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا ان کو تسلی دینا:

اور (جب موسیٰ علیہ السلام کا یہ عظیم معجزہ منظر عام پر ظاہر ہوا اور جادوگر ایمان لے آئے اور بعض دوسرے لوگ بھی آپ کے تابع ہوگئے، اس وقت) فرعون کی قوم کے سرداروں نے (جو کہ اعیان سلطنت تھے، یہ دیکھ کر کہ کچھ لوگ مسلمان ہونے لگے ہیں، فرعون سے) کہا کہ کیا آپ موسیٰ علیہ السلام کو اور ان (کی اتباع کرنے والی) قوم کو یوں ہی (فطری انداز میں آزاد اور مطلق العنان) رہنے دیں گے؟ کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں (فساد یہ کہ اپنی تعداد بڑھائیں، جس کے آخر میں بغاوت کا اندیشہ ہے) اور وہ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) آپ کو اور آپ کے (تجویز کیے ہوئے) معبودوں کو ترک کیے رہیں؟ (یعنی ان کے معبود ہونے کا انکار کرتے رہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم بھی ایسا ہی کرے۔ یعنی آپ اس کا انتظام کیجیے) فرعون نے کہا کہ (فوری طور پر یہ انتظام مناسب معلوم ہوتا ہے کہ) ہم ابھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کردیں، تاکہ ان کی تعداد و قوت نہ بڑھنے پائے) اور (چونکہ عورتوں کے بڑھنے سے کوئی اندیشہ نہیں اور ہمیں اپنے کاموں اور خدمت کے لئے ضرورت بھی ہے، اس لئے) عورتوں کو زندہ رہنے دیں، اور ہمیں ان پر ہر طرح کا زور ہے (اس انتظام میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ اس مجلس کی گفتگو کی خبر بنی اسرائیل کو پہنچی تو وہ بڑے گھبرائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چارہ جوئی کی تو) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو اور ثابت قدم رہو (گھبراؤ مت) یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں مالک (اور حاکم) بنادیں (اس طرح یہ

سرزمین چند روز کے لئے فرعون کو دیدی ہے) اور آخر کار کامیابی انہی کی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں (تو تم ایمان اور تقویٰ پر قائم رہو، ان شاء اللہ یہ سلطنت تمہیں مل جائے گی، تھوڑے دن تک انتظار کی ضرورت ہے) قوم کے لوگ (انتہائی حسرت اور حزن وملال کے ساتھ جس کا فطری تقاضا شکوہ کا دہرانا ہے) کہنے لگے کہ (حضرت!) ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے، آپ کے تشریف لانے سے پہلے بھی (کہ فرعون بیگار لیتا تھا اور مدتوں ہمارے لڑکوں کو قتل کرتا رہا) اور آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی (کہ طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جارہی ہیں۔ یہاں تک کہ اب پھر لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کرلیا ہے) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: (گھبراؤ مت) بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کردیں گے، اور ان کی بجائے تمہیں اس زمین کا حاکم بنادیں گے، پھر دیکھیں گے کہ تم کیا کرتے ہو (کہ اللہ کے احسانوں پر شکر اور اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہو اور اس کی اطاعت کرتے ہو یا ناقدری، ناشکری اور غفلت ومعصیت، اس میں طاعت کی ترغیب ہے اور معصیت سے بچنے پر زور ہے)

فائدہ: ﴿اٰلِهَتَكَ﴾ کی تفسیر میں کئی قول ہیں: ایک قول سدی کا یہ ہے کہ فرعون نے کچھ بت بنوا کر تقسیم کردیئے تھے کہ انہیں ہمارا نائب سمجھ کر ان کی عبادت کیا کرو، یہ روح المعانی اور تفسیر خازن وغیرہ میں منقول ہے۔ اور ایک تفسیر میں نظر سے گذرا ہے کہ اس نے خود اپنی تصویر کے بت بنوا کر دیئے تھے۔ واللہ اعلم

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَىِٕنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے فرعون والوں کو مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی کم پیداوری میں، تاکہ وہ سمجھ جاویں۔ سو جب ان پر خوش حالی آجاتی تو کہتے یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے، اور اگر ان کو کوئی بدحالی پیش آتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے۔ یاد رکھو کہ ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے، لیکن ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے تھے۔ اور یوں کہتے: کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعہ سے ہم پر جادو چلاؤ، جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہیں مانیں گے۔

پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون کہ یہ سب کھلے کھلے معجزے تھے، سو وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ۔ اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں گے تو ہم ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آویں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ان سے اس عذاب کو ایک وقت خاص تک کہ اس تک ان کو پہنچا تھا، ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے۔ پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا، اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے۔

قبطیوں پر بلاؤں کا مسلط ہونا، پھر ان کو ہلاک کرنا:

اور جب (فرعون اور اس کے پیروکاروں نے انکار کیا اور مخالفت پر کمر باندھی تو) ہم نے فرعون والوں کو فرعون سمیت (اس سورت کی آیت ۹۴ میں مذکور عادت کے مطابق ان بلاؤں میں) (۱) قحط سالی و بھکمری میں اور (۲) پھلوں کی پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا، تا کہ وہ (حق بات کو) سمجھ جائیں (اور سمجھ کر قبول کر لیں) تو (وہ پھر بھی نہ سمجھے، بلکہ ان کی یہ حالت تھی کہ جب ان پر خوشحالی (یعنی پیداوار کی کثرت اور سامان کا سستا ہونا) آجاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے (یعنی ہم خوش قسمت ہیں، یہ ہماری خوش نصیبی کا نتیجہ ہے، یعنی ایسا نہیں کیا کہ اس کو اللہ کی نعمت سمجھ کر شکر بجالاتے اور اطاعت کا راستہ اختیار کرتے) اور اگر انہیں کوئی بدحالی (جیسے قحط و بھکمری اور پیداوار کی کمی وغیرہ) پیش آتی تو موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے (کہ یہ ان کی نحوست سے ہوا، یہ نہ ہوا کہ اس کو اپنے کفر اور تکذیب کے برے اعمال کی شامت اور سزا سمجھ کر توبہ کرتے، حالانکہ یہ سب خود انہی کی شامت اعمال تھی، جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ) یاد رکھو کہ ان کی اس نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے (یعنی ان کے کفریہ اعمال اللہ کو پوری طرح معلوم ہیں، اور نحوست انہی اعمال کی سزا ہے) لیکن (اپنی بدتمیزی کی وجہ سے) ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے تھے، اور (بلکہ اوپر سے) یوں کہتے کہ ہمارے سامنے (چاہے کیسی ہی عجیب بات لاؤ، کہ اس کے ذریعہ ہمارے اوپر جادو چلاؤ، تب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہیں مانیں گے (جب ایسی سرکشی اختیار کی تو) پھر ہم نے (ان دو بلاؤں کے علاوہ یہ بلائیں مسلط کیں (۳) ان پر (بارش کی کثرت کا) طوفان بھیجا (جس سے جان و مال کے تلف ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا) اور (اس سے گھبرائے تو موسیٰ علیہ السلام سے عہد و پیمان کیا کہ ہم سے یہ بلا دور کرائیے تو ہم ایمان لے آئیں اور آپ جو کہیں اسے مانیں، اطاعت کریں۔ پھر جب وہ بلا دور ہوئی اور ان کی پسند کے مطابق غلہ وغیرہ پیدا ہوا تو پھر بے فکر ہو گئے کہ اب تو جان بھی بچ گئی، مال بھی خوب پیدا ہو گا۔ اور بدستور اپنے کفر اور سرکشی پر اڑے رہے (۴) تو ہم نے ان کے کھیتوں پر

ٹڈیاں (مسلط کیں) اور (جب پھر کھیتوں کو تباہ ہوتے دیکھا تو گھبرا کر پھر ویسے ہی عہد و پیمان کیے، پھر جب آپ کی دعا سے وہ بلا دور ہوئی اور غلہ وغیرہ تیار کر کے اپنے گھر لے آئے تو پھر بے فکر ہو گئے کہ اب تو غلہ اپنے گھر قابو میں آ گیا، اور بدستور اپنے کفر و مخالفت پر جمے رہے، تو ہم نے اس غلہ میں گھن کا کیڑا (پیدا کر دیا) اور (جب پھر گھبرا کر اسی طرح عہد و پیمان کر کے دعا کرائی اور وہ بلا بھی دور ہو گئی اور اس سے مطمئن ہو گئے کہ اب اطمینان کے ساتھ کوٹ پیس کر کھائیں گے، پئیں گے تو پھر وہی کفر اور وہی مخالفت تو اس وقت ہم نے ان کے کھانے کو یوں بے لطف کر دیا کہ ان پر (۶) مینڈک (ہجوم کر کے ان کے برتنوں میں، ہانڈیوں، پیالوں اور پلیٹوں میں گرنا شروع ہو گئے، جس سے سارا کھانا غارت ہونے لگا، اور ویسے بھی گھر میں بیٹھنا دشوار ہو گیا کہ ہر جگہ مینڈک اچھلتے کودتے پھرتے تھے) اور (پینا یوں بے لطف کر دیا کہ (۷) ان کا پانی) خون (ہو جاتا، منہ میں لیا اور خون بنا۔ غرض ان پر یہ بلائیں مسلط ہوئیں) کہ یہ سب (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے) کھلے کھلے معجزے تھے (کہ ان کی مخالفت اور تکذیب پر یہ معجزے ظاہر ہوئے، یہ جادو نہ تھے، جیسا کہ ان کے قول ﴿لِتَسْحَرَنَا﴾ سے معلوم ہوا۔ اور ان ساتوں کے ساتھ عصا اور ید بیضاء ملا کر کل نو ہوئے جنہیں آیاتِ تسعہ کہتے ہیں) تو (چاہئے تھا کہ وہ ان معجزوں اور اللہ کے قہر کی آیتوں کو دیکھ کر ڈھیلے پڑ جاتے، مگر) وہ (پھر بھی) تکبر (ہی) کرتے رہے۔ اور وہ لوگ تھے ہی جرائم پیشہ (کہ اتنی سختی پر بھی باز نہ آتے تھے) اور جب ان پر (مذکورہ بلاؤں میں سے) کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے: اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے، جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (وہ بات ہمارے باز آ جانے پر قہر کا دور کر دینا ہے، تو ہم اب وعدہ کرتے ہیں کہ) اگر آپ اس عذاب کو ہٹا دیں (یعنی دعا کر کے ہٹوا دیں) تو ہم ضرور بالضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر (جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے) ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا، ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) پھر (جب ہر طرح سے دیکھ لیا کہ وہ اپنی شرارت سے باز ہی نہیں آتے، اس وقت) ہم نے ان سے (پورا) بدلا لیا، یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا (جیسا کہ دوسری جگہ ہے) اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے (اور تکذیب و غفلت بھی ایسی ویسی نہیں، بلکہ ایسے اصرار و عناد کے ساتھ کہ اطاعت کا وعدہ کر لیں اور توڑ دیں)

فائدہ: ﴿اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ﴾ سے مراد احقر کے نزدیک دوسری بلا کی آمد سے پہلے پہلے کا وقت ہے کہ اس وقت تک وہ بلا ٹل جاتی، پھر دوسری بلا کہ بلا ہونے میں گویا وہ بالکل پہلی ہی ہے، مسلط ہو جاتی۔ اور قحط اور پھلوں میں کمی کی بلا کے بعد ان کا حسنہ یعنی خوشحالی کی نسبت اپنی طرف اور سیئہ یعنی بدحالی کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کرنا۔ اور طوفان وغیرہ کے بعد ان کا کہنا: ﴿ادْعُ لَنَا رَبَّكَ﴾ یعنی "ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر دیجئے" شاید یہ فرق اس وجہ سے ہو کہ اصلی بلاؤں کو معمولی سمجھنا اور پھر ان کے مسلسل آتے رہنے سے گھبرائے، اور شاید بلا کے طوفان وغیرہ کی شدت بھی

زیادہ ہو اور ظاہر ہو۔

﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے، اس سرزمین کے پورب پچھم کا مالک بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔ اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔ اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کردیا۔

بنی اسرائیل کے ساتھ ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ﴾ کا وعدہ پورا ہوا:

اور ہم نے (فرعون اور اہل فرعون کو غرق کر کے) ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے (یعنی بنی اسرائیل کو) اس سرزمین کے مشرق و مغرب (یعنی تمام حدود) کا مالک بنادیا، جس میں ہم نے (ظاہری یا باطنی) برکت رکھی ہے (ظاہری برکت پیداوار کی کثرت سے اور باطنی برکت: انبیاء علیہم السلام کے فضائل والے مدفن و مسکن ہونے سے) اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا (جس کا انہیں حکم ہوا تھا ﴿اصْبِرُوْا﴾) اور ہم نے فرعون کے اور اس کی قوم کے بنائے ہوئے کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کردیا۔

تفسیر: بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اس زمین سے اور اسی طرح اوپر جو ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ﴾ آیا ہے، اس سے بھی مصر مراد ہے، جیسا کہ درمنثور میں لیث بن سعد سے روایت ہے، اور دوسری آیت میں ﴿اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ میں تصریح ہے کہ یہ لوگ مصر کے مالک ہوئے، اور اس کی ظاہری برکت ظاہر ہے۔ اور تفسیر کی تصحیح کے لئے یہ بھی کافی ہے اور باطنی برکت بھی اس معنی میں ہو سکتی ہے کہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام رہے تھے اور فرعون کے زمانہ تک آپ یہاں ہی دفن رہے۔ اور درمنثور میں مصر کے کچھ فضائل بھی بیان ہوئے ہیں۔

اور بعض اہل علم نے دونوں جگہ ملک شام مراد لیا ہے، اور اس کی ظاہری برکتوں کی طرح باطنی برکتیں بھی ظاہر ہیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن اور مدفن رہا ہے، لیکن اس بنیاد پر گذشتہ آیت کا مضمون بظاہر موقع کے مناسب نہ ہوگا تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ تمہیں جو فرعون نے مقید کر رکھا ہے کہ مصر سے شام کو نہیں جاسکتے جو تمہارا آبائی وطن ہے، تو زمین اللہ کی ہے، تم صبر کرو، تمہیں وہ اس طرح عنایت ہو جائے گی کہ جو شخص رکاوٹ بن رہا ہے، وہ ہلاک ہو جائے گا، پھر جو قوم اس پر

قابض ہے یعنی عمالقہ جن کو قرآن مجید میں جبارین کہا ہے، کسی وقت جنگ میں تم ان پر غالب آ ؤ گے، اور تمہیں وہاں رہنا میسر ہوگا۔

اور اگر یہ قول ثابت ہو جائے کہ بنی اسرائیل پھر مصر میں نہیں آئے تو یہ بعد والی تفسیر گویا بالکل ہی متعین ہو جائے گی۔ اور ان لوگوں کے نزدیک ﴿ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ کے معنی ملکیت کے اثبات سے صحیح ہو جائیں گے، لیکن سورۂ بنی اسرائیل میں ﴿ اسْكُنُوا الْاَرْضَ ﴾ بظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ مصر میں آئے ہیں، اگرچہ تاویل ممکن ہے۔ اور بغوی اور نیسا پوری اور خازن نے دونوں کا مجموعہ مراد لیا ہے، اور یہ قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ارض سے مراد جنس ارض ہو جائے گی، پھر وارث بنانا چاہے مالک بنانے کے طور پر ہو، یا وہاں سکونت کے اعتبار سے، جیسے مصر میں آنے نہ آنے کی نسبت ثابت ہو جائے۔

اور یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے کارخانے اور عمارتیں درہم برہم ہو گئے، اور سورۃ الشعراء کی آیت ۵۷ تا ۵۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ کارخانے اور عمارتیں صحیح سالم ان کے ہاتھ لگے۔ احقر کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ قبضہ میں تو بعینہٖ آئے، لیکن چونکہ بعد والی قوم اور حکومت عام طور سے پہلے والی قوم وحکومت کے انتظامات کو الٹ پلٹ کر دیتی ہے، اس لئے ﴿ دَمَّرْنَا ﴾ فرمایا گیا، تاہم یہ جواب میری نظر سے کہیں گذرا نہیں۔ اور ایک شبہ یہ ہے کہ یہاں ﴿ صَبَرُوْا ﴾ فرمایا، اور اوپر ﴿ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا ﴾ الخ سے ان کا غیر صابر ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شکایت نہیں رنجیدگی ہے جو صبر کے منافی نہیں ہے۔

﴿ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا، پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گذر ہوا جو اپنے چند بتوں کو لگے بیٹھے ہیں، کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک معبود ایسا مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ تباہ کیا جاوے گا اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے۔ اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں، حالانکہ اس نے تم کو تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچا لیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے، تمہارے بیٹوں کو بکثرت

قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی۔

بنی اسرائیل کی بعض جہالتوں کا اوراس کے باوجود انعام عظیم کا بیان:

تمہید: خاص اس مضمون میں بقول روح المعانی قصہ کے بیان کے علاوہ ایک طرح سے رسول اللہ ﷺ کے لئے ان معاملات میں تسلی ہے جو آپ کے زمانہ میں یہود کے ساتھ پیش آئے تھے کہ ان میں تو ہمیشہ سے احسان فراموش ہوتے آئے ہیں، آپ غم نہ کیجئے۔ واللہ اعلم۔

اور (جس دریا میں فرعون غرق کیا گیا) ہم نے بنی اسرائیل کو (اس) دریا سے پار اتار دیا (جس کا قصہ سورۃ الشعراء میں ہے) چنانچہ (پار ہونے کے بعد) ان لوگوں کا ایک قوم پر گذر ہوا جو اپنے کچھ بتوں سے چمٹے بیٹھے تھے (یعنی ان کی پرستش میں لگے ہوئے تھے) کہنے لگے: اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک (مجسم) معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں (کے مزاج) میں بڑی جہالت ہے۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں یہ (اللہ کی جانب سے بھی) تباہ کیا جائے گا (جیسا کہ اللہ کی عادت ہمیشہ سے جاری ہے کہ حق کو باطل پر غالب کر کے اس کو درہم برہم کر دیتے ہیں) اور (اپنے آپ میں بھی) ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے (کیونکہ شرک کا باطل ہونا یقینی و بدیہی ہے) اور فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو تمہارا معبود تجویز کر دوں؟ حالانکہ (توحید کے دلائل کے علاوہ وہ تمہارا محسن اور انعام دینے والا بھی ہے کہ) اس نے تمہیں (بعض احسانوں میں) تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی ہے، اور (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی تائید کے لئے ارشاد فرمایا کہ) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون والوں (کے ظلم وایذا) سے بچالیا، جو تمہیں بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے (کہ) تمہارے بیٹوں کو کثرت سے قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی بے گار اور خدمت کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے تھے، اور اس (واقعہ) میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی بھاری آزمائش تھی (اور بھی بہت سے احسان ہیں، لیکن اگر یہی ایک یاد رکھو تو احسان ماننے کو تو یہ بھی بہت ہے، تم نے کیا اچھا احسان مانا کہ شرک پر آمادہ ہو گئے)

تفسیر: سورۃ البقرہ کی آیت ۴۹ اسی مضمون پر مشتمل گذر چکی ہے۔ تفسیر کی ضرورتیں وہاں ملاحظہ کر لی جائیں۔ اور ان کی اس بے ہودہ درخواست کی وجہ بغوی نے یہ لکھی ہے کہ انہیں توحید میں شک نہیں ہوا تھا، بلکہ اپنی جہالت کی انتہا کی وجہ سے یہ سمجھے کہ غائب ذات کی طرف متوجہ ہونے کے لئے اگر کسی شاہد یعنی نظر آنے والے کو ذریعہ بنایا جائے تو یہ امر دین داری کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس میں اللہ کی تعظیم اور اس کی طرف تقرب زیادہ ہے، اور چونکہ یہ خیال بھی اپنے آپ میں عقلاً و نقلاً غلط ہے، اس لئے اس کو جہل فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ڮ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ع ۱۷

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب اور ان تیس راتوں کا تتمہ بنایا، سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہو گیا، اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔ اور جب موسیٰؑ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں، ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے، لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، سو اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے، پس ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی، تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیئے، اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا: بے شک آپ کی ذات منزہ ہے، میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں، اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰؑ! میں نے پیغمبری اور ہم کلامی سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے اس کو لو اور شکر کرو۔ اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی تو ان کو کوشش کے ساتھ عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں۔ میں اب بہت جلد تم لوگوں کو ان بے حکموں کا مقام دکھلاتا ہوں۔ میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں، جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں، اور اگر تمام نشان دیکھ لیں، تب بھی ان پر ایمان نہ لاویں، اور اگر ہدایت کا رستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بناویں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلایا

اوران سے غافل رہے۔ اور یہ لوگ جنھوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب کام غارت گئے، ان کو وہی سزا دی جاوے گی جو کچھ یہ کرتے تھے۔

حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کرنا اور کلام فرمانا:

اور (جب بنی اسرائیل سب پریشانیوں سے مطمئن ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب ہمیں کوئی شریعت ملے تو اس پر اطمینان کے ساتھ عمل کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے درخواست کی، حق تعالیٰ اس کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ) ہم نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) سے تیس رات کا وعدہ کیا (کہ طور پر آ کر اعتکاف کریں تو آپ کو شریعت کی کتاب توریت عطا کی جائے) اور دس راتوں کو ان کا تتمہ بنایا (یعنی توریت دے کر ان میں دس راتیں عبادت کے واسطے اور بڑھا دیں، جس کی وجہ سورۂ بقرہ تیسرے معاملہ میں بیان ہو چکی ہے) تو ان کے پروردگار کا (مقرر کیا ہوا) وقت (یہ سب مل کر) پوری چالیس رات ہو گیا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام کوہ طور پر آنے لگے تو چلتے وقت انھوں) نے اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) سے کہہ دیا تھا کہ (ذرا) میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور (ان کی) اصلاح کرتے رہنا، اور بگڑے ہوئے فسادی لوگوں کی رائے پر عمل مت کرنا۔ اور جب موسیٰ (علیہ السلام اس واقعہ میں) ہمارے (مقررہ) وقت پر آئے (تھے، جس کا قصہ بیان ہو رہا ہے) اور ان کے رب نے ان سے (بہت سی لطف وعنایت کی باتیں کہیں، تو (خوشی کی شدت اور جوش میں دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا کہ تم مجھے (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے (کیونکہ تمہاری یہ آنکھیں میرے جمال کی تاب نہیں لاسکتیں، جیسا کہ مشکوۃ میں مسلم کی روایت ہے: لاحرقت سبحات وجهه) لیکن (تمہاری تشفی کے لئے یہ تجویز کرتے ہیں کہ) تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو (پس اس پر اپنی تجلی کی ایک جھلک ڈالتے ہیں) تو اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو (اخیر، سمجھنا کہ) تم بھی دیکھ سکو گے (غرض موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف دیکھنے لگے) چنانچہ ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تو اس تجلی نے اس (پہاڑ) کے پرخچے اڑا دیئے، اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب انہیں افاقہ ہوا تو عرض کیا: بے شک آپ کی ذات (ان آنکھوں کی برداشت سے) پاک (اور ارفع واعلیٰ) ہے، میں آپ کی جناب میں (اس مشتاقانہ درخواست پر) معذرت کرتا ہوں اور (جو کچھ حضور کا ارشاد ہے کہ ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾) سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ (یہی بات ہے کہ) میں نے (تمہیں) اپنی (طرف سے) پیغمبری (کا عہدہ دے کر) اور اپنے (ساتھ) ہم کلامی (کا شرف بخش کر اس کے ذریعہ) دوسرے لوگوں پر تمہیں امتیاز بخشا ہے تو (اب) نصیحتیں اور (ضروری احکام سے متعلق) ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی (یہی تختیاں توریت ہیں، پھر حکم ہوا کہ جب تختیاں ہم نے دی ہیں) تو ان کو کوشش کے ساتھ (خود بھی) عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو (بھی) حکم کرو کہ

ان کے اچھے اچھے احکام پر (یعنی سبھی پر کہ سبھی اچھے ہیں) عمل کریں۔ میں اب بہت جلد تم لوگوں کو (یعنی بنی اسرائیل کو) ان نافرمانوں کا (یعنی فرعونیوں کا یا عمالقہ کا) مقام دکھاتا ہوں (اس میں اس بات کی بشارت اور وعدہ ہے کہ بہت جلد تمہارا مصر یا شام پر تسلط ہونے والا ہے۔ اس سے مقصود اطاعت کی ترغیب دینا ہے کہ اللہ کے احکام پر عمل کی برکتیں ہیں۔ اب اطاعت کی ترغیب کے بعد مخالفت کی ترہیب یعنی ڈرانے کے لئے ارشاد ہے کہ) میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا، جو دنیا میں (احکام ماننے سے) تکبر کرتے ہیں، جس کا انہیں کوئی حق نہیں (کیونکہ خود کو بڑا سمجھنا اس کا حق ہے جو واقع میں بڑا ہو، اور وہ صرف ایک اللہ کی ذات ہے) اور (برگشتگی کا ان پر یہ اثر ہوگا کہ) اگر (دنیا بھر کی) تمام نشانیاں (بھی) دیکھ لیں تب بھی (انتہائی سخت دلی کی وجہ سے) ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں (یعنی حق کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے پھر دل سخت ہو جاتا ہے، اور برگشتگی اس حد تک پہنچ جاتی ہے) یہ (اس درجہ کی برگشتگی) اس سبب سے ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو (تکبر کی وجہ سے) جھوٹا بتایا۔ اور ان (کی حقیقت میں غور کرنے) سے غافل رہے (یہ سزا تو دنیا میں ہوئی کہ ہدایت سے محروم رہے) اور (آخرت میں یہ سزا ہوگی کہ) یہ لوگ جنھوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا، ان کے سب کام (جن سے انہیں نفع کی توقع تھی) غارت ہو گئے (اور ضائع جانے کا انجام جہنم ہے) انہیں وہی سزا دی جائے جو کچھ یہ کرتے تھے (یعنی ان کا کفر اسی سزا کا مقتضی تھا)

یہاں چند امور قابل تحقیق ہیں:

اول: موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے کلام فرمایا، مگر یہ کہ اس کی حقیقت کیا تھی؟ یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، جن عقلی احتمالات کی شریعت نفی نہ کرے، ان سب کے قائل ہونے کی گنجائش ہے، لیکن جب تک کوئی دلیل نہ ہو، کسی کی تعیین نہ کرنا بہتر ہے، اس کی زیادہ تفصیل علم الکلام کی کتابوں میں ہے۔ البتہ قرآن مجید کے ظاہری الفاظ سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ اِس کلام کو اُس کلام کے مقابلہ میں جو نبوت عطا کرتے وقت ہوا تھا، متکلم سے کچھ زیادہ خصوصی تعلق ہے، چنانچہ یہاں مطلق ﴿كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ جبکہ وہاں ﴿نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ﴾ (سورۃ القصص آیت ۳۰) آیا ہے۔ اور غالباً اس زیادہ خصوصیت کی وجہ سے ہی یہ کلام دیکھنے کے اشتیاق کا سبب بنا، جبکہ اس کلام میں یہ بات نہیں ہے۔ واللہ اعلم

دوسرے: موسیٰ علیہ السلام کا دیدار کی درخواست کرنا، دنیا میں اس کے عقلی امکان پر اور حق تعالیٰ کا اس کے ناممکن ہونے کا جواب شرعی طور پر ناممکن ہونے کی دلیل ہے۔ اور اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور اس بارے میں صحیح و صریح حدیث بھی وارد ہوئی ہے، جیسا کہ مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے۔ اور مسلم کے

الفاظ یہ ہیں: لن یری احد منکم ربه حتی یموت: یعنی تم میں سے کوئی اپنے رب کو اس وقت تک نہیں دیکھ سکتا جب تک کہ مر نہ جائے۔

تیسرے: پہاڑ پر تجلی ہونے کے معنی یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا خاص نور اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے مخلوق سے پردہ میں ہے، اور اس پردہ کے جو ذرائع ہیں وہ حجاب اور موانع یعنی رکاوٹیں ہیں۔ ان کی تعیین اللہ ہی کو معلوم ہے، لہٰذا شاید ان حجابوں میں سے کچھ حجاب اٹھا دیئے گئے ہوں، اور چونکہ وہ اٹھائے گئے حجاب تھوڑے تھے، اس لئے ترمذی کی مرفوع حدیث میں ان کی مثال چھوٹی انگلی کی پوری سے دی گئی، ورنہ اللہ تعالیٰ کی صفات اجزا اور مقدار سے بالاتر ہیں، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال اختیاری ہیں، اس لئے ممکن ہے کہ وہ پہاڑ کے حجابوں کے اعتبار سے اٹھائے گئے ہوں۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر مخلوقات کے اعتبار سے نہ اٹھائے گئے ہوں، یہ ﴿لِلْجَبَلِ﴾ کے معنی ہو جائیں گے۔ اور چونکہ حجابوں کے اٹھائے جانے کا خاصہ جلا ڈالنا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: لاحرقت سبحات النور ما انتهى إليه بصرهٗ: اس لئے پہاڑ کی یہ حالت ہوئی، اور یہ ضروری نہیں کہ سارے پہاڑ کی یہ حالت ہو جائے، کیونکہ خود اپنے اختیار سے کسی خاص قطعہ پر تجلی فرمانا ممکن ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی خود ان پر تجلی فرمانے کی وجہ سے نہیں تھی، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ ﴿لِلْجَبَلِ﴾ کے خلاف ہے، بلکہ پہاڑ کی یہ حالت دیکھ کر اور تجلی کے محل کے ساتھ ایک طرح کے تعلق کی وجہ سے اور اس سے قریب ہونے کی وجہ سے یہ بے ہوشی ہوئی۔

چوتھے: ﴿فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ﴾ سے بظاہر اپنی جگہ قائم رہنے کی تقدیر پر رویت یعنی دیکھنے اور دیدار کا واقع ہونا اور قائم نہ رہنے کی بنیاد پر دیدار کا واقع نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے، اس میں قابل تحقیق امر یہ ہے کہ ان میں آپس میں کیا تعلق ہے؟ تو قائم نہ رہنے اور رویت واقع نہ ہونے میں تو یہ تعلق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے دیکھنے کی قوت بصری عنصری ترکیب میں پہاڑ سے زیادہ کمزور اور لطیف ہے جب زیادہ قوی اور شدید اس کو برداشت نہیں کر سکا تو اس سے بہت زیادہ کمزور اس کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ اور اس تقریر پر اگرچہ قائم رہنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت بینائی کا تحمل عقلی طور پر لازم نہیں ہوگا، لیکن اس کو وعدہ پر محمول کرنے سے اشکال دور ہو جائے گا یعنی دونوں کے برابر نہ ہونے کے باوجود ہم اپنی مہربانی سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اس نے برداشت کر لیا تو تمہاری قوت بینائی کو بھی برداشت کے قابل کر دیا جائے گا۔

پانچویں: تجلی کے واقع ہونے سے رویت کے واقع ہونے کا شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے مترادف یا ایک دوسرے کے لئے لازم نہیں ہیں، بلکہ تجلی کے معنی کسی شے کا ظہور ہے، چاہے دوسرے کو اس کا احساس بھی نہ ہو، لہٰذا تجلی کا رویت سے الگ ہونا ممکن ہے، جیسا کہ سورج کو روشن اور چمکتا ہوا کہہ سکتے ہیں، لیکن چمگادڑ کو دیکھنے والا اور ادراک کرنے والا کہنا لازم نہیں آتا، کیونکہ ممکن ہے کہ ابتدائی تجلی سے ہی چمگادڑ کی آنکھ کا دیکھنا معطل ہو جاتا ہو، تجلی سے

پہلے ہی زمانہ کے لحاظ سے یا تجلی کے ساتھ زمانہ کی معیت میں اور ذاتی طور سے پہلے اس بحث کے سلسلہ میں کسی قدر سورۃ الانعام آیت ۱۰۳ ﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ کے ذیل میں لکھا جاچکا ہے، ملاحظہ کرلیا جائے۔

اور ﴿ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴾ کی تفسیر میں جو دو احتمال لکھے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، کہ بنی اسرائیل مصر میں واپس گئے ہیں یا نہیں، جیسا کہ اوپر آیت ﴿ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ ﴾ کی تفسیر میں گذر چکا ہے، اور سورۃ البقرہ کے تیسرے معاملہ میں کسی قدر آیت ﴿ وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ﴾ کے متعلق بھی ذکر ہوا۔ وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ اور اکثر آثار اور خبریں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ تختیاں لکھی ہوئی عطا ہوئی تھیں۔ اور بظاہر ﴿ كَتَبْنَا ﴾ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام کا ﴿ اخْلُفْنِیْ ﴾ فرمانا اس بنا پر ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام صرف نبی تھے، حاکم اور سلطان نہیں تھے، اس صفت میں خلیفہ بنانا مقصود ہے، نبوت میں خلیفہ بنانا مقصود نہیں۔

﴿ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَ لَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ۝ وَ لَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىٕنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ یَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ٘ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ وَ اَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ٘ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ٘ وَ فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ۝ ﴾

ع ۱۸

ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیوروں کا ایک بچھڑا ٹھہرایا جو کہ ایک قالب تھا، جس میں ایک آواز تھی، کیا انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات تک نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو کوئی راہ بتلاتا تھا، اس کو انھوں نے معبود قرار دیا اور بڑا بے ڈھنگا کام کیا۔ اور جب نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گذرے ہونگے، اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف واپس آئے غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے تو فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی، کیا اپنے رب کے حکم سے پہلے ہی تم نے

جلد بازی کرلی اور جلدی سے تختیاں ایک طرف رکھیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ ہارونؑ نے کہا کہ اے میرے ماں جائے! ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں، تو تم مجھ پر دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھ کو ان ظالم لوگوں کے ذیل میں مت شمار کرو۔ موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے رب! میری خطا معاف فرمادے اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیوی زندگی ہی میں پڑے گی، اور ہم افتراء پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے پھر وہ ان کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لے آویں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد گناہ کا معاف کر دینے والا رحمت کرنے والا ہے۔ اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھالیا اور ان کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے، ہدایت اور رحمت تھی۔

گئوسالہ پرستی کا قصہ اور اس کا انجام:

اور (جب موسیٰ علیہ السلام توریت لانے کے لئے طور پر تشریف لے گئے تو) موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم (یعنی) بنی اسرائیل نے ان کے (جانے کے) بعد اپنے (قبضہ میں لئے ہوئے) زیوروں کا (جو کہ مصر سے نکلتے وقت قبطیوں سے شادیوں وغیرہ کے بہانے سے مانگ لئے تھے) ایک بچھڑا (بنا کر جس کا تفصیلی قصہ سورۂ طٰہٰ میں ہے، اس کو معبود) بنایا جو کہ (صرف اتنی حقیقت رکھتا تھا کہ) ایک بے جان جسم تھا، جس میں ایک آواز تھی (اور اس میں کوئی کمال نہ تھا، جس سے کسی عاقل کو اس کے معبود ہونے کا شبہ ہو سکے) کیا انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اس میں اللہ معبود (جیسی صفات تو کیا ہوتیں آدمی کے برابر بھی قدرت نہیں تھی، چنانچہ) وہ ان سے بات تک نہیں کرتا تھا، اور نہ ان کو (دنیا یا دین کی) کوئی راہ بتاتا تھا (غرض یہ کہ) اس (بچھڑے) کو انھوں نے معبود قرار دیا اور (چونکہ اس میں اصلاً کوئی شبہ کی وجہ نہیں تھی، اس لئے انھوں نے) بڑا بے ڈھنگا کام کیا، اور (موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے کے بعد جس کا قصہ آگے آتا ہے، ان کے تنبیہ فرمانے سے) جب (متنبہ ہوئے اور اپنی اس حرکت پر) نادم ہوئے، اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو (ندامت کے ساتھ معذرت کے طور پر) کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا (یہ) گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گذرے ہوں گے (چنانچہ انہیں خاص طریقہ سے توبہ کی تکمیل کا حکم ہوا، جس کا قصہ سورۂ بقرہ آیت ۵۴ میں گذرا ہے) اور (موسیٰ علیہ السلام کے متنبہ فرمانے کا قصہ یہ ہوا کہ) جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف (طور سے) غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے (کیونکہ انہیں وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا تھا، جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے: ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا﴾ الخ آیت ۸۵) تو (پہلے قوم کی طرف متوجہ ہوئے) فرمایا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی، کیا

اپنے رب کے حکم (کے آنے) سے پہلے ہی تم نے (ایسی) جلد بازی کرلی (میں تو احکام ہی لینے گیا تھا، میرا انتظار تو کیا ہوتا) اور (پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور دینی حمیت کے جوش میں) جلدی سے (توریت کی) تختیاں (تو) ایک طرف رکھیں (اور جلدی میں ایسے زور سے رکھی گئیں کہ دیکھنے والے کو اگر غور نہ کرے تو شبہ ہو کہ جیسے کسی نے پٹخ دی ہوں) اور (ہاتھ خالی کرکے) اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کا سر (یعنی بال) پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے (کہ تم نے پورا انتظام کیوں نہیں کیا؟ اور چونکہ غصہ کے غلبہ کی وجہ سے ایک طرح کی بے اختیاری ہوگئی تھی، اور غضب بھی دین کے لئے تھا، اس لئے اس بے اختیاری کو معتبر قرار دیا جائے گا، اور اس اجتہادی لغزش پر اعتراض نہیں کیا جائے گا) ہارون (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (بھائی! میں نے اپنی کوشش میں ممکن حد تک بہت روکا، لیکن) ان لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا (بلکہ نصیحت کرنے پر) قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں، تو تم مجھ پر (سختی کرکے) دشمنوں کو مت ہنساؤ، اور مجھے (اپنے برتاؤ سے) ان ظالم لوگوں کے ساتھ شمار مت کرو (کہ ان کی جیسی ناخوشی مجھ سے بھی برتنے لگو) موسیٰ (علیہ السلام) نے (اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور) کہا کہ اے میرے رب! میری خطا (چاہے وہ اجتہادی ہی ہو) معاف فرمادے اور میرے بھائی کی بھی (کوتاہی جو ان مشرکوں کے ساتھ معاملہ میں کسی قسم کی ڈھیل ہوگئی ہو، جیسا کہ اس قول سے معلوم ہوتا ہے ﴿قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ﴾ یعنی ''اے ہارون! آپ کو کس چیز نے روکا تھا جب آپ نے ان کو گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا کہ آپ نے میری پیروی نہیں کی؟'' سورۂ طٰہٰ آیت ۹۲و۹۳) اور ہم دونوں کو اپنی (خاص) رحمت میں داخل فرمائیے۔ اور آپ سب رحم کرنے والوں میں زیادہ رحم کرنے والے ہیں (اس لئے ہمیں دعا کی قبولیت کی امید ہے، پھر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے ان گئو سالہ پرستوں کے بارے میں فرمایا کہ) جن لوگوں نے گئو سالہ پرستی (یعنی بچھڑے کی پوجا) کی ہے (اگر اب بھی توبہ نہ کریں گے تو) ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے اس دنیاوی زندگی میں ہی غضب اور ذلت پڑے گی، اور (کچھ انہی کی تخصیص نہیں) ہم (تو) افترا پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (کہ دنیا ہی میں مغضوب اور ذلیل ہوجاتے ہیں، چاہے کسی وجہ سے کبھی اس ذلت کا ظہور نہ ہو یا دیر میں ہو۔ چنانچہ سامری نے جو توبہ نہ کی، اس پر غضب اور ذلت کا نزول ہوا، جس کا قصہ سورۂ طٰہٰ میں ہے: ﴿قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ﴾ آیت ۹۷) اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے (مثلاً گئو سالہ پرستی ان سے ہوگئی، مگر) پھر وہ ان (گناہوں) کے کرنے کے بعد توبہ کرلیں اور (اس کفر کو چھوڑ کر) ایمان لے آئیں تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد (ان کے) گناہ معاف کردینے والا (اور ان کے حال پر) رحم کرنے والا ہے (چاہے توبہ کی تکمیل کے لئے ﴿اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ کا بھی حکم ہوا ہو، کیونکہ اصل رحمت آخرت کی ہے، چنانچہ توبہ کرنے والوں کی خطا اسی طرح معاف ہوئی) اور جب (ہارون علیہ السلام کی یہ معذرت سن کر) موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ دور ہوا تو ان تختیوں کو اٹھالیا اور ان (تختیوں) کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے،

ہدایت اور رحمت تھی (احکام مراد ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے آدمی میں ہدایت کی صفت پیدا ہوتی ہے اور اس سے رحمت کا وعدہ ہوتا ہے)

فائدہ: چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا غضب اللہ کے لئے تھا، اس کی مثال مباح نشہ جیسی ہے، جس میں آدمی مکلف نہیں ہوتا، اس پر دوسرے شخص کے غصہ کو قیاس نہیں کرسکتے، جو اپنے نفس کے واسطے ہو، بلکہ اس کی حالت حرام نشہ جیسی ہے، جس کو شارع نے عذر قرار نہیں دیا، چنانچہ ایسے نشہ میں طلاق وغیرہ کے واقع ہونے کا حکم معلوم ہے، اور عادت کے طور پر یہ بھی ممکن ہے کہ مشغولیت کی شدت میں غفلت ہوگئی ہو کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے، اور بھائی کی گرفت کرنے کے لئے ہاتھ خالی کردیا ہو، اس لئے تختیوں کو ڈالنے کا واقعہ ہوا ہو، جیسے اکثر کسی بات چیت یا کسی خیال کے غلبہ کے وقت ایسے اتفاقات پیش آجاتے ہیں، اور بعض نے لکھا ہے کہ ﴿ اَلْقَى ﴾ کے معنی ہیں: ''جلدی سے رکھ دینا'' مجاز اور تشبیہ کے طور پر القا سے تعبیر کیا۔ اور اس بچھڑے کے بارے میں بزرگوں کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ وہ سچ مچ کا بچھڑا ہوگیا تھا، اور ایک یہ کہ وہ سونے چاندی کا ایک مجسمہ ہی رہا تھا، اور آواز کرنے کی حد تک اس میں جان آگئی تھی، اور دونوں باتیں اللہ کی قدرت میں داخل ہیں، اس لئے یہ کہنے کی کوئی دلیل نہیں کہ یہ آواز ایسی تھی جیسے مٹی کے کھلونوں میں مصنوعی آواز ہوتی ہے۔

﴿ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور موسیٰ نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے ہمارے وقت معین کے لئے منتخب کئے، سو جب ان کو زلزلہ نے آپکڑا تو موسیٰ عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! اگر آپ کو یہ منظور ہوتا تو آپ اس کے قبل ہی ان کو اور مجھ کو ہلاک کردیتے، کہیں آپ ہم میں کے چند بیوقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کردیں گے، یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیں اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں۔ آپ ہی تو ہمارے خبر گیراں ہیں، ہم پر مغفرت اور رحمت فرمایئے اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ معافی دینے والے ہیں۔ اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور آخرت میں بھی، ہم آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے۔ تو وہ

رحمت ان لوگوں کے نام تو ضرور ہی لکھوں گا جو کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر لوگوں کو طور پر لے جانا اور وہاں ان کے ساتھ معاملہ پیش آنا:

اور (جب گئو سالہ کا قصہ ختم ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے اطمینان کے ساتھ توریت کے احکام سنائے، ان لوگوں کی عادت شکوک وشبہات ظاہر کرنے کی تھی ہی، چنانچہ اس پر بھی شبہ ظاہر کیا کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں، ہم سے اللہ تعالیٰ خود کہہ دیں تو ہم یقین کر لیں، آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا، وہاں سے حکم ہوا کہ آپ ان میں سے کچھ آدمیوں کو جنہیں یہ معتبر سمجھتے ہوں، منتخب کر کے کوہِ طور پر لے آئیں، ہم ان سے خود کہہ دیں گے کہ یہ ہمارے احکام ہیں، اور انہیں لانے کے لئے ایک وقت مقرر کیا گیا، چنانچہ) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت (پر لانے) کے لئے منتخب کئے (چنانچہ انھوں نے وہاں پہنچ کر اللہ کا کلام سنا تو اس میں ایک شوشہ نکالا اور کہنے لگے کہ خدا جانے کون بول رہا ہوگا، ہم تو جب یقین کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھ سے دیکھ لیں، جیسا کہ نقل کیا گیا ہے ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ سورۂ بقرہ آیت ۵۵۔ اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی کی سزا دی، نیچے سے شدید زلزلہ شروع ہوا اور اوپر سے بجلی کی ایسی کڑک دار آواز ہوئی کہ سب وہاں ہی ڈھیر ہو گئے) تو جب انہیں زلزلہ (وغیرہ) نے آپکڑا تو موسیٰ (علیہ السلام ڈرے کہ بنی اسرائیل جاہل اور بدگمان تو ہیں ہی، اب اور یوں سمجھیں گے کہ کہیں لے جا کر کسی طرح ان سب کو ہلاک کر دیا ہے، گھبرا کر) عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار! (یہ تو مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کو محض سزا دینی منظور ہے، خاص ہلاک کرنا مقصود نہیں ہے، کیونکہ) اگر آپ کو یہ منظور ہوتا تو آپ اس سے پہلے ہی انہیں اور مجھے ہلاک کر دیتے (کیونکہ ان کا اس وقت ہلاک ہونے کا مطلب بنی اسرائیل کے ہاتھوں میری بھی ہلاکت ہے، تو اگر آپ کو یہ مقصود ہوتا تو آپ پہلے بھی ایسا کر سکتے تھے، مگر جب پہلے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہو گیا کہ ان کو بھی ہلاک کرنا مقصود نہیں، کیونکہ اس سے میری ہلاکت بھی ہے اور بدنامی بھی، اس لئے آپ سے امید ہے کہ آپ مجھے بدنام نہیں کریں گے اور بھلا) کہیں آپ ہم میں سے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے (کہ بے وقوفی تو کریں یہ لوگ کہ ایسی گستاخی کریں اور ساتھ میں بنی اسرائیل کے ہاتھ سے میں بھی ہلاک ہوں، آپ سے امید ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے، لہٰذا ثابت ہوا کہ) یہ واقعہ (زلزلہ اور کڑک دار آواز کا) محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے آپ جس کو چاہیں گمراہی میں ڈال دیں (کہ وہ حق تعالیٰ کی شکایت اور ناشکری کرنے لگے) اور آپ جس کو چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں (کہ آپ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھتے ہیں، تو میں آپ کے فضل وکرم سے آپ کے حکیم ہونے کا علم رکھتا ہوں، لہٰذا میں اس امتحان میں مطمئن ہوں۔ اور) آپ ہی تو ہماری خبرگیری کرنے والے ہیں، ہم پر مغفرت اور

رحمت فرمایئے، اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ معافی دینے والے ہیں (اس لئے ان کی گستاخی بھی معاف کر دیجئے، چنانچہ وہ لوگ صحیح وسالم اٹھ کھڑے ہوئے، اس کی تفصیل کے لئے سورۂ بقرہ کا ساتواں و آٹھواں معاملہ ملاحظہ کریں) اور (اس دعا کے ساتھ آپ نے رحمت کی تفصیل کے لئے یہ بھی دعا کی کہ) ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خوش حالی لکھ دیجئے (کیونکہ) ہم آپ کی طرف (خلوص وطاعت کے ساتھ) رجوع کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے (موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور) فرمایا کہ (اے موسیٰ! اول تو میری رحمت، میرے غضب پر بڑھی ہوئی ہے، چنانچہ) میں اپنا عذاب (اور غضب) تو اسی پر واقع کرتا ہوں، جس پر چاہتا ہوں (اگرچہ عذاب کا مستحق تو ہر نافرمان ہوتا ہے، لیکن میں پھر بھی سب پر عذاب واقع نہیں کرتا، بلکہ ان میں سے خاص خاص لوگوں پر واقع کرتا ہوں جو انتہائی سرکش وباغی ہوتے ہیں) اور میری رحمت (ایسی عام ہے کہ) تمام اشیاء کا احاطہ کر رہی ہے (باوجودیکہ ان میں بہت سی مخلوق مثلاً سرکش اور باغی جنات اور انسان اس کے مستحق نہیں ہوتے، مگر ان پر بھی ایک طرح کی رحمت ہوتی ہے، اگرچہ دنیا ہی میں سہی، لہٰذا جب میری رحمت غیر مستحق لوگوں کے لئے بھی عام ہے) تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو (پوری طرح) ضرور ہی لکھوں گا جو کہ (وعدہ کے مطابق اس کے مستحق بھی ہیں، کیونکہ وہ اطاعت کرتے ہیں، چنانچہ) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں (جو دل کے اعمال میں سے ہے) اور زکوٰۃ دیتے ہیں (جو جسم کے ظاہری اعضا کے اعمال میں سے ہے) اور جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں (جو کہ عقائد میں سے ہے تو ایسے لوگ تو پہلے ہی سے رحمت کے مستحق ہیں، چاہے آپ درخواست بھی نہ کرتے، اور اب تو آپ درخواست بھی کر رہے ہیں ﴿ ارْحَمْنَا وَاكْتُبْ لَنَا ﴾ تو ہم اس دعا کی قبولیت کی بشارت دیتے ہیں، کیونکہ آپ تو ایسے ہیں ہی، اور آپ کی قوم میں بھی جو رحمت کے مستحق بننا چاہتے ہیں انہیں چاہئے کہ ایسے ہی اوصاف اختیار کریں کہ وہ اس کے مستحق ہو جائیں۔

فائدہ: رحمت کے مستحق لوگوں کا تقویٰ وزکوٰۃ وایمان میں محدود ہونا بیان کرنا مقصود نہیں ہے، یہاں ہر باب کا ایک عمل نمونہ کے طور پر ذکر فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ احکام کی اطاعت کرتے ہیں، پھر جس درجہ کی اطاعت ہوگی، اسی درجہ کی رحمت ہوگی، اور دعا میں رحمت کے ساتھ مغفرت اور حسنہ کا بھی ذکر ہے، تو رحمت کے عموم میں وہ بھی داخل ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ ع

رَسُوۡلِهِ النَّبِيِّ الۡاُمِّيِّ الَّذِيۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۞ وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰٓى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ۞﴾

ترجمہ: جولوگ ایسے رسول، نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جب اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں، جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آجاؤ۔ اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں، اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں۔

ربط: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ قصہ اوپر بیان ہوا ہے اور کچھ آگے آئے گا، مگر درمیان میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے مضمون کی مناسبت سے جس میں رحمت کاملہ کی بشارت کی، اطاعت کاملہ والوں کے ساتھ خصوصیت کا ذکر ہے، جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک کے اہل کتاب کو سنانے کے لئے ایک مضمون جملۂ معترضہ کے طور پر لایا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تو اوپر کے مضمون سے معلوم ہو گیا کہ رحمت کاملہ کے مستحق اطاعت کاملہ والے ہی ہوتے ہیں، اب ہم بتاتے ہیں کہ محمد ﷺ کی نبوت کے زمانہ میں اس مفہوم کے مصداق وہی لوگ ہیں جو آپ کی اطاعت کرتے ہیں، خاص طور سے جبکہ نبوت کے اثبات کے دوسرے دلائل کے علاوہ توریت اور انجیل میں بھی آپ کی پیشین گوئی ہے، تب تو اہل کتاب کو خاص طور سے اطاعت نہ ہونے میں کوئی عذر نہیں ہے، ایک آیت میں تو یہ مضمون خاص اہل کتاب کے مناسب ہے، پھر دوسری آیت میں ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ﴾ میں عام مکلّف لوگوں پر محمدؐ کی اطاعت کے وجوب کا خطاب عام ہے۔ اور تیسری آیت میں ﴿وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰٓى﴾ میں ان اہل کتاب کی مدح ہے جو حضور ﷺ کی اتباع کرتے تھے، اس کے بعد پھر مذکورہ بالا قصہ کو پورا کیا گیا ہے۔

آخری زمانہ میں محمدؐ کی اتباع میں فلاح ونجات کا منحصر ہونا اور اتباع کرنے والوں کی تعریف:

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے کہ) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور ان کے لئے پاکیزہ

چیزوں کو حلال بتاتے ہیں (چاہے وہ پہلی شریعتوں میں حرام تھیں) اور گندی چیزوں کو ان پر (بدستور) حرام فرماتے ہیں، اور ان لوگوں پر (پہلی شریعتوں میں) جو بوجھ اور طوق (لدے ہوئے) تھے (یعنی ان پر سخت احکام تھے) ان کو دور کرتے ہیں (یعنی ایسے احکام ان کی شریعت سے منسوخ ہو جاتے ہیں) تو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں، اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں، اور اس نور کا (اس سے قرآن مراد ہے) اتباع کرتے ہیں، جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں (کہ ہمیشہ کے عذاب سے بچ رہیں گے۔ یہ کلام تو اہل کتاب کے اعتبار سے تھا، آگے بعثت کے عموم کا بیان ہے کہ) آپ کہہ دیجئے کہ اے (دنیا جہان کے) لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، تو (ایسے) اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے (ایسے) نبی امی پر (بھی ایمان لاؤ) جو کہ (خود) اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں (یعنی اس عظیم مرتبہ کے باوجود انہیں اللہ پر اور تمام رسولوں اور کتابوں پر ایمان رکھنے سے عار نہیں ہے، تو تمہیں اللہ و رسول پر ایمان لانے سے کیوں انکار ہے) اور ان (نبی) کا اتباع کرو، تا کہ تم (سیدھے) راستہ پر آجاؤ، اور (اگرچہ بعض نے آپ کی مخالفت کی، لیکن) موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو (دین) حق (یعنی اسلام) کے مطابق (لوگوں کو) ہدایت (بھی) کرتے ہیں، اور اس کے مطابق (اپنے اور غیروں کے معاملات میں) انصاف بھی کرتے ہیں (اس سے عبداللہ بن سلام وغیرہ مراد ہیں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت جس طرح دلائل سے ثابت ہے، اسی طرح اہل علم کی شہادت سے بھی اس کی تائید ہو چکی ہے)

تفسیر: ﴿ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ ﴾ کا حاصل یہ ہے کہ یہود پر جو بعض اشیاء حرام تھیں، اس کی وجہ ان اشیا کا برا ہونا نہ تھا، بلکہ ان کی شرارت اور سرکشی اس کا سبب تھا، ان کے طیب ہونے کی بنیاد پر آپ کی شریعت میں پھر عمل ہوا، اور امی کے معنی یہ ہیں کہ جیسے آدمی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں کسی شخص کا شاگرد نہیں ہوتا، آپ ﷺ نے عمر بھر لکھنے پڑھنے کے معاملہ میں کسی کی شاگردی نہیں کی، اور پھر یہ اعلیٰ سطح کے علوم اور گہرے حقائق ظاہر فرمائے، یہ کتنا بڑا کمال ہے، اور موجودہ توریت وانجیل تحریف شدہ ہونے کے باوجود آپ کے اوصاف اور بشارتوں سے خالی نہیں، جس کی تفصیلات اہل کتاب کے مناظروں کی کتابوں میں موجود ہیں، اور اگر بشارت میں صرف اشارے اور علامتیں کافی نہیں، بلکہ نام کی تصریح کی ضرورت ہے تو اس وقت کے علماء کا ان آیتوں کو سن کر خاموش رہ جانا کھلی دلیل ہے کہ اس وقت نام بھی ہوگا ورنہ وہ لوگ اس پر اعتراض کرتے، اور وہ اعتراض تاریخ کی کتابوں میں منقول ہوتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت اور انجیل کی تحریفیں بڑھی گئیں (میں نے یہ باتیں فتح المنان سے لی ہیں، اور ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ کے لفظ ناس میں مطلق عرف کے اعتبار سے جنات بھی شامل ہیں، جیسا کہ ﴿ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴾ میں کہا گیا ہے۔ اور آپ کی بعثت کا عموم قطعی دلائل سے ثابت ہے اور رسول اور نبی میں چند فرق بیان کئے گئے ہیں۔ قرآنی آیات سے احقر یہ سمجھتا

ہے کہ نبی بشر کے ساتھ خاص ہے، اور رسول میں ملائکہ بھی شامل ہیں، یہاں دو صفتیں لانے سے تاکید مقصود ہے۔ اور اصر بوجھ اور اغلال یعنی طوق سے مراد وہ احکام ہیں جو توریت میں سخت سخت تھے اور توریت و انجیل کی تخصیص اس لئے کی کہ وہ شریعت کی کتاب سمجھی جاتی تھی، ورنہ آپ کی بشارت زبور میں بھی تھی۔

﴿وَ قَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کردی۔ اور ہم نے موسیٰ کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو، بس فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کرلیا۔ اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ فگن کیا اور ان کو ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں۔ کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں۔ اور انھوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔

ربط: کچھ اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا تھا، درمیان میں موقع و محل کے لحاظ سے ضروری ایک دوسرا مضمون آگیا تھا، اب پھر قصہ کا تتمہ ہے۔

بنی اسرائیل کے لئے مخصوص بعض نعمتیں:

اور ہم نے (بنی اسرائیل پر ایک انعام یہ کیا کہ ان کی اصلاح و انتظام کے لئے) انہیں بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعتیں مقرر کردیں (اور ہر ایک پر نگرانی کے لئے ایک سردار مقرر کردیا، جن کا ذکر سورۂ مائدہ آیت ۱۲ میں ہے: ﴿وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا﴾) اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا جبکہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا (اور انھوں نے حق تعالیٰ سے دعا کی، اس وقت یہ حکم ہوا) کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو (اس سے پانی نکل آئے گا) بس (مارنے کی دیر تھی) فوراً اس سے بارہ چشمے (انہی بارہ خاندانوں کی تعداد کے اعتبار سے) پھوٹ نکلے (چنانچہ) ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کرلیا، اور (ایک انعام یہ کیا کہ) ہم نے ان پر بادل کو سایہ دار کیا اور (ایک انعام یہ کیا کہ) انہیں (غیب کے خزانہ سے) ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں (اور اجازت دی کہ) نفیس چیزوں سے کھاؤ، جو کہ ہم نے تمہیں دی ہیں (لیکن وہ لوگ اس میں بھی ایک بات حکم کے خلاف کر بیٹھے) اور انھوں نے (اس سے) ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔

فائدہ: یہ وادی تیہ کے واقعات ہیں، ان کی تفصیل سورۃ البقرۃ کے نویں اور بارہویں معاملہ میں گذر چکی ہے۔

﴿ وَاِذۡ قِيۡلَ لَهُمُ اسۡكُنُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ وَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ وَقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا نَّـغۡفِرۡ لَـكُمۡ خَطِيۡٓـٰٔتِكُمۡ‌ؕ سَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۞ فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ لَهُمۡ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَظۡلِمُوۡنَ ۞ ﴾ ع

ترجمہ: اور جب ان کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس سے جس جگہ تم رغبت کرو، اور زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے اور جھکے جھکے دروازہ میں داخل ہونا، ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید برآں اور دیں گے۔ سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس کی ان سے فرمائش کی گئی تھی، اس پر ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی اس وجہ سے کہ وہ حکم ضائع کرتے تھے۔

بنی اسرائیل پر نازل ہونے والی بعض سزائیں:

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب انہیں حکم دیا گیا کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور اس (کی چیزوں) میں سے کھاؤ، جہاں تمہیں رغبت ہو، اور (یہ بھی حکم دیا گیا کہ جب اندر جانے لگو تو) زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے (توبہ ہے) اور (عاجزی سے) جھکتے جھکتے دروازہ میں داخل ہونا، ہم تمہاری (پچھلی) خطائیں معاف کر دیں گے (یہ تو سب کے لئے ہوگا اور) جو لوگ نیک کام کریں گے انہیں اس سے بھی زیادہ دیں گے، تو ان ظالموں نے ایک اور کلمہ بدل ڈالا جو اس کلمہ کے خلاف تھا، جس (کے کہنے) کی ان سے فرمائش کی گئی تھی، اس پر ہم نے ان پر ایک آسمانی آفت بھیجی کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

حوالہ: اس کی تفصیل سورۃ البقرہ کے دسویں و گیارہویں معاملہ میں گذر چکی ہے، وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

﴿ وَسۡئَلۡهُمۡ عَنِ الۡقَرۡيَةِ الَّتِىۡ كَانَتۡ حَاضِرَةَ الۡبَحۡرِ‌ۘ اِذۡ يَعۡدُوۡنَ فِى السَّبۡتِ اِذۡ تَاۡتِيۡهِمۡ حِيۡتَانُهُمۡ يَوۡمَ سَبۡتِهِمۡ شُرَّعًا وَّيَوۡمَ لَا يَسۡبِتُوۡنَ‌ۙ لَا تَاۡتِيۡهِمۡ‌ۛۚ كَذٰلِكَ‌ۛۚ نَبۡلُوۡهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ۞ وَاِذۡ قَالَتۡ اُمَّةٌ مِّنۡهُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۙ اۨللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا‌ ؕ قَالُوۡا مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ۞ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖۤ اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ وَاَخَذۡنَا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا بِعَذَابٍۢ بَـئِيۡسٍۢ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ۞ فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـئِیۡنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں سے اس بستی والوں کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے، اس وقت کا حال پوچھیے جبکہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے، جبکہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں

اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں، ہم ان کی اس طرح پر آزمائش کرتے تھے، اس سبب سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔ اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید یہ ڈر جائیں۔ سو جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے، اور ان لوگوں کو جو زیادتی کیا کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑلیا، یعنی جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ۔

ربط: یہاں تک بنی اسرائیل کے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے قصے بیان ہوئے، اور آگے آیت ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ﴾ الخ میں بھی موسیٰ علیہ السلام ہی کے زمانہ کا قصہ بیان ہوا ہے، درمیان میں بنی اسرائیل کے دوسرے اوقات کے احوال وافعال کا ذکر ہے۔

سنیچر کی بے حرمتی کرنے والوں کی شکلیں بگڑنے کا قصہ:

اور آپ (اپنے زمانہ کے) ان (یہود سے تنبیہ کے طور پر) اس بستی (والوں) کا اس وقت کا حال پوچھئے جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے (اس بستی میں یہودی رہتے تھے، جن کے لئے ہفتہ کے روز شکار کرنا ممنوع تھا) جبکہ وہ (وہاں کے بسنے والے) سبت (یعنی ہفتہ کے دن کے متعلق جو حکم تھا اس) کے بارے میں (شرعی) حد سے نکل رہے تھے، جبکہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان (کے دریا) کی مچھلیاں (پانی سے سر نکال نکال کر) ظاہر ہو ہو کر (دریا کی سطح پر) ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں (بلکہ وہاں سے کہیں دور چلی جاتی تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ) ہم اس طرح ان کی (سخت) آزمائش کرتے تھے (کہ کون فرماں برداری کرتا ہے اور کون نافرمانی کرتا ہے۔ اور یہ آزمائش) اس وجہ سے (تھی) کہ وہ (پہلے سے) نافرمانی کیا کرتے تھے (اس لئے اس سخت حکم سے ان کی آزمائش کی، اور اہل اطاعت کی آزمائش میں لطف ومہربانی اور توفیق وتائید شامل ہوا کرتی ہے) اور (اس وقت کا حال پوچھئے) جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے (جو کہ ان کو نصیحت کرتے کرتے اثر اور نفع سے مایوس ہو گئے تھے، ایسے لوگوں سے جو اب بھی نصیحت کئے چلے جارہے تھے، اور اس قدر مایوس بھی نہیں ہوئے تھے جیسا کہ ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے) یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن (سے قبول کرنے کی کچھ امید نہیں ہے؟ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان) کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں، یا (ہلاک نہ ہوئے تو) انہیں (کسی اور طرح کی) سزا دینے والے ہیں (یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ کیوں دماغ کھپاتے ہو؟) انھوں نے جواب دیا کہ تمہارے (اور اپنے) رب کے روبرو

عذر کرنے کے لئے (ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ کے سامنے کہہ سکیں کہ اے اللہ! ہم نے تو کہا تھا، مگر انھوں نے نہ سنا، ہم معذور ہیں) اور اس لئے (بھی) کہ شاید ڈر جائیں (اور عمل کرنے لگیں، مگر وہ کب عمل کرتے تھے؟) تو (آخر) جب وہ اس امر کو چھوڑے ہی رہے جو انہیں سمجھایا جاتا تھا (یعنی انھوں نے نہ مانا) تو ہم نے ان لوگوں کو تو عذاب سے بچالیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے (چاہے برابر منع کرتے رہے اور چاہے مایوسی کے عذر کی وجہ سے بیٹھ رہے) اور ان لوگوں کو جو کہ (مذکورہ حکم میں) زیادتی کرتے تھے (ان کی اس نافرمانی کی وجہ سے) ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا، یعنی جس کام سے انہیں منع کیا گیا تھا جب وہ اس میں حد سے نکل گئے (یہ تو اس امر کی تفسیر ہوئی جو انہیں یاد دلایا گیا تھا) تو ہم نے انہیں (قہر کے طور پر) کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ (یہ مایوس ہونے پر عذاب کی تفسیر ہوئی)

مسئلہ: جب نصیحت کا اثر ہونے کا بالکل نہ ہو تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا، تاہم اگر نصیحت کریں تو یہ عالی ہمتی ہے، لہٰذا ﴿ لِمَ تَعِظُوْنَ ﴾ یعنی نصیحت کیوں کرتے ہو؟ کہنے والوں نے امید نہ ہونے کی وجہ سے واجب نہ ہونے کے حکم پر عمل کیا، اور ﴿ مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ ﴾ کہنے والوں کو یا تو ناامیدی نہیں ہوئی یا عالی ہمتی کی شق کو اختیار کیا۔ غرض دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح تھے۔ اور حضرت عکرمہ نے استنباط کیا کہ دونوں نے نجات پائی۔ اور ابن عباسؓ نے ان کے استنباط کو پسند کر کے انہیں انعام بھی دیا جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اور جس حیلہ سے انھوں نے شکار کیا تھا، اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، اور اس سے متعلق کچھ بحثیں سورۂ بقرہ سولہویں معاملہ میں گذر چکی ہیں۔ اور اس قریہ یعنی بستی کا نام اکثر اہل علم نے ایلہ لکھا ہے، دریا کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ لوگ ماہی گیری یعنی مچھلی پکڑنے کے شوقین تھے۔ اور در منثور میں روایتیں نقل کی ہیں کہ یہ بندر تین دن کے بعد سب مرگئے، ان کی نسل نہیں چلی۔

﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ جب آپ کے رب نے یہ بات بتلادی کہ وہ ان یہود پر قیامت تک ایسے شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سزائے شدید کی تکلیف پہنچاتا رہے گا، بلکہ آپ کا رب واقعی جلدی ہی سزا دیدیتا ہے، اور

بلاشبہ وہ واقعی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔ اور ہم نے دنیا میں ان کی متفرق جماعتیں کر دیں، بعضے ان میں نیک تھے اور بعضے ان میں اور طرح کے تھے، اور ہم ان کو خوش حالیوں اور بدحالیوں سے آزماتے رہے کہ شاید باز آجاویں۔ پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشیں ہوئے کہ کتاب کو ان سے حاصل کیا اس دنیائے دنی کا مال متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جاوے گی، حالانکہ اگر ان کے پاس ویسا ہی مال متاع آنے لگے تو اس کو لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں اور انھوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ لیا اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیز رکھتے ہیں، پھر کیا تم نہیں دیکھتے۔ اور جو لوگ کتاب کے پابند ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی اصلاح کریں ثواب ضائع نہ کریں گے۔

ربط: اوپر بنی اسرائیل کی حکایتوں میں ان کی بہت سی برائیوں کا بھی بیان ہوا ہے، اب ان بداعمالیوں کا برا انجام بیان کیا جارہا ہے جو آخرت کی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی سامنے آیا، اور جو ان میں ان بداعمالیوں کے مرتکب نہیں تھے، آیت ﴿ وَقَطَّعْنٰهُمْ ﴾ میں الگ الگ جماعتیں بنانے کے عنوان سے ان کا استثناء فرما دیا گیا ہے پھر ان اسلاف کے بعد ان کے خلف کی حالت آیت ﴿ فَخَلَفَ ﴾ میں بیان کی گئی ہے جو ہمارے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور وہاں بھی آیت ﴿ وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ ﴾ میں اطاعت کرنے والوں کا اسی طرح استثناء ہے۔

سلف وخلف اور نیک وبد یہود کے احوال کی تفصیل:

اور وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ جب آپ کے رب نے (بنی اسرائیل کے انبیاء کی معرفت یہ بات بتادی کہ وہ ان یہود پر ان گستاخیوں اور نافرمانیوں کی سزائیں) قیامت (کے قریب) تک ایسے (کسی نہ کسی) شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا، جو انہیں شدید سزا (ذلت وخواری اور محکومیت) کی (تکلیف) پہنچاتا رہے گا (چنانچہ مدت سے یہودی کسی نہ کسی سلطنت کے محکوم اور مقید ہی ہوتے چلے آتے ہیں) بلاشبہ آپ کا رب واقعی (جب چاہے) جلدی ہی سزا دیدیتا ہے، اور بلاشبہ وہ واقعی (اگر کوئی باز آجائے تو) بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا (بھی) ہے، اور ہم نے دنیا میں ان کی متفرق جماعتیں کردیں (چنانچہ) ان میں بعض نیک (بھی) تھے اور ان میں بعض دوسری طرح کے (یعنی بد) تھے اور ہم نے ان بروں کو بھی اپنی عنایت اور تربیت واصلاح کے اسباب جمع کرنے سے کبھی بے کار نہیں چھوڑا، بلکہ ہمیشہ ان کو خوشحالیوں (یعنی صحت وتندرستی اور غنا و مالداری) اور بدحالیوں (یعنی بیماری اور فقر) سے آزماتے رہے کہ شاید (اس سے) باز آجائیں (کیونکہ کبھی حسنات کی وجہ سے ترغیب ہو جاتی ہے اور کبھی سیئات سے ترہیب ہو جاتی ہے، یہ حال تو ان کے سلف کا ہوا) پھر ان (سلف) کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب (یعنی توریت) کو (تو) ان سے حاصل کیا (لیکن اس کے

ساتھ ہی ایسے احسان فراموش اور حرام خور ہیں کہ کتاب کے احکام کے عوض میں) اگر اس گھٹیا دنیا کا مال ومتاع (ملے تو بلاتکلف اس کو) لے لیتے ہیں، اور (ایسے بے باک ہیں کہ اس گناہ کو معمولی سمجھ کر) کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ضرور ہوجائے گی (کیونکہ ہم ابناء اللہ یعنی اللہ کے بیٹے اور احباء اللہ یعنی اللہ کے حبیب دوست ہیں، ہماری مقبولیت کے مقابلہ میں ایسے گناہوں کی کیا حقیقت ہے) حالانکہ (اپنی بیباکی اور گناہ کو معمولی سمجھنے پر مصر ہیں، یہاں تک کہ) اگر ان کے پاس (پھر دین فروشی کے عوض میں) ویسا ہی مال ومتاع آنے لگے تو (اسی بیباکی کے ساتھ پھر اس کو لے لیتے ہیں (اور گناہ کو معمولی سمجھنا خود کفر ہے، جس پر مغفرت کا یقین تو کیا احتمال بھی نہیں، چنانچہ آگے یہی ارشاد ہے کہ) کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف حق (اور واقعی) بات کے سوا کسی اور بات کی نسبت نہ کریں (مطلب یہ کہ جب کسی آسمانی کتاب کو مانا جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس کے سارے مضامین کو مانیں گے) اور (عہد بھی کوئی اجمالی عہد نہیں لیا گیا جس میں احتمال ہو کہ شاید اس خاص مضمون کا اس کتاب میں ہونا انہیں معلوم نہیں ہوگا۔ بلکہ تفصیلی عہد لیا گیا، چنانچہ) انھوں نے اس کتاب میں جو کچھ (لکھا) تھا، اس کو پڑھ (بھی) لیا (جس سے وہ احتمال بھی جاتا رہا، پھر بھی یہ ایسی بڑی بات کا دعوی کرتے ہیں کہ گناہوں کو ہلکا اور معمولی سمجھنے کے باوجود مغفرت کا اعتقاد کئے ہوئے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ پر محض تہمت ہے) اور (انھوں نے یہ سب قصہ دنیا کے لئے کیا، باقی) آخرت والا گھر ان کے لئے (اس دنیا سے) بہتر ہے جو (ان عقائد اور قبیح اعمال سے) پرہیز رکھتے ہیں، پھر کیا (اے یہود!) تم (اس بات کو) نہیں سمجھتے؟ اور (ان میں سے) جو لوگ کتاب (یعنی توریت) کے پابند ہیں (جس میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا بھی حکم ہے، اور پابندی یہی ہے کہ مسلمان ہوگئے) اور (عقائد کے ساتھ اعمالِ صالحہ کے بھی پابند ہیں، چنانچہ) نماز کی پابندی کرتے ہیں، ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی (اس طرح) اصلاح کریں، ثواب ضائع نہ کریں گے۔

فائدہ: یہود کے ہمیشہ محکومیت کی حالت میں رہنے سے متعلق ضروری تحقیق سورۃ البقرہ آیت ۶۱ اور سورۂ آلِ عمران آیت ۱۱۲ کی تفسیر میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کرلیا جائے۔ اور ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ شاید بندوں کے اعتبار سے ہے کہ ان واقعات کو دیکھ کر دوسرا اس طرح سمجھے گا کہ شاید باز آجائیں۔ واللہ اعلم

﴿ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان کے اوپر معلق کردیا اور ان کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا اور کہا کہ قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ۔ اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔

ربط: اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا زیادہ حصہ بیان ہو چکا ہے، اب باقی قصہ کا بیان ہے۔

شر پسند یہود کے سروں پر کوہِ طور اٹھائے جانے کا قصہ:

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے، جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان (بنی اسرائیل) کے (سروں کے) اوپر معلق کر دیا، اور انہیں یقین ہوا کہ اب ان پر گرا، اور (اس وقت) کہا کہ (اسے جلدی) قبول کرو، جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے (یعنی توریت اور) مضبوطی کے ساتھ (قبول کرو) اور یاد رکھو (ان) احکام کو جو اس (کتاب) میں ہیں جن سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔

فائدہ: چھت کے ساتھ تشبیہ سر کے اوپر ہونے میں ہے، محض اوپر معلق ہونے میں نہیں، اور ایسی ہی آیت سورۂ بقرہ ۶۳ میں گذری ہے، وہاں تفصیل ملاحظہ کر لی جائے۔

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب کہ آپ کے رب نے اولادِ آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب گواہ بنتے ہیں، تا کہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے، یا یوں کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے، سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں؟ اور ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں اور تا کہ وہ باز آجاویں۔

ربط: اوپر انبیاء اور گذشتہ امتوں کے قصوں کے ذکر سے بڑا مقصود نبوت کے مسئلہ کا اثبات تھا، جیسا کہ اس سورۃ کی تمہید میں اس کی تقریر گذر چکی ہے، اور اس کے ضمن میں توحید کا مسئلہ بھی ثابت ہو گیا، کیونکہ انبیاء کی دعوت کا عظیم الشان حصہ یہی توحید ہے۔ اب عالم ارواح کے میثاق یعنی عہد کو بیان فرماتے ہیں، جس سے بڑا مقصود توحید کے مسئلہ کا اثبات ہے کہ اس کا عہد بھی لیا گیا تھا اور اس کے ضمن میں رسالت کا مسئلہ بھی ثابت ہے، کیونکہ اس کی خبر رسول ہی کے ذریعہ ملی ہے اور اسی لئے میثاق کی حدیثوں میں ہے کہ میرے رسول تمہیں یہ عہد یاد دلائیں گے، چنانچہ مذکورہ قصوں میں اور اس قصہ میں توحید اور رسالت کا اثبات ہے، اگرچہ ایک جگہ ایک قصداً ہے اور دوسرا تابع ہو کر اور دوسری جگہ اس کے برعکس۔

عہدِ الست کا ذکر:

اور (ان سے اس وقت کے واقعہ کا ذکر کیجئے) جب آپ کے رب نے (عالم ارواح میں آدم علیہ السلام کی پشت سے تو خود ان کی اولاد کو اور) آدم کی اولاد کی پشت سے ان کی اولاد (کو نکالا اور (ان کو سمجھ عطا کر کے) ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ (اللہ کی دی ہوئی اس عقل سے حقیقت کو سمجھ کر) سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں (واقعی آپ ہمارے رب ہیں، حق تعالیٰ نے وہاں موجود تمام ملائکہ اور مخلوقات کو گواہ کر کے سب کی طرف سے فرمایا) ہم سب اس واقعہ کے گواہ بنتے ہیں (اور یہ اقرار و شہادت سب اس لئے ہوا) تا کہ تم لوگ (یعنی جو تم میں سے توحید کو ترک کرنے اور شرک اختیار کرنے پر سزا پائیں) قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس (توحید) سے محض بے خبر تھے۔ یا یوں کہنے لگو کہ (اصل) شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے (اور عادت کے طور پر نسل، عقائد اور خیالات میں اپنی اصل کے تابع ہوتی ہے، اس لئے ہم بے قصور ہیں، لہٰذا ہمارے فعل پر تو ہمیں سزا نہیں ہو سکتی، اگر ہوگی تو لازم آتا ہے کہ ہم ان بڑوں کی خطاؤں میں پکڑے گئے!) تو کیا ان غلط راہ (نکالنے) والوں کے فعل پر آپ ہمیں ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں؟ (تو اب اس اقرار اور شہادت کے بعد تم یہ عذر پیش نہیں کر سکتے، پھر اس کے بعد ان سب سے وعدہ کیا گیا کہ یہ عہد تمہیں دنیا میں پیغمبروں کے ذریعہ سے یاد دلایا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ یہاں بھی شروع میں ﴿وَاِذْ اَخَذَ﴾ کے ترجمہ سے معلوم ہوا کہ آپ کو اس واقعہ کے ذکر کا حکم ہوا) اور (آخر میں اس یاد دہانی کو جتاتے ہیں کہ) ہم اس طرح (اپنی) آیتوں کو صاف صاف بیان کرتے ہیں (تا کہ انہیں اس عہد کا ہونا معلوم ہو جائے) اور تا کہ (معلوم ہونے کے بعد شرک وغیرہ سے) وہ باز آجائیں۔

فائدہ: ان آیتوں کی یہی تفسیر حدیثوں میں آئی ہے اور یہی تمام اہل حق، اکابر سلف سے منقول ہے، اور اس میں جو کم سمجھ لوگوں کو نقلی و عقلی اشکال ہوئے ہیں وہ بالکل لغو اور بے کار ہیں، ان میں سے جو بظاہر شبہ میں ڈال سکتے ہیں، انہیں مع جواب کے بیان کرتا ہوں۔

پہلا شبہ: قرآن مجید میں ﴿مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ﴾ فرمایا ہے، اگر اس آیت کی مذکورہ بالا تفسیر مراد ہوتی تو من آدم من ظهره ہوتا۔

جواب: مرفوع روایت میں تصریح ہے: أخرج من صلبه كل ذرية ذرأها فنشرها بين يديه كالذر ثم كلمهم قبلاً قال ألست بربكم: یعنی آدم کی صلب سے تمام ذریت کو نکالا اور اپنے سامنے پھیلایا، پھر ان سے کلام کیا اور کہا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس حدیث کو احمد، نسائی اور حاکم وغیرہ نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔ اس طرح حدیث سے تو آدم کی پشت سے نکلنا اور قرآن سے بنی آدم کی پشتوں سے نکلنا معلوم ہوا، اور ان دونوں میں کوئی

تکرار نہیں ہے، جیسا کہ ترجمہ میں جمع کی وجہ بیان کردی گئی ہے، اور جمع کی اس وجہ کی تائید دوسری حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: **أخذهم من ظهرهم**: یعنی انہیں ان کی پشتوں سے نکالا۔ اس کو ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید اور ابن جریر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے: **ثم ردهم في أصلاب آبائهم حتى اخرجهم قرنا بعد قرن**: یعنی "پھر انہیں ان کے باپوں کی صلبوں میں لوٹا دیا، یہاں تک کہ پھر ان کے اپنے اپنے زمانہ میں نکالا" اس کو ابوالشیخ نے روایت کیا ہے، بلکہ اس باب میں دوسری روایت ہی کافی ہے، کیونکہ رد کہتے ہیں: **عود إلى الحالة الأولى** کو یعنی پہلی حالت کی طرف لوٹنا، معلوم ہوا کہ اخراج بھی باپوں کی صلبوں سے ہوا تھا، لہٰذا حدیث میں تو دونوں صورتوں کا ذکر ہوا۔ رہا یہ سوال کہ قرآن میں ایک ہی صورت کا ذکر کیوں ہے؟ تو یا تو ظاہر ہونے کی انتہا کی بنا پر چھوڑ دیا، کیونکہ جب یقینی طور پر معلوم ہے کہ تمام ذریت آدم کی نسل سے ہی ہے تو ان کی صلب سے خارج ہونا واضح اور مشہور امر تھا، اس لئے ذکر کی ضرورت نہیں ہوئی جو جز پوشیدہ وغیرہ تھا، اس کو بیان فرما دیا۔ یا اس بنا پر کہ آدم کی اولاد کی پشتوں سے ذریت کا خارج ہونا، آدم کی پشت سے آدم کی ذریت کے خارج ہونے کے لئے لازم ہے، کیونکہ آدم کی اولاد کی یہ ذریت بھی تو آدم ہی کی پشت میں تھی، جب بنی آدم سے کسی خطہ میں ذریت کا اخراج ہوا تو لازمی طور پر آدم کی پشت سے آدم کی ذریت کا بھی تو اخراج ہوا، جیسے صندوق میں تھیلی ہو اور تھیلی میں روپے، تو جب روپے تھیلی میں سے اس طرح نکالیں کہ نکلتے ہی صندوق سے باہر کے خطہ میں آجائے تو ایسا تھیلی سے نکالنا تھیلی کے صندوق سے نکلنے کے لئے بھی لازم ہوگا، اور قرآن مجید میں لفظ ﴿ اَخَذَ ﴾ کے ماضی کا صیغہ ہونے سے اور شیخین یعنی بخاری و مسلم کی حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ کے اس لفظ سے: **قد أردت منك أهون من ذلك قد أخذت عليك في ظهر ابيك آدم أن لا تشرك بي فابيت أن لا تشرك بي**: یعنی "میں نے تجھ سے اس سے بھی زیادہ آسان امر کا ارادہ کیا، میں نے تجھ سے تیرے باپ آدم کی پیٹھ سے عہد لیا کہ تو میرے ساتھ شریک نہ کرے گا تو تو نے انکار کیا کہ تو میرے ساتھ شریک نہیں کرے گا" اور بعض اہل باطن کے اس دعویٰ سے کہ ہمیں وہ عہد یاد ہے جیسا کہ روح المعانی میں حضرت ذوالنورین مصری رحمہ اللہ کا یہ قول: **كانه الآن في أذني**: یعنی "جیسے میثاق کے الفاظ اب بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں" منقول ہے جو انھوں نے کسی شخص کے اس سوال کے جواب میں کہا: **هل تذكره**: یعنی "کیا آپ کو وہ میثاق یاد ہے؟" ان سب مثالوں سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے، یہ سب روایتیں درمنثور میں منقول ہیں۔

دوسرا شبہ: اتنے آدمی کھڑے کہاں ہوئے ہوں گے؟

جواب: حدیث میں آیا ہے کہ بہت چھوٹے چھوٹے چیونٹیوں کی طرح تھے، لہٰذا کوئی شبہ نہیں رہا۔

تیسرا شبہ: ان میں عقل کہاں تھی؟

جواب: انہیں عقل دیدی گئی تھی۔

چوتھا شبہ: اتنے ننھے جسم میں عقل کیسے ہوگی؟

جواب: جیسے چیونٹی کو ضرورتوں کی سمجھ ہوتی ہے۔

پانچواں شبہ: اس عہد سے کیا فائدہ ہوا؟

جواب: ہم اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے احاطہ کا دعویٰ نہیں کرتے، اس لئے اس کی تعیین ہمارے ذمہ نہیں۔ اور یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ عقل کے نزدیک اب جو توحید ایک فطری امر ہے کہ ذرا انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو سمجھ میں آجاتی ہے، ممکن ہے یہ اسی عہد کا اثر ہو، اگر وہ عہد نہ ہوتا تو شاید ایسی سہولت نہ ہوتی، جیسے کسی کو حساب سکھا دیا جائے، پھر چاہے وہ بھول جائے، لیکن اگر اسے دوبارہ تعلیم دیں تو دوسروں کے مقابلہ میں سہولت کے ساتھ سیکھ لیتا ہے۔

چھٹا شبہ: وہ میثاق یاد تو رہا نہیں؟

جواب: اسی پر تو اکتفا نہیں کیا گیا، انبیاء علیہم السلام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے، اسی کو حدیث میں فرمایا کہ میرے رسول تمہیں یاد دلاتے رہیں گے، رہا یہ سوال کہ رسولوں کی اس دعوت پر اکتفا کیوں نہیں فرمایا؟ اس کا جواب اس سے پہلے والے شبہ میں دیا جا چکا ہے۔

ساتواں شبہ: یہ جو فرمایا ﴿ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ تو اس کے لئے وہ عہد کیسے کافی ہوا جبکہ یاد نہیں؟

جواب: مراد یہ ہے کہ اس وقت کے عہد کی رسولوں کی زبان سے وعدہ کی یاد دہانی ملانے کے ساتھ یہ حکمت ہے کہ چونکہ اصل استعداد اسی عہد سے پیدا ہوئی، اس لئے اس کی طرف اس حکمت کی نسبت کر دی۔

اب بعض ضروری امور مستقل طور پر قابل تحقیق ہیں:

ایک امر: یہ کہ اس عہد میں توحید کی تخصیص کیوں کی گئی؟

جواب: شاید اس لئے کہ توحید کا مسئلہ ذات غائب سے متعلق ہے، اس لئے اس کا فطرت کے قریب بنانا زیادہ مہتم بالشان تھا۔

دوسرا امر: اگر عہد نہ لیا جاتا تو عذاب ہی نہ ہوتا، پھر یہ عذر کیوں ہوتا؟

جواب: عذاب کا وقوع، حکمت کا تقاضہ تھا، اس لئے یہ واقع ہوا، لہٰذا عذر کو ختم کرنے کے لئے یہ عہد لیا گیا۔

تیسرا امر: عہد کے بعد یہ سوال تو نہیں ہو سکتا لیکن یہ سوال تو اب بھی ممکن ہے کہ اس کا مکلف ہی کیوں کیا؟

جواب: حکمت کا تقاضا ہے جس کی تعیین ہمارے ذمہ نہیں۔

چوتھا امر: اس عہد میں جنات کا ذکر نہیں آیا۔

جواب: یا تو وہ کسی حکمت کے تقاضے سے اس میں شریک نہ ہوں، یا ذکر نہ کیا ہو، کیونکہ وہ اکثر احکام میں انسانوں کے تابع ہیں، لہٰذا ایک کے ذکر سے دوسرے کا حال معلوم ہو جائے گا۔

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَاۗءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں، پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ لیا، سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے، لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا، سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔ ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور وہ اپنا نقصان کرتے ہیں۔

ربط: اوپر بنی اسرائیل کے احوال کے دوران ان کا اللہ کے احکام کے لئے مامور ہونا اور عالم ارواح کے میثاق کے ذکر میں تمام انسانوں کا توحید کے لئے مامور ہونا مقصود کے طور پر اور ان مذکورین کا توحید اور رسالت کے انکار سے ان عہدوں کے خلاف کرنا ضمنی طور پر بیان ہوا تھا۔ اب احکام کے علم کے بعد ان کے خلاف کرنے والے کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

حق واضح ہونے کے بعد اس کو ترک کرنے والے کی مثال:

اور ان لوگوں کو (عبرت کے واسطے) اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں (یعنی احکام کا علم دیا) پھر وہ ان (آیتوں) سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ لیا، تو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا، اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں (کے تقاضہ پر عمل کرنے) کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے (یعنی اگر وہ ان آیتوں پر عمل کرتا جس کا قضا و قدر سے وابستہ ہونا معلوم ہے تو اس کی قبولیت کا درجہ بڑھتا) لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا، اور (اس میلان کے سبب) اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا (اور آیتوں و احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا) تو (آیتوں کو چھوڑ کر جو پریشانی اور ہمیشہ کی ذلت اس کا مقدر بنی، اس کے اعتبار سے) اس کی حالت کتے جیسی ہو گئی، کہ اگر تو اس پر حملہ کرے (اور مار کر نکال دے) تب بھی ہانپے، یا اس کو (اس کی حالت پر) چھوڑ دے، تب بھی ہانپے (اسے کسی حالت میں چین نہیں، اسی طرح یہ شخص ذلت میں تو کتے جیسا ہو گیا اور پریشانی میں کتے کی اس صفت میں شریک ہوا، چنانچہ جیسی اس شخص کی حالت ہوئی)

یہی حالت (عام طور سے) ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو (جو کہ توحید اور رسالت پر دلالت کرتی ہیں) جھٹلایا (کہ حق کے واضح ہونے کے بعد محض ہوا پرستی کے سبب حق کو ترک کرتے ہیں) تو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے کہ شاید وہ لوگ (اس کو سن کر) کچھ سوچیں (حقیقت میں ان لوگوں کی حالت بھی بری ہے، جو ہماری (توحید ورسالت پر دلالت کرنے والی) آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، اور (اس تکذیب سے) وہ اپنا (ہی) نقصان کرتے ہیں۔

فائدہ: در منثور میں اس شخص کی تعیین میں کئی قول لکھے ہیں: (۱) بلعم، اور یہ زیادہ مشہور ہے (۲) امیہ بن ابی الصلت اور یہ ثقیف کا قول تھا (۳) صیفی بن الراہب یا ابن الراہب، عرف ابو عامر، جس کے لئے مسجد ضرار بنی تھی، اور یہ انصار کا قول تھا (۴) اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ اس سے کوئی معین شخص مراد نہیں، بلکہ جو بھی شخص حق کا تارک ہو، جیسے یہ آیت ہے: ﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ﴾ کہ اس سے مطلق ﴿ اسْتَوْقَدَ ﴾ یعنی آگ جلانے والا مراد ہے۔

احقر کہتا ہے کہ ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے، عموماً خصوصاً سب کا مراد لینا صحیح ہے، اور اس مضمون میں دونوں طرح کے لوگ داخل ہیں، جنھوں نے حق قبول ہی نہیں کیا وہ بھی اور جو حق کو قبول کرنے کے بعد پھر گئے وہ بھی۔

اور جاننا چاہئے کہ ترتیب کا ظاہری تقاضہ یہ ہے کہ ﴿ فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴾ پہلے ہو اور ﴿ فَانْسَلَخَ ﴾ بعد میں، کیونکہ پہلے شیطان تعاقب کرتا ہے، پھر اس سے گمراہی شروع ہوتی ہے، پھر وہ بڑھ کر بالکل ہی نکل جاتا ہے، مگر یہاں ﴿ أَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ ﴾ سے تعاقب کا لازم ہونا اور دوام مراد ہے، مطلق تعاقب مراد نہیں، اور وہ انسلاخ یعنی ''بالکل ہی نکل جانے'' سے بعد میں ہے، اور غوایت یعنی گمراہی سے مراد بھی اس کا لازمی اور دائمی ہونا اور کفر پر خاتمہ ہونا مراد ہے، اور وہ بھی انسلاخ سے بعد میں ہے۔ ترجمہ کے عنوان میں ان مفہوموں کی طرف اشارہ بھی کر دیا گیا ہے، اور انسلاخ پر ﴿ أَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ ﴾ کے مرتب کرنے میں اس امر کا اشارہ ہے کہ مطلق معصیت کی وجہ سے شیطان کا کامل تسلط نہیں ہوسکتا، جب اس کے ناقص تسلط سے انسلاخ اختیار کر لیتا ہے یعنی عملی مخالفت بھی ہو اور اعتقادی انکار بھی تب اس کا تسلط مکمل ہوتا ہے۔ چنانچہ آدمی خود اپنے ہاتھوں بگڑتا ہے۔ اور ﴿ لَوْ شِئْنَا ﴾ میں لو عمل بمقتضاها یعنی ''اگر اس کے مقتضا پر عمل کیا'' مراد ہے، چونکہ مشیت، عمل کا سبب ہے، اس لئے مجاز کے طور پر اس طرح تعبیر کر دیا۔ اب ﴿ لَكِنَّهُ أَخْلَدَ ﴾ کا مقابلہ واضح ہوگیا، اور ذلت و پریشانی کو جو کفر پر مرتب فرمایا ہے، یہ آخرت میں ظاہر ہی ہے، لیکن دنیا میں بھی حق کی سی عزت اور راحت نصیب نہیں ہوتی، خاص طور سے اگر ارتداد کی شکل میں دل کو ٹٹولا جائے، اور ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ کے ترجمہ میں شاید کا لفظ آیا ہے، یہ بندوں کے اعتبار سے فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے نہیں۔ اور دونوں شرطوں سے مقصود تشبیہ کی قید لگانا ہے نہ کہ لہث یعنی ہانپنے کے دوام کا اثبات، لہٰذا اس کا دوام نہ ہونا محل اشکال نہیں، یا اکثری عادت کو دوام کے حکم میں کیا جائے۔

﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے سو ایسے ہی لوگ خسارہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اور ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں، یہ لوگ غافل ہیں۔

ربط: اوپر گمراہ لوگوں کی حالت بیان فرمائی کہ ہدایت کے طریقوں کے واضح ہونے کے باوجود عناد اور مخالفت کو نہیں چھوڑتے، چونکہ ان کے اس عناد اور مخالفت سے رسول اللہ ﷺ کو سخت غم ہوتا تھا، اس لئے اب آپ کی تسلی کا مضمون ہے۔

مخالفین حق کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے، ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے، اور جس کو وہ گمراہ کردے تو ایسے ہی لوگ (ابدی) خسارہ میں پڑ جاتے ہیں (پھر ان سے ہدایت کی توقع کرنا اور ہدایت نہ ہونے پر مغموم ہونا بے کار ہے) اور (جب وہ اپنی ادراک والی قوتوں سے کام ہی نہیں لیتے تو ہدایت کہاں سے ہو، اس لئے ان کے مقدر میں تو دوزخ ہے، چنانچہ) ہم نے ایسے بہت سے جنات اور انسان دوزخ (ہی میں رہنے) کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے (نام کو تو) دل (ہیں مگر) ایسے ہیں جن سے (حق بات کو) نہیں سمجھتے (چونکہ اس کا ارادہ ہی نہیں کرتے) اور جن کی (نام کو تو) آنکھیں (ہیں، مگر) ایسی ہیں جن سے (استدلال کی نظر کے طور پر کسی چیز کو) نہیں دیکھتے اور جن کے (نام کو تو) کان (ہیں مگر) ایسے ہیں جن سے (متوجہ ہو کر حق بات کو) نہیں سنتے (غرض) یہ لوگ (آخرت کی طرف بے توجہ ہونے میں) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (اس حیثیت سے کہ چوپایوں کو آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا مکلّف تو نہیں بنایا گیا، تو ان کا متوجہ نہ ہونا مذموم نہیں اور ان کو تو اس کا حکم ہے، پھر بھی بے توجہی کرتے ہیں تو اس اعتبار سے) یہ لوگ (ان چوپایوں سے بھی) زیادہ بے راہ ہیں (کیونکہ) یہ لوگ توجہ دلانے کے باوجود (آخرت سے) غافل ہیں (چوپایوں کے برخلاف جیسا کہ اوپر بیان ہوا)

فائدہ: مسئلہ تقدیر کی تحقیق سورۂ بقرہ آیت ۷ میں کافی بیان ہو چکی ہے ملاحظہ کر لیا جائے۔ اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (سورۃ الذاریات ۵۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے انسان و جنات عبادت کے لئے پیدا ہوئے ہیں، اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دوزخ کے لئے پیدا ہوئے ہیں، جس کا سبب عبادت کا ترک کرنا ہے، جواب یہ ہے کہ وہ مقصد شرعی ہے اور یہ مقصد تکوینی ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں، سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو ان کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان کے کئے کی سزا ضرور ملے گی۔

ربط: اوپر کفار کی مذمت کا بیان تھا، ان میں ایک قسم مشرکین تھے، جن کو تین بڑے مسئلوں میں اختلاف تھا: (۱) توحید (۲) رسالت اور (۳) قیامت، اس آیت سے سورۃ کے ختم تک انہی تین مسئلوں کی بحث ہے، تاہم بیچ بیچ میں خاص مناسبتوں سے کچھ دوسرے مختصر مضمون ہیں۔

توحید:

اور اچھے اچھے (مخصوص) نام اللہ ہی کے لئے (خاص) ہیں تو ان ناموں سے اللہ ہی کو پکارا کرو، اور (دوسروں کے لئے ان ناموں کا استعمال مت کیا کرو، بلکہ) ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو، جو اس کے (مذکورہ) ناموں میں کج روی کرتے ہیں (اس طرح کہ غیر اللہ پر ان کا اطلاق کرتے ہیں، جیسا کہ وہ لوگ ان کو معبود اور إلٰہ اعتقاد کے ساتھ کہتے تھے) ان لوگوں کو ان کے کئے کی سزا ضرور ملے گی۔

فائدہ: مخصوص ناموں سے مراد وہ نام ہیں جن کا اللہ کے ساتھ خاص ہونا شرعی دلیل سے ثابت ہے۔

﴿ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتے ہیں۔

ربط: اوپر کفار کا ذکر تھا، اب قرآن کے طریقہ کے مطابق مؤمنوں کا ذکر استثناء کے طور پر ہے۔

مؤمنوں کا ذکر:

اور ہماری مخلوق جنات اور انسانوں میں (سب گمراہ ہی) نہیں بلکہ ایک جماعت (ان میں) ایسی بھی ہے جو (دین) حق (یعنی اسلام) کے مطابق (لوگوں کو) ہدایت (بھی) کرتے ہیں اور اسی کے مطابق (اپنے اور غیروں کے معاملات میں) انصاف بھی کرتے ہیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ۚ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج لئے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں، اور ان کو مہلت دیتا ہوں۔ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

ربط: اوپر مشرکوں کے حق میں ﴿ سَيُجْزَوْنَ ﴾ یعنی "انہیں بدلا دیا جائے گا" فرمایا تھا، چونکہ وہ جزا و بدلا اس وقت تک واقع نہ ہوا تھا، اس سے انہیں واقع نہ ہونے کے شبہ کی گنجائش ہوسکتی ہے، اب واقع نہ ہونے کی وجہ بیان کر کے اس شبہ کو دور فرماتے ہیں۔

دنیا میں عذاب واقع نہ ہونے کا جواب:

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، ہم انہیں دھیرے دھیرے (جہنم کی طرف) لئے جا رہے ہیں، اس طرح کہ انہیں خبر بھی نہیں، اور (دنیا میں عذاب نازل کر ڈالنے سے) ان کو مہلت دیتا ہوں، بے شک میری وہ تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

تفسیر: حاصل یہ ہے کہ ان کی شرارتوں پر شدید و سخت سزا دینا منظور ہے، اس لئے اس کی یہ تدبیر کی گئی کہ یہاں مکمل گرفت نہیں فرمائی، تا کہ عقاب کا سبب بننے والے اعمال دھیرے دھیرے بڑھتے جائیں، جس سے روز بروز عذاب کی زیادتی کے مستحق ہوتے جائیں، پس مہلت دینا، إملاء اور إمهال ہے، اور اس پر روز بروز گناہوں کی زیادتی کا اثر مرتب ہونا استدراج ہے، اس سے عذاب میں جلدی نہ ہونے کی وجہ معلوم ہوگئی۔ اور ﴿ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مہلت کو اپنے طریقہ کے حق ہونے پر اور اللہ کے نزدیک اپنے محبوب و مقبول ہونے پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ وہ جہنم کی راہ طے کر رہے ہیں۔

﴿ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا ان لوگوں نے اس بات میں غور نہ کیا کہ ان کا جن سے سابقہ ہے ان کو ذرا بھی جنون نہیں، وہ تو صرف ایک صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ کی تمہید میں مذکور مسائل ثلاثہ یعنی تین مسائل میں سے ایک توحید کا بیان تھا، اب رسالت کا ذکر ہے، جس کے نزول کا قصہ لباب میں قتادہ سے یہ نقل کیا ہے کہ ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ کوہ صفا پر کھڑے ہوئے اور ایک ایک قبیلہ کو پکار کر آخرت کے عذاب سے ڈرایا، بعض لوگوں نے کہا کہ تمہارے ان صاحب کو جنون ہوگیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

رسالت کی بحث:

کیا ان لوگوں نے اس بارے میں غور نہیں کیا کہ ان کا جن سے سابقہ ہے، انہیں ذرا بھی جنون نہیں، وہ تو صرف ایک صاف صاف (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں (جو کہ اصلاً پیغمبر کا کام ہوتا ہے)

تفسیر: حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ اگر آپ کی مجموعی حالت میں غور کریں تو آپ کی پیغمبری سمجھ میں آجائے، آپ کے معجزے تو دنیاوی عادتوں کے خلاف ہیں ہی، جن میں سب سے بڑھ کر قرآن ہے، لیکن آپ کے اخلاق وعادتیں بھی عام عادتوں کے خلاف ہیں، اور بجائے خود معجزہ ہیں کہ کوئی بھی دوسرا ہرگز ان میں آپ کی برابری نہیں کرسکتا، کر کے دیکھنے سے معلوم ہو۔

﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آپہنچی ہو، پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لاویں گے۔

ربط: اوپر رسالت کے مسئلہ میں غور کرنے کے لئے فرمایا تھا، اب توحید کے مسئلہ میں جس کا ذکر پہلے محض دعوی کے عنوان سے ہوا تھا، غور کرنے کے لئے فرماتے ہیں، جس میں استدلال کی طرف اشارہ ہے اور ساتھ میں ان کی موت یاد دلاتے ہیں، جس پر مذکورہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے شروع کیا جائے گا۔

توحید اور موت کی یاددہانی:

اور کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے عالم میں غور نہیں کیا، اور دوسری چیزوں میں (بھی) جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں (تاکہ ان کو توحید کا دلیل کے ساتھ علم حاصل ہوجاتا) اور اس بات میں (بھی غور نہیں کیا) کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آچکی ہو (تاکہ عذاب کے احتمال سے ڈرتے اور اس سے بچنے کی فکر کرتے اور اس فکر سے دین حق مل جاتا، اور اجل کے قریب ہونے کا امکان ہر وقت ہے، اور جب قرآن جیسے مؤثر کلام تک سے ان کے فکر کو حرکت نہیں ہوتی تو) پھر یہ لوگ قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔

فائدہ: بنی ہوئی چیز سے بنانے والے کی توحید پر استدلال کی تقریر سورۃ البقرہ آیت ۱۶۴ میں گذر چکی ہے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ انہیں نہ دین حق تک پہنچانے والی دلیل کی فکر ہے اور نہ ہی اس پہنچانے والی فکر کے لئے مددگار یعنی موت کی یاد آتی ہے۔

﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ

دیتا ہے۔

ربط: اوپر ﴿ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ ﴾ سے ان کا کفر میں شدید ہونا ثابت ہوا، اور اس میں احتمال ہے رسول اللہ ﷺ کے حزن ورنج کا، اس لئے اب تسلی کا مضمون ہے، جیسا کہ ایک بار اوپر ﴿ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ ﴾ میں بھی آچکا ہے۔ شاید تسلی کے اہتمام کے لئے دوبارہ فرمادیا گیا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی دوبارہ تسلی:

جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا (پھر غم کرنے کا کوئی حاصل نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے (تاکہ ایک بار ہی پوری سزا دیدے)

﴿ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے، اس کے وقت پر اس کو سوا اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا، وہ تم پر محض اچانک آپڑے گی، وہ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ ﴾ کی تمہید میں مذکور تین مسائل میں سے توحید اور رسالت کا ذکر ہو چکا۔ اب تیسرے مسئلہ قیامت کی بحث ہے، جس کے نزول کا سبب لباب میں قریش کا اور یہود کا بھی سوال کرنا منقول ہے۔

قیامت کی بحث:

یہ لوگ آپ سے قیامت سے متعلق سوال کرتے ہیں کہ یہ کب واقع ہوگی؟ آپ فرمادیجئے کہ اس کا (یہ) علم (کہ کب واقع ہوگی) صرف میرے رب ہی کے پاس ہے (کسی دوسرے کو اس کی اطلاع نہیں) اس کے وقت پر اس کو اللہ کے سوا کوئی اور ظاہر نہ کرے گا (اور وہ ظاہر کرنا یہ ہوگا کہ اس کو واقع کردے گا تو اس وقت سب کو پوری خبر ہو جائے گی، اس سے پہلے ویسے کسی کو بتانے کے طور پر بھی ظاہر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا زبردست حادثہ ہوگا (اس لئے) وہ تم پر محض اچانک (بے خبری میں) آپڑے گی (تاکہ وہ جس طرح جسموں پر ان کو متغیر اور متفرق کر دینے میں زبردست ہے، اسی طرح دلوں پر بھی اس کا زبردست اثر ہوگا، اور پہلے سے بتادینے میں یہ بات نہیں رہتی، اور ان کا

پوچھنا بھی تو معمولی طور پر نہیں، بلکہ) وہ آپ سے اس طرح (اصرار اور مبالغہ کے ساتھ) پوچھتے ہیں کہ گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں (اور تحقیقات کے بعد آپ کو اس کا پورا احاطہ ہو گیا ہے) آپ فرما دیجئے کہ اس کا (مذکورہ) علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے (کہ بعض علوم حق تعالیٰ نے اپنے علم کے خزانہ میں پوشیدہ رکھے ہیں، اس کی تفصیلی اطلاع انبیاء کو بھی نہیں دی، لہٰذا اس کے نہ جاننے سے کسی نبی کو قیامت کی تعیین کی اطلاع نہ ہونے کو معاذ اللہ نبوت کی نفی کی دلیل سمجھتے ہیں، اس طرح سے کہ نبوت کے لئے یہ علم لازم ہے، اور لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی لازم آتی ہے، حالانکہ پہلا دعویٰ ہی بالکل غلط ہے۔

فائدہ: اس آیت سے اور اس حدیث سے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ ماالمسئول عنھا بأعلم من السائل ''اس کے بارے میں جس سے سوال کیا جارہا ہے، وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی اطلاع تعیین اور تفصیل کے ساتھ آپ ﷺ سے بھی پوشیدہ تھی، اور بعض روایتیں جو تعیین کے سلسلہ میں آئی ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے، اول تو وہ قرآن اور بخاری و مسلم کی حدیث کے برابر قوی تو کیا اپنے آپ میں ان کی سند بھی صحیح نہیں، دوسرے ظن غالب کے ساتھ ان کی تاویل کی جاسکتی ہے۔

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ ع ۱۴

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا، اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا ہو، اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت ہی مجھ پر واقع نہ ہوتی، میں تو محض بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر رسول اللہ ﷺ کو قیامت کی تعیین سے متعلق اپنی لاعلمی ظاہر کرنے کا حکم ہوا ہے۔ اب اس لاعلمی کی علت بیان کرنے کا حکم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھے غیب کا علم نہیں ہے اور جب مجھے تعیین کا علم نہیں دیا گیا تو وہ غیب ہوا۔ اس لئے مجھے اس کا علم نہیں۔

نبی ﷺ سے غیب کے علم کی نفی:

آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی خاص ذات کے لئے (بھی دوسروں کے لئے تو دور کی بات ہے) کسی (تکوینی) نفع (کے حاصل کرنے) کا اختیار نہیں رکھتا، اور نہ ہی کسی (تکوینی) ضرر (کے دور کرنے) کا (اختیار رکھتا ہوں) مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا ہو (کہ مجھے اختیار دیدیں اور جس امر میں اختیار نہیں دیا، اس میں بعض اوقات منافع فوت ہو جاتے ہیں، اور ضرر واقع ہوتے ہیں۔ ایک بات تو یہ ہوئی) اور (دوسری بات یہ ہے کہ) اگر میں غیب کی باتیں (اختیاری امور

سے متعلق) جانتا ہوتا تو میں (اپنے لئے) بہت سے منافع حاصل کرلیا کرتا۔ اور مجھ پر کوئی ضرر ہی واقع نہ ہوتا (کیونکہ علم غیب کے سبب مجھے معلوم ہوجاتا کہ فلاں امر میرے لئے یقیناً نفع بخش ہوگا، اس طرح میں اس کو اختیار کرلیا کرتا، اور فلاں امر میرے لئے یقیناً مضر ہوگا تو میں اس سے احتراز کرتا اور چونکہ مجھے علم غیب حاصل نہیں ہے تو بعض اوقات نفع بخش امر کا علم نہیں ہوتا کہ اس کو اختیار کروں اور اسی طرح مضر کا علم نہیں ہوتا کہ اس سے بچوں اس لئے کبھی نقصان ہوجاتا ہے اور کبھی فائدہ نہیں ہوتا، بلکہ کبھی نفع بخش کو نقصاندہ اور مضر کو نفع بخش سمجھ لیا جاتا ہے۔ استدلال کا حاصل یہ ہوا کہ علم غیب کے لئے نفع ونقصان کا مالک ہونا لازم تھا، یہ بات ذکر میں بعد میں ہے اور لازم کی نفی کا تذکرہ پہلے ہے، لہٰذا ملزوم یعنی علم غیب منتفی ہوا، اور یہی مطلوب امر ہے۔ غرض یہ کہ میں ایسے امور کا علم نہیں رکھتا) میں صرف (شرعی احکام بتا کر ثواب کی) بشارت دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں (خلاصہ یہ کہ نبوت کا اصلی مقصود تکوینی امور کا احاطہ نہیں، اس لئے ان امور کا علم جن میں قیامت کی تعیین بھی داخل ہے، نبی کو ملنا ضروری نہیں ہے، البتہ نبوت کا اصلی مقصود، شرعی امور کا علم ضروری ہے، وہ مجھے حاصل ہے)

فائدہ: ڈرانے کے لئے ایمان رکھنے والوں کی تخصیص اس لئے کی کہ نفع انہی لوگوں نے اٹھایا، ورنہ بشیر (یعنی بشارت وخوشخبری دینے والا) اور نذیر (یعنی برے کام کرنے پر عذاب اور جہنم سے ڈرانے والا) ہونا تمام مکلف لوگوں کے لئے عام ہے، اور نفع وضرر میں جو تکوینی کی قید لگائی گئی، حالانکہ بغیر مشیت کے کسی امر میں بھی اختیار حاصل نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر گفتگو اسی سلسلہ میں ہورہی ہے کہ انہی کے علم کی نفی کا حکم کیا ہے۔ اور ﴿أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ میں جو اختیاری امور سے متعلق ہونے کی قید لگائی گئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں علم کو ملزوم اور منافع بہت زیادہ حاصل کرنے اور مضرت کے واقع نہ ہونے یعنی نفع ونقصان کی قدرت کو لازم قرار دیا ہے، حالانکہ علم، قدرت کے لئے لازم نہیں، لہٰذا لازم ہونے کا حکم اس قید کا قرینہ ہے، اور اس قید کے ساتھ لازم ہونا ضروری ہے، جیسا کہ ظاہر ہے کہ اب عقلی طور پر لازم ہوگیا، عادی کے قائل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں رہی، اگرچہ شبہ اس سے بھی دور ہوسکتا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۞ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۞ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۞ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ۞ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَامِتُونَ ۞ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنَّ وَلِيِّ َۧ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

ترجمہ: وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ایک تن واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے، پھر جب میاں نے بی بی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا ہلکا سا، سو وہ اس کو لئے ہوئے چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بی بی اللہ سے جو کہ ان کا مالک ہے، دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دیدی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے، سو اللہ تعالیٰ پاک ہے ان کے شرک سے۔ کیا ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بنا نہ سکیں اور وہ خود ہی بنائے جاتے ہوں اور وہ ان کو کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتے اور وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔ اور اگر تم ان کو کوئی بات بتلانے کو پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں۔ تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں، خواہ تم ان کو پکارو اور یا تم خاموش رہو۔ واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو، وہ بھی تم ہی جیسے بندے ہیں، سو تم ان کو پکارو پھر ان کو چاہئے کہ تمہارا کہنا کر دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو تھام سکیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب شرکاء کو بلا لو، پھر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو، پھر مجھ کو ذرا مہلت مت دو۔ یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہ نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے۔ اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبات کرتے ہو، وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور ان کو اگر کوئی بات بتلانے کو پکارو تو اس کو نہ سنیں اور ان کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں، اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ ﴾ الخ کی تمہید میں مذکور تین مسائل میں سے دو جگہ یعنی آیت ﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ ﴾ اور ﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا ﴾ میں توحید کا مختصر مختصر ذکر ہوا ہے۔ اب اس کا اور اس کے ساتھ شرک کے طریقہ کے باطل ہونے کا قدرے تفصیل کے ساتھ بیان ہے جس کا اوپر ذکر نہیں ہوا۔

توحید کے ثابت ہونے کی اور شرک کے باطل ہونے کی بحث:

وہ اللہ ایسا (قادر اور انعام دینے والا) ہے جس نے تمہیں ایک ہی جان (یعنی آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی

سے اس کا جوڑا بنایا(حوا مراد ہیں، جس کی کیفیت سورۂ نساء کی پہلی آیت کی تفسیر میں گذر چکی ہے) تا کہ وہ اپنے اس جوڑے سے انس حاصل کرے (لہٰذا جب وہ خالق بھی ہے اور محسن بھی تو عبادت اسی کا حق ہے) پھر (آگے ان کی اولاد بڑھی اور ان میں بھی میاں بیوی ہوئے ،لیکن ان میں بعض کی یہ حالت ہوئی کہ) جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا (جو شروع شروع میں) ہلکا سا (رہا) تو وہ اس کو (پیٹ میں) لئے ہوئے (بے تکلف) چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ (حاملہ اس حمل کے بڑھ جانے سے) بوجھل ہوگئی (اور دونوں میاں بیوی کو یقین ہوگیا کہ حمل ہے) تو (اس وقت ان کو طرح طرح کے احتمالات اور توہمات ہونے لگے، جیسا کہ بعض حمل میں خطرات پیش آتے ہیں، اس لئے) دونوں میاں بیوی اللہ سے جو کہ ان کا مالک ہے، دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح وسالم اولاد دیدی تو ہم خوب شکر گذاری کریں گے (جیسا کہ عام عادت ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بڑے بڑے عہد و پیمان ہوا کرتے ہیں) تو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دیدی، تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے (مختلف طور پر کسی نے اعتقاد سے کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ نے دی ہے، کسی نے عمل سے کہ اس کے نام کی نذر و نیاز کرنے لگے، یا بچہ کو لے جاکر اس کے سامنے اس کا ماتھا ٹیک دیا، یا قول سے کہ اس کی بندگی پر نام رکھ دیا، جیسے عبد شمس یا بندہ علی وغیرہ، یعنی یہ حق تو تھا اللہ تعالیٰ کا جو کہ منعم یعنی انعام دینے والا اور خالق اور قادر اور محسن ہے، اور صرف (خرچ) کیا اس کے علاوہ دوسرے معبودوں کے لئے) تو اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے (یہاں تک تو حق تعالیٰ کی صفات کا ذکر تھا، جو اس کے معبود ہونے کے مستحق ہونے کی مقتضی ہیں، آگے باطل معبودوں کے نقائص کا ذکر ہے، جو ان کے معبود ہونے کے مستحق نہ ہونے کی مقتضی ہیں، لہٰذا فرماتے ہیں کہ) کیا (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو نہ بناسکیں ،اور (بلکہ) وہ خود ہی بنائے جاتے ہوں (چنانچہ ظاہر ہے کہ بت پرست خود ان کو تراشتے تھے) اور (کسی چیز کا بنانا تو بڑی بات ہے) وہ (تو ایسے عاجز ہیں کہ اس سے آسان کام بھی نہیں کر سکتے ، مثلاً) ان کو کسی قسم کی مدد (بھی) نہیں دے سکتے ، اور (اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ) وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے (اگر کوئی حادثہ ان کو پیش آجائے ، مثلاً کوئی شخص ان کو توڑنے پھوڑنے لگے) اور (اس سے بھی بڑھ کر سنو کہ) اگر تم ان کو کوئی بات بتانے کے لئے پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں (اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ تم ان کو پکارو کہ وہ تمہیں کوئی بات بتائیں، تو تمہارا کہنا پورا نہ کریں، یعنی نہ بتائیں ۔ اور دوسرے اس سے زیادہ یہ کہ تم ان کو پکارو کہ آؤ ہم تمہیں کچھ بتائیں تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں، یعنی تمہاری بتائی ہوئی بات پر عمل نہ کرسکیں ۔ بہر حال) تمہارے اعتبار سے دونوں امر برابر ہیں، چاہے تم ان کو پکارو (جب وہ نہیں سنتے) یا تم خاموش رہو (جب تو نہ سننا ظاہر ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کام سب سے آسان تر ہے کہ کوئی بات بتانے کے لئے پکارنے کو سن لینا، وہ اس سے عاجز ہیں تو جو اس سے مشکل ہے کہ اپنی حفاظت کریں اور پھر جو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے کہ دوسروں کی امداد کرنا اور پھر جو ان سب سے دشوار تر ہے کہ کسی شے کو پیدا کرنا ۔ ان سے تو

بدرجۂ اولیٰ زیادہ تر عاجز ہوں گے، پھر ایسے عاجز اور محتاج معبودیت کے لائق کب ہو سکتے ہیں؟ غرض (واقعی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو، وہ بھی تم ہی جیسے (اللہ کے مملوک) بندے ہیں (یعنی تم سے بڑھ کر نہیں، چاہے کم ہوں) تو (ہم تو تمہیں سچا جب جانیں کہ) تم (انہیں پکارو اور) پھر ان کو چاہیے کہ تمہارا کہنا پورا کر دیں، اگر (ان کے معبود ہونے کے اعتقاد میں) سچے ہو (اور وہ بیچارے تمہارا کہنا تو پورا کیا کریں گے، کہنے ماننے سے متعلق آلات واعضا تک تو انہیں نصیب نہیں، دیکھ لو) کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو تھام سکیں، یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں، یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں (جب ان میں کام کو انجام دینے والی قوتیں تک نہیں تو ان سے کوئی کام کیا صادر ہوگا، اور) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (جس طرح وہ اپنے معتقدوں کو نفع پہنچانے سے عاجز ہیں، اسی طرح اپنے مخالفوں کو ضرر بھی نہیں پہنچا سکتے، جیسا تم کہا کرتے ہو کہ ہمارے بتوں کی شان میں گستاخی اور بے ادبی نہ کیا کرو، ورنہ وہ تم پر کوئی آفت نازل کر دیں گے، اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ﴾ کے سلسلہ میں اللباب میں عبدالرزاقؒ سے یہی روایت ہے۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ مجھے ضرر پہنچا سکتے ہیں تو) تم (اپنا ارمان اور دل کی حسرت نکال لو، اور) اپنے سب شرکاء کو بلا لو، پھر (سب مل کر) مجھے نقصان پہنچانے کی تدبیر کرو، پھر (جب تدبیر تیار ہو جائے تو) مجھے ذرا بھی مہلت مت دو (بلکہ فوراً اس کو نافذ کر دو، دیکھوں کیا ہوتا ہے، اور خاک بھی نہ ہوگا، کیونکہ شرکاء تو محض مہمل (نکمے) ہیں۔ رہ گئے تم تو جو کچھ ہاتھ پاؤں ہلا سکتے ہو، تم میرا اس لئے کچھ نہیں کر سکتے کہ) یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس (کے مددگار اور رفیق ہونے کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ اس نے (مجھ پر) یہ کتاب (مبارک جو دونوں جہاں کی خیر کے لئے جامع ہے) نازل فرمائی (اگر وہ میرا رفیق ومعین نہ ہوتا تو اتنی بڑی نعمت کیوں عطا فرماتا) اور (اس خاص دلیل کے علاوہ ایک عام قاعدہ سے بھی اس کا مددگار ہونا معلوم ہے، وہ قاعدہ یہ ہے کہ) وہ (عموماً) نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے (تو انبیاء تو ان بندوں میں فرد کامل ہیں اور میں نبی ہوں تو میرا بھی ضرور مددگار ہوگا۔ غرض یہ کہ جس کے ضرر سے ڈراتے ہو تو وہ عاجز ہیں اور جو مجھ کو ضرر سے بچاتا ہے، وہ قادر ہے، پھر اندیشہ کس بات کا؟) اور (اگرچہ ان کا عاجز ہونا اوپر بہت ہی واضح اور بلیغ وجوہ سے بیان ہو چکا ہے، لیکن چونکہ وہاں عجز کا بیان غیر کے لحاظ سے مقصود تھا۔ اور ذاتی طور پر مقصود معبود ہونے کے استحقاق کی نفی تھی، اس لئے آگے مقصود کے طور پر عجز کا بیان فرماتے ہیں کہ) تم اللہ کو چھوڑ کر جن لوگوں کی عبادت کرتے ہو، وہ (تمہارے دشمن کے مقابلہ میں، جیسا میں ہوں) تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے، اور نہ (اپنے دشمن کے مقابلہ میں، جیسا میں ہوں) وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور (مدد کرنا تو بڑی بات ہے) ان کو (تو) اگر کوئی بات بتانے کو پکارو تو اس کو بھی نہ سنیں (اس کے بھی وہی دونوں مذکورہ بالا معنی ہو سکتے ہیں) اور (جس طرح ان کے پاس سننے کا آلہ نہیں، اسی طرح دیکھنے کا آلہ بھی نہیں اور ان کی تصویر میں جو آنکھیں بنا دی جاتی ہیں، وہ محض نام ہی کی ہوتی ہیں، کام کی نہیں۔ چنانچہ) ان (بتوں) کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں (کیونکہ شکل تو آنکھوں جیسی بنی ہوئی ہے) اور وہ

(واقع میں) کچھ بھی نہیں دیکھتے (کیونکہ حقیقت میں تو وہ آنکھیں نہیں، اسی پر دوسرے افعال کرنے والی قوتوں ہاتھوں اور پیروں کی نفی سمجھ لینی چاہئے، تو ایسے بے بس و مجبوروں سے کیا ڈراتے ہو؟)

یہاں چند ضروری امور سمجھنے چاہئیں:

اول: بعض تفسیروں میں اس جگہ آدم اور حواء علیہما السلام کے ایک اولاد ہونے کا اور اس کا نام رکھنے کا قصہ آیا ہے۔ اور بعض اہل علم نے بعض اشکالات کی وجہ سے اس کا انکار کیا ہے اور ﴿ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ اور ﴿ زَوۡجَهَا ﴾ کی تفسیر بدل قرار دی ہے، لیکن ترمذی نے جو حدیث روایت کی ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے اور متدرک حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اس کے بعد قصہ کا انکار اور ﴿ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ کو غیر آدم پر محمول کرنا دشوار ہے، لیکن اس قصہ کا اس آیت کے لئے تفسیر ہونا اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور بعض سلف سے جو تفسیر ہونا منقول ہے تو ممکن ہے کہ آیت کے الفاظ کے ظاہر سے یہ ان کی رائے ہو اور ظاہر الفاظ سے اس کا سمجھا جانا اس وقت ہوگا جب ﴿ تَغَشّٰهَا ﴾ کی ضمیریں ﴿ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ اور ﴿ زَوۡجَهَا ﴾ کی طرف لوٹیں۔ اور اگر یہ ضمیریں مطلق زوج اور زوجہ کی طرف صنعت استخدام کے طور پر راجع ہوں، جیسا کہ اس آیت میں کہا گیا ہے ﴿ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ ﴾ (ای آدم) ﴿ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ ﴾ (ای الإنسان الذی من نسله) تو نہ تفسیر میں بُعد ہوا اور نہ ہی بعد کی آیت میں اشکال ہوا۔ چنانچہ درمنثور میں ابن المنذر اور ابن ابی حاتم کی روایت سے حضرت عباسؓ کا قول بعینہ اسی مضمون پر دلالت کرتا ہے۔ ما أشرک آدم إن أولها شکر (أی تعليمه لعباده بيان خلقهم من آدم وحواء) وآخرها مثل ضربه الله لمن بعده (فدل لفظ بعده علی کون المراد بالأول آدم) وهذا من المواهب ولله الحمد۔ رہا اس حدیث کا اشکال تو اس کا محمل دوسرا ہے۔ آیت کی تفسیر اس پر موقوف نہیں۔

دوسرے: بتوں کی عاجزی و مجبوری کے بیان میں جو آلات اور جسمانی اعضا کی نفی ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ معبود میں، ان سب جوارح کا ہونا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک ہے، بلکہ اس سے مراد فاعلی کمالات ہیں، جو معبود برحق میں محقق ہیں، لیکن چونکہ وہ کمالات جسمانیات میں آلات پر موقوف ہیں، اس لئے اس تعبیر کو اختیار کیا گیا۔

تیسرے: نصرت کی استطاعت کی نفی کا مقصود دونوں جگہ الگ الگ ہے، جیسا کہ بیان ہوا۔ اس لئے تکرار نہیں ہے۔

چوتھے: خالق ہونے کی نفی صرف پہلی جگہ ہی کی گئی، کیونکہ وہ خدائی کی نفی کے لئے لازم ہے نہ کہ نصرت کی استطاعت کی نفی کے لئے۔

سوال: یہ نقائص بتوں میں بہت کھلے ہوئے ہیں، پھر اتنا اہتمام کیوں کیا گیا؟

جواب: تاکہ مشرکوں کی پوری حماقت ظاہر ہو۔

سوال: مشرک بتوں کو اللہ کے برابر قرار نہیں دیتے تھے، پھر اس احتجاج سے ان پر کیا الزام عائد ہوا؟

جواب: احتجاج کا مقصود یہ ہے کہ نفس معبودیت چاہے بالعرض ہی کیوں نہ ہو، صفات کمال پر موقوف ہے، پس جب لازم نہیں تو ملزوم بھی نہیں، خوب سمجھ لو۔

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں، جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں، سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور جو شیاطین کے تابع ہیں، وہ ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، پس وہ باز نہیں آتے۔

ربط: اوپر مشرک جاہلوں سے بھرپور حجت بازی تھی، چونکہ اس حجت بازی کے باوجود وہ لوگ پہلے اپنے اشتہاری عناد کی وجہ سے اپنی انتہائی جہالت پر مصر رہتے تھے، جو غصہ کا سبب ہے، اس لئے اب جناب رسول اللہ ﷺ کو لطف و مہربانی کا حکم ہے اور غصہ آجانے پر اللہ کی پناہ طلب کرنے کی تعلیم ہے، اور ان کے گمراہی میں مبتلا رہنے کا بیان ہے، جس کے نتیجہ میں پوری طرح مایوسی ہو جائے تاکہ غصہ نہ آئے۔

لطف و مہربانی اور پناہ طلب کرنے کا حکم اور پوری طرح مایوس کرنے کے ذریعہ اس کی تاکید:

(لوگوں سے یہ برتاؤ رکھئے کہ ان کے اعمال و اخلاق میں سے) سرسری (نظر میں جو) برتاؤ (معقول اور مناسب ہوں ان) کو قبول کر لیا کیجئے (ان کی تہہ میں جانے اور حقیقت کی تلاش میں نہ پڑیئے، بلکہ ظاہری نظر میں سرسری طور پر جو کام کسی سے اچھا ہو، اس کو بھلائی پر محمول کیجئے۔ اور باطن کا حال اللہ کے سپرد کیجئے، کیونکہ پورا اخلاص اور قبول کی شرائط کی جامعیت اخص الخواص کا حصہ ہے۔ حاصل یہ کہ معاشرت یعنی ساتھ رہنے سہنے میں سہولت سے کام لیجئے، شدت کا راستہ اختیار نہ کیجئے، یہ برتاؤ تو اچھے کاموں میں ہے) اور جو کام ظاہر نظر میں برا ہو اس میں یہ برتاؤ رکھئے کہ اس بارے میں) نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے۔ اور (جو اس تعلیم کے بعد بھی جہالت کی وجہ سے عمل نہ کرے یا نہ مانے تو ایسے) جاہلوں سے الگ ہو جایا کیجئے (ان کے پیچھے نہ پڑیئے) اور اگر (اتفاقاً ان کی جہالت پر) آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے (غصہ کا) آنے لگے (جس میں احتمال ہو کہ کہیں کوئی بات مصلحت کے خلاف صادر نہ ہو جائے) تو (ایسی حالت میں فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (آپ کے پناہ طلب کرنے کو سنتا ہے اور آپ کے مقصود کو جانتا ہے، وہ آپ کو اس سے پناہ دے گا اور جس طرح پناہ کا طلب کرنا اور اللہ کی طرف توجہ کرنا آپ کے لئے نفع

بخش ہے، اسی طرح اللہ سے ڈرنے والے تمام لوگوں کے لئے بھی نفع بخش ہے، چنانچہ) یقیناً (یہ بات ہے کہ) جو لوگ متقی (یعنی اللہ سے ڈرنے والے ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے (غصہ کا یا کسی اور امر کا) آجاتا ہے تو وہ (فوراً) اللہ کی یاد میں لگ جاتے ہیں (جیسے پناہ طلب کرنا اور دعا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور عذاب وثواب کو یاد کرنا) تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں (اور معاملہ کی حقیقت ان کے سامنے کھل کر آجاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ خطرہ اثر نہیں کرتا) اور (اس کے برخلاف) جو لوگ شیطانوں کے تابع ہیں وہ (شیطان) انہیں گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، لہٰذا وہ (شیطان کے تابع لوگ گمراہی سے) باز نہیں آتے (نہ وہ پناہ طلب کرتے ہیں اور نہ محفوظ رہتے ہیں، تو یہ مشرک تو شیطان کے تابع ہیں، یہ کب باز آئیں گے، اس لئے ان کے غم میں پڑنا اور ان کی وجہ سے غصہ کرنا بے کار ہے)

فائدہ: آیت ﴿ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ ﴾: "اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے" کا مضمون انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ عصمت کا حاصل یہ ہے کہ شیطان گناہ نہیں کرا سکتا، یہ نہیں کہ گناہ کی رائے بھی نہیں دے سکتا، یا اس کے لئے وہ اپنی سی کوشش بھی نہیں کر سکتا، کیونکہ جس طرح کسی کافر انسان کا کسی نبی کے ساتھ کفر کی کوئی بات کہنا جبکہ نبی پر اس کا اثر نہ ہو، نبوت کی شان کے خلاف نہیں، اسی طرح کافر جنات کو سمجھئے۔ البتہ چونکہ صحیح مسلم کی روایت میں وضاحت ہے کہ آپ کا قرین شیطان آپ ﷺ کو بری رائے بھی نہیں دیتا تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا: فلا یامرنی إلا بخیر: وہ مجھ سے نیکی اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں کہتا، اس لئے آیت میں وہ برا قرین مراد نہیں ہو سکتا جو ہر شخص کے ساتھ رہ کر اس کو بری باتوں کا حکم کرتا ہے، بلکہ اس سے مشہور معنی مراد لئے جائیں گے جس کا کبھی کبھی دل و دماغ میں آجانا محال نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک بار آگ کا ایک شعلہ لے کر وہ آپ کو تکلیف پہنچانے آیا تھا۔ واللہ اعلم

﴿ وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا اجْتَبَیْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یہ معجزہ کیوں نہ لائے، آپ فرما دیجئے کہ میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے، یہ گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ ﴾ کی تمہید میں مذکور تین مسئلوں سے آیت ﴿ اَوَ لَمْ یَتَفَكَّرُوْا ﴾ میں رسالت کے مسئلہ کا ذکر تھا، اب بھی دوسرے عنوان سے اس کا ذکر ہے، چنانچہ وہاں تو رسالت کی معرفت کا طریقہ بتایا تھا، کہ وہ طریقہ غور وفکر کا ہے، اور یہاں رسالت سے متعلق ایک شبہ کا جواب ہے، جس کی وجہ سے وہ لوگ رسالت کی نفی کیا کرتے

تھے۔اس طرح وہ استدلال تھا اور یہ جواب ہے، اور مقصد و مدعا کو ثابت کرنے کے لئے یہی دو بنیاد ہوتے ہیں۔

رسالت پر شبہ کا جواب:

اور جب آپ (ان کے فرمائشی معجزوں میں سے جن کی فرمائش وہ عناد کی غرض سے کیا کرتے تھے) ان کے سامنے کوئی معجزہ ظاہر نہیں کرتے (اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ حکمت کے تقاضہ کی وجہ سے اس معجزہ کو پیدا نہیں کرتے) تو وہ لوگ (رسالت کی نفی کی غرض سے آپ سے) کہتے ہیں کہ (اگر) آپ (نبی ہیں تو) یہ معجزہ (ظہور میں) کیوں نہیں لائے؟ آپ فرما دیجئے کہ (میرا کام خود اپنے اختیار سے معجزوں کا لانا نہیں ہے، بلکہ میرا اصلی کام یہ ہے کہ) میں اس حکم کا اتباع کرتا ہوں، جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے (اس میں تبلیغ بھی آ گئی، البتہ نبوت کے اثبات کے لئے خود معجزہ ضروری ہے تو معجزے واقع ہو چکے ہیں، چنانچہ سب سے اعظم معجزہ خود یہی قرآن ہے، جس کی شان یہ ہے کہ) یہ (خود اپنے آپ میں) گویا تمہارے رب کی طرف سے بہت سی دلیلیں ہیں (کیونکہ مثلاً اس کی ہر سورت کی مقدار ایک معجزہ ہے تو اس حساب سے قرآن کا مجموعہ کتنی دلیلیں ہوا، اس کا یہ دلیل ہونا تو عام ہے) اور (رہا اس کا قوی نفع تو وہ ماننے والوں کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ وہ) ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے، جو (اس پر) ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر: جواب کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کا اصل مقصد اصلاح ہے، اور معجزہ اس کو ثابت کرنے والا ہے، اور مُثبت مُثبت سب برابر ہیں، لہٰذا اس میں تعیین کی فرمائش محض لغو ہے، چنانچہ مسئلہ طے ہے کہ دعویٰ کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ جس دلیل سے چاہے دعویٰ کو ثابت کر دے پس اولاً معین معجزہ کی فرمائش ہی بے موقع ہے، پھر اس میں بھی حق کی طلب مقصود نہیں۔

﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو، امید ہے کہ تم پر رحمت ہو۔

ربط: اوپر قرآنِ مجید کا مؤمنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہونے کا بیان ہوا ہے۔اب اس کے اس رحمت و ہدایت ہونے کی شرط، عام خطاب کے ذریعہ بتاتے ہیں کہ وہ شرط دھیان سے سننا اور خاموش رہنا ہے۔جس کا حاصل قرآن میں غور و فکر کرنا، اس کے مضامین، احکام و تعلیمات کے بارے میں سوچنا اور توجہ کرنا ہے، اس سے کفار پر تو نئی رحمت ہوگی اور مؤمنوں پر مزید رحمت ہوگی۔

اور چونکہ درمنثور میں اس آیت کے نزول کے سبب اور تفسیر اور اس سے پیدا ہونے والے مسئلوں میں چھ اقوال کا ذکر ہے: (۱) نماز میں امام کے پیچھے قرآن شریف پڑھنا (۲) امام کے پیچھے پڑھنے میں آواز بلند کرنا (۳) جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت کرنا (۴) اور خود اپنی نماز میں عادت کے مطابق بات چیت کرنے کی اجازت کا منسوخ ہونا۔اس طرح

کہ دھیان سے سننے سے مراد اپنی قراءت کی طرف توجہ اور خاموش رہنے سے مراد بات چیت کرنے سے خاموش رہنا ہو اور (۵) خطبہ کی حالت میں بات چیت کی ممانعت اور (۶) ذکر یعنی وعظ ونصیحت اور تقریر کے دوران بات چیت کا حکم، اور جیسا کہ قرآن میں اوپر سے احکام، کفار سے متعلق چلے آرہے ہیں، اس حکم کا کفار کے لئے بھی عام ہونا ظاہر ہے۔ ان قرائن کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ اس میں خطاب بھی عام ہے اور حالت بھی عام ہے، اور لفظ قرآن میں عموم مجاز کے طور پر وعظ بھی اور خطبہ بھی شامل ہیں۔ اس لئے کہ معنی کے لحاظ سے یہ دونوں بھی قرآن ہیں، اسی لئے حنفیوں نے اس سے امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت پر استدلال کیا ہے، جس کی بحث طویل ہے اور اس سلسلہ میں دونوں فریقوں کی طرف سے سوال وجواب کا وسیع باب ہے جس کے ذکر کا یہ محل نہیں۔ اور اسی سے نماز سے باہر بھی قراءت کے وقت دوسرے کام میں مشغول ہونے کو ہمارے حنفی فقہاء نے منع فرمایا ہے۔ اور اسی طرح اس کی بنیاد پر کسی کام میں مشغول شخص کے پاس بیٹھ کر آواز کے ساتھ پڑھنے کو بھی منع کیا ہے۔ جیسا کہ روح المعانی نے خلاصہ سے نقل کیا ہے۔ اور اس کی بنیاد مشہور اصولی مسئلہ ہے کہ لفظ کے عموم کا اعتبار ہے، نہ کہ لفظ کے خصوصی سبب کا، لیکن احقر کو اس بارے میں اطمینان نہیں ہے، نہ اس اصولی مسئلہ میں اور نہ ہی اس فقہی فرع میں، کیونکہ ایسا عموم مراد لینا صحیح نہیں ہے جو متکلم کی مراد سے بھی تجاوز کرنے والا ہو، جیسا کہ حدیث: لیس من البر الصیام فی السفر: ''سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے'' اس میں روزہ کو کسی نے عام نہیں لیا اور یہاں روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تلاوت نماز سے باہر اپنے ثواب کے لئے یا خود یاد کرنے کے لئے ہو، کسی کی تذکیر یا تبلیغ کے لئے نہ ہو، وہ آیت میں مراد نہیں ہے۔ اور درمنثور میں جو ابو الشیخ عثمان بن زائدہ کی روایت سے منقول ہے: إنه كان إذا قرئ عليه القرآن غطى وجهه بثوبه ويتأول من ذلك قول الله وإذا قرئ القرآن فيكره أن يشغل بصره وشيئاً من جوارحه بغير استماع: ''ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تھا تو وہ اپنے چہرہ کو کپڑے سے ڈھانپ لیتے تھے اور اس سے اللہ کے قول ﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ ﴾ کی تاویل کی جاتی ہے کہ ایسے وقت میں اپنی آنکھوں اور دوسرے اعضا کو مشغول رکھنا اور سننے پر دھیان نہ دینا مکروہ ہے'' یہ عمل ادب پر محمول ہے۔ چنانچہ آنکھوں اور اعضا کے مشغول ہونے کی کراہت ان کا قرینہ ہے، کیونکہ آنکھوں اور اعضا کو معطل کرنے کے وجوب کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، لہٰذا ایسی حالت میں وجوب کا مراد لینا مشکل ہے، اور کسی صاحب مذہب، مجتہد سے اس فرع کا منقول ہونا کہیں نظر نہیں آیا، اس لئے اس وجوب میں شبہ ہے، چنانچہ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو عبداللہ بن مغفلؓ سے درمنثور میں ابن ابی شیبہ وغیرہ کی روایت سے منقول ہے: أنه سئل أكل من سمع القرآن يقرأ وجب عليه الاستماع والانصات قال لا إلخ: یعنی آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا ایسے شخص پر جو قرآن کو پڑھتے ہوئے سنے، دھیان سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں! اور الخطیب الشربینی کی السراج المنیر میں بھی بیضاوی سے یہی منقول ہے، جبکہ ظاہری الفاظ مطلقاً جب بھی قرآن پڑھا جائے ان دونوں کے واجب ہونے کا تقاضہ کرتے ہیں، اور

عام علماء نماز سے باہر ان دونوں کے مستحب ہونے کے قائل ہیں، لہٰذا ظاہر میں عام علماء میں حنفی علماء بھی داخل ہیں۔ اور یہ لفظ اجماع کے قریب ہے، لہٰذا اس قول کو حنفیہ کا محقق قول اور پہلے قول کو ان کا مشہور قول کہیں گے، اگر کسی صاحب کو اس سے زیادہ تحقیق ہو تو اس سے اطمینان حاصل کر لیں۔ واللہ اعلم

اور ردالمحتار میں شرح منیہ کے حوالہ سے دھیان سے سننے کو فرض کفایہ کہا ہے کہ بعض افراد کا سننا کافی ہے، وہ بھی جبکہ قراءت پہلے شروع ہوگئی ہو، اور اگر پہلے کام میں مشغول ہو گئے ہوں اور پھر کسی نے قراءت شروع کی تو شروع کرنے والا گنہگار ہوگا۔

ضمیمہ:

مذکورہ بالا تحقیق لکھنے کے بعد طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۱۸۰ میں یہ روایت نظر آئی جس میں مذکورہ بالا فرع میں حنفیہ کے نزدیک بھی گنجائش کی تصریح ہے۔ اور الدرر المنیفة میں القنیة سے منقول ہے کہ تمام لوگوں کا ایک ساتھ قرآن پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے دھیان سے سننے اور خاموش رہنے کا ترک ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لا باس به یعنی کوئی حرج نہیں ہے۔

قرآن کی طرف توجہ کا حکم:

اور (آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) جب قرآن پڑھا جایا کرے (مثلاً رسول اللہ ﷺ اس کی تبلیغ فرمائیں) تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو (تاکہ اس کا معجزہ ہونا اور اس کی تعلیم کی خوبی سمجھ میں آئے، جس سے) امید ہے کہ تم پر (نئی یا مزید) رحمت ہو۔

فائدہ: نئی یہ کہ پہلے کفر کی وجہ سے خاص رحمت نہیں تھی جو ہدایت کے ساتھ ہوتی ہے، اب حق کے قبول کر لینے سے متوجہ ہوگئی، اور مزید یہ کہ پہلے سے مؤمن ہونے کی وجہ سے رحمت کے مستحق تھے، اب اس میں مزید ترقی ہوگئی، اس سے متعلق باقی ضروری باتیں تمہید میں ذکر کر دی گئی ہیں، اس لئے انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔

ربط: اوپر قرآن سننے کا حکم اور اس کے ادب کا ذکر تھا، اب اللہ کے ذکر کا حکم ہے، جس میں قرآن بھی شامل ہے، اور

اس کے ادب کا بیان ہے جو دھیان سے سننے کا سب سے عظیم مقصد ہے۔

ہمیشہ اللہ کا ذکر کرتے رہنے کا حکم:

اور (آپ ہر ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اے شخص! اپنے رب کو یاد کیا کر (قرآن سے یا تسبیح وغیرہ سے، چاہے) اپنے دل میں (یعنی آہستہ آواز سے) عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور (چاہے) زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ (اسی عاجزی اور خوف کے ساتھ) صبح اور شام (یعنی ہمیشہ) اور (ہمیشہ کا مطلب یہ ہے کہ) غفلت والوں میں شمار مت ہونا (کہ جن اذکار کا حکم دیا گیا ہے انہیں بھی ترک کردو)

فائدہ: ادب کا حاصل یہ ہے کہ دل اور ہیئت میں عاجزی، انکساری، خاکساری اور خوف و ہیبت ہو، اور آواز بہت زیادہ بلند نہ ہو، یا تو بالکل آہستہ ہو یعنی صرف زبان اور ہونٹوں سے الفاظ ادا ہوں، یا معتدل آواز ہو کہ آواز فی نفسہ ممنوع نہیں ہے، جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ اس سے مراد اعتدال سے زیادہ بلند آواز ہے، البتہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے جیسے خطرات کو دور کرنا یا دل کی سختی کو دور کرنا اور رقت کا حاصل کرنا وغیرہ جسے کسی محقق شیخ نے تجویز کیا ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی سونے والے کو، نمازی کو، مریض کو یا کسی بھی دوسرے شخص کو تشویش نہ ہو، ورنہ بستی سے باہر چلا جائے اور یہ کہ اس بلند آواز کو قربت کا ذریعہ نہ سمجھتا ہو، بلکہ محض علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے، کیونکہ جو اسباب ممانعت کی علتوں کے تھے، وہ اس میں نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور زبان اور ہونٹوں سے الفاظ کی ادائیگی کی قید اس لئے لگائی کہ اس میں دل کے ساتھ ساتھ زبان اور ہونٹ بھی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اور اس مسئلہ کے ذیل میں طویل کلام ہے۔ احقر نے اپنی تحقیق لکھ دی ہے، اور ''ہمیشہ'' کی تفسیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ اس سے ادنی درجہ کی ہمیشگی مراد لی گئی ہے جو کہ یقینی ہے۔ اور خطاب عام سے بھی اس کا تقاضا ہے، ورنہ ظاہری معنی کے اعتبار سے ہمیشگی کرنے والے ہزاروں میں ایک دو ہی ہیں، عام لوگوں سے اس کا مطالبہ کرنا کسی قدر مشکل ہے۔ واللہ اعلم

﴿ إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۩ ۝ ﴾

ترجمہ: یقیناً جو تیرے رب کے نزدیک ہیں، وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

ربط: یہ سورت کی آخری آیت ہے، پوری سورت میں اصولی اور فروعی طور پر توحید، رسالت اور قیامت سے متعلق

عقائد کی تصحیح اکثر حصہ میں اور کچھ حصہ میں جسمانی اعضا کے بعض اعمال اور زبان کی طاعتوں کا ذکر ہوا ہے۔اب خاتمہ کی آیت میں اس سارے مضمون کی تاکید وتائید ہے کہ جب بڑے بڑے مقرب فرشتوں کو ان طاعتوں سے شرم وعار نہیں ہے تو پھر تمہیں کیا انکار ہے۔

مقرب فرشتوں کی طاعتوں کے ذریعہ طاعتوں کی ترغیب:

یقیناً جو (فرشتے) تمہارے رب کے نزدیک (مقرب) ہیں، وہ اس کی عبادت سے (جس میں اصل عقائد ہیں) تکبر نہیں کرتے، اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (جو کہ زبان کے ذریعہ کی جانے والی اطاعت ہے) اور اس کو سجدہ کرتے ہیں (جو کہ جسم کے دوسرے اعضا کے اعمال سے ہے) (یہاں آیت کی تلاوت کرنے کی صورت میں سجدہ واجب ہے)

فائدہ: جس طرح سورت کو ختم کیا گیا ہے اس کا حسن بالکل ظاہر اور واضح ہے۔

﴿سورۃ الاعراف کی تفسیر ۱۷ ربیع الاول بروز بارسنہ ۱۳۲۴ھ کو پوری ہوئی﴾

﴿ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ۚۖ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ۚ ﴾

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں۔ یہ لوگ آپ سے غنیمتیں کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں، سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو، اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم ایمان والے ہو۔ بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں، ان کے لئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

ربط: اوپر کی سورت میں زیادہ تر مشرکوں کی جہالت اور عناد کا اور کسی قدر اہل کتاب کے کفر اور فساد کا ذکر تھا۔ اس سورت میں اس جہالت اور عناد اور کفر اور فساد کا ان پر جو اثر ہوا دنیا میں جو وبال آیا، غزوۂ بدر میں مشرکوں پر اور بعض دوسرے واقعات میں اہل کتاب یہود پر جو عذاب آیا، اس کا بیان ہے۔ اس سورت کا زیادہ تر حصہ غزوۂ بدر سے متعلق ہے، جیسا کہ گذشتہ سورت میں ان کی جہالت اور عناد کا بیان بھی زیادہ تھا، اور اہل کتاب کا کم تھا، اس طرح اس سورت کی جو کہ ان کے حالات و واقعات پر مشتمل ہیں، جیسا کہ گذشتہ سورت میں ان کے کفر و فساد کا بھی کم ذکر تھا، اور چونکہ کافروں کا مقہور و مغلوب ہونا مومنوں کے حق میں انعام و احسان ہے، اور کافروں کے حق میں عذاب اور انتقام ہے، اس لئے جابجا نعمتوں اور عذاب کی یاد دہانی کے ذریعہ دونوں کو خطاب بھی فرمایا گیا اور انہی واقعات سے متعلق اور مناسب بعض شرعی احکام کا بھی ذکر ہوا ہے۔ یہ اس سورت کے مضامین کا خلاصہ ہے، جس کے ذریعہ اس سورت کا سابقہ سورت سے بھی ربط اور خود اس

کے حصوں میں بھی باہمی ربط ظاہر ہو گیا۔ واللہ اعلم

اور چونکہ کافروں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں دنیا و آخرت کی کامیابی کا سب سے بڑا دارومدار للّٰہیت اور اتفاق پر ہے، اس لئے سورت کو تقوی، اصلاح، اللہ و رسول کی اطاعت کے حکم، اور خوف، ایمان کی تکمیل، توکل، نماز قائم کرنے اور خیر و بھلائی کے کاموں میں خرچ کی فضیلت کے بیان سے شروع کیا ہے کہ للّٰہیت اور اتفاق کو انہی طاعتوں سے قوت ہوتی ہے، اور غنیموں کی تقسیم سے متعلق ایک خفیف سا معاملہ جو کہ ایک درجہ میں للّٰہیت اور اتفاق کے کمال سے دور تھا، اور اس وقت پیش آ گیا تھا، مذکورہ مضمون کے شروع کی تائید کے لئے اسی کے ضمن میں اس کا فیصلہ بھی فرما دیا گیا، جس کا قصہ درج ذیل روایتوں میں بیان ہوا ہے۔

ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان و حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا تھا کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے یا قید کرے اس کو اتنا انعام دیا جائے گا تو بوڑھے تو جھنڈوں کے پاس رہے اور جو ان لوگ قتل اور غنیمت میں مصروف ہوئے۔ بعد میں بوڑھوں نے جوانوں سے کہا کہ مالِ غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ دو کہ ہم تمہارے مددگار تھے، کیونکہ اگر تمہیں کوئی حادثہ پیش آتا تو تم ہمارے ہی پاس آتے اور ہماری ہی پناہ لیتے، اس سلسلہ میں کچھ بحث ہوئی اور تلخی پیدا ہوگئی، یہاں تک کہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گیا، اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ﴾ الخ چنانچہ آپ نے بوڑھوں اور جوانوں کو سب کو مالِ غنیمت برابر برابر تقسیم فرمایا، اس کو حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے جیسا کہ جلالین میں نقل کیا گیا ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ بدر میں میرے بھائی عمیر شہید ہوئے تو بدر میں، میں نے اس کے بدلے سعید بن العاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ مجھے عنایت فرما دیجئے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس کو غنیمت کے سامان میں رکھ دو، آپ کے اس حکم سے مجھے رنج ہوا، تب یہ آیت نازل ہوئی، تب آپ نے فرمایا: اب تم وہ تلوار لے لو۔ اور ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت سعد سے روایت کیا ہے کہ بدر کے روز میں ایک تلوار لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تلوار مجھے عطا فرما دیجئے، آپ نے فرمایا کہ نہ میری ہے اور نہ ہی تمہاری ہے، یہ سن کر مجھے رنج ہوا، پھر بلا کر آپ نے فرمایا: اس وقت تو یہ میری نہیں تھی، البتہ اب یہ میری ہے، اور میں تمہیں دیتا ہوں، اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جلالین والی روایت کے سوا یہ سب روایتیں لباب میں ہیں، اور آگے اکثر روایتیں درمنثور سے نقل کی گئی ہیں۔

مالِ غنیمت کا حکم اور بعض اعمال کے فضائل:

یہ لوگ آپ سے (خاص) غنیموں کا حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں (اس معنی میں کہ

اللہ کی ملکیت ہیں اور وہ جس طرح چاہیں ان کے بارے میں حکم کریں) اور رسول کی ہیں (اس معنی میں کہ آپ کی معرفت اللہ تعالیٰ وہ حکم نازل کریں گے، مطلب یہ کہ اس کا فیصلہ تمہاری رائے اور تجویز پر نہیں، حکم شرعی پر ہے) تو تم (دنیا کی حرص مت کرو، بلکہ آخرت کے طالب رہو۔ اس طرح کہ) اللہ سے ڈرو اور اپنے آپسی تعلقات کی اصلاح کرو (کہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد اور بغض نہ ہو) اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم ایمان والے ہو (کیونکہ) بس ایمان والے ہی تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو (اس کی عظمت کا یقین تازہ ہونے سے) ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کردیتی ہیں۔ اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (اور) جو کہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (بس) سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں۔ اور (ان کے لئے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

فائدہ: اللہ اور رسول کی اطاعت میں سب احکام آگئے، اس طرح کہ احکام کی دو قسمیں ہیں: (۱) حقوق اللہ یعنی اللہ کے حقوق اور (۲) حقوق العباد یعنی بندوں کے حقوق۔ دوسری قسم پر ﴿اَصۡلِحُوۡا﴾ سے دلالت ہوتی ہے، اور حقوق اللہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) ظاہری (۲) باطنی۔ پھر ظاہری کی دو قسمیں ہیں: ایک بدنی ﴿یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ﴾ میں اس کا ذکر ہوگیا دوسرے مالی ﴿یُنۡفِقُوۡنَ﴾ میں اس کا بیان آگیا۔ اسی طرح باطنی کی دو قسمیں ہیں: ایک عقیدہ ﴿زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا﴾ میں اس کی طرف اشارہ ہوگیا۔ دوسرے اخلاق ﴿یَتَوَکَّلُوۡنَ﴾ میں اس کا بیان ہے جس کی تحقیق سورۃ آلِ عمران آیت ۱۶۰ ﴿فَاِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ﴾ میں گذری ہے، اور ان سب کی بنیاد خوف ہے، تقوی اور ﴿وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ﴾ میں اس کا ذکر ہے، اور شاید اس کے بنیاد ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر مکرر ہوا ہو۔ اس طرح اس جگہ تمام احکام کا ذکر ہوگیا۔ اسی طرح جزا کے بیان میں اس کی تمام قسمیں جمع ہوگئیں، کیونکہ جزا کا حاصل دو چیزیں ہیں، جہنم کی مضرت سے بچانا تو مغفرت میں اس کا ذکر ہے، اور جنت کا فائدہ عطا ہونا، پھر یہ فائدہ یا تو روحانی ہے اس کا ذکر درجات میں آگیا، یا جسمانی اس کا بیان رزق میں ہوگیا۔

اب موقع ومحل کے تقاضے کے مطابق غنیمت کے بعض مسائل کا ذکر ہوتا ہے۔

مسئلہ (۱): مالِ غنیمت میں سے خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی میں قاتل، معاون اور شریک واقعہ سب برابر مستحق ہیں، چاہے انھوں نے قتال نہ کیا۔

مسئلہ (۲): اگر امام اعلان کردے من قتل قتیلا فله سلبه یعنی جس نے کسی کو قتل کیا تو مقتول سے حاصل ہونے والا سامان قتل کرنے والے کا ہوگا، تو خاص مقتول سے حاصل ہونے والا سامان قتل کرنے والے کا ہوگا، اسی طرح اگر کسی اور انعام کا وعدہ کرے تو وعدہ کے مطابق اس کو دیا جائے گا، پھر جو کچھ بچے گا وہ سب کو برابر ملے گا۔

مسئلہ (۳): غنیمت کے حصہ اور وعدہ کے مطابق انعام کے علاوہ اگر امام کسی کو اور زیادہ دینا چاہے تو بھی خمس یعنی مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ میں سے دے سکتا ہے، اس طرح تمہید میں جو بعد کی دو روایتوں کے مطابق آپ سے تلوار مانگی گئی تھی، وہ وعدہ کے مطابق انعام سے زیادہ تھی، کیونکہ ایک روایت میں اس کا قتل ہونے کا مال ہونا بیان ہوا ہے اور آپ سے فله سلبه کے عنوان سے وعدہ منقول نہیں، اور ایک روایت میں اس تلوار کا قتل ہونے والے کے مال میں سے ہونے کا بھی ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس کو وعدہ سے زیادہ پر محمول کیا جائے گا، اس لئے آپ کے ذمہ اس کا دینا نہیں تھا، پھر ایک روایت میں آپ نے احسان کے طور پر دیدی۔ اسی طرح پہلی روایت میں انعام کے وعدہ سے جو بچا تھا، جوان لوگ اس میں خاص حصہ چاہتے ہوں گے، اس واسطہ آپ نے برابر برابر تقسیم فرمایا، جیسا کہ مذکورہ بالا مسائل میں انہی مسائل کا ذکر ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔ لہٰذا پہلے قصہ کا تو پوری آیت میں جواب ہے، اور بعد کے دو قصوں کا جواب فقرہ ﴿الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ میں موجود ہے، اگرچہ ان کا حکم نہیں پوچھا گیا تھا۔

﴿ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر سے مصلحت کے ساتھ آپ کو روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی، وہ اس مصلحت میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا، آپ سے اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

ربط: اوپر کافروں کے مقابلہ میں کامیاب ہونے کی جو سب سے بڑی بنیاد تھی اس کا بیان تھا۔ اب کامیابی کے واقعات کا ذکر کر کے اس بارے میں اپنے انعامات یاد دلاتے ہیں۔

کامیابی پر پہلا انعام:

(ان دونوں آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کی روانگی کے وقت کا قصہ ہے، اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ مکہ کے تاجروں کا ایک مختصر قافلہ شام سے مکہ کو چلا، جس کے ساتھ مال واسباب بہت تھا، آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا، آپ نے صحابہ کو خبر دی، صحابہ کو لوگوں کی تعداد کم اور مال زیادہ ہونے کا حال معلوم ہونے سے غنیمت کا خیال ہوا اور اسی ارادہ سے مدینہ سے چلے، یہ خبر مکہ پہنچی تو ابوجہل وہاں کے رئیسوں اور لڑنے والوں کے ہمراہ اس قافلہ کی حفاظت کے لئے نکلا، ادھر شام سے آنے والا قافلہ سمندر کے کنارہ کنارہ ہو کر مکہ کی طرف نکل گیا، جبکہ ابوجہل لشکر سمیت بدر میں آکر ٹھہر گیا، اس وقت جناب رسول اللہ ﷺ وادی دجران میں تشریف رکھتے تھے، اور آپ کو یہ سارا قصہ وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ ان دونوں یعنی قافلہ اور لشکر میں سے ایک پر آپ کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ آپ نے صحابہ

سے مشورہ کیا، چونکہ لشکر کے مقابلہ کے ارادہ سے نہیں آئے تھے، اس لئے لڑائی کا کافی سامان ساتھ نہیں تھا۔ اور خود بھی تین سو کچھ آدمی تھے، جبکہ لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا، اس لئے بعض صحابہ کو پس وپیش ہوا، انھوں نے عرض کیا کہ اس لشکر کا مقابلہ نہ کیجئے، بلکہ قافلہ کا تعاقب زیادہ مناسب ہے، ان باتوں سے آپ رنجیدہ ہوئے، اس وقت حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت مقداد بن عمرو اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت سے متعلق تقریریں کیں، تب آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے۔

تفسیر: یہ (انفال یعنی مالِ غنیمت کا لوگوں کی مرضی کے مطابق تقسیم نہ ہونا، اگر چہ بعض طبیعتوں پر گراں گذرا ہو، مگر چونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں شامل ہیں، اس لئے یہی خیر ہے، لہٰذا یہ امر طبعی مشقت اور مصلحتوں کے شامل ہونے کے اعتبار سے ایسا ہے) جیسے آپ کے رب نے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ آپ کو (بدر کی طرف) روانہ کیا، اور مسلمانوں کی ایک جماعت (تعداد اور سامان کی کمی کی وجہ سے طبعی طور پر) اس کو گراں سمجھتی تھی (اور وہ) اس مصلحت (کے کام یعنی جہاد اور لشکر کے مقابلہ) میں اس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا (اپنے بچاؤ کے لئے) آپ سے (مشورہ کے طور پر) اس طرح جھگڑ رہے تھے کہ گویا کوئی انہیں موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ (موت کو یعنی اس کے سامان کو) دیکھ رہے ہیں (مگر آخر اس کا انجام اچھا ہوا کہ اسلام غالب اور کفر مغلوب ہوا جو کہ عظیم انعام ہے۔ اور انعام کا سبب بھی انعام ہے، اور یہ بات تجارتی قافلہ سے غنیمت حاصل کر لینے میں کہاں حاصل ہو سکتی تھی؟ اسی طرح انفال کے مسئلہ میں بھی مصلحتیں ہیں)

فائدہ: یہ پس وپیش اگر چہ گھروں سے نکلنے کے بعد ہوا، لیکن وقت کا زمانہ ایک ہی چیز قرار دیا گیا یا حال مقدرہ قرار دیا جائے، اور ﴿فَرِيقًا﴾ یعنی ایک جماعت اس لئے کہا گیا کہ بعض کو پس وپیش تھا، لیکن دوسرے حضرات کے دل ودماغ میں ایسی کوئی بات نہیں تھی، اور ظہور کا مطلب یہ ہے کہ اس کا خیر اور بھلائی ہونا اور اس میں کامیابی کا وعدہ ہونا آپ کے ارشاد سے معلوم ہو گیا تھا، اور ﴿كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ﴾ میں اشارہ کر دیا کہ وہ ناگواری قتل ہو جانے کے خیال سے فطری تھی، کیونکہ حالت بے سروسامانی کی تھی، یہ عقلی یا اعتقادی نہیں تھی، لہٰذا اس میں کوئی اعتراض نہیں رہا، اسی طرح مشورہ کے اہتمام کو مجاز کے طور پر جھگڑنا قرار دیا، اس میں بھی کوئی اعتراض نہیں رہا۔

﴿ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ

تمہارے ہاتھ آجاوے گی، اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت تمہارے ہاتھ آجاوے اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا ثابت کردے اور ان کافروں کی بنیاد کو قطع کردے، تا کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کردے، گو یہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں۔

ربط: اوپر ایک انعام کا ذکر ہوا، اب دوسرے انعام کا ذکر ہے۔

کامیابی پر دوسرا انعام:

اور تم لوگ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ (رسول کی طرف وحی کے ذریعہ) تم سے ان دو جماعتوں (یعنی تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر) میں سے ایک (جماعت) کا وعدہ کرتے تھے کہ وہ (جماعت) تمہارے ہاتھ آجائے گی (یعنی مغلوب ہوجائے گی) اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی تجارتی قافلہ) تمہارے ہاتھ آجائے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملی طور پر) ثابت کردے (اس طرح کہ اس کو غلبہ دیدے) اور (یہ منظور تھا کہ) ان کافروں کی بنیاد (اور قوت) کو اکھاڑ دے، تا کہ (اس اکھاڑنے کے ذریعہ) بھی حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملی طور پر) ثابت کردے، اگرچہ (اس حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کرنے کو) یہ مجرم لوگ (یعنی کافر جو کہ مغلوب ہوئے) ناپسند ہی کریں۔

فائدہ: اوپر کی آیت میں جو قصہ بیان ہوا، وہ اس آیت کی تفسیر کے حل کے لئے بھی کافی ہے اور اس غلبہ کو اس کے باوجود کہ قریش کے تمام کفار ہلاک نہ ہوئے تھے، قطع دابر یعنی جڑ اکھاڑ دینا اس لئے کہا گیا کہ اس واقعہ سے ان کی قوت بالکل فنا ہوگئی تھی، کیونکہ ان کے ستر بڑے بڑے رئیس قتل اور ستر ہی قید ہوئے تھے، اس طرح گویا وہ سب ہی ختم ہوگئے تھے، اور کلمات کی تفسیر جو احکام سے کی گئی ہے، اس سے مراد یا تو شرعی احکام ہیں جن کا مصداق جناب رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو بدر کی طرف چلنے کے لئے فرمانا ہے، یا تکوینی احکام مراد ہیں کہ غلبہ مقدر سے عبارت ہے، اور دونوں صورتوں میں جمع کا لفظ لانا متعلق کے متعدد یعنی کئی ہونے کے اعتبار سے ہے کہ وہ ان کا چلنا، ان کا لڑنا اور ان کا مغلوب، زخمی، قید اور ہلاک ہونا ہے، اور ﴿ يُحِقَّ الْحَقَّ ﴾ میں تکرار اس لئے نہیں ہے کہ پہلی جگہ وہ بلا واسطہ مقصود ہے اور دوسری جگہ قطع دابر کے واسطہ سے مقصود ہے، اور اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کی ہلاکت وغیرہ جو واقع ہوتی ہے، وہ کسی خیر کی وجہ سے مقصود ہوتی ہے۔ اس انعام کا حاصل کفار کا مقابلہ ہے جس کا انجام خیر ہوا، جیسا کہ پہلے انعام کا حاصل گھروں سے نکالنا تھا۔

﴿ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آویں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے کی کہ بشارت ہو اور تا کہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جاوے۔ اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والے ہیں۔

ربط: اوپر بعض انعامات کا ذکر ہوا ہے، اب بھی بعض کا ذکر ہے۔

کامیابی پر تیسرا انعام:

اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے (اپنی تعداد کم اور ان کی تعداد زیادہ دیکھ کر) فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری (فریاد) سن لی (اور وعدہ فرمایا) کہ میں تمہیں ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا، جو سلسلہ وار چلے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے (مذکورہ ملائکہ کے ذریعہ) یہ امداد محض اس (حکمت) کے لئے کی کہ (غلبہ کی) بشارت ہو (یعنی غلبہ کی توقع کی وجہ سے خوشی ہو جائے) اور تا کہ تمہارے دلوں کو (بے چینی سے) سکون واطمینان ہو جائے (یعنی تسلی اسباب سے ہوتی ہے، اس لئے ایسا کیا) اور (واقع میں تو) نصرت (اور غلبہ) صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو کہ زبردست حکمت والے ہیں۔

فائدہ: سورۂ آلِ عمران کی آیت ۲۶ بھی اسی طرح کی گذر چکی ہے، اس سے متعلق ضروری باتیں وہاں ملاحظہ فرمائیں، اور اس انعام کا حاصل فریاد کا قبول کرنا ہے، اور اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کا نصرت کی دعا کرنا صحیح حدیثوں میں آیا ہے، اور ظاہر آیت سے دوسرے مسلمانوں کا دعا کرنا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا احادیث اور آیت کے مجموعہ سے رسول اللہ ﷺ سب کا دعا کرنا ثابت ہو گیا۔ اور بعض اہل علم نے ﴿تَسْتَغِيْثُوْنَ﴾ کے جمع کے لفظ کا مخاطب بطور تعظیم جناب رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝۱۱﴾

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔

ربط: اوپر بعض انعامات کا ذکر تھا، اب بھی بعض انعامات کا ذکر ہے۔

کامیابی پر چوتھا انعام:

اس میں ایک قصہ کی طرف اشارہ ہے جو مختصر طور پر یوں ہے کہ بدر کے میدان میں مشرک لوگ پہلے پہنچ گئے تھے، اور

انھوں نے وہاں پانی پر قبضہ کرلیا تھا، مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں جا کر ٹھہرے، جہاں پانی نہ ہونے کی وجہ سے پیاس کی بھی شدت کا سامنا تھا اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے بھی عاجز تھے (اس وقت تک تیمم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا) ادھر ریگستان میں چلنا پھرنا بھی مصیبت کہ اس میں پاؤں دھنسے جاتے تھے، ان تمام اسباب سے سخت پریشانی محسوس کرنے لگے، اوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول اور منصور ہوتے تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے؟ حالانکہ یہ وسوسہ بالکل بے بنیاد تھا، مگر پریشانی بڑھانے کے لئے کافی تھا، ان حالات میں حق تعالیٰ نے پہلے رحمت کی بارش فرمائی جس سے پانی بہت کافی ہوگیا کہ پیا بھی اور وضوء وغسل بھی کیا، اور بارش کی وجہ سے ریت جم گیا، جس سے پیروں کا دھنسنا ختم ہوگیا۔ ادھر کفار نرم اور چکنی مٹی والی زمین میں تھے، اب وہاں کیچڑ ہوگئی جس سے چلنے پھرنے میں بھی پریشانی ہونے لگی، ایسے میں مسلمانوں کے تمام وسوسے اور تشویش ختم ہوگئے، اس کے بعد ان پر غنودگی اونگھ کا غلبہ ہوا، جس سے پوری راحت ہوگئی اور بے چینی جاتی رہی، اس آیت میں ان واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر: اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر غنودگی طاری کررہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور (اس سے پہلے) تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ اس پانی کے ذریعہ تمہیں (حدث اصغر اور حدث اکبر) سے پاک کردے اور (تاکہ اس کے ذریعہ) تم سے شیطانی وسوسہ کو دور کردے۔ اور (تاکہ اس کی وجہ سے) تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور (تاکہ اس کی وجہ سے) تمہارے پاؤں جمادے (کہ ریت میں نہ دھنسیں)

فائدہ: ان تمام الفاظ کی تفسیر مذکورہ قصہ کی تمہید سے واضح ہوچکی۔ اور درمنثور میں قتادہ سے روایت ہے کہ غنودگی دوبار ہوئی، ایک بدر کے دن (جس کا یہاں ذکر ہے، دوسرے احد کے دن جس کا ذکر سورۃ آلِ عمران آیت ۱۵۴ میں ہے) اور درمنثور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سب پر نیند کا غلبہ ہوا، مگر رسول اللہ ﷺ صبح تک برابر نماز پڑھنے میں مشغول رہے۔ اور احقر کہتا ہے کہ یہ غنودگی یا نیند، پریشانی کا علاج تھا، جبکہ آپ ﷺ انتہائی توکل کی وجہ سے پریشان ہی نہ ہوئے تھے، ان انعامات کا حاصل ظاہر ہے جن میں امر مشترک غم کا زائل ہونا ہے، اس اعتبار سے گنتی میں ایک شمار کیا گیا۔

﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝﴾

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں، سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ۔ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔

ربط: اوپر بعض انعامات کا ذکر تھا۔ اب بھی بعض کا ذکر ہے۔

کامیابی پر پانچواں انعام:

اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب (ان) فرشتوں کو (جو امداد کے لئے نازل ہوئے تھے) حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (اور مددگار) ہوں، اس لئے (مجھے مددگار سمجھ کر) تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں (یہ ﴿اَنِّیْ مَعَکُمْ﴾ کا بیان ہے) تو تم (کافروں کی) گردنوں پر (حربہ) مارو اور ان کے جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ (یہ ﴿فَثَبِّتُوْا﴾ کا بیان ہے)

فائدہ: آیت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ نے کافروں کو قتل کیا ہے۔ درمنثور میں اس کی تائید کرنے والی روایتیں بھی ہیں۔ اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ﴿سَاُلْقِیْ﴾ الخ کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کو حکم ہوا کہ اہل ایمان کے اس طرح قدم جماؤ اور ان کے دلوں میں اپنے فرشتوں والے تصرف سے یہ القا کرو کہ جس سے ان کے دلوں میں یہ عزم پیدا ہو جائے۔ تیسرے انعام میں ملائکہ کا نزول معلوم ہو چکا، ان کے نازل ہونے کے انعام کا حاصل ملائکہ کو قتال کے طور پر یا القاء کے طور پر مددگار بنانا ہے، اور کفار کا مرعوب بلکہ مغلوب ہو جانا ظاہر اور مشہور ہے۔ اور جاننا چاہئے کہ ملائکہ کے نزول سے اصلی مقصود مسلمانوں کو ثابت قدم کرنا تھا، جو بغیر قتال بھی ممکن ہے، جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت ۱۲۶ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ اور یہاں بھی فرشتوں والے تصرف کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے۔ اور قتال کا وقوع، ملائکہ کے نزول سے یقین کی زیادتی کے لئے ہو سکتا ہے، اور بغیر قتال کے ثابت قدمی کا ممکن ہونا مذکورہ طریقہ سے روح المعانی میں زجاج سے منقول ہے: وللملک قوۃ إلقاء الخیر فی القلب إلخ: یعنی فرشتہ کو دل میں بھلائی کے القاء کی قوت حاصل ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝﴾

ترجمہ: یہ اس بات کی سزا ہے کہ انھوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ سخت سزا دیتے ہیں۔ سو یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے۔

ربط: اوپر کافروں کے قتل اور ذلیل و رسوا ہونے کا بیان تھا، جو مؤمنوں کے حق میں انعام اور کافروں کے حق میں انتقام ہے، جس کو مندرجہ بالا آیتوں میں مؤمنوں پر انعام کے عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے، اب اس کو کافروں پر انتقام کے عنوان سے بیان فرماتے ہیں۔

بدر کے واقعہ میں کافروں سے انتقام:

یہ اس بات کی سزا ہے کہ انھوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں (چاہے دنیا میں کسی حکمت سے یا آخرت میں یا دونوں جگہ) تو (اس مخالفت

کی وجہ سے اس وقت تو) یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے (وہ دنیاوی سزا سے ٹل نہیں گیا کہ اصلی وہی ہے)

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَ مَنْ یُّوَلِّهِمْ یَوْمَىٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو، وہ مستثنیٰ ہے۔ باقی اور جو ایسا کرے گا، وہ اللہ کے غضب میں آجاوے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ربط: اوپر ملائکہ کو مؤمنوں کے قدم جمانے کا حکم تھا، اب مؤمنوں کو ثابت قدم رہنے کا حکم ہے، اور چونکہ اس حکم کو مطلق جہاد کے ساتھ متعلق کرنا مقصود ہے، اس لئے اس کا ذکر عام عنوان سے فرمایا ہے۔

جہاد سے فرار کا حرام ہونا:

اے ایمان والو! جب تمہارا کافروں سے (جہاد میں) آمنے سامنے کا مقابلہ ہو جائے تو ان سے پیٹھ مت پھیرنا (یعنی جہاد کے دوران میدان چھوڑ کر مت بھاگنا) اور جو شخص ان سے اس موقع پر (یعنی مقابلہ کے وقت) پیٹھ پھیرے گا، سوائے اس کے کہ جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو، تو وہ مستثنیٰ ہے، باقی جو کوئی اور ایسا کرے گا، وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

مسئلہ (۱): جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔

مسئلہ (۲): البتہ اگر کافر دوگنے سے زیادہ ہوں تو جائز ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے ﴿ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ ﴾ الخ

مسئلہ (۳): اور جب دوگنے سے زیادہ نہ ہوں تب بھی جواز کی دو صورتیں ہیں، جن کو آیت میں مستثنیٰ فرمایا ہے: ایک یہ کہ دھوکا دینے کی غرض سے سامنے سے بھاگا ہو، تاکہ حریف غافل ہو جائے، پھر اچانک لوٹ کر اس پر حملہ کر دے۔ دوسرے یہ کہ اصلی مقصود بھاگنا نہ ہو، بلکہ اپنے سامان وغیرہ نہ ہونے کی کسی مجبوری یا ضرورت کی وجہ سے اپنی جماعت میں اس غرض سے آملا کہ ان کے ذریعہ قوت اور مدد حاصل کر کے پھر جا کر مقابلہ کرے گا، پھر بعض نے اس جماعت کے قریب ہونے کی شرط لگائی ہے اور بعض نے عام کہا ہے، اور بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ یہ حکم غزوۂ بدر کے ساتھ خاص تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ قتال کے دوسرے مواقع پر فرار جائز ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں اس کے باوجود کہ کافر لوگ دوگنے سے زیادہ تھے پھر بھی فرار جائز نہ تھا، جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت تک وہ حکم جس میں دوگنے کی بات کہی

گئی ہے، نازل نہیں ہوا تھا، اس اعتبار سے غزوۂ بدر کے ساتھ خاص کہہ دیا گیا۔

﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: سوتم نے ان کو قتل نہیں کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے خوب اجر دے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں۔

ربط: اوپر غیبی امداد کا بیان تھا، اب اس سے ایک اور مسئلہ نکالتے ہیں کہ یہ غلبہ ہماری قدرت اور مشیت کا اثر تھا، چاہے ظاہری طور پر خاص حکمت کی وجہ سے تمہارے فعل کے نتیجہ میں حاصل ہوا ہو، جیسا کہ ﴿ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ﴾ میں ذکر ہے۔

حق تعالیٰ کی قدرت کا علت ہونا اور مخلوق کی قدرت میں حکمت ہونا:

(اس میں بھی ایک قدرت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ آپ نے غزوۂ بدر کے دن کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی، جس کے ریزے وذرات سب کی آنکھوں میں جا گرے، اور ان کو شکست ہوئی۔ اور فرشتوں کے امداد کے لئے آنے کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس پر فرع نکالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب ایسے عجیب عجیب واقعات ہوئے جو کہ تمہارے اختیار سے بالکل باہر ہیں) تو (اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی[1] تاثیر کے مرتبہ میں) ان (کافروں) کو تم نے قتل نہیں کیا، لیکن (البتہ اس مرتبہ میں) اللہ تعالیٰ نے (بے شک) ان کو قتل کیا (یعنی حقیقی مؤثر اس کی قدرت ہے) اور (اس طرح حقیقی تاثیر کے مرتبہ میں) خاک کی مٹھی آپ نے نہیں پھینکی، لیکن (البتہ اس مرتبہ میں) اللہ تعالیٰ نے (واقعی) وہ پھینکی اور (اس کے باوجود کہ حقیقی مؤثر اللہ کی قدرت ہے، پھر قتل وغیرہ کے آثار کو جو بندہ کی قدرت پر مرتب فرمادیا تو اس میں حکمت یہ ہے کہ) تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے (ان کے عمل کا) خوب اجر دے (اور اجر کا ملنا اللہ کی سنت کے مطابق اس امر پر موقوف ہے کہ فعل ان کے عزم واختیار سے صادر ہو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مؤمنوں کے اقوال کے) خوب سننے

(۱) اور اس مقام میں ایک لطیف توجیہ یہ بھی ہے کہ جو فعل روزمرہ کے اختیاری اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے یا اس کا نتیجہ روزمرہ کا فعل ہوتا ہے، اس کی نسبت بندوں کی طرف ہوتی ہے، اور جو فعل اس کے خلاف ہوتا ہے، اس کی نسبت حق سبحانہ کی طرف ہوتی ہے، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ جو فعل یا اس کا نتیجہ توقع کے خلاف ہو اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے اور جو توقع کے مطابق ہو، اس کی نسبت بندہ کی طرف۔ لہٰذا چونکہ مسلمانوں کا کافروں کو قتل کرنا غیر اختیاری، روزمرہ کے معمول کے خلاف اور توقع کے خلاف تھا، اس لئے فرمایا: انہیں تم نے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے قتل کیا اور چونکہ مٹی کے پھینکنے کا اثر خلاف عادت اور خلاف توقع تھا اس لئے فرمایا: ''اور تم نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا''

والے (اور ان کے افعال واحوال کے) خوب جاننے والے ہیں (فریاد کے اقوال، قتال کے افعال اور تشویش وغیرہ کے احوال میں ان کو جو محنت پیش آئی ہمیں اس کی خبر ہے، ہم ان کو اس پر جزا دیں گے) ایک بات تو یہ ہوئی، اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنا تھا (اور زیادہ کمزوری اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب اپنے برابر والے کے بلکہ اپنے سے کمزور کے ہاتھ سے مغلوب ہو جائے، اور یہ بھی اس پر موقوف ہے کہ وہ آثار مؤمنوں کے ہاتھ سے ظاہر ہوں۔ ورنہ کہہ سکتے تھے کہ تدبیریں تو ہماری قوی تھیں، لیکن زیادہ قوی یعنی اللہ کی تدبیر کے سامنے نہ چل سکیں، تو اس سے آئندہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا حوصلہ پست نہ ہوتا، کیونکہ ان کو تو ضعیف ہی سمجھتے)

فائدہ: مٹھی میں خاک لے کر پھینکنے کا قصہ کئی بار ہوا، بدر میں، احد میں، حنین میں وغیرہ، لیکن یہاں کلام کے سلسلہ کو دیکھتے ہوئے بدر کا قصہ مراد لینا زیادہ صحیح ہے۔ درمنثور میں سب روایتیں موجود ہیں۔

﴿ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ع

ترجمہ: ایک بات تو یہ ہوئی اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کا کمزور کرنا تھا، اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آموجود ہوا، اور اگر باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے نہایت خوب ہے۔ اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر یہی کام کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آوے گی۔ گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

ربط: اوپر بدر کے واقعات میں نعمتوں کی یاددہانی کے طور پر مؤمنوں کو خطاب تھا، اب اسی واقعہ میں کفار کو عذاب کی یاددہانی کے طور پر ایک خاص مضمون کا خطاب ہے، جس کا قصہ یہ ہوا کہ قریش کے کافروں ابوجہل وغیرہ نے مقابلہ کے وقت دعا کی تھی کہ یا اللہ! آج ہمارا اور رسول (ﷺ) کا فیصلہ کردے جو حق پر ہو اس کو آج غالب کردے، جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کفار کو بعض عذابوں کی یاددہانی:

اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آموجود ہوا (کہ جو حق پر تھا، اس کو غلبہ ہو گیا) اور اگر (اب حق زیادہ واضح ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے) باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے۔ اور اگر (اب بھی باز نہ آئے بلکہ) تم پھر وہی کام کرو گے (یعنی مخالفت) تو ہم بھی پھر یہی کام کریں گے (یعنی تمہیں مغلوب اور مسلمانوں کو غالب کریں گے) اور (اگر تمہیں اپنی جمعیت کا گھمنڈ ہو کہ اس بار اس سے زیادہ جمع کرلیں گے تو یاد رکھو کہ) تمہاری

جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی، چاہے کتنی ہی زیادہ ہو، اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (اصل میں) ایمان والوں کے ساتھ (یعنی ان کا مددگار) ہے (چاہے کسی عارض کی وجہ سے کسی وقت ان کے غلبہ کا ظہور نہ ہو، لیکن غلبہ کے اصل مستحق یہی ہیں، اس لئے ان سے مقابلہ کرنا اپنا نقصان کرنا ہے۔

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۞ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۞ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۞ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۞ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۞ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۞ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۞ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۞ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۞ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۞ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۞ ﴾

ع ۳

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا، اور اس کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم سن لیتے ہی ہو اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں۔ بے شک بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں، گونگے ہیں، جو کہ ذرا نہیں سمجھتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو سننے کی توفیق دیتے۔ اور اگر ان کو اب سنا دیں تو ضرور روگردانی کریں گے، بے رخی کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو، جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان میں اور بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔ اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں، اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم قلیل تھے سرزمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے، اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں، سو اللہ تعالیٰ نے تم کو رہنے کی جگہ دی اور تم کو اپنی

نصرت سے قوت دی، اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تا کہ تم شکر کرو۔ اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خلل مت ڈالو اور تم تو جانتے ہو۔ اور تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا، اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ اور اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جب کہ کافر لوگ آپ کی نسبت تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج کر دیں۔ اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہے تھے۔ اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے۔

ربط: اوپر آیت ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ ﴾ الخ اور ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ﴾ الخ میں اللہ اور رسول کی مخالفت کرنے والے کافروں کی مذمت تھی۔ اب مؤمنوں کو اللہ و رسول کی اطاعت اور موافقت و مطابقت کا حکم ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ میں اور مخالفت کرنے کی ممانعت ﴿ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾ میں کی گئی ہے اور اس کی تاکید کے لئے ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت ﴿ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا ﴾ میں اور جس سے مشابہت اختیار کی کیا جائے اس کی مذمت ﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ میں کی گئی ہے اور اطاعت میں بندوں ہی کا نفع ہونا کہ حیات ابدی کی فلاح ہے اور اعراض یعنی منہ پھیرنے میں انہی کا نقصان ہونا ﴿ اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ﴾ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اللہ و رسول کا مطیع بنانے کی کوشش کرنے کا ﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ ﴾ میں حکم دیا گیا ہے اور اطاعت کی ترغیب کے لئے اپنی بعض نعمتیں ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ ﴾ میں یاد دلائی گئی ہیں، اور اطاعت میں خلل کا قابل مذمت اور خیانت ہونا ﴿ لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ﴾ میں بیان کیا گیا ہے اور جو امور بعض اوقات اطاعت میں خلل کا سبب ہو جاتے ہیں، ان پر ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ ﴾ میں متنبہ کیا گیا ہے، اور اطاعت کی بعض برکتیں ﴿ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ ﴾ میں بیان کی گئی ہیں اور رسول اللہ کی ہجرت سے متعلق ایک واقعہ ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ میں یاد دلایا گیا ہے جس کا عام نفع مؤمنوں کو ہوا۔ یہ سب مضامین ﴿ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ تک بیان ہوئے ہیں۔ اور ان کا ایک تناسب کے ساتھ اور ایک دوسرے کے ساتھ جذب و کشش رکھنا ظاہر ہے، اور اہتمام کے لئے جگہ جگہ ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ کو بار بار لائے ہیں۔

اطاعت کی ترغیب اور معصیت پر ترہیب:

اے ایمان والو! اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اور اس کہنا ماننے سے منہ مت پھیرو، اور تم (اعتقاد سے) سن تو لیتے ہی ہو، مگر جیسا اعتقاد سے سن لیتے ہو۔ ایسا ہی عمل بھی کیا کرو) اور تم (اطاعت ترک کرنے میں) ان لوگوں کی طرح مت

ہونا جو دعوی تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا (جیسا کہ کافر لوگ مطلق سننے کے اور منافق اعتقاد کے ساتھ سننے کے مدعی تھے) حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں (کیونکہ سمجھنا اور اعتقاد دونوں ہی ان میں نہیں پائے جاتے۔ مطلب یہ کہ اعتقاد کا ثمرہ یا نتیجہ سننے کا عمل ہے جب عمل نہیں ہوا تو بعض وجوہ سے ایسا ہی ہو گیا جیسے اعتقاد کے ساتھ سنا ہی نہیں، جس کو تم بھی سخت قابل مذمت جانتے ہو) بیشک (یہ بات ضرور ہے کہ اعتقاد کے ساتھ سن کر عمل نہ کرنے والے اور (بغیر اعتقاد کے سننے والے جو نہ سننے والوں ہی کی طرح ہیں، ان میں برا ہونے میں فرق ضرور ہے، کیونکہ کافر اور گناہ گار مؤمن برابر نہیں، چنانچہ) اللہ کے نزدیک تمام مخلوقات میں بدترین وہ لوگ ہیں جو (حق بات کو اعتقاد کے ساتھ سننے سے) بہرے ہیں (اور حق بات کے کہنے سے) گونگے ہیں (اور) جو کہ (حق بات کو) ذرا نہیں سمجھتے (اور اعتقاد کے باوجود جن سے عمل میں کوتاہی ہو جاتی ہے، وہ بدترین نہیں ہیں، اگرچہ برے ہیں تو برا بھی نہ ہونا چاہئے) اور (جن کا حال یہ بیان ہوا کہ وہ اعتقاد کے ساتھ نہیں سنتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایک بڑی خوبی کی کمی ہے۔ اور وہ خوبی حق کی طلب ہے، کیونکہ حق کا مبدا بھی طلب اور تلاش ہے، چاہے اس وقت اعتقاد نہ ہو، مگر کم سے کم فکر و خیال تو ہو، پھر اس فکر و طلب کی برکت سے حق واضح ہو جاتا ہے اور وہ فکر و تردد اعتقاد بن جاتا ہے، جس پر سننے کا فائدہ مند ہونا موقوف ہے جبکہ ان میں یہی خوبی نہیں پائی جاتی، چنانچہ) اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے (مراد یہ کہ ان میں وہ خوبی ظاہر ہوتی، کیونکہ خوبی کے وجود کے وقت علم الٰہی کا تعلق لازم ہے۔ لہٰذا لازم بول کر ملزوم مراد لے لیا، اور کوئی خوبی اسی لئے کہا کہ جب ایسی خوبی نہیں جس پر نجات کا دارومدار ہے تو گویا کوئی بھی خوبی نہیں، یعنی اگر ان میں حق کی طلب ہوتی) تو (اللہ تعالیٰ) ان کو (اعتقاد کے ساتھ) سننے کی توفیق دیتے (جیسا کہ ذکر ہوا کہ طلب سے اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے) اور اگر (اللہ تعالیٰ) ان کو اب (موجودہ حالت میں کہ ان میں حق کی طلب نہیں ہے) سنا دیں (جیسا کہ کبھی کبھی ظاہری کانوں سے سن ہی لیتے ہیں) تو ضرور منہ پھیریں گے۔ بے رخی کرتے ہوئے (یعنی یہ نہیں کہ غور و فکر اور سوچنے سمجھنے کے بعد غلطی ظاہر ہونے کی وجہ سے منہ پھیرا ہو، کیونکہ یہاں غلطی کا نام و نشان ہی نہیں ہے، بلکہ غضب تو یہ ہے کہ ادھر توجہ ہی نہیں کرتے، اور) اے ایمان والو! ہم نے جو اوپر تمہیں اطاعت کا حکم کیا ہے، تو یاد رکھو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے کہ وہ ہمیشہ کی زندگی ہے، جب یہ بات ہے تو) تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو، جبکہ رسول (جن کا ارشاد، اللہ ہی کا ارشاد ہے) تمہیں تمہارے لئے زندگی بخشنے والی چیزوں کی طرف (یعنی دین کی طرف جس سے ہمیشہ کی زندگی میسر ہوتی ہے) بلاتے ہیں (تو اس حالت میں جبکہ ہر طرح تمہارا ہی فائدہ ہے، کوئی وجہ نہیں کہ تم عمل نہ کرو) اور اس سے متعلق دو باتیں اور) جان رکھو (ایک بات یہ) کہ اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان میں آڑ بن جاتا ہے (دو طریقوں سے: ایک طریقہ یہ کہ مؤمن کے دل میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا۔ دوسرا طریقہ یہ کہ کافر کے دل میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو نہیں آنے دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طاعت کی ہمیشہ پابندی بڑی نفع کی چیز ہے۔ اور ہمیشہ کی مخالفت بڑی مضر چیز ہے) اور (دوسری بات یہ

جان رکھو کہ) بلاشبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے (اس وقت طاعت پر جزا اور مخالفت پر سزا ہوگی، اس سے بھی طاعت کا نفع بخش ہونا اور مخالفت کا مضر ہونا ثابت ہوا) اور (جس طرح تم پر اپنی اصلاح سے متعلق طاعت واجب ہے، اسی طرح یہ بھی واجب طاعت میں داخل ہے کہ وسعت کے مطابق دوسروں کی اصلاح میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر یعنی بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہاتھ سے یا زبان سے، ملنا جلنا، چھوڑنا یا دل میں نفرت جو کہ آخری درجہ ہے، کے طریقہ سے کوشش کرو، ورنہ مداہنت یعنی جو بات دل میں ہے اس کے خلاف ظاہر کرنے کی صورت میں ان منکرات یعنی برائیوں کا وبال جیسا برے کام کرنے والوں پر واقع ہوگا ویسا ہی کسی درجہ میں ان مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔ جب یہ بات ہے تو) تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں (بلکہ ان گناہوں کو دیکھ کر جنھوں نے مداہنت کی ہے، وہ بھی اس میں شریک ہوں گے، اور اس سے بچنا یہی ہے کہ مداہنت مت کرو) اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں (ان کی سزا سے ڈر کر مداہنت سے بچو) اور (اس غرض سے کہ نعمتوں کے یاد کرنے سے انعام دینے والے کی اطاعت کا شوق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اور خاص طور سے) اس حالت کو یاد کرو جبکہ تم (ایک وقت میں یعنی ہجرت سے پہلے تعداد میں بھی) کم تھے (اور قوت کے اعتبار سے بھی مکہ کی) زمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے (اور وہ انتہائی کمزوری کی حالت کی وجہ سے) اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تمہیں (مخالف) لوگ نوچ کھسوٹ نہ لیں، تو (ایسی حالت میں) اللہ تعالیٰ نے تمہیں (مدینہ میں اطمینان سے) رہنے کو جگہ دی، اور تمہیں اپنی نصرت سے قوت دی (سامان سے بھی اور تعداد کو زیادہ کر کے بھی، جس سے کمی اور کمزوری اور ڈر وخوف وغیرہ سب دور ہو گیا) اور (صرف یہی نہیں کہ تمہاری مصیبت ہی کو دور کر دیا بلکہ اعلیٰ درجہ کی خوشحالی بھی عطا فرمائی کہ تمہیں دشمنوں پر غلبہ دے کر فتوحات کی کثرت سے) تمہیں نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں، تاکہ تم (ان نعمتوں کا) شکر کرو (اور بڑا شکر یہ ہے کہ اطاعت کرو) اے ایمان والو! (ہم مخالفت اور معصیت سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ تم پر اللہ اور رسول کے کچھ حقوق ہیں جن کا فائدہ تمہیں ہی ہوتا ہے اور معصیت سے ان حقوق میں خلل پڑتا ہے جس سے واقع میں تمہارے ہی فائدہ میں خلل پڑتا ہے، جب یہ بات ہے تو) تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو، اور (انجام کے اعتبار سے اس مضمون کو اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تم) اپنی حفاظت کے قابل چیزوں میں (کہ وہ تمہارے فائدے اور منافع ہیں جو اعمال کے نتیجہ میں ملتے ہیں) خلل مت ڈالو اور تم تو (اس کا مضر ہونا) جانتے ہو، اور (اکثر مال واولاد کی محبت طاعت میں خلل ڈال دیتی ہے، اس لئے تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ) تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے (کہ دیکھیں کون ان کی محبت کو ترجیح دیتا ہے، اور کون اللہ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے، تو تم ان کی محبت کو ترجیح مت دینا) اور (اگر ان کے فائدوں کی طرف نظر جائے تو تم) اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس (ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں) بڑا زبردست اجر (موجود) ہے (کہ اس کے سامنے یہ فنا ہونے

والے فائدے بے وقعت ہیں، اور) اے ایمان والو! طاعت کی اور برکتیں سنو وہ یہ کہ) اگر تم اللہ سے ڈر کر (اطاعت) کرتے رہو گے تو (اللہ تعالیٰ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز دے گا (اس میں ہدایت اور دل کا نور، جس سے حق وباطل میں علمی فیصلہ ہوتا ہے اور دشمنوں پر غلبہ اور آخرت میں نجات، جس سے حق و باطل میں عملی فیصلہ ہوتا ہے، سب آ گیا) اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بڑے فضل والا ہے (اللہ تعالیٰ جانے کہ اپنے فضل سے اور کیا کیا دیدے جو قیاس وگمان میں بھی نہ آتا ہو) اور (اے محمد ﷺ مسلمانوں کے سامنے نعمتوں کے ذکر کے لئے) اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے جبکہ کافر لوگ آپ کے بارے میں (بری بری) تدبیریں سوچ رہے تھے کہ (آیا) آپ کو قید کرلیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو وطن سے نکال دیں، اور وہ تو اپنی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ (ان تدبیروں کو دفع کرنے کے لئے) اپنی تدبیر کررہے تھے، اور سب سے زیادہ مستحکم ومضبوط تدبیر والا اللہ ہی ہے (جس کے سامنے ان کی ساری تدبیریں بے کار ہوگئیں، اور آپ بال بال محفوظ رہے، اور صحیح سالم مدینہ پہنچ گئے، چونکہ آپ کا اس طرح بچ رہنا مؤمنوں کے حق میں بے انتہا سعادتوں کی کنجی ہے، اس لئے اس واقعہ کے ذکر کا حکم فرمایا)

یہاں چند باتوں کا ذکر ضروری ہے:

اول: ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو پکارا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے، اس لئے نہ بولے، بعد میں جب انھوں نے معذرت کا اظہار کیا تو آپ نے انہیں یہ آیت یاد دلائی ﴿ اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ ﴾ الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے عموم میں یہ صورت بھی شامل ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی کو پکاریں تو جواب دینا واجب ہے اور اس کے مطلق ہونے میں یہ صورت بھی شامل ہے کہ اگر آدمی نماز میں مشغول ہو تو نماز ہی میں جواب دینا واجب ہے۔ رہی یہ بات کہ آپ کی بات کا جواب دینے پر وہ نماز باقی رہے گی یا فاسد ہو جائے گی اور اس کو لوٹانا پڑے گا تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اور اب جبکہ دنیا میں کسی کو رسول اللہ کے پکارنے کا کوئی امکان نہیں ہے تو اس بارے میں بحث کرنے کا کوئی نتیجہ نہیں ہے، بخلاف جواب دینے کے عموم کا مسئلہ بیان کرنے کے کہ تفسیر کے بیان کے لئے اس کی ضرورت ہے۔

دوسرے: ﴿ أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ ﴾ کی جو تفسیر اختیار کی گئی وہ درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف اور مرفوع طور پر مروی ہے، اور جس کا حاصل تصرف وتمکن تام ہے اور اس کو حیلولہ کہنا استعارہ تمثیلیہ ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے: كمن حال بين شخصه ومتاعه فإنه القادر على التصرف فيه دونه : یعنی جیسے کسی شخص اور اس کے مال واسباب کے درمیان حائل ہونا وہ اس امر پر قادر ہے کہ اس میں تصرف کرے۔ اسی طرح بندہ اپنے دل میں تصرف پر اس طرح قادر نہیں ہوتا جیسا کہ اس پر اللہ کی قدرت قادر ہوتی ہے۔ اور یہاں موقع ومحل کے قرینہ سے ایمان پر ہمیشگی اور کفر پر ہمیشگی معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس معنی کے لحاظ سے ﴿ يَحُولُ ﴾ کلیہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ایمان سے

کفر کی طرف اور کفر سے ایمان کی طرف لوگوں کا آنا صاف دیکھا جاتا ہے۔

تیسرے: ﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً ﴾ الخ میں یہ شبہ نہ ہو کہ دوسرے کے گناہوں میں پکڑا جانا ﴿ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ وہ گناہ تو اصل فاعل کا تھا، مگر مداہنت کرنا تو خود اس کا اپنا گناہ ہے، اس لئے یہ اپنے اس گناہ میں پکڑا گیا۔

چوتھے: آیت ﴿ لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ﴾ اور ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ ﴾ کو بعض مفسرین نے حضرت ابولبابہ کی شان میں قرار دیا ہے کہ یہود بنی قریظہ نے ان سے سابق تعلق کی بنیاد پر مشورہ مانگا کہ رسول اللہ (ﷺ) ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے تو چونکہ ان کے اہل وعیال اور اموال انہی لوگوں کے پاس تھے، اس لئے انھوں نے خیر خواہی کے طور پر اشارہ سے راز ظاہر کر دیا کہ گلے پر ہاتھ پھیر کر بتادیا کہ ذبح کئے جاؤ گے، بعد میں بہت پچھتائے کہ میں نے راز کیوں ظاہر کر دیا، اور توبہ کی، یہاں تک کہ وہ توبہ قبول ہوئی، جیسا کہ روح المعانی میں الزھری اور الکلبی سے روایت کیا ہے۔

پانچویں: آیت ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ میں جس قصہ کی طرف اشارہ ہے اس کا تتمہ یہ ہے کہ مکہ کے مشرکوں کی آخری رائے آپ کے قتل پر ٹھہری، آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا اور آپ پوشیدہ طور پر نکل کر غارِ ثور میں جا چھپے اور وہاں سے اطمینان کے ساتھ مدینہ طیبہ جا پہنچے، فقط۔

﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۚ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا، اگر ہم ارادہ کریں تو اس کی

برابر ہم بھی کہہ لاویں، یہ تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آرہی ہیں۔اور جب ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے واقعی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایئے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب واقع کردیجئے۔اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں۔اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سزا نہ دے، حالانکہ وہ لوگ مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی نہیں، اس کے متولی تو سوائے متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں، لیکن ان میں اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔اور ان کی نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں اور تالیاں بجانا۔سو اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب۔بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کررہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں۔سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے حق میں باعثِ حسرت ہوجاویں گے پھر مغلوب ہوجاویں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جاوے گا تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کردے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملادے یعنی ان سب کو متصل کردے پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔ایسے ہی لوگ پورے خسارہ میں ہیں۔

ربط: اوپر اطاعت کی ترغیب اور معصیت پر ترہیب ہے، پہلے آیت ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ﴾ الخ اور آیت ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا﴾ الخ میں کافروں کی مذمت تھی اور ان کا اپنی لازم حرکتوں پر عذاب کا مستحق ہونا بیان کیا گیا تھا۔اب بھی آیت ۳۷ تک اسی مضمون کی کسی قدر تفصیل بیان کی گئی ہے۔

کفار کی مذموم حرکتوں کی تفصیل اور ان کا عذاب کا مستحق ہونا:

اور (ان کافروں کی یہ حالت ہے کہ) جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن (کر دیکھ) لیا (یہ تو کوئی معجزہ نہیں، بلکہ) اگر ہم ارادہ کریں تو اس کی برابر ہم بھی کہہ لائیں (چنانچہ) یہ (قرآن) تو (کلام الٰہی معجزہ وغیرہ) کچھ بھی نہیں، صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں (کہ پہلے کی ملتوں والے بھی توحید اور بعثت وغیرہ کے یہی دعوے کرتے آتے ہیں، انہی کے مضامین آپ نقل کررہے ہیں) اور (اس سے بڑھ کر قابل ذکر وہ حالت ہے) جب ان لوگوں نے (اپنے اس جہل مرکب میں انتہائی سختی اور جسارت بیجا ظاہر کرتے ہوئے یہ بھی) کہا اے اللہ! اگر یہ قرآن واقعی آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر (اس کے نہ ماننے کی وجہ سے) آسمان سے پتھر برسایئے یا ہم پر کوئی (اور) دردناک عذاب واقع کردیجئے (جو خارق عادت ہونے میں پتھروں کی بارش جیسا ہو، اور جب ایسے عذاب واقع نہ ہوئے تو اپنے حق پر ہونے کے دعوے اور فخر کرتے ہیں) اور (یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے باطل ہونے کے باوجود خاص اسباب کی وجہ سے یہ مذکور عذاب نازل نہیں ہوتے، ان اسباب اور رکاوٹوں کا بیان یہ ہے کہ) اللہ

تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو (ایسا) عذاب دیں اور اللہ تعالیٰ ان کو (ایسی حالت میں بھی) عذاب نہ دیں گے، جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں (چاہے وہ استغفار ایمان نہ ہونے کی وجہ سے آخرت میں نفع بخش نہ ہو، لیکن پھر بھی وہ ایک نیک عمل ہے، دنیا میں تو اس سے کافروں کو بھی نفع ہو جاتا ہے، مطلب یہ کہ ان زبردست عذابوں کے لئے دو امر رکاوٹ ہیں: ایک رسول اللہ ﷺ کا اس وقت خصوصیت کے ساتھ مکہ میں یا عمومیت کے ساتھ دنیا میں موجود ہونا۔ اور دوسرے ان لوگوں اپنے طواف وغیرہ میں ﴿ غُفْرَانَكَ غُفْرَانَكَ ﴾ کہنا جو کہ ہجرت کے بعد اور آپ کی وفات کے بعد بھی باقی رہا۔ اور اس سلسلہ میں ایک سبب کا ذکر حدیثوں میں ہے کہ حضور کے کسی امتی کا موجود ہونا، چاہے امت دعوت ہی میں سے ہو، یہ سبب کسی کے استغفار نہ کرنے کے بعد بھی باقی ہے، لہٰذا یہ اسباب اپنے آپ میں عذاب کے لئے مانع و رکاوٹ ہیں، اگرچہ کبھی کبھی ان رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے بھی کسی خاص مصلحت کے تحت کوئی زبردست عذاب واقع ہو جائے جیسے پتھروں کی بارش اور شکلوں کے مسخ وغیرہ کا قیامت کے قریب ہونا، حدیثوں میں بیان ہوا ہے) اور (ان رکاوٹوں کے سبب عادت کے خلاف عذاب نازل نہ ہونے کی وجہ سے عذاب سے بالکل ہی مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں، کیونکہ جس طرح مذکورہ امور عذاب کے لئے رکاوٹ ہیں، اسی طرح ان کی حرکتیں عذاب کا تقاضا بھی کرتی ہیں، لہٰذا رکاوٹوں کا اثر عادت کے خلاف ہونے والے عذاب میں ظاہر ہوا اور ان کی حرکتوں کے تقاضے کا اثر خود عذاب میں ظاہر ہوگا کہ غیر عادت کے خلاف ہونے والا عذاب ان پر نازل ہوگا۔ چنانچہ اس تقاضہ کا بیان فرماتے ہیں کہ) ان کا کیا حق ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ (بالکل معمولی) سزا (بھی) نہ دے حالانکہ (ان کی یہ حرکتیں سزا کا تقاضا کرتی ہیں، مثلاً) وہ لوگ (پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کو) مسجد حرام (میں جانے اور اس میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے) سے روکتے ہیں (جیسا کہ حدیبیہ میں حقیقۃً روکا، جس کا قصہ سورۂ بقرہ کے سینتیسویں معاملہ میں گذرا۔ اور مکہ کے قیام کے زمانہ میں حکماً روکا کہ اس قدر تنگ کیا کہ ہجرت کے لئے مجبور ہوئے) حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی (بننے کے بھی لائق) نہیں (عابدوں کو روکنا تو دور رہا جس کا اختیار خود متولی کو بھی نہیں ہوتا) اس کے متولی (بننے کے لائق) تو سوائے متقیوں کے (کہ وہ اہل ایمان ہیں) کوئی بھی شخص نہیں، لیکن ان میں اکثر لوگ (اپنی نالائقی کا) علم نہیں رکھتے (چاہے اس وجہ سے کہ علم ہی نہ ہو یا یہ کہ جب اس علم پر عمل نہ کیا تو وہ علم نہ ہونے جیسا ہی ہے۔ غرض جو اصل میں نمازی تھے ان کو تو مسجد سے اس طرح روکا) اور (خود مسجد کا حق کیسے ادا کیا اور اس میں کیسی اچھی نماز پڑھی جس کا بیان یہ ہے کہ) ان کی نماز خانہ کعبہ (جس کا ذکر مسجد حرام کے عنوان سے ہوا ہے) کے پاس صرف سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا تھا (یعنی نماز کے بجائے ان کی یہ نامعقول حرکتیں ہوتی تھیں) تو (ان حرکتوں کا لازمی تقاضا ہے کہ ان پر کوئی نہ کوئی عذاب نازل کر کے چاہے وہ معمولی ہو، ان کو خطاب کیا جائے کہ لو) اپنے کفر کے سبب اس عذاب کا مزہ چکھو (جس کا اثر یہ قول ہے

﴿ لَوْ نَشَآءُ ﴾ الخ اور ایک اثر یہ قول ہے ﴿ اِنْ هٰذَآ ﴾ الخ اور ایک اثر ﴿ يَصُدُّوْنَ ﴾ الخ ہے اور ایک ﴿ مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ﴾ الخ ہے، چنانچہ کئی غزوات میں یہ سزا واقع ہوئی، جیسا کہ اس سورۃ کی آیت ۱۳ میں ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوْا ﴾ الخ کے بعد آیت ۱۴ میں ﴿ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ ﴾ الخ ہے۔ یہاں تک تو ان لوگوں کے تمدنی وتہذیبی اقوال واعمال کا ذکر تھا۔ آگے ان کے مالی اعمال کا بیان ہے کہ) بلاشبہ یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے (یعنی دین سے لوگوں کو) روکیں (چنانچہ حضور ﷺ کے مقابلہ میں اور مخالفت میں سامان جمع کرنے میں جو خرچ ہوتا تھا، ظاہر ہے اس میں یہی غرض تھی) تو یہ لوگ اپنے مالوں کو (اسی غرض کے لئے) خرچ کرتے ہی رہیں گے (مگر) پھر (آخر میں جب ناکامی کے آثار محسوس ہوں گے) وہ مال ان کے حق میں حسرت کا باعث ہو جائیں گے (کہ خواہ مخواہ خرچ کیا اور) پھر (آخر) مغلوب (ہی) ہو جائیں گے (جس سے مالوں کے ضائع ہونے کی حسرت کے ساتھ یہ دوسری حسرت مغلوبیت کی جمع ہو جائے گی) اور ان کی یہ حسرت ومغلوبیت کی سزا تو دنیا میں ہے، باقی رہی آخرت کی سزا وہ الگ ہے، جس کا بیان یہ ہے کہ) کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف (لے جانے کے لئے قیامت میں) جمع کیا جائے گا، تا کہ اللہ تعالیٰ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کر دے (کیونکہ جب جہنم والوں کو جہنم کی طرف لے جائیں گے تو ظاہر ہے کہ اہل جنت ان سے علاحدہ رہ جائیں گے) اور (ان سے الگ کر کے) ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے (یعنی) ان سب کو ایک دوسرے کے پاس جمع کر دے پھر (پاس پاس جمع کر کے) ان سب کو جہنم میں ڈال دے، ایسے ہی لوگ پورے خسارہ میں ہیں (جس کی کوئی انتہا نہیں)

فائدہ: یہ ﴿ لَوْ نَشَآءُ ﴾ الخ نضر بن حارث کا قول تھا۔ اور ﴿ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ ﴾ الخ نضر یا ابوجہل کا قول تھا۔ چونکہ ان کے علاوہ اور لوگ بھی اس قول سے راضی تھے اور اس کی حمایت کرتے تھے، اس لئے سب کی طرف نسبت کی گئی۔ اور ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ ﴾ الخ کا مصداق بدر میں لڑنے والے کافر اور ان کے معاون لوگ تھے۔ یہ سب روایتیں اور اسی طرح قول ﴿ غُفْرَانَكَ ﴾ الخ اور فعل ﴿ مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ﴾ سب درمنثور میں منقول ہیں۔ اگر کسی کافر کا انفاق یعنی خرچ کرنا دنیا میں نتیجہ خیز ہو جائے تو اس لئے اشکال نہیں کہ اس کا مصداق خاص مجمع تھا۔ اور ﴿ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ ﴾ کی تفسیر معمولی عذاب کے ساتھ کرنے سے گذشتہ بیان سے ٹکرانے کا شبہ نہ رہا۔ اور معمولی کی تعیین پر ﴿ فَذُوْقُوْا ﴾ قرینہ ہو سکتا ہے کہ عذاب کے واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے اور وقوع اس معمولی عذاب کا ہوا تھا، اور لفظ ﴿ عِنْدَ ﴾ اس لئے لائے کہ بیت الحرام کے اندر نماز کم پڑھتے ہیں، اکثر نماز باہر ہی ہوتی ہے، اور عذاب دینے کی وجہ میں باوجودیکہ ان کی مذکورہ کفریہ باتوں کے ﴿ لَوْ نَشَآءُ ﴾ الخ اور ﴿ اِنْ كَانَ هٰذَا ﴾ الخ کا زیادہ دخل ہے، مگر ﴿ يَصُدُّوْنَ ﴾ الخ کی تخصیص ان کفریہ باتوں کی نفی کے لئے نہیں بلکہ انضمام کے لئے ہے، یعنی

''اور جس کا اوپر ذکر کیا گیا اس سب کے باوجود وہ سب کچھ کریں گے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اور حشر اور رکم میں یہ فرق ہے کہ حشر کا حاصل پاس پاس جمع کر دینا اور رکم کا حاصل بالکل ملا دینا ہے، لہٰذا رکم کا اپنے عطف والے امور سمیت انتہائی علت اور حشر کا معلل ہونا صحیح ہوا۔ کیونکہ کافروں کا آگ کی طرف جمع کیا جانا اس لئے ہوگا کہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں اور ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴾ کے ایک اور معنی تفسیر کشاف میں یہ بیان کئے ہیں کہ یہ جملہ حال ہے اور مقصود استغفار کی نفی ہے، مطلب یہ کہ جیسے ﴿ اَنْتَ فِيْهِمْ ﴾ خاص عذاب سے رکاوٹ ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں مطلق عذاب سے بچالیتا اگر یہ لوگ استغفار یعنی شرک سے توبہ کر لیتے اور ایمان لے آتے، لہٰذا یہ مطلق عذاب سے مانع ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴾ اور اب چونکہ وہ مانع موجود نہیں ہے، اس لئے انہیں مطلق عذاب کیوں نہ ہوگا؟ جبکہ مقتضی موجود ہے، جس کا بیان آگے ہے ﴿ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ واللہ اعلم

﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ باز آجاویں گے تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر اپنی وہی عادت رکھیں گے تو کفار سابقین کے حق میں قانون نافذ ہو چکا ہے۔ اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جاوے، پھر اگر یہ باز آجاویں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں۔ اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے، وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔

ربط: اوپر کافروں کے کفریہ اقوال واعمال کا بیان تھا۔ ان کو سننے کے بعد کافروں کی دو حالتیں ہو سکتی ہیں: ایک اسلام قبول کر لینا اور دوسرے کفر پر قائم رہنا، اس لئے اب ان دو حالتوں سے متعلق احکام بیان فرماتے ہیں۔

اسلام اور عدم اسلام سے متعلق احکام:

(اے محمد! ﷺ) آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں گے (اور اسلام قبول کر لیں گے) تو ان کے سارے گناہ جو (اسلام سے) پہلے ہو چکے ہیں، سب معاف کر دیئے جائیں گے (یہ حکم تو اسلام کی حالت کا ہوا) اور اگر اپنی وہی (کفر کی) عادت رکھیں گے تو (ان کو سنا دیجئے کہ) سابق کافروں کے حق میں (ہمارا)

قانون نافذ ہو چکا ہے(کہ دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں عذاب وہی تمہارے لئے ہوگا، چنانچہ قتل سے ہلاک بھی ہوئے اور عرب کے کفار کے علاوہ کا، ذمی ہونا بھی ہلاکت ہے، تم جانو) اور پھر اے مسلمانو! ان کے کافر رہنے کی صورت میں) تم ان(عرب کے کافروں) سے اس حد تک لڑو کہ ان میں عقیدہ کا فساد(یعنی شرک) نہ رہے اور(ان کا) دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے(اور کسی کے دین کا خالص اللہ ہی کے لئے ہو جانا اسلام قبول کرنے پر موقوف ہے تو حاصل یہ ہوا کہ شرک کو چھوڑ کر اسلام کو اختیار کریں۔ خلاصہ یہ کہ اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے لڑو، جب تک کہ اسلام کو قبول نہ کریں، کیونکہ عرب کے کفار سے جزیہ نہیں لیا جاتا) پھر اگر یہ(کفر سے) باز آجائیں تو(ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرلو، دل کا حال مت ٹٹولو، کیونکہ اگر یہ دل سے ایمان نہ لائیں گے تو) اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں(وہ خود سمجھ لیں گے، تمہیں کیا) اور اگر(اسلام سے) روگردانی کریں تو(اللہ کا نام لے کر ان کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ اور) یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ(ان کے مقابلہ میں) تمہارا رفیق ہے۔ وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے(وہ تمہاری رفاقت اور نصرت کرے گا)

فائدہ: یہ تفسیر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی بنا پر ہے، جس کا بیان تفصیل کے ساتھ سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۸ و ۱۸۹ کے تحت ہو چکا ہے۔ اور جن اماموں کے نزدیک عرب کے کافروں سے بھی جزیہ لیا جاتا ہے ان کے نزدیک فتنہ کی تفسیر فساد وحرب ہے۔ اور ﴿اِنِ انْتَهَوْا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ لوگ حربی یعنی دارالحرب کے حکم میں نہ رہیں، بلکہ ذمی ہو جائیں تو قتال سے رک جاؤ، اس صورت میں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ کی تقریر یہ ہو جائے گی کہ اگر وہ ذمی ہو کر معاہدہ میں دھوکہ سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ خود دیکھ لیں گے، تم کو ان کے ذمی ہونے کے انکار کا حق نہیں پہنچتا۔ اور ﴿اِنْ تَوَلَّوْا﴾ کے معنی یہ ہوں گے کہ اسلام قبول کرنے اور ذمی بننے دونوں سے انکار کریں الخ اور اس آیت میں کافروں سے اسلام قبول کرنے پر گذشتہ گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے۔ اس طرح کافر اصلی کافر اور مرتد دونوں کے لئے عام ہے، لیکن مغفرت گناہوں کے ساتھ خاص ہے، اور حقوق اور ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلہ میں خاموشی ہے، جس کے احکام اصلی کافر اور مرتد سے متعلق فقہ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، اور ہر حکم کی مستقل علاحدہ سے دلیل ہے۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اس بات کو جان لو کہ جو شئے بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے، اور آپ کے قرابت داروں کا ہے اور یتیموں کا ہے اور غریبوں کا ہے اور مسافروں کا ہے، اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر جس کو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن جس دن کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں نازل فرمایا تھا۔ اور اللہ ہر شئے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ ﴾ الخ میں قتال کا حکم تھا، چونکہ قتال میں کبھی کبھی مالِ غنیمت بھی حاصل ہوتا ہے، اس لئے اب اس کا حکم بیان فرماتے ہیں، اور اگر ان آیتوں کا نزول غزوۂ بدر میں ہو، جیسا کہ اکثر اہل علم کا قول ہے تو یہ آیت ایک لحاظ سے سورت کے شروع کی آیت ﴿ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ ﴾ الخ کی تفصیل ہو جائے گی۔

غنائم کا حکم:

اور اس بات کو جان لو کہ جو چیز (کافروں سے) غنیمت کے طور پر تمہیں حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ (اس کے کل پانچ حصے کئے جائیں جن میں سے چار حصے تو قتال کرنے والوں کا حق ہے اور ایک حصہ یعنی) کل کا پانچواں حصہ (پھر پانچ جگہ تقسیم ہوگا، جن میں سے ایک تو) اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ کو ملے گا جن کو دینا اس درجہ میں ہے کہ گویا حق تعالیٰ کے حضور میں پیش کر دیا) اور (ایک حصہ) آپ کے قرابت داروں کا ہے اور (ایک حصہ) یتیموں کا ہے اور (ایک حصہ) غریبوں کا ہے اور (ایک حصہ) مسافروں کا ہے، اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر (یقین رکھتے ہو) جس کو ہم نے اپنے بندہ (محمد ﷺ) پر فیصلہ کے دن نازل فرمایا تھا (یعنی) جس دن کہ بدر کے میدان میں دونوں جماعتیں (مؤمنوں اور کافروں کی) آپس میں مدمقابل ہوئی تھیں (اس سے مراد ملائکہ کے واسطہ سے غیبی امداد ہے، یعنی اگر ہم پر اور ہمارے غیبی الطاف پر یقین رکھتے ہو تو اس حکم کو جان رکھو، اور اس پر عمل کرو، یہ اس لئے بڑھا دیا کہ خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا دلوں پر شاق نہ گذرے۔ اور یہ سمجھ لیں کہ یہ ساری غنیمتیں اللہ ہی کی امداد سے تو ہاتھ آئیں۔ پھر اگر ہمیں ایک خمس نہ ملا تو کیا ہوا، وہ چار خمس بھی تو ہماری قدرت سے خارج تھے، بلکہ اللہ ہی کی قدرت سے حاصل ہوئے) اور اللہ (ہی) ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں (پھر تمہارا حق تو اتنا بھی نہیں تھا، یہ بھی جو مل گیا تو بہت مل گیا)

فائدہ: فیصلہ کے دن سے مراد غزوۂ بدر کا دن ہے، کیونکہ اس میں عملاً حق اور باطل کا فیصلہ واضح ہوگیا۔

مسئلہ(۱): چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ وفات فرما چکے، اس لئے آپ کا حصہ ساقط ہوگیا، اور چونکہ آپ کے اہل قرابت کا حصہ آپ کی قدیم نصرت کی وجہ سے تھا اور وفات کی وجہ سے نصرت باقی نہیں رہی، لہٰذا یہ حصہ بھی ساقط ہوگیا، اب یہ خمس تین حصوں پر تقسیم ہوکر ایک یتیموں کو، ایک مسکینوں کو اور ایک ابناء السبیل یعنی مسافروں کو ملے گا۔

مسئلہ(۲): ان مسکینوں میں ذوی القربی یعنی قرابت دار مسکین مقدم رکھے جائیں گے۔

مسئلہ(۳): یہ لوگ خمس کے مصارف ہیں مستحق نہیں ہیں، لہٰذا اگر ایک قسم میں صرف کردیا جائے تب بھی زکوٰۃ کی طرح جائز ہے، جیسا کہ ہدایہ اور عنایہ میں ہے۔ غنیمت کے احکام کی باقی تفصیل فقہ کی کتابوں میں مع دلائل کے موجود ہے۔

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝﴾

ع ۱

ترجمہ: یہ وہ وقت تھا کہ جب تم اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور وہ لوگ اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور وہ قافلہ تم سے نیچے کی طرف کو تھا، اور اگر تم اور وہ کوئی بات ٹھیراتے تو ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہوتا لیکن تا کہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا، اس کی تکمیل کردے یعنی تا کہ جس کو برباد ہونا ہے وہ نشان آئے پیچھے برباد ہو، اور جس کو زندہ ہونا ہے وہ نشان آئے پیچھے زندہ ہو۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم کرکے دکھلائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو وہ لوگ زیادہ کرکے دکھلا دیتے تو تمہاری ہمتیں ہار جاتیں اور اس امر میں تم میں باہم نزاع ہوجاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تمہیں جب کہ تم مقابل ہوئے ان لوگوں کو تمہاری نظر میں کم کرکے دکھلا رہے تھے، اور ان کی نگاہ میں تم کو کم کرکے دکھلا رہے تھے، تا کہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کردے، اور سب مقدمے خدا ہی کی طرف رجوع کیے جاویں گے۔

ربط: اوپر کی آیت میں بدر کے دن کا ذکر تھا۔ اب اس کی صورت مخاطب لوگوں کے سامنے پیش کرکے اس کے بعض واقعات کی حکمت اور اس کے ضمن میں اپنا انعام اور احسان ظاہر فرماتے ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے گویا یہ انعامات کی تکمیل

کرنے والا حصہ ہے جن کا ذکر آیت ۵ ﴿ كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَقِّ ﴾ سے شروع ہوا تھا۔

بدر کے بعض واقعات میں شامل نعمتوں اور حکمتوں کا بیان:

یہ وہ وقت تھا کہ جب تم اُس میدان کے اِدھر والے کنارہ پر تھے اور وہ (یعنی کافر) لوگ اُس میدان کے اُدھر والے کنارہ پر تھے، (اِدھر والے سے مراد مدینہ کی طرف والا حصہ اور اُدھر والے سے مراد مدینہ سے دور والا کنارہ)

بدر میں چھٹا انعام:

اور (قریش کا) وہ قافلہ تم سے نیچے کی طرف (بچا ہوا) تھا (یعنی سمندر کے کنارہ کنارہ جا رہا تھا، حاصل یہ کہ پورے جوش کا سامان جمع ہو رہا تھا کہ دونوں آپس میں آمنے سامنے تھے کہ ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر جوش میں آئے۔ ادھر قافلہ راستہ ہی میں تھا جس کی وجہ سے کافروں کے لشکر کے دل میں اس کی حمایت کا خیال دل جائے جس سے اور جوش میں زیادتی ہو۔ غرض وہ ایسا سخت وقت تھا، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے تم پر غیبی امداد نازل فرمائی، جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا ہے: ﴿ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا ﴾) اور (وہ تو مصلحت یہ ہوئی کہ اتفاق سے مقابلہ ہو گیا، ورنہ) اگر (پہلے سے معمول اور عادت کے مطابق) تم اور وہ (لڑائی کے لئے) کوئی بات مقرر کرتے (کہ فلاں وقت لڑیں گے) تو (موجودہ حالت کا تقاضا یہ تھا کہ) ضرور اس تقرر کے بارے میں تم میں اختلاف ہوتا (یعنی چاہے صرف مسلمانوں میں آپس میں کہ بے سروسامانی کی وجہ سے کوئی کچھ کہتا اور کوئی کچھ، اور چاہے کافروں کے ساتھ اختلاف ہوتا جس کی وجہ اس طرف کی بے سروسامانی اور اس طرف مسلمانوں کا رعب۔ بہرحال دونوں طرح اس جنگ کی نوبت نہ آتی۔ لہٰذا اس میں جو فائدے تھے وہ ظہور میں نہ آتے جن کا بیان آگے ﴿ لِّيَهۡلِكَ ﴾ میں آتا ہے) لیکن (اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان کر دیا کہ اس کی نوبت نہیں آئی۔ قصد وارادہ کے بغیر لڑائی ٹھن گئی) تاکہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا، اس کی تکمیل کر دے یعنی تاکہ (حق کا نشان ظاہر ہو جائے، اور) جس کو برباد (یعنی گمراہ) ہونا ہے وہ نشان آنے کے بعد برباد ہو، اور جس کو زندہ (یعنی ہدایت یافتہ) ہونا ہے، وہ (بھی) نشان آنے کے بعد زندہ ہو (مطلب یہ کہ لڑائی کا ہونا اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، تاکہ ایک خاص طریقہ سے اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے، کہ افراد اور سامان کی کمی کے باوجود مسلمان غالب آئے، جو عام حالات اور عادت کے خلاف ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اسلام حق ہے، لہٰذا اس سے اللہ کی حجت پوری ہو گئی، اس کے بعد جو گمراہ ہوگا اس میں عذاب کا پورا استحقاق ہو گیا، اور عذر کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی، اس طرح جس کو ہدایت پانی ہوگی وہ حق کو قبول کر لے گا، حکمت کا خلاصہ یہ ہوا کہ حق واضح ہو جائے) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے، خوب جاننے والے ہیں کہ اس طرح حق واضح ہونے کے بعد زبان اور دل سے کون کفر کرتا ہے، اور کون ایمان لاتا ہے۔

بدر میں ساتواں انعام:

(اور) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ[1] جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں آپ کو ان لوگوں کو کم کر کے دکھایا (چنانچہ آپ نے صحابہ کو اس خواب کے بارے میں بتایا تو ان کے دل خوب قوی ہوگئے) اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان لوگوں کو زیادہ کر کے دکھا دیتے (اور آپ صحابہ سے فرما دیتے) تو (اے صحابہ!) تمہاری ہمتیں ٹوٹ جاتیں۔ اور اس (قتال کے) سلسلہ میں تم میں آپس میں نزاع (واختلاف پیدا) ہو جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس کم ہمتی اور اختلاف سے تمہیں) بچالیا، بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتے ہیں (انہیں معلوم تھا کہ اس طرح کمزوری پیدا ہوگی اور اس طرح قوت، اس لئے ایسی تدبیر کی)

بدر میں آٹھواں انعام:

اور (آپ کو صرف خواب ہی میں کم دکھانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حکمت کو پورا کرنے کے لئے بیداری کی حالت میں بھی خود مقابلہ کے وقت مسلمانوں کی نظروں میں بھی کافر کم دکھائی دیئے، اور اس کے برعکس بھی ہوا یعنی کافروں کی نظروں میں مسلمان بھی کم دکھائی دیئے جو کہ واقع کے مطابق بھی کم ہی تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ) اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ مقابلہ کے وقت تمہیں ان لوگوں کو تمہاری نظر میں کم کر کے دکھا رہے تھے۔ اور (اس طرح) ان کی نگاہ میں تمہیں کم کر کے دکھا رہے تھے، تا کہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا، اس کی تکمیل کردے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ﴾ الخ) اور سب ملاملوں میں اللہ ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا (وہ ہلاک ہونے والوں اور زندہ ہونے والوں یعنی گمراہوں اور ہدایت پانے والوں کو سزا و جزا دیں گے)

فائدہ: سورۂ آلِ عمران آیت ۱۳ ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ﴾ الخ کی تفسیر میں اس کم دکھانے سے متعلق تحقیق گذر چکی ہے۔ ملاحظہ کر لی جائے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا

(۱) آیت ﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا﴾ سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ بعض اوقات بعض واقعات کو نبی ﷺ سے بھی پوشیدہ فرما لیتے ہیں پھر غیر نبی کا تو کیا ذکر۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا کہ کفار تھے تو زیادہ اور حضور کو کم دکھائی دیئے، تو اس شخص کا کیا حال ہے جو اس کو اپنے شیخ کے لئے جائز نہ سمجھے، اور اس کے کشف اور خواب پر پختہ یقین کرلے، اور یہ واقعہ تو خواب کی حالت میں تھا، اور ایسا ہی بیداری کی حالت میں بھی ممکن ہے، جیسا کہ بعد والی آیت میں مذکور ہے، جب اللہ تعالیٰ مقابلہ کے وقت تمہیں ان لوگوں کو تمہاری نظر میں کم کر کے دکھا رہے تھے اور ان کی نگاہ میں تمہیں کم کر کے دکھا رہے تھے۔

تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو، امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جاوے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ اور ان لوگوں کے مشابہ مت ہونا کہ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے، اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

ربط: اوپر بدر کے واقعات کا بیان تھا۔ اب قتال کے ایسے مواقع کے ظاہری و باطنی آداب کی مسلمانوں کو تعلیم ہے۔

قتال کے بعض آداب کی تعلیم:

اے ایمان والو! جب تمہیں (کافروں کی) کسی جماعت کے ساتھ (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو (ان آداب کا لحاظ رکھو، ایک یہ کہ) ثابت قدم رہو (یعنی بھاگو مت) اور (دوسرے یہ کہ) اللہ تعالیٰ کا خوب کثرت سے ذکر کرو (کہ ذکر سے دل میں قوت ہوتی ہے) امید ہے کہ تم (مقابلہ میں) کامیاب ہو (کیونکہ جب ثابت قدمی اور دل جمعی جمع ہوں تو کامیابی غالب ہے) اور (تیسرے یہ کہ جنگ سے متعلق تمام امور میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (کا لحاظ) کیا کرو (کہ کوئی کارروائی شریعت کے خلاف نہ ہو) اور (چوتھے یہ کہ) اپنے امام سے اور آپس میں بھی) نزاع مت کرو (ورنہ آپسی نااتفاقی سے) کم ہمت ہو جاؤ گے (کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی کسی کو دوسرے پر یقین و بھروسہ نہ ہوگا، اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے؟) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (ہوا اکھڑ جانے سے مراد رعب قائم نہ رہنا ہے، کیونکہ دوسروں کو اس نااتفاقی کا پتہ چلنے سے یہ امر لازمی ہے) اور (پانچویں یہ کہ اگر کوئی امر ناگواری کا پیش آئے تو اس پر) صبر کرو، بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (اور اللہ کا ساتھ ہونا، اس کی نصرت کا باعث ہے) اور (چھٹے یہ کہ نیت خالص رکھو، تفاخر اور نمائش میں) ان کافر لوگوں کے مشابہ مت ہونا کہ جو (اسی بدر کے واقعہ میں) اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان وسامان) دکھاتے ہوئے نکلے اور (اس فخر وریا کے ساتھ یہ بھی تھا کہ) لوگوں کو اللہ کے راستہ (یعنی دین) سے روکتے تھے (کیونکہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے چلے تھے، جس کا اثر عام طبیعتوں پر بھی دین سے دوری کا ہوتا) اور اللہ (ان لوگوں کو پوری سزا دے گا، چنانچہ وہ) ان کے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

فائدہ: در منثور میں قریش کے ان کفار کے فخر وشان کے مظاہرے اعمال واقوال مروی ہیں، آخر ساری شیخی خاک میں مل گئی۔

﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾﴾ ع

ترجمہ: اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجئے جب کہ شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھلائے اور کہا کہ لوگوں میں آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمہارا حامی ہوں، پھر جب دونوں جماعتیں ایک کے دوسرے مقابل ہوئیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور یہ کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں، میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں، میں تو خدا سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

ربط: اوپر کافروں کے فخر وریا کا ذکر تھا۔ اب اس کی علت بیان کی گئی ہے کہ یہ شیطان کا ان کے لئے خوشنما بنانا ہے، اور علت کی کمزوری ذکر کی ہے، اور یہ قصہ اس طرح ہوا تھا کہ قریش اور بنی کنانہ میں کچھ رنجش چلی آ رہی تھی، جب قریش کے کافر مکہ سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے چلنے لگے تو بنی کنانہ کی طرف سے ایک قسم کا اندیشہ ہوا اور چلنے میں پس وپیش کرنے لگے، اس وقت ابلیس بنی کنانہ کے رئیس سراقہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور کہا کہ تم اندیشہ مت کرو، میں بنی کنانہ کی طرف سے تمہارا ذمہ دار ہوں، سب یہی سمجھے کہ یہ سراقہ ہے، اور سب اطمینان کے ساتھ بدر میں پہنچے، جب لڑائی کا وقت آیا اور ملائکہ نازل ہونے لگے، اس وقت اس کا ہاتھ حارث کے ہاتھ میں تھا، چھڑا کر بھاگا، حارث نے پوچھا تو اس نے جواب دیا ﴿اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ﴾ الخ غرض یہ کہ لوگوں میں سراقہ کی بدنامی کا چرچا ہوا۔ سراقہ نے سن کر قسم کھائی کہ مجھے کچھ خبر نہیں۔ اسے درمنثور نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور رفاعہ بن رافع سے، اور روح المعانی میں کئی مفسروں سے اور کمالین میں ابن اسحاق سے نقل کیا ہے۔

شیطان کی مکاری کی کمزوری:

اور ان سے اس وقت کا ذکر کیجئے جبکہ شیطان نے ان (کافروں) کو (وسوسہ کے ذریعہ) ان کے (کفریہ) اعمال (رسول اللہ ﷺ کی مخالفت وعداوت کے) خوشنما کر کے دکھائے (کہ انھوں نے ان باتوں کو اچھا سمجھا) اور (وسوسہ سے بڑھ کر یہ کیا کہ سامنے آ کر ان سے) کہا کہ (تمہیں وہ قوت وشوکت حاصل ہے کہ تمہارے مخالف) لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والا) نہیں، اور میں تمہارا حامی ہوں (نہ باہر کے دشمنوں سے ڈرو اور نہ اندرونی دشمنوں سے اندیشہ کرو) پھر جب دونوں جماعتیں (کافروں اور مسلمانوں کی) ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں (اور اس نے فرشتوں کا نزول دیکھا) تو وہ الٹے پاؤں بھاگا، اور یہ کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں (میں حامی وامی کچھ نہیں بنتا، کیونکہ) میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتیں (فرشتے مراد ہیں) میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (کبھی کسی فرشتہ سے دنیا میں

ہی میری خبر لوا دے) اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

فائدہ: چونکہ بغیر ایمان کے محض خوف مقبول نہیں، اس لئے شیطان کا اللہ سے ڈرنا اگر واقعی بھی ہو تو بھی کوئی اشکال کی وجہ نہیں۔

﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری تھی یوں کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے بھول میں ڈال رکھا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

ربط: اوپر اس گمان کی غلطی کا بیان تھا کہ کافروں کے غالب آنے کی امید تھی، اور وہ مغلوب ہوئے۔ اب اس گمان کی غلطی کا بیان ہے کہ مسلمان مغلوب ہوتے نظر آتے تھے اور وہ توکل کی برکت سے غالب آگئے۔

اللہ پر بھروسہ کی قوت و برکت:

اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب منافق لوگ (مدینہ والوں میں سے) اور جن کے دلوں میں (شک کی) بیماری تھی (مکہ والوں میں سے، مسلمانوں کا بے سروسامانی کے ساتھ کافروں کے مقابلہ میں آجانا دیکھ کر) یوں کہتے تھے کہ ان (مسلمان) لوگوں کو ان کے دین نے بھول میں ڈال رکھا ہے (کہ اپنے دین کے حق ہونے کے بھروسے ایسے خطرہ میں آپڑے، اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں) اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے (تو وہ اکثر غالب ہی آتا ہے کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (اس لئے اپنے اوپر بھروسہ کرنے والے کو غالب کر دیتے ہیں) اور اگر کبھی ایسا شخص مغلوب ہو جائے تو اس میں کچھ مصلحت ہوتی ہے، کیونکہ) وہ حکمت والے (بھی) ہیں (غرض ظاہری سامان اور بے سامانی پر دارومدار نہیں، قدرت والا تو کوئی اور ہی ہے)

فائدہ: اہل مکہ میں بعض لوگ پس و پیش میں تھے کہ وہ بھی غزوۂ بدر میں آئے تھے، انھوں نے دونوں فریقوں کی حالت کا موازنہ کر کے یہ کہا تھا جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔

﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰى

يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں جب کہ فرشتے ان کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں، ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ آگ کی سزا جھیلنا! یہ عذاب ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں، ان کی حالت ایسی ہے جیسے فرعون والوں کی اور ان سے پہلے کے لوگوں کی حالت تھی کہ انھوں نے آیاتِ الٰہیہ کا انکار کیا، سو خدا تعالیٰ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں۔ یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے، جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے جاننے والے ہیں۔ ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والوں کی سی حالت ہے کہ انھوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا۔ اس پر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

ربط: اوپر کافروں کے عذاب: ان کے قتل و مغلوبیت کا بیان تھا، اب برزخ اور آخرت کا عذاب اور ان سب عقوبتوں کی علت یعنی حق کی مخالفت کا بیان ہے۔

کافروں کی عقوبت اور اس کی علت:

اور اگر آپ (اس وقت کا واقعہ) دیکھیں (تو عجیب واقعہ نظر آئے گا) جبکہ فرشتے ان (اس وقت موجود) کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں (اور) ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں، اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ (ابھی کیا ہے آگے چل کر) آگ کی سزا جھیلنا! (اور) یہ عذاب ان (کفریہ) اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں (تو اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ بغیر جرم سزا نہیں دی، لہٰذا) ان کی حالت (اس بارہ میں کہ کفر پر سزا ملی) ایسی ہے جیسی فرعون والوں کی اور ان سے پہلے کے (کافر) لوگوں کی حالت تھی کہ انھوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے (ان) گناہوں پر ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے، سخت سزا دینے والے ہیں (کہ ان کے مقابلہ میں کوئی ایسی قوت نہیں رکھتا کہ ان کے عذاب کو ہٹا سکے، اور) یہ بات (کہ ہم بلاوجہ بغیر جرم سزا نہیں دیتے) اس سبب سے ہے (کہ ہمارا ایک قاعدہ کلیہ مقرر ہے اور بغیر جرم کے سزا نہ دینا، اسی قاعدہ کی ایک فرع ہے، اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو نہیں بدلتے جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو، جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے، اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے، بڑے

جاننے والے ہیں (چنانچہ قول کی تبدیلی کو سنتے ہیں، فعل کی تبدیلی کو جانتے ہیں تو ان موجودہ کافروں نے اپنی حالت یہ بدلی کہ ان میں کفر کے باوجود پہلے ایمان لانے کی جو استعداد قریب تھی، انکار اور مخالفت کر کر کے اس کو دور کر ڈالا، اس لئے ہم نے اپنی مہلت کی نعمت کو جو انہیں پہلے سے حاصل تھی گرفت اور عذاب سے بدل دیا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انھوں نے مذکورہ طریقہ سے استعداد کے قرب کی نعمت کو بدل ڈالا، لہٰذا تبدیلی کے اس معاملہ میں بھی) ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والوں کی حالت جیسی ہے کہ انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا، اس پر ہم نے انہیں ان کے (ان) گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا، اور (ان میں) فرعون والوں کو خاص طور پر ہلاک کیا کہ (انہیں) غرق کر دیا اور وہ (فرعون والے اور پہلے والے) سب ظالم تھے۔

فائدہ: اوپر کی آیتوں میں یہاں تک کافروں اور مشرکوں کے احوال اور قتال کا بیان تھا۔ آگے اہل کتاب کافروں کے احوال اور قتال کا بیان ہے، جیسا کہ سورت کی تمہید میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کے نزول کا سبب یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی ہے کہ انھوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ کے مخالفوں کی مدد نہیں کریں گے۔ اور پھر بھی غزوۂ احزاب میں مشرکوں کی مدد کی، اور بھی کئی بار ایسا ہو چکا، ہر بار کہہ دیتے تھے کہ ہم بھول گئے، پھر تازہ عہد کرتے تھے اور پھر ایسا ہی کرتے تھے، اس پر ان آیتوں میں ان کے ساتھ قتال کا حکم ہوا، جیسا کہ الدر المنثور، اللباب اور الروح میں ہے۔

﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں تو یہ ایمان نہ لاویں گے جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے عہد لے چکے ہیں، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔ سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پائیں تو ان کے ذریعہ سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیجئے تا کہ وہ لوگ سمجھ جاویں۔ اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

بعض اہل کتاب کے ساتھ قتال کے احکام و احوال:

بلاشبہ اللہ کے نزدیک مخلوقات میں بدترین یہ کافر لوگ ہیں (جب یہ علم الٰہی میں ایسے ہیں) تو یہ ایمان نہ لائیں گے،

جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے (کئی بار) عہد لے چکے ہیں (مگر) پھر (بھی) وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں، اور وہ (عہد شکنی سے) ڈرتے نہیں، تو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پائیں (اور یہ آپ کے ہاتھ آئیں) تو ان (پر حملہ کر کے اس) کے ذریعہ سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیجئے تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں (کہ عہد توڑنے کا یہ وبال ہوا، ہم ایسا نہ کریں، یہ حکم تو اس وقت ہے کہ جب ان لوگوں نے عہد کو علانیہ طور پر توڑ دیا ہو) اور اگر (ابھی تک علانیہ تو نہیں توڑا لیکن) آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو (اجازت ہے کہ) آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے (یعنی انہیں اس طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع کر دیجئے) کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں (اور ایسی صاف اطلاع کے بغیر لڑنا خیانت ہے، اور) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

فائدہ: اس سورت میں ایک ایسی ہی بائیسویں آیت مشرکوں کے حق میں آچکی ہے، چونکہ دوسرے گناہوں سے زیادہ بدتر ہونا سارے کافروں پر صادق آتا ہے، لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اور ﴿ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ فرمانا انہی کے اعتبار سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں عمر بھر کافر رہنے والے تھے اور اس آیت میں جو ﴿ فَشَرِّدْ ﴾ یعنی منتشر کر دیجئے اور ﴿ فَانْۢبِذْ ﴾ یعنی ان کا عہد واپس کر دیجئے کا خاص خطاب کیا گیا، اسی طرح آگے صلح کے مسئلہ میں ﴿ فَاجْنَحْ لَهَا ﴾ یعنی جھک جایئے گا، فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ عہد کرنا اور اس کو واپس کرنا امام کی رائے پر ہے، اس میں عوام کو دخل نہیں دینا چاہئے، اور عہد کے واپس کرنے میں جو خیانت کے اندیشہ کی قید لگائی تو یہ غالب گمان کی بنا پر ہے کہ اکثر ایسی صورت میں زیادہ ضرورت ہوگی، لہٰذا اگر خیانت کے خوف کے بغیر بھی عہد کو واپس کرنے میں مصلحت ہو تو جائز ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے۔ یقیناً وہ لوگ عاجز نہیں کر سکتے۔

ربط: اوپر مکہ کے مشرکوں اور مدینہ کے یہود سے قتال کا ذکر تھا، چونکہ قتال میں بعض لوگ بچ بھی جاتے ہیں، اب ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اللہ سے نہیں بچ سکیں گے، ایک نہ ایک دن عذاب میں ضرور مبتلا ہوں گے۔

کافروں کا اللہ کے عذاب سے محفوظ نہ ہونا:

اور کافر لوگ اپنے آپ کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے، یقیناً وہ لوگ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے (کہ اس کے ہاتھ نہ آئیں یا تو دنیا ہی میں عقوبت میں مبتلا کر دے گا ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے)

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھوان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں، اور تمہارے دشمن ہیں، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے، ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا دے دیا جاوے گا۔ اور تمہارے لئے کچھ کمی نہ ہوگی۔

ربط: اوپر کفار سے قتال کا ذکر تھا، اب قتال کا سامان مہیا رکھنے کا حکم ہے۔

قتال کے لئے تیار رہنے کا حکم:

اور ان کافروں (سے مقابلہ کرنے) کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے، ہتھیاروں سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس (سامان) کے ذریعہ سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو، ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور (تمہاری فکر میں رہنے کی وجہ سے) تمہارے دشمن ہیں (جن سے رات و دن تمہیں سابقہ پڑتا رہتا ہے) اور ان کے علاوہ دوسرے (کافروں) پر بھی رعب (جمائے رکھو) جن کو تم (تعیین کے ساتھ) نہیں جانتے (بلکہ) ان کو اللہ ہی جانتا ہے (جیسے فارس اور روم وغیرہ کے کفار، جن سے اس وقت تک واسطہ نہیں پڑا، مگر صحابہ کا ساز و سامان اور فن سپہ گیری اپنے وقت میں ان کے مقابلہ میں بھی کام آیا، اور ان پر رعب قائم ہوا، بعض مقابلہ میں آ کر مغلوب ہوئے، بعض نے جزیہ قبول کیا کہ یہ بھی رعب کا اثر ہے) اور اللہ کی راہ میں (جس میں جہاد بھی آ گیا) جو کچھ بھی خرچ کرو گے (جس میں وہ خرچ بھی آ گیا جو جنگی ساز و سامان اور سواری وغیرہ درست کرنے میں کیا جائے) وہ (یعنی اس کا ثواب) تمہیں (آخرت میں) پورا پورا دیدیا جائے گا، اور تمہارے لئے (اس میں) کچھ کمی نہ ہوگی۔

فائدہ: حدیثوں میں تیر اندازی کی مشق اور گھوڑوں کے رکھنے اور شہ سواری سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، اس زمانہ میں بندوق اور توپ وغیرہ تیر تلوار کے قائم مقام ہیں، اور قوت کے عموم میں یہ سب اور ورزش بھی داخل ہے۔

﴿ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ ع

ترجمہ: اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جایئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں۔ وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا۔ اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان

کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ ہی نے ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا۔ بے شک وہ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔ اے نبی! آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا ہے، وہ کافی ہیں۔

ربط: اوپر کافروں کو خوف زدہ رکھنے کا بیان تھا، اس خوف زدگی کے بعد کبھی کبھی کافروں کی طرف سے صلح ہو سکتی ہے، اس لئے اب آیت ﴿ وَاِنْ جَنَحُوْا ﴾ میں اس کا حکم بیان فرماتے ہیں اور چونکہ صلح میں بعض اوقات یہ احتمال ہوتا ہے کہ شاید کفار نے فریب سے کام لیا ہو، اس کے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ سے ﴿ وَاِنْ یُّرِیْدُوْٓا ﴾ میں حفاظت اور تاکید کے لئے اپنی سابقہ نعمتوں کی یاددہانی کرتے ہیں۔

کافروں کے شر سے حفاظت کا وعدہ اور صلح قبول کرنے کی اجازت:

اور اگر وہ (کافر لوگ) صلح کی طرف جھکیں تو آپ (کو) بھی (اجازت ہے، کہ اس میں مصلحت دیکھیں تو) اس طرف جھک جایئے، اور (اگر مصلحت کے باوجود یہ احتمال ہو کہ کہیں یہ ان کی چال نہ ہو تو) اللہ پر بھروسہ رکھئے (ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے) بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے (ان کے اقوال اور احوال کو سنتا اور جانتا ہے، ان کا خود انتظام کر دے گا) اور اگر (واقع میں وہ احتمال صحیح ہو اور) وہ لوگ (سچ مچ صلح سے) آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ (کی مدد اور حفاظت کرنے) کے لئے کافی ہیں (جیسا کہ اس سے پہلے بھی آپ کی کفایت فرماتے تھے، چنانچہ) وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (یعنی ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد یعنی) مسلمانوں سے قوت دی اور (مسلمانوں کو امداد کا ذریعہ بنانے کے لئے) ان کے دلوں میں اتفاق پیدا کر دیا (چنانچہ ظاہر ہے کہ اگر آپس میں اتفاق نہ ہو تو کوئی کام خاص طور سے دین کی نصرت مل کر نہیں کر سکتے اور ان میں ریاست کی حرص، بغض وعداوت کے غلبہ کی وجہ سے اتفاق ایسا دشوار تھا کہ) اگر آپ (باوجودیکہ عقل وتدبیر کامل رکھتے ہیں اور سامان بھی اس کے لئے کافی ہوتا، یہاں تک کہ) دنیا بھر کا مال (اس کام کے لئے) خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن (یہ) اللہ (کا کام تھا کہ اس) نے ان میں آپس میں اتفاق پیدا کر دیا۔ بے شک وہ زبردست ہیں (کہ جو چاہیں اپنی قدرت سے کر دیں اور) حکمت والے ہیں (کہ جس طرح سے مناسب جانیں، اس کام کو کر دیں، اور جب اللہ تعالیٰ کا اپنی غیبی امداد اور مؤمنوں سے آپ کی نصرت فرمانا معلوم ہو گیا تو) اے نبی! (اس سے ثابت ہو گیا کہ) آپ کے لئے (حقیقت میں) اللہ کافی ہے، اور جن مؤمنوں نے آپ کا اتباع کیا ہے (ظاہر میں) وہ کافی ہیں۔

فائدہ: ﴿ فَاجْنَحْ لَهَا ﴾ میں مصلحت کی قید لگا دی اور اس معاملہ کو اختیار پر محمول کیا، اس سے آیت کا منسوخ ہونا لازم نہیں آیا جیسا کہ بعض نے یہ نظریہ اختیار کیا ہے۔ اور تمہید میں جو حفاظت کے وعدے میں رسول اللہ ﷺ کی تخصیص کی گئی اس سے یہ شبہ دور ہو گیا کہ بعض اوقات مؤمنوں کے مقابلہ میں یا ان کے خلاف کافروں کا دھوکہ اور مکروفریب چل

جاتا ہے اور آپ کے مقابلہ میں کبھی اس دھوکہ اور فریب میں کامیابی اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ثابت نہیں۔

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۞ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے، اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجاویں گے، اور اگر تم میں کے سو آدمی ہونگے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے، اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے۔ سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہونگے تو دو سو پر غالب آجاویں گے، اور اگر تم میں کے ہزار ہونگے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجاویں گے، اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔

ربط: اوپر صلح سے متعلق مضمون تھا۔ اب قتال سے متعلق ایک قانون ہے، اور اوپر اللہ کے کافی ہونے اور اس کی نصرت کا مضمون تھا، اس آیت میں اس کی فرع کے طور پر قتال کا حکم ہے۔

کفار کے مقابلہ میں قتال سے فرار ہونے اور ثابت قدم رہنے کا قانون:

اے پیغمبر! (ﷺ) آپ مؤمنوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے (اور اس سے متعلق یہ قانون سنادیجئے کہ) اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو (اپنے سے دس گنا مخالفوں پر یعنی) دو سو پر غالب آجائیں گے اور (اسی طرح) اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے، اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کو) کچھ نہیں سمجھتے (اور اس وجہ سے کفر پر اصرار کرتے) اور اس سبب سے انہیں غیبی امداد نہیں پہنچتی، اس وجہ سے وہ مغلوب ہوجاتے ہیں، لہٰذا تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنا کے مقابلہ سے بھی پسپا نہ ہو، پہلے یہ حکم نازل ہوا تھا، مگر جب یہ صحابہ پر شاق گذرا تو عرض کیا: تب ایک مدت کے بعد یہ دوسری آیت نازل ہوئی، جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہوگیا، یعنی) اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی۔ اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے، تو (اب یہ حکم کیا جاتا ہے کہ) اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو (اپنے سے دو گنا دشمنوں پر یعنی) دو سو پر غالب آجائیں گے، اور (اسی طرح) اگر تم میں کے ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے، اور (ہم نے جو صابر کی قید لگائی تو اس لئے کہ) اللہ تعالیٰ نے صابروں (یعنی جو دلجمعی کے ساتھ ثابت قدم رہیں، ان) کے ساتھ ہیں (یعنی ان کی مدد کرتے ہیں)

فائدہ: باوجودیکہ یہاں الفاظ میں جملہ خبریہ ہے کہ اتنے آدمی لوگوں پر غالب آجائیں گے، لیکن مقصود خبر نہیں، بلکہ انشا اور امر ہے، یعنی ثابت قدم رہنا واجب ہے اور فرار حرام ہے۔ اور خبر کے عنوان سے تعبیر کرنے میں کنایہ کے طریقہ سے مبالغہ اور تاکید ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح غلبہ کی خبر یقینی ہونے پر ثابت قدم رہنا واجب ہونا چاہئے، اسی طرح اب واجب ہے، لہٰذا لفظی دلالت یعنی خبر دینا مقصود ہی نہیں، اس لئے اس پر صادق اور کاذب ہونے کا شبہ واقع نہیں ہوسکتا کہ بعض اوقات ہم اس غلبہ کی نفی دیکھتے ہیں۔ شبہ دور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کنایہ میں ملزوم سے لازم کی طرف انتقال ہوتا ہے، اور مقصود لازم ہوتا ہے، اور ملزوم غیر مقصود ہوتا ہے اور غیر مقصود پر صدق اور کذب لازم نہیں آتا، خوب سمجھ لو۔ اگرچہ یہاں ملزوم بھی اپنے آپ میں صادق ہے، اس لئے کہ غالب ہونے میں ﴿ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ﴾ کی قید لگائی گئی ہے، لہٰذا اگر کسی حکمت کی وجہ سے اذن نہ ہو تو غلبہ بھی نہ ہوگا۔

اور احقر کے نزدیک ضعف کی وجہ یہ ہے کہ یہ قاعدہ طبعی ہے کہ جب کام کرنے والے کم ہوتے ہیں اور ضروری سمجھا جاتا ہے تو اس وقت ہمت زیادہ ہوتی ہے، ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ کام میرے ہی کرنے سے پورا ہوگا، اور جب کام کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں تو ہر شخص کو خیال ہوتا ہے کہ کیا مجھ پر ہی منحصر ہے؟ اور بھی تو کام کرنے والے ہیں، سب مل کر کیوں نہیں کرتے؟ اس لئے جوش اور گرمی میں کمی آجاتی ہے، اس لئے اسلام کے شروع میں جیسے بدر میں ہمت کی اور حالت تھی، جب ماشاء اللہ مسلمانوں کی تعداد بڑھی تو طبیعت اور ہمت کا رنگ بدل گیا۔ چنانچہ درمنثور میں بعض سلف سے اس پہلے حکم کا بدر کے بارے میں ہونا اور دوسرے حکم کا بعد کے لئے ہونا منقول ہے۔ اور یہ ایک امر طبعی ہے، لہٰذا صحابہ پر یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ ان کے باطنی ملکات تو روزانہ ترقی پر تھے، جبکہ اس آیت سے ان میں کمی کا شبہ ہوتا ہے۔

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰى حَتّٰى يُثۡخِنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ تُرِيۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡيَا ‌ۖ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝ لَوۡلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں، جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی نہ کرلیں۔ تم تو دنیا کا مال اسباب چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ آخرت کو چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست، بڑی حکمت والے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کا نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارہ میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی۔

ربط: اوپر قتال کا حکم تھا، چونکہ قتال میں کبھی کافر لوگ قید ہو کر بھی آتے ہیں، اس لئے اب بدر کے قیدیوں کے ضمن میں اس کا حکم ہے اور ان آیتوں کے نزول کا سبب یہ ہے کہ بدر میں ستر کافر گرفتار ہوئے، تو آپ نے صحابہ سے ان کے بارے میں مشورہ کیا، بعض نے مشورہ دیا کہ انہیں قتل کر دینا چاہئے، بعض نے کہا کہ ان سے کچھ مال لے کر چھوڑ دینا

چاہئے۔ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ ان صحابہ سے فرما دیجئے کہ تمہیں اختیار دیا جاتا ہے۔ چاہے ان کو قتل کر دو، چاہے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو، مگر اس صورت میں اگلے سال تمہارے ستر آدمی شہید ہوں گے۔ غرض اکثر صحابہ کی یہ رائے ہوئی کہ خیر ہم شہید ہو جائیں گے۔ اس وقت انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے کہ شاید یہ مسلمان ہو جائیں۔ اور اس وقت مسلمانوں کو مالی مدد ملے، آپ نے بھی رحم دلی کی وجہ سے اس رائے کو پسند فرمایا۔ چنانچہ بعض جیسے عقبہ، نضر اور جمعہ کے سوا باقی سب قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ صرف حضرت ابوالعاص کو کہ اس وقت وہ بھی انہی میں تھے، صحابہ کی مرضی سے بغیر کچھ لئے ہوئے چھوڑ دیا، اس طرح چھوڑنے کو شرعی اصطلاح میں مَنٌّ کہتے ہیں، اس پر یہ آیتیں ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ﴾ تا ﴿عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ نازل ہوئیں۔ ان آیتوں سے صحابہ کو اس فدیہ کے حلال وحرام ہونے میں شبہ ہو گیا تو آیت ﴿فَكُلُوا﴾ الخ نازل ہوئی۔ چونکہ بعض قیدی حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ فدیہ دینے کے بعد مسلمان ہو گئے تھے، اور انھوں نے آپ سے فدیہ دینے کی وجہ سے مفلس ہو جانے کی شکایت کی، اس پر آیت ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم﴾ الخ نازل ہوئی۔ اور قصہ کا تتمہ آیت کی تفسیر سے متعلق بعض مسائل وتحقیقات سمیت بعد میں فائدہ کے تحت مذکور ہوں گی۔

بدر کے قیدیوں کا حکم:

(اے مسلمانو! تم نے نبی ﷺ کو جوان قیدیوں سے کچھ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا، یہ بیجا تھا، کیونکہ) نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیئے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کافروں کی) خوں ریزی نہ کر لیں، کیونکہ جہاد کی مشروعیت کی اصلی غرض فساد کا ختم کرنا ہے، اور اس حد کے بغیر جس میں کہ کافروں کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے، فساد کا دور کرنا ممکن نہیں، لہٰذا اس نوبت سے پہلے قیدیوں کو زندہ چھوڑ دینا آپ کی اصلاح کی شان کے مناسب نہیں، البتہ جب ایسی قوت ہو جائے، تو پھر قتل ضروری نہیں، بلکہ اور صورتوں کی بھی اجازت ہے، جو آگے فائدہ کے تحت بیان کی گئی ہیں، لہٰذا تم نے ایسی نامناسب رائے آپ کو کیوں دی؟) تم تو دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو (اس لئے فدیہ کی رائے دی) اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) کو چاہتے ہیں (اور وہ مصلحت اسی میں ہے کہ کافر خوب مغلوب ہو جائیں جس سے اسلام کا نور اور ہدایت آزادی کے ساتھ پھیلے۔ اور لوگ بغیر کسی روک ٹوک کے کثرت سے اسلام قبول کریں، اور نجات پائیں) اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست، بڑی حکمت والے ہیں (وہ تمہیں کافروں پر غالب کر دیتے اور فتوحات کی کثرت سے تمہیں مالدار کر دیتے، چاہے کسی حکمت کے سبب اس میں دیر ہوتی، جو فعل تم سے واقع ہوا ہے، وہ ایسا ناپسندیدہ ہے کہ) اگر اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا مقدر نہ ہو چکا ہوتا (وہ یہ کہ ان قیدیوں میں لوگ مسلمان ہو جائیں گے، جس سے وہ فساد جس کا احتمال ہے، واقع نہ ہوگا۔ اگر یہ نہ ہوتا) تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے، اس کے بارے میں تم پر

کوئی بڑی سزا واقع ہوتی (لیکن چونکہ کوئی فساد نہ ہوا اور اتفاق سے تمہارا مشورہ صحیح نکل آیا، اس لئے تم سزا سے بچ گئے)

فائدہ: قصہ کا تتمہ یہ ہے کہ اس کے بعد بعض صحابہ نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا، پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ عذاب کے آثار بہت قریب آ گئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ وہ نازل نہیں ہوا۔ اور اس کے متعلق ضروری تحقیق یہ ہے کہ اس قصہ میں صحابہ نے جو قیاس کیا وہ کسی نص کی بنیاد پر تھا یا بغیر نص کے تھا؟ پہلی شق پر تو یہ اشکال ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان سے کیوں اتفاق فرمایا۔ اور دوسری شق پر یہ اشکال ہے کہ عتاب کیوں ہوا۔ خاص طور سے جبکہ وحی کے ذریعہ اختیار دیدیا گیا تھا، پھر یہ کہ عتاب میں صحابہ کی تخصیص کیوں کی گئی، جبکہ حضور ﷺ بھی قبول کرنے میں شریک تھے۔

جواب یہ ہے کہ ہم دوسری شق کو اختیار کرتے ہیں، اور عتاب کی وجہ یہ ہے کہ اس رائے کی بنیاد کا ایک جز دنیاوی مصلحت یعنی مال کا لینا بھی تھا، جس کا منشا یعنی دنیا کی محبت کا مذموم ہونا پہلے سے معلوم تھا جس کی طرف ﴿ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ﴾ میں صاف اشارہ ہے۔ رہا صحابہ کا اس طرف پیش قدمی کرنا تو اس میں غلطی یہ ہوئی کہ اس میں دوسرا جز دینی مصلحت یعنی ان کے اسلام لانے کا احتمال بھی مل گیا، جیسا کہ درمنثور میں ہے: ففادهم فيكون عونا لأصحابك: یعنی "ان سے فدیہ لیں تا کہ تو وہ آپ کے صحابہ کے لئے مدد واعانت بن جائے" اور ﴿ لَعَلَّ اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ﴾ سے دونوں مصلحتوں کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے، چنانچہ غالباً یوں سمجھے کہ جس امر میں دنیا کی خواہش مکمل علت ہو، وہ امر تو برا ہے اور جس امر میں یہ علت کا جز ہو، اس میں مضائقہ نہیں، یہ خیال پیش قدمی کرنے کا سبب ہوسکتا ہے۔

مگر پھر عتاب کی وجہ، غور وفکر کی کمی ہے، کیونکہ ادنیٰ غور وفکر سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حسن اور قبیح سے مرکب قبیح ہوتا ہے اور دین میں دنیا کے مل جانے سے اخلاص اور اجر فوت ہو جاتا ہے، لہٰذا دنیا کی خواہش اور اسلام کے احتمال کا مجموعہ حسن نہ ہوگا، اسی لئے ﴿ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ﴾ پر اکتفا کیا گیا۔ ان کے اسلام کے احتمال کے خیال کو قابل ذکر قرار نہیں دیا گیا، لہٰذا پہلا اشکال تو ختم ہو گیا۔

رہا دوسرا اشکال کہ وحی کے ذریعہ اختیار دیدیا گیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں الفاظ اختیار دینے کے لئے مقصود اختیار نہیں تھا، کیونکہ جس طرح کبھی امر تنبیہ کے لئے ہوتا ہے، اسی طرح اختیار کی صورت کبھی امتحان کے لئے ہوتی ہے، وجہ یہ کہ اختیار دو مباح امور میں ہوتا ہے: ایک مباح اور ایک غیر مباح میں اختیار نہیں ہوتا اور یہاں قتل مباح تھا اور فدیہ غیر مباح تھا، کیونکہ اس کا غالب منشا دنیا کی خواہش تھی، اور اس وجہ سے بھی کہ اس کا اثر ستر مسلمانوں کا شہید ہونا تھا، جیسا کہ وحی میں یہ بات بتادی گئی تھی، لہٰذا یہ صورت کے لحاظ سے تو اختیار تھا، اور معنی کے لحاظ سے ناپسندیدہ شق کے نقصان پر اطلاع دینا تھا، صحابہ کو اختیار کی صورت سے شبہ ہو گیا، اس لئے انھوں نے پیش قدمی کی، مگر چونکہ شبہ کمزور تھا، معمولی طور پر غور کرنے سے دور ہوسکتا تھا، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا، اس لئے عتاب ہوا۔

تیسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ جو بنیاد ان کے لئے مذموم تھی وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لئے محمود تھی، کیونکہ ان

کوتو (اپنے نفس کو مال سے نفع پہنچانا مقصود تھا۔ اور یہ غیر محمود یعنی ناپسندیدہ ہے، اور آپ کا مقصود اپنے علاوہ کو نفع پہنچانا تھا اور یہ محمود ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ قصد کرنا کہ مجھے اتنا روپیہ مل جائے، حرص ہے اور یہ قصد کرنا کہ فلاں غریب کو اتنا مل جائے شفقت اور سخاوت و کرم ہے۔

رہا آپ کا رونا یہ یا تو نہایت ہیبت کی وجہ سے ہے یا صحابہ کی محبت کی وجہ ہے۔ کہ انہیں نقصان پہنچتا۔ اور بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو کوئی باقی بھی نہ بچتا، اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ میں سے کوئی بھی نہ بچتا، یہ نہیں کہ میں بھی نہیں بچتا، مگر اللہ تعالیٰ نے عذاب ٹال دیا اور نصیحت فرمادی جو معافی کی دلیل ہے۔ اور حدیث میں اہل بدر کا مغفور یعنی بخشا ہوا ہونا اس سے زیادہ صریح الفاظ میں آیا ہے۔ آگے ایک مسئلہ لکھا جاتا ہے۔

مسئلہ: احناف کے نزدیک مَن یعنی احسان کر کے چھوڑ دینا اور فدا یعنی فدیہ لے کر چھوڑنا، دونوں ناجائز ہیں، لیکن یہ اس آیت کی وجہ سے نہیں، کیونکہ صاحب اتقان کی نقل کے مطابق سورۂ انفال (۱) کے بعد سورۂ محمد نازل ہوئی ہے، اور اس میں مَنّ و فدا کی اس طرح اجازت ہے کہ جب اثخان یعنی اسلامی شوکت اور قوت حاصل ہو جائے، اس وقت مَن و فداء جائز ہے، لہٰذا سورۂ محمد کی آیت صورت کے لحاظ سے مَن اور فدا کے جائز نہ ہونے کو منسوخ کرنے والی اور معنی کے لحاظ سے اس کی تفسیر اور بیان ہے۔ پھر اتقان کے مطابق اس کے بعد سورۂ براءت نازل ہوئی، جس میں آیت ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ الخ موجود ہے۔ احناف کے نزدیک اس نے مَن اور فدا کو منسوخ کر دیا، لہٰذا

(۱) یہ ایک قول ہے اور اسی کے مطابق تفسیر کی گئی ہے، اور اگر دوسرا قول لیا جائے کہ سورۂ محمد، سورۂ انفال سے پہلے نازل ہوئی ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے سورۂ محمد کو مکی بھی کہا ہے، تو اس صورت میں آیت کی آسان تفسیر یہ ہوگی کہ سورۂ محمد میں قیدیوں کے جواز مَنّ یا فداء کو اثخان (خون بہانے) کے ساتھ مقید کیا گیا تھا، اثخان کے ساتھ فی قولہ تعالیٰ: ﴿ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً ﴾ اور یہاں اثخان مکمل ہوا نہیں تھا تو اس صورت میں فدیہ کو اختیار کرنا نہیں چاہئے تھا اور ﴿ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ﴾ کے یہی معنی ہیں۔ پھر دوسری آیت میں صحابہ کا وہ عذر جو معافی کا تقاضا کرتا ہے، ارشاد فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ہم ایک بات نہ لکھ چکے ہوتے کہ اجتہاد میں خطا کر بیٹھنے والے کو عقاب نہیں ہوتا تو اس واقعہ پر عذاب آتا اور اللہ کی طرف سے پہلے لکھے جانے سے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۶ ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ الخ مراد ہے، جس میں تکلیف مالا یطاق یعنی جس امر کی طاقت نہ ہو اس میں تکلیف کی نفی کے مدلول کے عموم اور خطا و نسیان پر مواخذہ و پکڑ نہ ہونے کے اعتبار سے اجتہاد میں ہونے والی خطا بھی شامل ہے۔ اور یہاں اجتہاد میں خطا یہ ہوئی کہ کافروں کے جو ستر رئیس قتل کئے گئے تھے وہ زیادہ با اثر تھے، اس لئے خیال ہوا کہ ان کے قتل سے کافی حد تک اثخان ہو گیا اور اگر زیادہ غور کرتے تو سمجھ جاتے کہ مکمل اثخان ان قیدیوں کے قتل پر بھی موقوف ہے، اسی زیادہ غور نہ کرنے پر عتاب کی صورت متوجہ ہوئی (یہ توجیہ ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۴ھ کو میرے دل میں ڈالی گئی، فالحمد للہ!)

اب یا تو قتل کیا جائے یا غلام بنالیا جائے یا پھر ذمی رعایا بنا کر رکھا جائے، اور دوسرے اماموں کے نزدیک حکم منسوخ نہیں ہوا، بلکہ آیتوں کے مجموعہ سے تمام صورتوں میں امام کو اختیار ہے، من، فدا، استرقاق یعنی غلام بنانا، ذمی بنانا اور قتل کرنا۔

روایات تو حدیث کی کتابوں اور در منثور سے منقول ہیں، اور تحقیقات مواہب الٰہیہ سے ہیں، اور مسائل، ہدایہ سے نقل کیے گئے ہیں۔ واللہ اعلم

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: سو جو کچھ تم نے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں۔

ربط: آیت ﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ ﴾ کی تمہید میں بیان ہو چکا ہے۔

بدر کے قیدیوں کا فدیہ حلال ہونے کا بیان:

(یعنی ہم نے اس فدیہ کو مباح کر دیا) تو جو کچھ تم نے (ان سے فدیہ میں) لیا ہے، اس کو حلال و پاک سمجھ کر کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو (کہ آئندہ ہر طرح کی احتیاط رکھو) بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑی رحمت والے ہیں (کہ تمہارا گناہ بھی معاف کر دیا، یہ مغفرت ہے اور فدیہ بھی حلال کر دیا یہ رحمت ہے)

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور تم کو بخش دے گا۔ اور اللہ بڑی مغفرت والے، بڑی رحمت والے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس سے پہلے انھوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفتار کرا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں، بڑی حکمت والے ہیں۔

ربط: آیت ﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ ﴾ کی تمہید میں بیان ہو چکا۔

مسلم قیدیوں سے دونوں جہاں کی نعمتوں کا اخلاص کی شرط کے ساتھ وعدہ:

اے پیغمبر! آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں (ان میں جو مسلمان ہو گئے ہیں) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ

کو تمہارے دل میں ایمان معلوم ہوگا (یعنی تم دل سے مسلمان ہوئے ہوگے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو واقع کے مطابق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مسلمان اسی کو مانیں گے جو واقع میں مسلمان ہوگا، اور جو شخص غیر مسلم ہوگا، اس کو غیر مسلم ہی جانیں گے، لہٰذا اگر تم دل سے مسلمان ہوگے) تو جو کچھ تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے (دنیا میں) اس سے بہتر تمہیں دے گا، اور (آخرت میں) تمہیں بخش دے گا، اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں (اس لئے تمہیں بخش دیں گے اور) بڑی رحمت والے ہیں (اس لئے تمہیں اس کا بہترین بدلہ دیں گے) اور اگر (بالفرض) یہ لوگ (سچے دل سے مسلمان نہ ہوئے ہوں، بلکہ اسلام کے اظہار سے (محض آپ کو دھوکا ہی دینا چاہیں، اور دل میں) آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا (یعنی عہد شکنی کر کے مخالفت ومقابلہ کا) ارادہ رکھتے ہوں تو (کچھ فکر نہ کیجئے، اللہ تعالیٰ انہیں پھر آپ کے ہاتھوں میں گرفتار کرا دے گا، جیسا کہ) اس سے پہلے انھوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی (اور آپ کی مخالفت اور مقابلہ کیا) پھر اللہ نے انہیں (آپ کے ہاتھوں میں) گرفتار کرا دیا، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں (کہ کون خیانت کرنے والا ہے اور) بڑی حکمت والے ہیں (ایسی صورتیں پیدا کر دیتے ہیں جن سے خیانت کرنے والا مغلوب ہو جائے)

فائدہ: ﴿وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا﴾ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ان حضرات کے ایمان میں کوئی شک تھا یا نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو کوئی اندیشہ واحتمال تھا، اصل یہ ہے کہ یہاں شرطیہ قضیہ کے ذریعہ خیانت پر ﴿فَاَمْکَنَ مِنْهُمْ﴾ کا مرتب کرنا مقصود ہے کہ یہ اس کے لوازم سے ہے، تاکہ آپ کو تسلی رہے، اور اخلاص کے شرط ہونے کی تاکید ہو جائے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے بیس اوقیہ فدیہ میں دینے پڑے تھے، ہر اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے، اس طرح بیس اوقیہ کے تقریباً آٹھ سو درہم ہوئے۔ آج میرے پاس بیس غلام ہیں، اور ہر ایک کے پاس کثرت سے مال ہے اور ایک بار انہیں رسول اللہ ﷺ نے اتنا مال دیا تھا کہ جتنا یہ اٹھا سکے، اور فرماتے ہیں کہ دوسرے وعدہ کا یعنی مغفرت کا انتظار ہے اور امید ہے۔ الدر المنثور۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ

فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾

ع ۱۰

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت بھی کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستے میں جہاد بھی کیا اور جن لوگوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی، یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی، تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں۔ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں، اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمے مدد کرنا واجب ہے، مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم عہد ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں۔ اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اگر اس پر عمل نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا۔ اور جو لوگ مسلمان ہوئے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، اور جن لوگوں نے اپنے یہاں ٹھیرایا اور ان کی مدد کی، یہ لوگ ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں۔ ان کے لئے بڑی مغفرت اور بڑی معزز روزی ہے۔ اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا، سو یہ لوگ تمہارے ہی شمار میں ہیں۔ اور جو لوگ رشتہ دار ہیں کتاب اللہ میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

ربط: اوپر کفار سے قتال، صلح اور ان کو قید کرنے کا ذکر تھا۔ اور یہ تینوں معاملے مسلمانوں کے غلبہ اور شوکت کے وقت ہوتے ہیں، قتل اور قید تو ظاہر ہے، اور صلح کی درخواست بھی کفار اسی وقت کرتے ہیں جب کسی قدر مسلمانوں سے دبتے ہیں لہٰذا یہ احکام تو غلبہ سے متعلق ہوئے، کبھی مسلمان مغلوب ہوتے ہیں کہ نہ قتل وقید پر قادر ہوتے ہیں اور نہ ہی کفار ان سے صلح کرنا چاہتے ہیں، ایسی حالت میں ہجرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب ہجرت کے بعض احکام جو میراث سے متعلق ہیں اور غیر مہاجروں اور غیر مؤمنوں کے بعض احکام کے مقابلہ کی مناسبت سے اسی میراث کے اعتبار سے بیان فرماتے ہیں، تقسیم اور احکام کا حاصل یہ ہے کہ مکلّف یا تو مؤمن ہوگا یا کافر، کافروں کا حکم یہ ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، مسلمان ان کا وارث نہ ہوگا اور نہ ہی وہ مسلمان کے وارث ہوں گے، اور یہ حکم اب بھی قائم ہے، اور مؤمنوں کی دو قسمیں ہیں: ایک مہاجر یعنی جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہو، کیونکہ فتح مکہ کے بعد عرب دار الاسلام ہوگیا تھا، اس کے بعد سب جگہ رہنا برابر تھا۔ اور دوسری قسم: غیر مہاجر ہے، مہاجر کا حکم یہ تھا کہ ان میں اور انصار میں یعنی جنھوں نے مہاجروں کو اپنے پاس ٹھہرایا اور ان کی خدمت ونصرت کی، اس وجہ سے کہ مہاجروں کے اکثر اقارب اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے۔ اقارب کی طرح میراث جاری ہوتی تھی اور اس میں سب مہاجر برابر تھے، چاہے مہاجرین اولین میں سے ہوں جنھوں نے ہجرت نبوی کے زمانہ میں ہجرت کی یا غیر اولین میں سے ہوں، البتہ ان میں فضیلت کے اعتبار سے آپس میں

فرق ہوگا، اور یہ حکم فتح مکہ کے بعد منسوخ ہوگیا اور غیر مہاجر کا حکم یہ تھا کہ اس میں اور اس کے مہاجر رشتہ دار میں وراثت کا معاملہ نہ تھا۔ اب یہ حکم بھی منسوخ ہے، اور اب اہل اسلام کے مقامات میں فرق کی وجہ سے وراثت کے معاملہ میں کوئی رکاوٹ نہیں، البتہ کفار میں آپس میں ہے، اور وراثت کا معاملہ نہ ہونے کے باوجود اس غیر مہاجر کا یہ بھی حکم تھا کہ اگر وہ مہاجروں سے کفار کے مقابلہ میں کسی مذہبی قتل وقتال میں امداد کے طالب ہو تو اس کی امداد واجب ہے، لیکن اگر کسی ایسی قوم کے مقابلہ میں امداد کا طالب ہو کہ مہاجروں میں اور اس قوم میں آپس میں عہد و پیمان ہے تو عہد کے باقی رہنے تک ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر عہد توڑ دیا جائے اور اس کا اعلان کر دیا جائے یعنی عہد والی قوم کو اطلاع دیدی جائے تو پھر مدد جائز ہے۔ رہا یہ کہ ایسے وقت میں عہد توڑنا واجب ہے یا نہیں؟ اور اس کا قطعی حکم کیا ہے؟ تو اس کی تحقیق تفسیر و سیرت، ناسخ و منسوخ اور فقہ و احکام کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے، ان آیتوں میں انہی قسموں اور انہی احکام کا ذکر ہے، اور اس تمہید میں جو مضامین روایت کی قسم سے ہیں وہ درمنثور میں منقول صحابہ اور تابعین کے اقوال سے لئے گئے ہیں۔

ہجرت و اسلام کے اعتبار سے اقسام و احکام:

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت بھی کی، اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد بھی کیا (جس کا واقع ہونا ہجرت کے نتیجہ کے لازمی امور میں سے تھا، اگرچہ اس حکم کی بنیاد (وراثت کا معاملہ نہیں، اور اس جماعت کا لقب مہاجر ہے) اور جن لوگوں نے (ان مہاجروں کو) رہنے کے لئے جگہ دی (اور ان کی) مدد کی (اور اس جماعت کا لقب انصار ہے) یہ (دونوں قسم کے) لوگ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی، تمہارا (یعنی مہاجروں کا) ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں (نہ یہ ان کے وارث اور نہ ہی وہ ان کے) جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں (اور جب ہجرت کر لیں تو پھر وہ بھی اس حکم میں داخل ہو جائیں گے) اور (اگرچہ ان سے تمہارا وراثت کا معاملہ نہ ہو، لیکن) اگر وہ تم سے دین کے کام (یعنی کافروں کے ساتھ قتال) میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ (ان کی) مدد کرنا واجب ہے، مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں آپس میں (صلح کا) معاہدہ ہو، اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں (لہٰذا ان کے مقررہ احکام میں خلل ڈال کر ان کی ناراضی کے مستحق نہ ہونا) اور (جس طرح تم میں آپس میں وراثت کا تعلق ہے، اسی طرح) جو لوگ کافر ہیں، وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں (نہ تم ان کے وارث اور نہ ہی وہ تمہارے وارث) اگر اس (مذکورہ) حکم پر عمل نہ کرو گے (بلکہ دین میں اختلاف کے باوجود محض قرابت کی وجہ سے مؤمن اور کافر میں وراثت قائم رکھو گے) تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا (کیونکہ وراثت کے معاملہ میں سب ایک ہی جماعت سمجھی جائے گی، اور الگ جماعت ہوئے بغیر اسلام کو قوت و شوکت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور اسلام کی کمزوری تمام تر فتنہ و فساد عالم کا سرمایہ ہے، جیسا کہ ظاہر ہے) اور مہاجروں اور انصار کے درمیان وراثت کے اس حکم میں ہر چند کہ سارے مہاجر برابر ہیں، خواہ انھوں نے ہجرت نبوی کے زمانہ میں ہجرت کی ہو یا بعد میں، لیکن فضیلت اور مرتبہ میں ان میں فرق

ہے۔ چنانچہ) جو لوگ (پہلے) مسلمان ہوئے، اور انھوں نے (ہجرت نبوی کے زمانہ میں) ہجرت کی (اور شروع ہی سے) اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے (ان مہاجروں کو) اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی، یہ لوگ (تو) ایمان کا پورا حق ادا کرنے والے ہیں (کیونکہ اس کا حق یہی ہے کہ اس کو قبول کرنے میں سبقت کرے) ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت اور (جنت میں) بڑی معزز روزی (مقرر) ہے اور جو لوگ (ہجرت نبوی کے) بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا (یعنی کام تو سب کئے، مگر بعد میں) تو یہ لوگ (اگر چہ فضیلت میں تمہارے برابر نہیں تاہم) تمہاری ہی گنتی میں ہیں (فضیلت میں تو اس وجہ سے کہ اعمال کے فرق سے مرتبہ وفضیلت میں فرق ہو جاتا ہے اور میراث کے احکام میں تمام وجوہ سے، کیونکہ اعمال کے فرق سے شرعی احکام میں فرق نہیں ہوتا) اور (ان بعد والے مہاجروں میں) جو لوگ (آپس میں یا پہلے والے مہاجروں کے) رشتہ دار ہیں (خواہ فضل ومرتبہ میں کم ہوں، لیکن میراث کے اعتبار سے) اللہ کی کتاب (یعنی شرعی حکم یا میراث کی آیت) میں ایک دوسرے (کی میراث کی بہ نسبت غیر رشتہ داروں) کے زیادہ حقدار ہیں (چاہے غیر رشتہ دار فضیلت ومرتبہ میں زیادہ ہوں) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (اس لئے ہر وقت کی مصلحت کے مناسب حکم مقرر فرماتے ہیں)

فائدہ: مہاجرین اور انصار میں جو وراثت کا معاملہ تھا، آخری آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شرط یہ ہوگی کہ کوئی دوسرا رشتہ دار جو مورث کی طرح مہاجر یا انصار ہو، موجود نہ ہو، ورنہ رشتہ دار مقدم ہوگا، جیسا کہ ﴿ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ ﴾ الخ کی تقریر سے واضح ہوتا ہے۔ اور ہر چند کہ یہ حکم بعد والے مہاجروں کے ساتھ خاص نہ تھا، لیکن سابق مہاجروں میں سے اکثر کی یہ حالت تھی کہ ان میں وہ شرط موجود تھی۔ جب لوگ کثرت سے مسلمان اور مہاجر ہونے لگے تو اکثر رشتہ دار ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اس لئے بہت سے لوگوں میں وہ شرط مفقود ہو گئی۔ اس لئے ﴿ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ ﴾ کا فقرہ اس آخری قسم کے ساتھ ذکر کیا گیا، ورنہ نفس حکم یعنی رشتہ دار مقدم ہو اور وہ موجود نہ ہو تو ہجرت اور نصرت سے توارث کا معاملہ ہو، یہ دونوں کے لئے مشترک اور عام تھا، حتی کہ فتح مکہ کے بعد سورۂ احزاب کی آیت ۶ ﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ الخ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب مسلمان رشتہ دار چاہے دار الحرب میں ہو یا دار الاسلام میں وارث ہوگا، جیسا کہ تمہید میں بھی ذکر کیا گیا۔

تنبیہ: تفسیر کی توجیہ مفسرین نے دوسرے طریقوں سے بھی کی ہے، مگر اب شریعت میں جن احکام پر عمل ہے، وہ اس طرح متعین ہیں جو احقر نے لکھے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

﴿ سورۃ الانفال کی تفسیر ۲۷ ربیع الاول بروز منگل بوقت چاشت سنہ ۱۳۳۴ھ کو مکمل ہوئی، میری عمر اس وقت قمری حساب سے چوالیس سال میں سات دن باقی ہیں ﴾

آیاتھا ۱۲۹ (۹) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۳) رکوعاتھا ۱۶
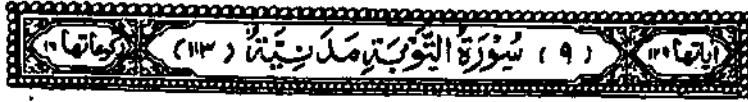
اس سورت سے متعلق ضروری فوائد

پہلا فائدہ: انفال وتوبہ میں ربط:

اس سورت میں چند غزوات اور چند واقعات کہ وہ بھی غزوات ہی کے حکم میں ہیں، بیان کے گئے ہیں، عرب قبائل سے عہد کو توڑنے کا اعلان، فتح مکہ، غزوۂ حنین، حرم سے کفار کا اخراج، غزوۂ تبوک، اور انہی آیتوں کے ضمن میں واقعہ ہجرت، جبکہ گذشتہ سورت میں اکثر بدر کے اور کچھ بنو قریظہ کے واقعات تھے، لہٰذا مناسبت ظاہر ہے جس کی تصریح فائدہ چہارم میں جامع قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی آتی ہے۔

سورۃ التوبہ کی آیتیں متفرق نازل ہوئی ہیں:

دوسرا فائدہ: تیسرے فائدہ کی طرح اس پر تفسیر کا حل موقوف ہے اور یہ آیات وروایات کے اشکالات کو دور کرنے والا ہے۔ ان مذکورہ واقعات میں جو مقصود ہیں، پہلے سن ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا، پھر غزوۂ حنین واقع ہوا۔ پھر رجب ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک ہوا، پھر ذی الحجہ ۹ ہجری میں عہد کو توڑنے کا اعلان ہوا اور اس کے ساتھ ہی کفار کے نکالے جانے کا اعلان ہوا۔ اور فتح مکہ سے متعلق جو آیتیں ہیں، ان کے مضمون میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئیں۔ چنانچہ روح المعانی میں آیت ﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ ﴾ کے تحت اور کمالین میں جامع البیان سے اس کی تصریح بھی نقل کی ہے اور روح المعانی میں ابن عباس کا قول اس کی تائید میں نقل کیا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کی ترغیب ہے۔ البتہ غزوۂ حنین سے متعلق جو آیتیں ہیں وہ اس کے واقع ہونے کے بعد کی ہیں، جس کی تعیین میں مجاہد سے اتقان میں منقول ہے کہ یہ آیتیں سورۂ براءت کی بقیہ آیتوں سے مقدم ہیں۔ اب رہ گئیں تبوک اور اعلان کی آیتیں تو اتقان ہی میں عامر سے منقول ہے کہ پہلے غزوۂ تبوک کی ترغیب کی آیتیں ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا ﴾ الخ مع سیاق وسباق کے نازل ہوئیں، پھر تبوک سے واپسی کے بعد اور آیتیں یعنی آخر کی آیتیں نازل ہوئیں جن میں تبوک کی مہم سے پیچھے رہ جانے پر ملامت اور عتاب ہے۔ پھر شروع کی آیتیں نازل ہوئیں جن میں عہد کو توڑنے اور اخراج کا اعلان ہے۔ اور ان آخری آیتوں کے نازل ہونے کی جو گنتی بعض سلف سے منقول ہے، جن میں فتح مکہ کی آیتیں بھی داخل ہوجاتی ہیں، غالب گمان یہ ہے کہ غور وفکر کی کمی کی وجہ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے۔ لہٰذا اس تقریر پر آیتوں کے نزول کی ترتیب یہ ہوئی کہ پہلے فتح مکہ سے متعلق آیتیں فتح مکہ

سے پہلے، پھر غزوۂ حنین کے بعد حنین کی آیتیں، پھر غزوۂ تبوک سے پہلے غزوۂ تبوک کی ترغیب کی آیتیں، پھر غزوۂ تبوک کے بعد تبوک کی مہم سے پیچھے رہ جانے پر ملامت کی آیتیں، پھر عہد توڑنے کی شروع کی آیتیں جو کہ شوال ۹ ہجری میں نازل ہوئیں۔ اور یہ جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ سورت پوری ایک ہی بار میں نازل ہوئی، اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا زیادہ حصہ ایک ہی بار میں نازل ہوا۔ اور اگر شبہ ہو کہ اوپر کے بیان سے تو ایک بار میں اکثر حصہ کا نزول بھی معلوم نہیں ہوتا تو جواب یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ سورت بہت بڑی تھی اور اس میں منافقوں کا حال خوب ایک ایک کی تفصیل کے ساتھ تھا، مگر اب تقریباً ایک چوتھائی رہ گئی ہے، باقی کی تلاوت منسوخ ہوگئی، لہٰذا ممکن ہے کہ وہ تین چوتھائی حصے ایک ہی بار میں نازل ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم

تیسرا فائدہ: معاہدہ کرنے اور اسے توڑنے سے متعلق جو مضامین اس میں مذکور ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ ہجری میں جب آپ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور قریش نے مکہ میں نہ جانے دیا اور حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی، تو اس صلح کی مدت روح المعانی کی روایت کے مطابق دس سال تھی، مکہ میں اور قبائل بھی تھے، صلح کی تکمیل کے وقت یہ بات قرار پائی کہ جس کا جی چاہے اس صلح میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شامل ہوجائے اور جس کا جی چاہے قریش کے ساتھ ہوجائے۔ چنانچہ بنوخزاعہ تو رسول اللہ کے ساتھ شامل ہوگئے اور بنی بکر قریش کے ساتھ ہوگئے۔ سال بھر تک کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی، چنانچہ ۷ ہجری میں صلح کی قرارداد کے مطابق جناب رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لائے اور اس فوت شدہ عمرہ کی قضا کرکے واپس تشریف لے گئے، اس کے بعد پانچ چھ ماہ گذرے تھے یعنی صلح کے وقت سے سترہ اٹھارہ مہینے بعد بنی بکر نے خزاعہ پر رات کے وقت اچانک حملہ کردیا، قریش نے یہ سوچ کر کہ رسول اللہ ﷺ تو بہت دور ہیں، آپ کو کیا خبر ہوگی اور پھر رات کے وقت کون دیکھتا ہے کہ حملہ کرنے والے کون کون ہیں، بنی بکر کو ہتھیار وغیرہ بھی دیئے اور ان کے ساتھ ہوکر بنوخزاعہ سے لڑے بھی، جس سے مقررہ قواعد کے مطابق جو ان کے نزدیک بھی مسلم تھے، رسول اللہ ﷺ سے کی ہوئی ان کی صلح ٹوٹ گئی، بنوخزاعہ نے آپ ﷺ سے فریاد کی، آپ نے اس انداز میں تیاری کی کہ قریش کو خبر نہ ہو، لشکر کی تیاری کرکے ۸ ہجری میں ان پر چڑھائی کی اور مکہ فتح کرلیا، جس میں قریش کے بہت سارے رئیس مسلمان بھی ہوگئے، جن کی جماعتوں کا سورت کے شروع میں ذکر ہے، ان میں سے ایک جماعت تو یہی قریش ہیں، جنھوں نے خود عہد شکنی کی، دوسری جماعت بنوضمرہ اور بنومدلج دو قبیلے بنوکنانہ کے تھے جنھوں نے آپ سے معاہدہ کیا تھا، اور سورۂ براءت کے نزول کے وقت ان کے معاہدہ کی مدت ختم ہونے میں بقول خازن نو مہینے باقی رہ گئے تھے۔ تیسری جماعت عرب کے وہ عام قبائل تھے جن سے معاہدہ مدت کی تعیین کے بغیر تھا۔ چوتھی جماعت عام قبائل میں سے وہ تھے جن سے سرے سے معاہدہ ہی نہیں تھا۔ ان چاروں جماعتوں کے احکام سورت کے شروع میں بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ پہلی جماعت کا حکم فتح مکہ سے پہلے یہ نازل فرمایا کہ جب تک یہ عہد پر قائم ہیں، تم بھی قائم رہو۔ جب یہ عہد توڑ دیں تو تم بھی قتال کرو۔ اور ان کا حکم

سورۂ براءت کی آیتوں کے نزول کے بعد اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے خود عہد شکنی کی تھی، اور اس لئے یہ کسی مہلت کے مستحق نہیں رہے، اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ ان سے جنگ کا اعلان کر دیا جاتا، لیکن وہ زمانہ اشہر حرم کا تھا، جن میں خواہ اس وجہ سے کہ قتال ناجائز تھا یا اُس آیت کی تفسیر میں مذکور مصلحت کی بنا پر قتال سے منع کیا گیا، اس لئے یہ فرمایا کہ اشہر حرم کے گذر جانے کے بعد ان سے قتال کی اجازت ہے۔ ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ﴾ میں یہی مضمون ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ اگر چہ انھوں نے فتح مکہ سے پہلے عہد توڑا تھا، لیکن فتح مکہ کے بعد جب سب کو امن دیدیا گیا تو پھر ان کے غیر مامون ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا مطلب یہ بیان کرنا نہیں ہے کہ یہ براءت کی آیتوں کے نزول کے وقت مامون نہیں، بلکہ ہمارا مقصد محض یہ بیان کرنا ہے کہ ان کا امن بغیر مہلت کے کیوں ختم کیا گیا۔ تو اس کی یہ وجہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ ایک جرم عظیم کے مرتکب ہوئے تھے، اس لئے دوسروں کی برابر ان کی رعایت نہیں کی گئی، خوب سمجھ لو۔

اور دوسری جماعت کا حکم یہ ہے کہ چونکہ انھوں نے عہد نہیں توڑا تھا، اس لئے ان کی مدت پوری کر دو، آیت ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ ﴾ الخ میں انہی کا ذکر ہے، اس کی تصریح تفسیر خازن میں کی گئی ہے۔

اور تیسری و چوتھی جماعت کا ایک حکم ہے کہ اعلان کے وقت سے چار ماہ کی مہلت ہے، جہاں چاہیں چلے جائیں، پھر قتل کے مستحق ہوں گے، بالکل شروع کی آیتوں میں ان کا ذکر ہے۔

اور دوسری جماعت کا حکم بھی نو ماہ گذرنے کے بعد تیسری اور چوتھی جماعت جیسا ہو جائے گا کہ امن ختم ہو جائے گا، یہ سب احکام اس امر کا سامان ہیں کہ سال بھر کے اندر اندر یہ بقعۂ مطہرہ کفار سے پاک ہو جائے۔ آپ ﷺ نے ۹ ہجری میں حج کی تاریخوں میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی معرفت مکہ، عرفات اور منیٰ میں کہ وہاں عرب قبائل کا مجمع عام جمع تھا جن کے واسطہ سے تمام عرب میں اس کی شہرت کا ہو جانا لازمی امر تھا۔ اس اعلان کو مشتہر کر دیا اور احتیاط کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معرفت یمن میں خاص طور سے اس کا اعلان کرا دیا اور اس کے باوجود کہ مقصود انہی آیتوں کا اعلان تھا، لیکن بعض روایتوں میں جو لفظ ختمها آیا ہے، اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ دوسرے واقعات کی یاد دہانی کفار کو زیادہ مرعوب کرنے کا سبب ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

لہٰذا اس حساب سے پہلی جماعت کو ختم محرم ۱۰ ہجری تک کہ جب اشہر حرم ختم ہوئے اور دوسری جماعت کو ۱۰ رمضان ۱۰ ہجری تک اور تیسری و چوتھی جماعت کو ۱۰ ربیع الثانی ۱۰ ہجری تک حدود سے باہر نکل جانا چاہئے۔ اس طرح اگلے سال کے حج تک کوئی کافر حدود کے اندر داخل نہ رہنے پائے گا، چنانچہ آیت ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ﴾ الخ کے یہی معنی ہیں جس میں مسجد حرام سے مراد تمام حرم ہے۔ اور حدیث: لا یحجن بعد العام مشرک: کا یہی مطلب ہے، اور

چونکہ تجارت زیادہ تر انہی لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جن کے اخراج کا حکم دیا گیا، اس لئے ﴿اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً﴾ الخ سے مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والے اندیشہ کو دور کیا گیا، لہٰذا اگلے سال یعنی ذی الحجہ ۱۰ ہجری میں جناب رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس حج کے لئے تشریف لے گئے، اور کسی مخالف کا کوئی شور وشرابہ باقی نہیں رہا، اور ان روایتوں کے یہی معنی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جن لوگوں کے سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں، ان سے قتال نہیں ہوا، کیونکہ جن لوگوں کو مسلمان نہیں ہونا تھا وہ حدود سے باہر چلے گئے اور یہ بھی آیا ہے کہ اس کے بعد آپ نے کسی مشرک سے کوئی معاہدہ نہیں کیا، بلکہ جزیرۂ عرب سے کافروں کو پوری طرح نکال دینے کا عزم فرمالیا، لیکن چونکہ جلدی ہی یعنی ربیع الاول ۱۱ ہجری میں آپ نے وفات پائی، آپ کے سامنے یہ عزم پورا نہیں ہوسکا، البتہ بعد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ کی وصیت پر اس کی تکمیل کردی، ان دوسرے اور تیسرے فائدوں میں جن روایتوں سے متعلق حوالہ نہیں ہے، وہ سب درمنثور سے ماخوذ ہیں اور جن روایات میں تضاد پایا گیا، ان میں قرآن کے الفاظ سے زیادہ قریب ہونے کو ترجیح دی گئی ہے۔

چوتھا فائدہ: اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ خود جامع القرآن یعنی قرآن کو جمع کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ترمذی میں یہ روایت منقول ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا کہ آپ حضرات نے سورۂ انفال کو جو کہ مثانی یعنی سو سے کم آیتوں والی سورتوں میں سے ہے اور سورۂ براءت کو جو کہ مئین یعنی سو سے زیادہ آیتوں والی سورتوں میں ہے، قرآنی ترتیب میں پاس پاس رکھا اور دونوں کے بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی۔ اور انفال کو سبع طوال یعنی سو سے زیادہ آیتوں والی سورتوں میں رکھ دیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ پر ایک زمانہ میں بیک وقت کئی کئی سورتوں کا نزول ہوتا رہتا تھا، جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کسی لکھنے والے کو بلا کر فرماتے کہ اس آیت کو لکھ کر فلاں سورت میں رکھ دو۔ اسی طرح جب دوسری آیت آتی تب بھی یوں ہی فرماتے کہ اس کو فلاں سورت میں رکھ دو، اور انفال ان سورتوں میں سے تھی جو مدینہ میں شروع میں نازل ہوئیں، اور سورۂ براءت قرآنِ کریم میں آخر میں نازل ہونے والی سورتوں میں تھی، جبکہ دونوں کا مضمون ملتا جلتا تھا، ہم نے یہ سمجھا کہ یہ اسی کا جزء ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور آپ نے اس کی تصریح نہیں فرمائی، اس لئے ہم نے دونوں سورتوں کو پاس پاس رکھ دیا اور بیچ میں بسم اللہ نہیں لکھی، اور انفال کو سبع طوال میں رکھ دیا۔ اور درمنثور میں افراد دارقطنی سے اتنا اضافہ ہے کہ جب تک بسم اللہ نازل نہیں ہوتی تھی، ہم نازل ہونے والی آیتوں کو گذشتہ سورتوں کا جز سمجھتے رہتے تھے۔ جب بسم اللہ نازل ہوتی تو دوسری سورت شروع ہوتی، اور بیضاوی میں ہے کہ صحابہ کے اختلاف کی وجہ سے ان دونوں سورتوں کے درمیان میں تھوڑا سا فاصلہ چھوڑ دیا گیا۔

سوال کا حاصل سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کی ترتیب میں اس امر کی رعایت غالب ہے کہ بڑی بڑی سورتیں شروع میں ہیں، اور ان سے چھوٹی ان کے بعد اور سب سے چھوٹی سب سے آخر میں۔ اور مئین وہ سورتیں کہلاتی

ہیں جن میں سو سے زیادہ آیتیں ہیں، اور بقرہ سے براءت کے آخر تک سوئے انفال کے ساری سورتوں میں سو سو سے زیادہ آیتیں ہیں، لہٰذا یہ سب مئین ہیں۔ اور انفال میں اور اسی طرح سورۂ یوسف کے بعد کی اکثر سورتوں میں سو سو سے کم آیتیں ہیں، اور یہ مثانی ہیں، لہٰذا انفال بھی مثانی سورتوں میں ہے۔ اور بالکل آخر کی سورتیں مفصل کہلاتی ہیں، اور سورۂ بقرہ سے انفال تک شروع کی سورتیں سبع طوال کہلاتی ہیں۔

اب سوال کا حاصل سمجھئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تین سوال کئے گئے:

(۱) انفال میں اس وجہ سے کہ وہ مثانی ہے اور براءت میں اس وجہ سے کہ مئین میں سے ہے، آپس میں مناسبت نہیں ہے، پھر ان دونوں کو ایک جگہ کیوں رکھا؟

(۲) جب یہ دو سورتیں ہیں تو دوسری سورتوں کی طرح ان کے بیچ میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی؟

(۳) سبع طوال میں رکھنے کی زیادہ مستحق بڑی ہونے کی وجہ سے سورۂ براءت تھی، پھر انفال کو اس کے چھوٹے ہونے کے باوجود سبع طوال میں کیوں داخل کیا؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بسم اللہ کا نازل ہونا مستقل سورت ہونے کی علامت تھی، اور رسول اللہ ﷺ کی تصریح کہ یہ آیت فلاں سورت کا جز ہے، سورت کا جز ہونے کی علامت تھی، سورۂ براءت میں نہ بسم اللہ نازل ہوئی اور نہ ہی آپ کی تصریح پائی گئی، اس لئے اس کا حال مشتبہ رہا، کہ یہ مستقل سورت ہے یا کسی سورت کا جزء ہے؟ ہم نے دونوں امر کی رعایت کی، مستقل سورت ہونے کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے بسم اللہ نہیں لکھی، اور جزء ہونے کا یقین نہ ہونے کی وجہ سے بیچ میں فاصلہ چھوڑ دیا گیا، اس سے دوسرے سوال کا جواب ہوگیا، پھر جب اس کے سورت کے جزء ہونے کا احتمال ہوا تو اب جس سورت سے اس کو زیادہ مناسبت اور مشابہت ہوگی، وہ اس احتمال کا زیادہ محل ہوگی اور وہ انفال تھی، اس لئے دونوں کو پاس پاس لکھ دیا۔ پہلے سوال کا جواب ہوگیا، رہا یہ کہ پاس پاس ہونے کی یہ صورت بھی ہوسکتی تھی کہ براءت کو مقدم رکھتے کہ وہ سبع طوال میں آجاتی اور انفال کو مؤخر کرتے تو اس کی ایک وجہ تو پہلے سوال کے جواب سے ظاہر ہوگئی، جس کا اس کے انتہائی ظاہر ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذکر نہیں فرمایا، وہ یہ کہ اس صورت میں سورۂ براءت میں انفال کے جزء ہونے کے احتمال کی رعایت نہ ہوتی، بلکہ جس سورت کے بعد وہ رکھی جاتی اس کا جزء ہونے کا احتمال ہو جاتا، جو کہ مطلوب کے خلاف ہے، مگر حضرت عثمانؓ نے ایک اور مستقل جواب بھی دیا ہے کہ انفال نزول کے اعتبار سے شروع کی سورتوں میں تھی اور براءت آخر کی سورتوں میں، اور انفال کو مقدم اور براءت کو مؤخر رکھنے کا تقاضا ہے۔ اور اس تقاضہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی، لہٰذا انفال کا سبع طوال میں داخل ہونا کہ وہ مقدم ہیں، براءت کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہوا، اور یہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بسم اللہ امن و امان ہے، اور یہ سورت اس امان کو ختم کرنے کے لئے آئی ہے، تو یہ علت نہیں، بلکہ نکتہ کے طور پر ایک حکمت ہے، اور اصل علت وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

سے نقل کی گئی۔ واللہ اعلم

پانچواں فائدہ: جب سورۂ براءت پر بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ معلوم ہوگئی کہ سورت کا جز ہونے کا احتمال ہے، تو ثابت ہوا کہ جو شخص خود اس سورت سے قراءت شروع کرے یا اس کے درمیان سے کہیں سے پڑھنا شروع کرے تو ان دونوں حالتوں میں وہ بسم اللہ پڑھے، اور جو اوپر سے پڑھتا آرہا ہو، وہ بغیر بسم اللہ کے اس سورت کو شروع کردے۔ جیسا کہ مطلق تمام سورتوں کے اجزا کا یہی حکم ہے، چنانچہ آج کل حافظوں نے جو یہ دستور نکالا ہے کہ پہلی دو حالتوں میں بھی بسم اللہ نہیں پڑھتے بلکہ تینوں حالتوں میں ایک گڑھی ہوئی عبارت: أعوذ باللہ من النار: پڑھا کرتے ہیں، اس سے پہلے والی دو حالتوں میں دو بدعتیں لازم آتی ہیں: ایک بسم اللہ نہ پڑھنا اور دوسرے وہ گڑھی ہوئی عبارت پڑھنا، اور آخر والی حالت میں ایک بدعت لازم آتی ہے یعنی وہ عبارت پڑھنا، لہٰذا مجموعی طور پر تینوں حالتوں میں پانچ بدعتوں کا ارتکاب ہوتا ہے، جیسے کوئی سورت کے کسی اور جزء کے ساتھ یہی معاملہ کرنے لگے، یقیناً وہ سنت کے خلاف ہوگا، خوب سمجھ لو۔

الحمدللہ جو فوائد مقصود تھے وہ ختم ہوئے، اب دوسرے اور تیسرے فائدہ کو پیش نظر رکھ کر تفسیر پڑھے تاکہ کوئی الجھن باقی نہ رہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے دست برداری ہے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا۔ سو تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو، اور یہ جان رکھو کہ تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کریں گے۔ اور اللہ اور رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان

کیا جاتا ہے کہ اللہ اوراس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں اُن مشرکین سے، پھر اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم نے اعراض کیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کرسکو گے۔ اور ان کافروں کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔ ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا، پھر انھوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی، سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت تک پورا کرو۔ واقعی اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ سو جب اشہر حرم گذر جاویں تو ان مشرکین کو جہاں چاہو مارو، پکڑو، باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں میں ان کی تاک میں بیٹھو، پھر اگر توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے، بڑی رحمت کرنے والے ہیں، اور اگر کوئی شخص مشرکین میں سے پناہ کا طالب ہو تو آپ اس کو پناہ دیجئے، تاکہ وہ کلام الٰہی سن لے، پھر اس کو اس کے امن کی جگہ میں پہنچا دیجئے، یہ حکم اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے۔

تیسری اور چوتھی جماعت کا حکم:

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں (کے عہد) سے دست برداری ہے جن سے تم نے (مدت کی تعیین کے بغیر) عہد کر رکھا تھا (یہ تیسری جماعت کا حکم ہے اور چوتھی جماعت یعنی جن سے کچھ بھی عہد نہ تھا ان کا یہی حکم اس سے بدرجۂ اولیٰ سمجھ میں آ گیا کہ جن لوگوں سے معاہدہ تھا، جب ان سے امان ختم کردیا تو جن سے معاہدہ نہیں ہے ان سے تو امن کا احتمال پہلے سے بھی نہیں ہے) تو (ان دونوں جماعتوں کو اطلاع کردو کہ) تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو (اجازت ہے تاکہ اپنا موقع اور پناہ ڈھونڈ لو) اور (اس کے ساتھ) یہ (بھی) جان رکھو کہ (اس مہلت کی بدولت صرف مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچ سکتے ہو، لیکن) تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتے (کہ اس کے قبضہ سے نکل سکو) اور یہ (بھی جان رکھو) کہ بیشک اللہ تعالیٰ (آخرت میں) کافروں کو رسوا کریں گے (یعنی عذاب دیں گے۔ تمہارا چلنا پھرنا اس سے نہیں بچا سکتا اور دنیا میں قتل کا احتمال الگ رہا، اس میں توبہ کی ترغیب ہے)

پہلی اور دوسری جماعت کا حکم:

اور (پہلی اور دوسری جماعت کا حکم یہ ہے کہ) اللہ اور رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں (کوئی میعاد مقرر کئے بغیر ابھی) ان مشرکوں (کو امن دینے) سے دست بردار ہوتے ہیں (جنھوں نے خود عہد توڑا، اس سے پہلی جماعت مراد ہے، مگر) پھر (بھی ان سے کہا جاتا ہے کہ) اگر تم (کفر سے) توبہ کرلو تو تمہارے لئے (دونوں جہاں میں) بہتر ہے (دنیا میں تو اس لئے کہ تمہاری عہد شکنی معاف ہوجائے گی اور قتل سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں ظاہر ہے کہ نجات ہوگی) اور اگر تم نے (اسلام سے) منہ پھیرا تو یہ سمجھ رکھو

کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے (کہ کہیں نکل کر بھاگ جاؤ)

اور (آگے اللہ کو عاجز نہ کر سکنے کی تفسیر ہے کہ) ان کافروں کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے (جو آخرت میں واقع ہوگی، یہ تو یقینی ہے اور دنیا کی سزا کا احتمال الگ ہے، مطلب یہ ہوا کہ اگر اعراض کیا، منہ پھیرا تو سزا بھگتو گے) البتہ وہ مشرک (اس دست برداری اور امان ختم کرنے سے) مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا، پھر انھوں نے (عہد پورا کرنے میں) تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلہ میں (تمہارے) کسی (دشمن) کی مدد کی (اس سے دوسری جماعت مراد ہے) تو ان کے معاہدہ کو (مقررہ) مدت تک پورا کردو (اور بدعہدی نہ کرو، کیونکہ) واقعی اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں (لہٰذا اگر تم احتیاط رکھو گے تو تم بھی حق تعالیٰ کے پسندیدہ ہو جاؤ گے۔

آگے پہلی جماعت کا تتمہ ہے کہ جب انہیں کوئی مہلت نہیں تو اگرچہ ابھی ان سے قتال کی گنجائش ہو سکتی تھی، لیکن ابھی محرم کے ختم تک کہ اشہر حرم قتال کے لئے مانع ہیں) تو (ان کے گذرنے کا انتظار کرلو اور) جب اشہر حرم گذر جائیں تو (اس وقت) پہلی جماعت کے ان مشرکوں کو جہاں ملیں مارو، پکڑو، باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں میں ان کی تاک میں بیٹھو (یعنی لڑائی میں جو جو کچھ ہوتا ہے، سب کی اجازت ہے)

پھر اگر (وہ لوگ کفر سے) توبہ کرلیں اور (اسلام کے کام کرنے لگیں یعنی مثلاً) نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں، تو ان کا راستہ چھوڑ دو (یعنی قتل، قید وغیرہ کچھ مت کرو، کیونکہ) واقعی اللہ بڑی مغفرت کرنے والے، بڑی رحمت کرنے والے ہیں (اس لئے ایسے شخص کا کفر بخش دیا، اور اس کی جان بچالی اور یہی حکم باقی جماعتوں کی میعادیں گزرنے کے بعد ان کا ہوگا)

اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے (قتل سے اباحت کے زمانہ میں امن کی میعاد ختم ہونے کے بعد توبہ اور اسلام کے فوائد و برکات سن کر اس طرف راغب ہو اور سچائی اور اسلام کی حقیقت کی تلاش کی غرض سے آپ کے پاس آکر) آپ سے پناہ کا طالب ہو (تاکہ اطمینان سے سن سکے اور سمجھ سکے) تو (ایسی حالت میں) آپ اس کو پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام الٰہی (اس سے مطلق دین حق کے دلائل مراد ہیں) سن لے پھر (اس کے بعد) اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجئے (یعنی پہنچنے دیجئے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر اپنی رائے قائم کرلے) یہ حکم (اتنی پناہ دینے کا) اس سبب سے (دیا جاتا) ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے (اس لئے تھوڑی مہلت دینا ضروری ہے)

اوپر کی آیتوں کی تفسیر سے متعلق تنبیہات:

پہلی آیت میں ﴿عٰهَدْتُّمْ﴾ یعنی عہد میں کسی متعین مدت کا ذکر نہ کرنا تیسری جماعت مراد لینے کا قرینہ ہے، لہٰذا ان کے حکم پر تو نص کی عبارت سے دلالت ہوتی ہے، اور چوتھی جماعت کا حکم نص کی دلالت سے ثابت ہو جائے گا، جیسا

کہ ترجمہ کے درمیان اس کی وضاحت بیان کی گئی۔

اور تیسری آیت میں جو ﴿ بَرِيٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ آیا ہے، یہ ﴿ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ بعد والی آیت کے جز یعنی ﴿ إِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ ﴾ کے مقابلہ میں آیا ہے، اور مقابلہ کا قرینہ استثنا ہے، اس مقابلہ سے معلوم ہوا کہ گذشتہ آیت میں عہد توڑنے والے مشرک مراد ہیں، اور وہ پہلی جماعت ہیں، اور چوتھی آیت میں ﴿ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ ﴾ اور ﴿ إِلٰى مُدَّتِهِمْ ﴾ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں دوسری جماعت مراد ہے، اور پہلی جماعت کے ذکر میں براءت کے ساتھ ﴿ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ ﴾ یعنی چار مہینے نہ ہونا جیسا کہ پہلی آیت میں آیا ہے، اس بات کا قرینہ ہے کہ ان کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں، پھر آگے پانچویں آیت میں مانع یعنی رکاوٹ کے وجود پر تنبیہ کردی کہ چاہے ان کے لئے امن کی کوئی میعاد مقرر نہیں، مگر اشہر حرم کی وجہ سے اس وقت اجازت نہیں، یا تو اس وجہ سے کہ اس وقت تک ان کی حرمت باقی ہوگی، پھر منسوخ ہوگئی، چاہے منسوخ کرنے والا حکم ہمارے علم میں متعین نہ ہو، لیکن جس طرح علماء کا اس کے منسوخ ہونے پر اجماع ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ناسخ ضرور ہوگا، جس کی وجہ سے سب کا اجماع ہوگیا، کیونکہ اس امت کا گمراہی پر متفق ہونا شریعت میں محال ہے، اور یا اس وجہ سے کہ چاہے اس وقت بھی ان کی حرمت باقی نہ ہو، مگر اس مصلحت سے کہ قریش بلکہ تمام عرب میں ان کی حرمت پہلے سے مشہور تھی اور اس پر عوام وخواص کا عمل تھا، اور جلدی ہی ان کا حدود سے نکالا جانا تجویز ہوچکا تھا، تو تھوڑے دنوں کے لئے مسلمانوں پر بدنامی کا داغ کیوں لگایا جائے، جیسا کہ روح المعانی میں یہ احتمال نقل کیا گیا ہے۔ اور سب جماعتیں تھوڑی تھوڑی مدت سے فائدہ اٹھائیں گی تو مناسب ہے کہ انہیں بھی کچھ حصہ دیا جائے، چاہے یہ اس کے مستحق نہ ہوں۔

اور پہلی جماعت کے جو دو حکم بیان کئے کہ رکاوٹ کے دور ہونے کے بعد قید اور قتل اور اسلام قبول کرلینے کی صورت میں راستہ کھلا چھوڑ دینا، یہ دونوں حکم باقی جماعتوں میں بھی مشترک ہیں۔ چنانچہ دوسری اور تیسری آیت میں ﴿ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ﴾ سے اس ترغیب اور ترہیب کی طرف اشارہ ہے۔ البتہ چوتھی آیت میں اس وجہ سے کہ استثنا والا کلام اپنے سے پہلے والے کلام کا محتاج ہوتا ہے، اور اس لئے اس کے ساتھ متحد کی طرح ہوتا ہے، اور چونکہ اس سے پہلے یہ ترغیب وترہیب یعنی ڈرانا بیان ہو ہی چکے ہیں، شاید اس لئے وہاں ان کا ذکر نہ کیا گیا ہو، اور ترغیب وترہیب کا دو جگہ اشارہ کے طور پر ذکر ہونا اور ایک جگہ صراحت کے ساتھ ہونا شاید اس لئے ہو کہ یہ لوگ عہد توڑنے کی وجہ سے اس تصریح کے زیادہ محتاج ہیں۔

اور یہاں اسلام کے حکم اور اعراض یعنی منہ پھیرنے پر اکتفا کرنا اور جزیہ کا ذکر نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ عرب کے کافروں سے جزیہ نہیں لیا جاتا، لہٰذا اخذ یعنی پکڑنے اور حصر یعنی باندھنے سے قتال کرنے والوں کا غلام بنانا مراد نہیں ہوگا، البتہ دوسرے کافروں کا غلام بنانا دلائل شرعیہ سے واضح طور پر ثابت ہے۔

اور جن لوگوں کو چار مہینے کی مہلت تھی، ان کے لئے چار ماہ کے گذرنے کی تصریح نہ ہونا جیسا کہ عہد شکنی کرنے والوں کے لئے ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ﴾ فرمایا، اس وجہ سے ہے کہ وہاں ضرورت نہ تھی، کیونکہ چار ماہ کی قید خود ہی اس پر دلالت کرتی ہے، عہد شکنی کرنے والوں کے برخلاف کہ ان سے مہلت نہ ہونے پر فوری طور پر قتال کا تقاضا تھا، اس لئے مانع کی حد بتائی۔ غرض مطلق کو قید کی ضرورت ہے، مقید کو نہیں، اور اس کے باوجود کہ پہلی آیت میں بھی براءت کا عام اعلان مقصود ہے، لیکن تیسری آیت میں اس کی تصریح شاید اس لئے ہو کہ اس میں عہد شکنی کرنے والوں کا بیان ہے۔ یہاں اعلان عام کی تصریح الفاظ کے لحاظ سے بھی مناسب ہے، تاکہ ان کا غدر اور مسلمانوں کا عذر واضح طور پر مشہور ہو جائے۔ اور اس کے باوجود کہ نماز کا قائم کرنا وغیرہ قبول کرنے میں شرط نہیں، لیکن یہ اظہار سے کنایہ ہے کہ اس پر بندوں کے نزدیک احکام کا دارومدار ہے، اور نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی تخصیص بطور مثال ہے۔ اور براءت کی اللہ اور رسول کی طرف نسبت، باوجودیکہ معاہدہ کرنا اور اس کا ختم کرنا مسلمانوں سے متعلق ہے، اس وجہ سے ہے کہ اس معاہدہ کا ختم کرنا احکام مقصورہ کی طرح واجب ہو گیا تھا، صحابہ کو اس میں اختیار نہیں تھا، جیسا کہ عام معاملات کرنے اور ان کو فسخ کرنے میں اختیار ہوتا ہے۔ اور یہ حکم جماعتوں کے درمیان مشترک ہوتے ہیں کہ پناہ دو اور پھر امن کی جگہ میں پہنچنے دو۔ اب علماء کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے، جیسا کہ روح المعانی میں سعید بن عروبہ کا یہی قول منقول ہے، اور انھوں نے اس کو نسخ کرنے والا ﴿ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً ﴾ کو کہا ہے۔ احقر کہتا ہے کہ فقرہ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ ﴾ الخ اسی کی تائید کرتا ہے، کیونکہ اب اسلام کے مضامین کی خبر عام ہو گئی، علم نہ ہونے کی علت ختم ہو گئی، اور مستحب ہے کہ مہلت دی جائے، مگر اس کی مقدار کا انحصار امام کی رائے پر ہے، اور حج اکبر کہنے کا مطلب عمرہ سے بچنا ہے کہ اسے حج اصغر کہا جاتا ہے، اس کو طبری نے عطاء، عامر، مجاہد، عبد اللہ بن شداد رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کیا ہے۔ اور مذکورہ تفسیر میں اشہر حرم اپنے ظاہری معنی پر محمول رہا۔ اور کوئی تکلف بھی نہیں ہوا، اس کے برخلاف اشہر حرم کو لغوی معنی پر محمول کر کے اس کو ربیع الآخر کی ۱۰ تاریخ پر ختم سمجھا جائے، یا اس کے ظاہری معنی لے کر اس کی ابتدا نزول کے زمانہ یعنی شوال سے لی جائے کہ پہلی صورت میں تکلف ظاہر ہے اور دوسری صورت میں ﴿ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ﴾ سے اس کا مراد ہونا نفی ہے، جو اعلان کے وضع کے خلاف ہے۔

﴿ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ۙ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ: ان مشرکوں کا عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہے گا، مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا ہے، سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں، کیسے حالانکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا۔ یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے، اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔ انھوں نے احکام الٰہیہ کے عوض متاع ناپائیدار کو اختیار کر رکھا ہے، سو یہ لوگ اللہ کے رستے سے ہٹے ہوئے ہیں، یقیناً یہ ان کا عمل بہت ہی برا ہے۔ یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا۔ اور یہ لوگ بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں۔ سو اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہو جاویں گے، اور ہم سمجھ دار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو تم لوگ اس قصد سے کہ یہ باز آجاویں ان پیشوان کفر سے لڑو ان کی قسمیں نہیں رہیں۔ تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کر دینے کی تجویز کی اور انھوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی، کیا ان سے ڈرتے ہو، سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے مسلمانوں کے قلوب کو شفا دے گا۔ اور ان کے قلوب کے غیظ کو دور کرے گا۔ اور جس پر منظور ہوگا اللہ تعالیٰ توجہ فرما دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے، حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور اللہ اور رسول اور مؤمنین کے سوا کسی کو خصوصیت کا دوست نہ بنایا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کو خبر ہے تمہارے سب

کاموں کی۔

فتح مکہ سے متعلق پہلی جماعت کا حکم:

(پہلی جماعت نے جو عہد شکنی کی تھی، ان کی عہد شکنی سے پہلے پیشین گوئی کے طور پر فرماتے ہیں کہ) قریش کے (ان مشرکوں کا عہد، اللہ کے اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے (قابل رعایت) رہے گا؟ (کیونکہ رعایت تو اس عہد کی ہوتی ہے جس کو دوسرا شخص خود نہ توڑے، ورنہ رعایت باقی نہیں رہتی، مطلب یہ کہ یہ لوگ عہد کو توڑیں گے تو اس وقت اس طرف سے بھی رعایت نہ ہوگی) مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام (یعنی حرم) کے نزدیک عہد لیا ہے (اس سے دوسری جماعت مراد ہے، جن کا استثنا اوپر بھی ﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ﴾ الخ میں آچکا ہے، یعنی ان سے امید ہے کہ یہ عہد کو قائم رکھیں گے) تو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں (یعنی عہد نہ توڑیں) تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو (اور ان سے عہد کی مدت پوری کر دو، چنانچہ براءت کے نزول کے زمانہ میں اس مدت میں نو ماہ باقی رہے تھے، اور ان کے عہد شکنی نہ کرنے کی وجہ سے ان کی یہ مدت پوری کر دی گئی) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں (لہٰذا تم بھی احتیاط رکھ کر حق تعالیٰ کے پسندیدہ بن جاؤ گے، یہ استثنا کرنے کے بعد پھر پہلی جماعت کی طرف لوٹتے ہیں کہ ان کا عہد قابل رعایت) کیسے (رہے گا، یعنی وہ لوگ عہد پر کب اور کہاں قائم رہیں گے) حالانکہ ان کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس (ولحاظ) کریں اور نہ ہی قول وقرار کا (کیونکہ ان کی یہ صلح مجبوری اور جہاد کے خوف کی وجہ سے ہے، دل سے نہیں ہے، لہٰذا) یہ لوگ تمہیں (صرف) اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں، اور ان کے دل (ان باتوں کو) نہیں مانتے (چنانچہ جب دل سے اس عہد کو پورا کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو کیا پورا ہوگا) اور ان میں زیادہ لوگ شرپسند ہیں کہ عہد کو پورا کرنا نہیں چاہتے، اور اگر کوئی پورا کرنا بھی چاہتا ہو تو زیادہ کے سامنے اکا دکا کی کب چلتی ہے، اور ان کے شرپسند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) انھوں نے اللہ کے احکام کے بدلہ (دنیا کی) متاع ناپائیدار کو اختیار کر رکھا ہے (جیسا کہ کفار کی حالت ہوتی ہے کہ وہ دین کو چھوڑ کر اس پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب دنیا زیادہ محبوب ہوگی تو جہاں عہد شکنی میں دنیاوی غرض حاصل ہوتی نظر آئے گی تو اس میں کوئی پروا نہیں ہوگی، اس شخص کے برخلاف جو دین کو ترجیح دیتا ہے، وہ اللہ کے احکام عہد پورا کرنے وغیرہ کا پابند ہوگا) تو (اس طرح دین پر دنیا کو ترجیح دینے کی وجہ سے) یہ لوگ اللہ کے (سیدھے) راستہ سے (جس میں عہد کا پورا کرنا بھی داخل ہے) ہٹے ہوئے ہیں (اور) یقیناً ان کا یہ عمل بہت ہی برا ہے (اور ہم نے جو اوپر کہا ہے ﴿لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ﴾ الخ تو اس میں تمہاری کوئی خصوصیت نہیں۔ ان کی تو یہ حالت ہے کہ) یہ لوگ کسی (بھی) مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کا لحاظ رکھیں اور نہ قول وقرار کا۔ اور یہ لوگ (خاص طور سے اس بارے میں) بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں، تو (جب ان کے

عہد پر اعتماد واطمینان نہیں بلکہ عہد شکنی کا احتمال بھی ہے، جیسا کہ اس کی مخالف جانب کا بھی احتمال ہے، اس لئے ہم ان کے بارے میں تفصیلی حکم سناتے ہیں کہ) اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کرلیں (یعنی مسلمان ہوجائیں) اور اس اسلام کو ظاہر بھی کردیں، مثلاً) نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں، تو (پھر ان کی عہد شکنی وغیرہ پر بالکل نظر نہ ہوگی، چاہے انھوں نے کچھ بھی کیا ہو، اسلام قبول کرلینے سے) وہ تمہارے دینی بھائی ہوجائیں گے (اور پچھلا کیا ہوا سب معاف ہوجائے گا) اور ہم سمجھ دار لوگوں (کو بتانے) کے لئے احکام کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں (چنانچہ اس مقام پر بھی ایسا ہی کیا گیا ہے) اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں (عہدوں) کو توڑ ڈالیں (جیسا کہ ان کی حالت سے غالب ہے) اور (عہد توڑ کر ایمان بھی نہ لائیں بلکہ اپنے کفر پر قائم رہیں، جس کا اثر یہ ہے کہ) تمہارے دین (اسلام) پر طعنہ زنی (واعتراض) کریں تو (اس حالت میں) تم لوگ اس قصد سے کہ یہ (اپنے کفر سے) باز آجائیں، کفر کے ان پیشواؤں سے (خوب) لڑو (کیونکہ اس صورت میں ان کی قسمیں (باقی) نہیں رہیں (یہاں تک عہد شکنی سے پہلے کی پیشین گوئی ہوچکی۔ آگے عہد شکنی ہوجانے کے بعد قتال کی ترغیب ہے کہ) تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا (اور بنوخزاعہ کے مقابلہ میں بنوبکر کی مدد کی) اور رسول (ﷺ) کو جلاوطن کردینے کی تجویز کی، اور خود انھوں نے پہلے تم سے چھیڑ چھاڑ کی (کہ تمہاری طرف سے عہد کو پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں ہوئی، انھوں نے بیٹھے بٹھائے خود ایک شوشہ چھوڑا، تو ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو) کیا ان سے (لڑنے میں) ڈرتے ہو؟ (کہ ان کے پاس سامان وجمعیت زیادہ ہے) تو (اگر یہ بات ہے تو ہرگز ان سے مت ڈرو، کیونکہ) اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو (اور ان سے ڈرنے کا یہ تقاضا ہے کہ ان کے حکم کے خلاف مت کرو، اور وہ قتال کا حکم دیتے ہیں تو) ان سے لڑو اور اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ) انھیں تمہارے ہاتھوں سزا دے گا، اور انھیں ذلیل (وخوار) کرے گا اور تمہیں ان پر غالب کرے گا اور (انھیں اس طرح عذاب دینے اور تمہاری نصرت کرنے کا ذریعہ) بہت سے (ایسے) مسلمانوں کے دلوں کو شفا دے گا اور ان کے دلوں کے غیظ (وغضب) کو دور کردے گا (جو خود مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے اور ان کی حرکتوں کو دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھتے ہیں) اور (انہی کفار میں سے) جس پر (توجہ وفضل کرنا) منظور ہوگا، اللہ تعالیٰ توجہ (بھی) فرمادے گا (یعنی مسلمان ہونے کی توفیق دے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر بعض لوگ لڑے اور ذلیل وخوار اور مقتول ہوئے، اور بعض مسلمان ہوگئے) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں (کہ اپنے علم سے ہر ایک کا انجام جانتے ہیں کہ اسلام ہے یا کفر۔ اور اسی لئے اپنی حکمت سے مناسب احکام مقرر فرماتے ہیں۔ اور تم جو لڑنے سے جی چراتے ہو، بعض ہی سہی تو) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی (اسی حالت پر) چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے (ظاہری طور پر) ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے (ایسے موقع پر) جہاد کیا ہو، اور اللہ اور رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی کو خصوصی دوست نہ بنایا ہو (جس کے ظاہر ہونے کا اچھا ذریعہ ایسے موقع کا جہاد ہے جہاں مقابلہ

اپنے اعزاء واقارب سے ہوکر پورا امتحان ہوجاتا ہے کہ کون اللہ کو چاہتا ہے اور کون برادری کو چاہتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری پوری خبر ہے (لہٰذا جہاد میں چستی کروگے یا سستی، اسی کے مطابق تمہیں جزادے گا)

فائدہ: اوپر جو فقرہ ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ ﴾ الخ آیا ہے، اس کی تفسیر بھی درمنثور میں دوسری جماعت یعنی بنی ضمرہ اور بنی کنانہ سے کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ میں ان سے بھی خاص گفتگو ہوئی ہوگی۔ لہٰذا دونوں جگہ مستثنیٰ کا مصداق واحد ہے۔ بیضاوی میں اسی کی تصریح ہے، اور اس کی تکرار اس لئے نہیں کہ اس میں استقامت کے ظہور سے پہلے کے حال کا ذکر ہے، اور اوپر استقامت کے ظہور کے بعد کا، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ ﴾ الخ واللہ اعلم۔

اور ﴿ قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ ﴾ الخ کے بارے میں اس کے نسبت فتح سے پہلے کے نازل ہونے کو تمہید کے دوسرے فائدہ میں نقل کرچکا ہوں۔ اور اس سے اوپر کی آیت میں ﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا ﴾ الخ کے مضمون سے اس کا نزول بھی فتح سے پہلے اور عہد شکنی کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ اور اس سے پہلے ﴿ اِنْ نَّكَثُوْۤا ﴾ عہد شکنی سے پہلے نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا بدرجۂ اولیٰ فتح مکہ سے پہلے اس کا نزول ہوگا۔ اور اس کے اوپر کی آیتیں اسی مضمون کے مناسب ہیں، لہٰذا ان سب کا نزول غالب گمان یہی ہے کہ فتح سے پہلے ہے، اس لئے پہلے کی آیتوں کو پیشین گوئی پر محمول کیا گیا۔

اور ﴿ فَاِنْ تَابُوْا ﴾ اور ﴿ اِنْ نَّكَثُوْۤا ﴾ کے علاوہ ایک تیسری شق إن بذلوا الجزیة کا بھی احتمال تھا، لیکن چونکہ یہاں گفتگو کفار عرب کے سلسلہ میں ہے، اس لئے اس شق کی گنجائش نہیں ہے، اسی وجہ سے ﴿ یَنْتَهُوْنَ ﴾ کی تفسیر کفر سے کی گئی، البتہ براءت کی آیتوں کے نزول سے پہلے صلح کے طور پر معاہدہ کرلینے کی اجازت تھی۔ ان آیتوں سے اس کی اجازت بھی ختم ہوگئی، اب یا تو اسلام ہے یا تلوار۔ چنانچہ درمنثور میں ہے کہ پھر آپ نے ان میں سے کسی سے معاہدہ نہیں کیا، اور سابقہ معاہدوں کے سلسلہ میں صاف جواب دیدیا، اور قریش کے کفار نے صرف جلاوطن کرنے ہی کی تجویز نہیں کی تھی، بلکہ آخر میں قتل کی رائے قرار پائی تھی، مگر اوروں کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وطن سے نکالا جانا سب سے ہلکا معاملہ ہے، لہٰذا یہ بتادیا کہ جب وطن سے نکالے جانے کا عزم ہی امر منکر یعنی برا عمل ہے تو اس سے زیادہ سخت تو اور بھی زیادہ برا ہوگا۔

التماس: ان دو رکوع کی تفسیر میں کئی سال سے مجھے پریشانی اور خلجان کا سامنا رہتا ہے، اس سلسلہ میں میں نے جو کچھ لکھا ہے یہ میری کوشش کی انتہا ہے، اگر کسی کی نظر یا ذہن میں اس سے احسن، بہتر اور آسان تفسیر آئے تو وہ اس کو اختیار کرکے مجھے معذور سمجھے، اور میری لغزش کے عفو کی دعا کرے۔

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِينَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جس حالت میں وہ خود اپنے کفر کا اقرار کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کے سب اعمال اکارت ہیں اور دوزخ میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں، اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں، سو ایسے لوگوں کی نسبت توقع ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جاویں گے۔ کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجدِ حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کی برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو، اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ یہ لوگ برابر نہیں اللہ کے نزدیک۔ اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ترکِ وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا وہ درجہ میں اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور ایسے باغوں کی کہ ان کے لئے ان میں دائمی نعمت ہوگی، ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

ربط: اوپر مشرکوں کی بداعمالیوں کا ذکر تھا، چونکہ انہیں اپنے بعض اعمال جیسے مسجد حرام کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے وغیرہ پر فخر تھا، اس لئے اب سابق مضمون کے اہتمام کے لئے ان کے فخر کرنے کا ان چند آیتوں میں جواب دیتے ہیں، اور اسی کے ضمن میں مسلمانوں کے ایک اختلافی مسئلہ کا جواب ہے، جس میں اس وقت گفتگو ہوئی تھی کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل مسجدِ حرام کی تعمیر ہے یا حاجیوں کو پانی پلانا یا جہاد؟ آیت ﴿اَجَعَلْتُمْ﴾ الخ میں جواب دیتے ہیں۔

مشرکوں کے فخر کرنے کا جواب اور بعض اعمال میں مسلمانوں میں اختلاف کا حل:

مشرک اس لائق ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو (جن میں مسجدِ حرام بھی آگئی) آباد کریں، اس حالت میں کہ وہ خود اپنے اوپر (کفر کی باتوں) کا اقرار کر رہے ہیں (چنانچہ وہ خود اپنا مشرب بتاتے وقت ایسے عقائد کا اقرار کرتے تھے جو واقع

میں کفر ہیں، مطلب یہ کہ اگر چہ مسجدوں کی تعمیر پسندیدہ عمل ہے، لیکن شرک کے باوجود جو کہ ایمان کا منافی ہے، اس عمل کی اہلیت ہی مفقود ہے، اور وہ بالکل ناقابل اعتبار ہے، پھر فخر کی کیا گنجائش ہے؟ ان (مشرکوں) کے تمام اعمال (نیک یعنی مسجد کی تعمیر وغیرہ، اکارت (اور ضائع) ہیں (کیونکہ ان کی قبولیت کی شرط نہیں پائی جاتی، پھر ضائع جانے والے پر فخر کیا) اور وہ لوگ ہمیشہ (دوزخ میں رہیں گے، کیونکہ جو عمل نجات کا سبب بننے والا تھا، وہ ضائع ہی ہوگیا تھا) ہاں مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے (یعنی کمال کے ساتھ ان کا عمل قبول کیا جاتا ہے) جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر (دل سے) ایمان لائیں اور (جسم کے ظاہری اعضاء سے اس کا اظہار بھی کریں مثلاً اس طرح کہ) نماز کی پابندی کریں، اور زکوٰۃ دیں اور (اللہ پر ایسا توکل یعنی اعتماد و بھروسہ رکھتے ہوں کہ (اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں، تو ایسے لوگوں کی نسبت توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود (یعنی جنت و نجات) تک پہنچ جائیں گے (کیونکہ ان کا عمل ایمان کی وجہ سے مقبول ہوگا، اس لئے آخرت میں نفع ہوگا اور مشرک اس شرط سے محروم ہیں، لہٰذا عمل کے پھل سے بھی محروم ہیں، اور بے نتیجہ عمل پر فخر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں) کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص (کے عمل) کی برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو، اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو (وہ عمل ایمان اور جہاد ہے، یعنی یہ اعمال برابر نہیں اور جب اعمال برابر نہیں تو) یہ (عمل کرنے والے) لوگ (بھی آپس میں) اللہ کے نزدیک برابر نہیں (غرض نہ عمل آپس میں برابر اور نہ ہی عمل کرنے والے آپس میں برابر، سیاق کے قرینہ سے مقصود ہے کہ ایمان اور جہاد میں سے ہر ایک عمل (حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد تعمیر کرنے سے افضل ہے، یعنی ایمان بھی دونوں سے افضل ہے، اور اس سے مشرکوں کا جواب ہوگیا کہ ان میں ایمان نہ تھا اور جہاد بھی دونوں سے افضل ہے، اس سے بعض مؤمنوں کا جواب ہوگیا جو کہ ایمان کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد کرنے کو جہاد پر فضیلت دیتے تھے) اور (یہ مذکورہ امر بہت ہی ظاہر ہے، لیکن) جو لوگ بے انصاف ہیں (مشرک مراد ہیں) اللہ تعالیٰ انہیں سمجھ نہیں دیتا (اس لئے وہ نہیں مانتے، ایمان والوں کے برخلاف کہ وہ اس تحقیق کو فوراً مان گئے، آگے اس مضمون کی تصریح ہے جو اوپر ﴿ لَا يَسْتَوُنَ ﴾ سے مقصود تھا، یعنی) جو لوگ ایمان لائے اور (اللہ کے واسطے) انہوں نے وطن ترک کیا، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا، وہ اللہ کے نزدیک، درجہ میں (پانی پلانے والوں اور مسجد کو آباد کرنے والوں کے مقابلہ میں) بہت بڑے ہیں (کیونکہ اگر پانی پلانے والوں اور مسجدوں کو آباد کرنے والوں میں ایمان نہ ہو تب تو یہ بڑائی انہی مؤمنوں مہاجروں اور مجاہدوں میں سمٹی ہوئی ہے، اور اگر ایمان ہو تو اگر چہ وہ بھی بڑے ہیں، مگر یہ زیادہ بڑے ہیں) اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں (کیونکہ اگر ان کے مقابلہ والوں میں ایمان نہ ہو تب تو کامیابی انہی میں سمٹی ہوئی ہے، اور اگر ایمان ہو تو کامیابی مشترک ہے، لیکن ان کی کامیابی ان سے اعلیٰ درجہ کی ہے۔ آگے اس درجہ اور کامیابی کا بیان ہے کہ) ان کا رب انہیں اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور (جنت کے) ایسے باغوں کی بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے ان (باغوں) میں ہمیشہ کی نعمت ہوگی

(اور) ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلا شبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے (اس میں سے انہیں دیا جائے گا)

فائدہ: آیت ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ الخ کی جو تفسیر بندہ نے اختیار کی ہے، اس کی بنیاد پر اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ ان کے یہ اعمال مقبول نہیں اور یہ بات کہ اگر کافر مسجد بنائے یا اس کی خدمت وغیرہ کرے تو اس کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟ اس مسئلہ سے آیت میں کوئی تعرض نہیں۔ باقی خود اس مسئلہ کی تحقیق دوسرے دلائل سے یہ ہے کہ اگر وہ کافر اپنے مذہب کی رو سے اس کو ثواب سمجھے تو اجازت دیدی جائے گی ورنہ نہیں، جیسا کہ ہدایہ کتاب الوصیۃ میں ہے۔ البتہ اگر پہلی صورت میں اجازت دینا کسی اسلامی مصلحت کے خلاف ہو تو اجازت نہ ہوگی۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ۧ﴾ ع ۹

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو رفیق مت بناؤ، اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے عزیز رکھیں۔ اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا، سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں۔ اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

ربط: اوپر ہجرت کا ذکر تھا۔ جس میں وطن اور عزیز و اقارب اور اموال و ملکیتوں سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے، جو کہ طبیعت پر شاق معلوم ہوتا ہے، جو کبھی کبھی ہجرت نہ کرنے کا سبب ہو سکتا ہے، اس لئے اب ان تعلقات کے غلبہ کی مذمت فرماتے ہیں۔

آخرت کے تعلقات پر دنیا کے تعلقات کو ترجیح دینے کی مذمت:

اے ایمان والو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق مت بناؤ، اگر وہ لوگ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے) اور تم میں سے جو شخص ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا تو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں (مطلب یہ کہ ہجرت سے ان لوگوں کا تعلق بڑا مانع ہے، اور خود وہی جائز نہیں تو پھر ہجرت میں کیا

دشواری ہے؟ آگے اس مضمون کی زیادہ تفصیل ہے کہ اے محمد! (ﷺ) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہو اور وہ گھر جن (میں رہنے) کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ چیزیں) تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (ہجرت ترک کرنے کی سزا کا) اپنا حکم بھیج دیں (جیسا کہ سورۂ نساء آیت ۹۷ میں ہے) اور اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا (یعنی ان لوگوں کا مقصود ان چیزوں سے فائدہ اٹھانا تھا، وہ بہت جلد ان کی توقع کے خلاف موت واقع ہونے سے منقطع ہوجاتا ہے)

فائدہ: ہجرت سے یہی اندیشے مانع ہوتے تھے کہ عزیز چھوٹ جائیں گے یا دولت اور ملکیتیں تلف ہوجائیں گے، تجارت کا انتظام اور سلسلہ بگڑ جائے گا، یہ آرام کے گھر جن میں اب تک رہتے تھے چھوٹ جائیں گے اور چونکہ ﴿ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ﴾ سے مراد اللہ اور اس کے رسول کے امر پر عمل مراد ہیں، اس میں ہجرت بھی آگئی۔ اور جہاد کی تصریح سے مبالغہ مقصود ہے کہ ہجرت تو پھر بھی آسان ہے، مطلوب تو یہ ہے کہ جہاد کو بھی مذکورہ بالا چیزوں پر ترجیح دی جائے جس میں اپنی جان اور کبھی ان عزیزوں کی جان کو جبکہ ان سے مقابلہ ہوجائے، حقیر و کم تر سمجھنا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں پہلے سورۂ نساء آیت ۹۷ کی تفسیر میں ہجرت کے مسئلہ کی تحقیق گذر چکی ہے، اسے ملاحظہ کرلیا جائے۔ اور ﴿ اسْتَحَبُّوا ﴾ کی جو تفسیر کی گئی ہے، اس سے یہ مسئلہ سامنے آیا کہ جس کافر کے اسلام کی امید ہو تو اسی مقصد سے اس کے ساتھ تعلق رکھنا جائز ہے۔ اور ان اشیاء کا جو زیادہ پیارا ہونا قرار دیا ہے، اس سے وہ محبت مراد ہے جو دنیا میں اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے باز رکھے۔ طبعی میلان مراد نہیں۔

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: تم کو خدا تعالیٰ نے بہت موقعوں میں غلبہ دیا۔ اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہوگیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی، اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی، پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور دوسرے مؤمنین پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل

فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کافروں کو سزا دی۔ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے، بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔

ربط: اوپر براءت اور غزوۂ فتح کا ذکر تھا، اب غزوۂ حنین کا ذکر ہے، اور ان کی آپس میں نسبت ظاہر ہے، اور سورت کی تمہید کے پہلے فائدہ میں بھی ذکر ہوا ہے۔ اوپر اللہ کے سوا سے تعلق منقطع کرنے کا بیان تھا۔ آیت ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ﴾ الخ میں قصہ حنین سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ اللہ کے علاوہ پر نظر رکھنے سے نقصان ہوا اور اللہ کا تعلق کافی اور نافع ہوا۔

غزوۂ حنین کا قصہ:

حنین: مکہ اور طائف کے درمیان میں ایک مقام ہے، یہاں قبیلہ ہوازن اور ثقیف سے فتح مکہ کے دو ہفتہ بعد لڑائی ہوئی تھی، جس میں مسلمان بارہ ہزار تھے اور مشرک چار ہزار، بعض مسلمان اپنا مجمع زیادہ دیکھ کر اس طرح کہ اس سے گھمنڈ ظاہر ہوتا تھا کہنے لگے کہ ہم آج کسی طرح مغلوب نہیں ہو سکتے، چنانچہ پہلے مقابلہ میں کافروں کو شکست ہوئی، بعض مسلمان غنیمت جمع کرنے لگے، اس وقت کفار ٹوٹ پڑے اور وہ بڑے تیر انداز تھے، چنانچہ انھوں نے مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے، جس سے گھبراہٹ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، صرف رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ میدان میں رہ گئے، آپ نے حضرت عباسؓ کے ذریعہ مسلمانوں کو آواز دلائی، پھر سب لوٹ کر دوبارہ کفار کے مدمقابل آگئے، اور آسمان سے فرشتوں کی مدد آئی، آخر کفار بھاگ گئے اور بہت سے قتل ہوئے، بہت سے قید ہوئے اور پھر ان قبائل کے بہت سے آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، اور آپ نے ان کے وہ اہل وعیال جو پکڑے گئے تھے، سب ان کو واپس کر دیئے، جیسا کہ روح المعانی، درمنثور اور صحیح بخاری میں ہے۔

آیت اور تفسیر:

تمہیں اللہ تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت سے موقعوں (بدر وغیرہ) میں (کافروں پر) غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی (جس کا قصہ عجیب وغریب ہے، تمہیں غلبہ دیدیا ہے (جبکہ واقعہ یہ ہوا تھا کہ) تمہیں اپنے مجمع کی کثرت سے گھمنڈ ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی (اور دشمن کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی ہوئی کہ) تم پر زمین اپنی (اس) فراخی کے باوجود تنگی کرنے لگی، پھر (آخر) تم پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (کے دل) پر اور دوسرے مؤمنوں (کے دلوں) پر اپنی طرف سے تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لئے) ایسے لشکر (آسمان سے) نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا (فرشتے مراد ہیں، جس کے بعد تم پھر قتال کے لئے مستعد ہوئے اور غالب آئے) اور (اللہ تعالیٰ نے) کافروں کو سزا دی (کہ ان پر شکست اور قتل اور قید واقع ہوئے) اور یہ کافروں کی (دنیا میں) سزا ہے، پھر اللہ

تعالیٰ (ان کافروں میں سے) جس کو چاہیں تو بہ نصیب کردیں (چنانچہ بہت سے مسلمان ہو گئے) اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے، بڑی رحمت کرنے والے ہیں (کہ جو شخص ان میں سے مسلمان ہوا اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر کے جنت کا مستحق بنادیا)

تفسیر اس قصہ میں جو غلبہ کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ "جبکہ یہ واقعہ ہوا تھا" اس سے صرف ﴿ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ﴾ یعنی تمہیں اپنے مجمع کی کثرت کی وجہ سے گھمنڈ ہو گیا تھا" کا مضمون مراد نہیں کہ یہ شبہ ہو کہ گھمنڈ کی وجہ سے تو مغلوبیت ہوئی تھی، غلبہ نہیں ہوا تھا، بلکہ آخیر تک کا مجموعی قصہ مراد ہے، اور مجموعہ میں غلبہ کا ہونا یقینی ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ رسول پر تسلی نازل ہوئی، اس سے مطلق تسلی مراد نہیں، وہ تو آپ کو بلکہ جو صحابہ آپ کے ساتھ رہ گئے تھے ان کو بھی حاصل تھی، اس وجہ سے ثابت قدم رہے، بلکہ اس سے خاص تسلی مراد ہے، جس سے غلبہ کی امید قریب ہوگئی اور مؤمنوں پر جو تسلی نازل فرمانے کے بارے میں ارشاد فرمایا، ان میں جو آپ کے ساتھ رہ گئے تھے ان پر تسلی نازل ہونے کے معنی تو معلوم ہو ہی گئے اور جو میدان سے ہٹ گئے تھے ان پر تسلی کا نازل ہونا یہی ہے کہ وہ پھر میدان میں آگئے اور یہ جو فرمایا کہ تم نے فرشتوں کو دیکھا نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر نہیں دیکھا، لہٰذا اگر اکا دکا دیکھنا ثابت ہو جائے تو کچھ اشکال نہیں، اور قتل و قید کو کافروں کی سزا قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں وہ واقع ہو، سزا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر جگہ اور سب پر یہ سزا واقع ہو۔

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُواْ ٱلْمَسْجِدَ ٱلْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦٓ إِن شَآءَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! مشرک لوگ نرے ناپاک ہیں، سو یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آنے پاویں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو خدا تم کو اپنے فضل سے اگر چاہے گا محتاج نہ رکھے گا۔ بیشک اللہ خوب جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے۔

ربط: اوپر سورت کے شروع میں براءت کا اعلان تھا۔ اب اسی اعلان کے تتمہ کا ذکر ہے، یعنی سال کے اندر اندر مشرک، حدود حرم سے خارج ہو جائیں۔ اور مسلمانوں کو جو اس اخراج کے حکم سے تردد ہوا تھا کہ تجارت کے مال و سامان کا آنا بند ہو جائے گا تو ساتھ ہی اس بارے میں تسلی ہے۔

براءت کے اعلان کا تتمہ اور مؤمنوں کو تسلی:

اے ایمان والو! مشرک لوگ (اپنے خبیث عقائد کی وجہ سے) بالکل ناپاک ہیں، تو (اس ناپاکی پر جو احکام لازم آئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ) یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام (یعنی حرم) کے پاس (بھی) نہ آنے پائیں (یعنی حرم کے اندر داخل نہ ہوں) اور اگر تمہیں (اس حکم کے جاری کرنے سے اس وجہ سے) مفلسی کا اندیشہ ہو (کہ لین دین کا تعلق

انہی سے زیادہ ہے، جب یہ نہ رہیں گے تو کام کیسے چلے گا؟) تو (تم اللہ پر بھروسہ رکھو) اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا (تمہیں ان کا) محتاج نہ رکھے گا، بیشک اللہ تعالیٰ (احکام کی مصلحتوں کو) خوب جاننے والا ہے (اور ان مصلحتوں کی تکمیل کے بارے میں) بڑا حکمت والا ہے (اس لئے یہ حکم مقرر کیا، اور تمہاری مفلسی کے راستے بند کرنے کا انتظام بھی کر دے گا)

فائدہ: اس امر پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس بارے میں اہل کتاب کفار کا حکم مشرکوں کی طرح ہے۔ اور درمنثور کی ایک روایت اس کی تائید بھی کرتی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے یہودی کے ہاتھ کو مشرک کے ہاتھ کے مثل قرار دیا ہے۔ اور اس نجاست سے عقائد کی نجاست مراد ہے، نہ کہ عین نجاست یا جسموں کا نجس ہونا۔ چنانچہ سنن ابوداؤد کتاب الخراج میں ثقیف کے وفد کو مسجد میں ٹھہرانے کی روایت موجود ہے، اور وہ مشرک تھے۔ اور یہاں مقصود ﴿ لَا يَقْرَبُوا ﴾ کا فرمانا ہے۔ ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ ﴾ میں اس کی ایک حکمت بتادی کہ اس مقام میں ایسے ناپاک دل والوں کا کیا کام۔ اور مسجد حرام سے تمام حرم کا مراد ہونا درمنثور میں عطاء سے مروی ہے۔ اور دوسری حدیثوں میں تمام جزیرۂ عرب کا یہی حکم ثابت ہے، مشرکوں کے لئے بھی اور یہود و نصاریٰ کے لئے بھی، یہ روایتیں درمنثور میں بھی نقل کی گئی ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کی وصیت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام جزیرۂ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا۔ اور فقہ حنفی کے مطابق اس سے اس کو وطن بنانے اور اس پر غلبہ پانے کی شکل میں قریب ہونا اور داخل ہونا مراد ہے کہ یہ ناجائز ہے، ورنہ امام کی اجازت سے مسافر کے طور پر آنے میں اگر امام کے نزدیک خلاف مصلحت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ دوسری آیت ﴿ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ﴾ البقرہ ۱۱۴ کی بعض علماء نے یہی تفسیر کی ہے۔ اور قتادہ کا قول :فلیس لأحد من المشرکین أن یقرب المسجد الحرام بعد عامهم ذلک إلا صاحب الجزیة أو عبد لرجل من المسلمین اس کی تائید کرتا ہے، جسے درمنثور میں روایت کیا ہے۔ اور جب حرم کے اندر آنے کی اجازت دینا جائز ہے تو مسجد حرام بھی اسی حکم میں ہے۔ البتہ حدیث: ألا لا یحجن بعد العام مشرک کی وجہ سے کفار کو حج اور عمرہ کی اجازت نہیں۔ اور جن روایتوں میں مشرکوں سے مصافحہ کرنے کے بعد ہاتھ دھونے کا حکم آیا ہے، وہ سختی اور شدت پر محمول ہے۔ اور اس آیت میں جو ﴿ يُغْنِيكُمُ ﴾ یعنی محتاج نہ رکھنے کا وعدہ آیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا فرمایا کہ تاجر قوموں کو مسلمان کر دیا، اور وہ ہر طرح کا تجارت کا مال مکہ میں لانے لگے، اور ﴿ إِنْ شَاءَ ﴾ کا مطلب وعدہ پورا ہونے کا غیر یقینی ہونے اور جلدی پورا نہ ہونے کے لئے نہیں بلکہ وعدہ کو جلدی پورا کرنے کے لئے ہے کہ اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اللہ کو لمبا چوڑا انتظام کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کی مشیت ہی کافی ہے۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴾ ع۱۰

ترجمہ: اہلِ کتاب جو کہ نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں، ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

ربط: اوپر براءت، فتح مکہ اور حنین میں مشرکوں کے ساتھ قتال کا بیان تھا۔ اب اہل کتاب کے ساتھ قتال کا بیان ہے، گویا یہ غزوۂ تبوک کی تمہید ہے کہ وہ معاملہ بھی اہل کتاب کے ساتھ ہوا تھا۔ چنانچہ مجاہد سے درمنثور میں اس آیت کا غزوۂ تبوک ہی میں نزول نقل کیا ہے۔

اہل کتاب کے ساتھ قتال کا حکم:

اہل کتاب جو کہ نہ اللہ پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر (پورا پورا ایمان رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول (محمد ﷺ) نے حرام بتایا ہے، اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں، ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کرلیں۔

مسئلہ (۱): یہاں جزیہ میں جو اہل کتاب کی تخصیص کی ہے، یہ تمام کافروں کے مقابلہ میں نہیں ہے، بلکہ جن کا اوپر ذکر تھا یعنی عرب کے مشرکوں کے مقابلہ میں یہ تخصیص ہے، کیونکہ ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا، ان کے لئے یا تو اسلام کا حکم ہے یا پھر تلوار کا۔ البتہ جن کے قتل کی اجازت نہیں جیسے عورتیں اور بچے، وہ غلام اور لونڈی بنا کر رکھے جائیں گے۔ اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے اور عجم یعنی غیر عرب مشرک مجوس کی طرح ہیں، بلکہ آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے بدرجہ اولیٰ جزیہ لیا جائے گا، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ﴿مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ میں حرف مِنْ بیان کے لئے ہے، لہٰذا تمام اہل کتاب انہی صفات سے موصوف ہوں گے کہ ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ الخ یعنی وہ ایمان نہیں لائیں گے، لہٰذا جزیہ لاگو کرنے کی بنیاد یہ ٹھہری۔ اور ظاہر ہے کہ مشرکوں میں یہ صفات زیادہ قوی درجہ میں پائی جاتی ہیں، کیونکہ اہل کتاب توحید اور آخرت کا عقیدہ رکھتے ہیں، تو اس میں غلطیوں کی وجہ سے ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ فرمادیا ہے۔ اور مشرک تو خود ان عقائد کی اصل میں ہی مخالف ہیں، لہٰذا جب ان میں حکم کی بنیاد زیادہ قوی ہے تو حکم بھی بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔ البتہ عرب کے مشرک ایک خاص دلیل کی وجہ سے اس سے مستثنیٰ ہوگئے ہیں، یہی حنفیہ کا مذہب ہے، اور اس کی تائید ابن شہاب کے قول سے ہوتی ہے، جو درمنثور میں منقول ہے کہ قریش اور عرب کے کافروں کے بارے میں تو یہ حکم نازل ہوا تھا ﴿قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ البقرۃ ۱۹۳ والانفال ۳۹۔ اور یہ آیت ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔

جزیہ قتل کا بدلہ ہے، نہ کہ کفر پر اقرار کا:

مسئلہ (۲): جزیہ کی ادائیگی اسلام قبول نہ کرنے کا بدل نہیں ہے، جیسا کہ بعض اعتراض کرنے والوں کا فاسد زعم ہے،

کہ انھوں نے اس زعم کی بنیاد پر یہ اعتراض کیا ہے کہ تھوڑی رقم لے کر کفر پر برقرار رہنے اور اسلام سے اعراض کی اجازت کیسے ہوگی؟ یہ تو اسلام کی عظمت کے خلاف ہے۔ تو خود اس اعتراض کی بنیاد ہی فاسد ہے، کیونکہ جزیہ اصل میں قتل کا بدل ہے، یعنی اس کی وجہ سے ان کی جان بچ گئی، تو یہ اسلام کی انتہائی عظمت اور عزت ہے کہ اس نے ایسی رعایت کی اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں قتل نہیں کئے جاتے، جیسے عورتیں، بچے اور بہت بوڑھے، اپاہج، راہب اور دنیا کو ترک کردینے والے سنیاسی لوگ، ان پر جزیہ لاگو نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر جزیہ کفر پر برقرار رہنے کی وجہ سے ہوتا تو ان پر بھی ہوتا، کیونکہ کفر پر تو وہ بھی قائم ہیں اور کفر مشترک ہے، البتہ قتل کے واجب ہونے میں آپس میں فرق ہیں۔ اور اسی طرح یہ قتال، جان کی حفاظت اور دفاع کا بھی بدل نہیں ہے، یعنی جزیہ کا سبب یہ نہیں ہے کہ ذمی خود اپنا دفاع نہیں کرسکتے، اور ہم دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں، کیونکہ حفاظت تو سب کی کی جاتی ہے، اور جزیہ سب سے نہیں لیا جاتا، بلکہ یہ صرف انہی سے لیا جاتا ہے جو قتل کے مستحق تھے، اس سے ثابت ہوگیا کہ وہ قتل کا بدل ہے، یہ فقہاء کا کام ہے کہ وہ اللہ کے اسرار کی تہوں تک پہنچنے کی کس طرح کوشش کرتے ہیں، کہتے ہیں: هي لغةً: الجزاء، لأنها جزت عن القتل: لغت کے اعتبار سے جزیہ کے معنی بدلہ کے ہیں، اس لئے کہ جزیہ قتل کا بدل ہے جیسا کہ الدر المختار میں ہے۔

مسئلہ (۳): ﴿عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ کا حاصل یہ ہے کہ ان کی قوت وشوکت نہ رہے، اور ﴿صٰغِرُوْنَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ سیاست ومعاملات سے متعلق شریعت کے قوانین کو اپنے ذمہ رکھیں، صغار کی یہ تفسیر روح المعانی میں امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کی ہے، لہٰذا اس طرح جزیہ کے لازم ہونے کو قتال کی انتہا فرمانے سے یہ ثابت ہوا کہ اس انتہا کے بغیر قتال کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔ روح المعانی میں ابن الجصاص سے روایت ہے کہ جب وہ مسلمانوں پر ولایت اور امر ونہی کے نفاذ کے ذریعہ مسلط ہوجائیں تو ان کے لئے کوئی ذمہ نہیں ہوگا، لیکن میں کہتا ہوں کہ جب ہم نے ان سے معاہدہ کرلیا تو جب تک ان کا معاہدہ اعلانیہ طور پر ان کو واپس نہ کردیا جائے غدر حرام ہے، ان کے خون اور ان کے مال مباح نہیں ہوں گے، ہاں ان کا عہد انہیں واپس کرنا واجب ہوگا۔ اگر یہ بات ہمارے بس میں ہو، مگر ہمارے بس میں ہے کہاں؟ (یہ بات انگریزوں کے دور کی ہے ۱۲ سعید احمد) لیکن اللہ تعالیٰ کے اختیار میں سب کچھ ہے، اور جزیہ کی مقدار اور جزیہ کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ

يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

ترجمہ: اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ اور نصاری نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا، یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔ خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جارہے ہیں۔ انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے اور مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو صرف یہ حکم کیا گیا ہے کہ فقط ایک معبود کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بدون اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچادے، مانے گا نہیں، گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں۔ اور اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے، گو مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

ربط: اوپر اہل کتاب کے بارے میں ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ یعنی ایمان نہ لانے کا حکم فرمایا ہے۔ اب ان کے ایمان نہ لانے سے متعلق تفصیل ہے۔

اہل کتاب کا قولی و فعلی کفر:

اور یہود (میں سے بعض) نے کہا کہ (نعوذ باللہ) عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاری (میں سے اکثر) نے کہا کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کا قول ہے، ان کے منہ سے کہنے کا (جس کا واقع میں کہیں کوئی نام ونشان نہیں، یعنی یہ صرف ان کی گھڑی ہوئی بات ہے، اصل میں اس کی کوئی حیثیت نہیں) یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں (عرب کے مشرک مراد ہیں جو ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، مطلب یہ کہ ان مشرکوں کو تو یہ بھی کافر سمجھتے ہیں، پھر بھی خود انہی جیسی کفریہ باتیں بکتے ہیں، اور پہلے ہونا اس معنی میں ہے کہ مشرکوں کی گمراہی قدیم تھی۔ اللہ انہیں غارت کرے یہ کدھر الٹے جارہے ہیں (کہ اللہ پر ایسے افتراء باندھتے ہیں یہ تو ان کے کفریہ اقوال تھے، آگے کفریہ افعال کا بیان ہے کہ) انھوں (یہود و نصاری) نے اللہ (کی اطاعت و عبادت میں توحید) کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کو (طاعت کے اعتبار سے) رب بنا رکھا ہے (کہ ان کے حرام اور حلال قرار دینے میں اللہ کی طرح اطاعت کرتے ہیں کہ ان کے قول کو نص پر ترجیح دیتے ہیں، اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے، لہٰذا اس حساب سے وہ ان کی عبادت کرتے ہیں) اور مسیح بن مریم (علیہ السلام) کو بھی (ایک لحاظ سے) رب بنا رکھا ہے کہ (انہیں ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا کہتے ہیں کہ خدا ہونا اس کے لئے لازم ہے) حالانکہ (اللہ کی کتابوں میں) انہیں صرف یہ حکم کیا گیا ہے کہ فقط ایک معبود (برحق) کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ان کے شرک سے پاک ہے (یہ تو باطل کے اتباع کا

بیان تھا۔ آگے اس بات کا بیان ہے کہ وہ دین حق کو رد کرتے ہیں، کہ یہ بھی کفر ہے یعنی) وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی دین اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار مار کر) بجھادیں (یعنی منہ سے رد اور اعتراض کی باتیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ دین حق کو فروغ نہ ہو) حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے بغیر کہ اپنے (مذکورہ) نور کو کمال تک پہنچادے، مانے گا نہیں، چاہے کافر لوگ (جن میں یہ بھی آگئے) کیسے ہی ناخوش ہوں (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے کہ (اس نور کا اتمام کرنے کے لئے) اس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت (کا سامان یعنی قرآن) اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے، تاکہ اس (دین) کو (کہ وہی مذکورہ دین ہے) تمام (باقی) دینوں پر غالب کردے (کہ یہی اتمام ہے) چاہے مشرک (جن میں یہ بھی داخل ہوگئے) کیسے ہی ناخوش ہوں۔

فائدہ: احبار ورہبان کی مطلق اطاعت کو اتخاذ ارباب یعنی رب قرار دینے کا اسی طرح کا ارشاد سورۂ آل عمران آیت ۶۴ میں مع دلائل گذر چکا ہے۔ اور اتمام بمعنی اثبات اور دلائل کے ساتھ تقویت کے معنی میں تو اسلام کے لئے ہر زمانہ میں عام ہے۔ اور یہی اطفاء بمعنی رد کا مقابل ہے۔ اور یہ تفسیر کی تصحیح کے لئے کافی ہے، اور سلطنت کی شمولیت کے اعتبار سے اہل دین کی اصلاح کے ساتھ مشروط ہے، اور باقی تمام دینوں اور مذہبوں کا مٹنا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں واقع ہوگا اور انہیں کافر، نبوت کے انکار کی وجہ سے اور مشرک، اللہ کا بیٹا ماننے اور احبار ورہبان کو رب قرار دینے کے اعتبار سے فرمایا گیا۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اکثر احبار اور رہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں، اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنادیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جاوے گا۔ پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جاوے گا، یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

ربط: اوپر یہود ونصاریٰ کی کفر والی باتوں میں ان کا احبار ورہبان یعنی اپنے علماء، مشائخ، پیروں وغیرہ کو رب بنا کر رکھنے کا ذکر تھا۔ اب ان احبار ورہبان کی بعض حالتوں کا ذکر ہوتا ہے جن سے عوام میں گمراہی پھیلی۔ اور اس مضمون کا مخاطب مؤمنوں کو شاید اس لئے بنایا ہوگا کہ انہیں تنبیہ ہو اور وہ ایسے کام نہ کریں۔

احبار ورہبان کی حرص وطمع:

اے ایمان والو! اکثر احبار ورہبان (یعنی یہود ونصاری کے علماء اور مشائخ عام لوگوں کے مال ناجائز طریقہ سے کھاتے (اڑاتے) ہیں (یعنی حق تعالی کے اصل احکام کو پوشیدہ رکھ کر عوام کی مرضی کے مطابق فتوی دے کران سے نذرانے لیتے ہیں) اور (اس کی وجہ سے وہ) اللہ کی راہ (یعنی دین اسلام) سے (لوگوں کو) باز رکھتے ہیں (کیونکہ لوگ ان کے جھوٹے فتوؤں کے دھوکہ میں آکر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں، اور حق کو قبول بلکہ طلب بھی نہیں کرتے) اور (انتہائی حرص کی وجہ سے مال بھی جمع کرتے ہیں جن کی نسبت یہ وعید ہے کہ) جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی زکوۃ نہیں نکالتے) تو آپ انہیں ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ انہیں (پہلے) دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پیٹھوں کو داغ دیا جائے گا (اور یہ جتا دیا جائے گا کہ) یہ وہ ہے جسے تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا، تو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

فائدہ: شبہ ہوسکتا ہے کہ جس کے پاس لاکھوں کروڑوں روپئے ہوں تو ان سے داغنے کے دو طریقے ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ ایک دم سب کا داغ دیا جائے، دوسرے یہ داغ آگے پیچھے دیئے جائیں، پہلی صورت میں تو اس کے جسم پر اتنی جگہ ہی نہیں ہوگی، دوسری صورت میں تھوڑے روپئے والا اور زیادہ روپئے والا عذاب میں برابر ہوگا، کیونکہ نئے روپئے کا داغ اور پہلے روپئے کا داغ برابر ہے۔

جواب یہ ہے کہ پہلی صورت میں ممکن ہے کہ اس کا جسم لمبا چوڑا کر دیا جائے، جیسا کہ روح المعانی میں یہی کہا گیا ہے، اور دوسری صورت میں یہ ممکن ہے کہ ہر روپئے کا داغ ایک بار ہو، اس طرح تھوڑے روپوں والے کو داغنے کا سلسلہ جلدی ہی ختم ہو جائے گا، اور زیادہ والے کا سلسلہ زیادہ مدت تک چلتا رہے گا، پس اگرچہ اثر میں دونوں جگہ امتداد ہے، لیکن پھر بھی تکلیف کی شدت میں فرق ہوگا۔ واللہ اعلم

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝﴾ ع ۵ ۱۱

ترجمہ: یقیناً شمار مہینوں کا کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جس روز اللہ تعالی نے آسمان اور زمین پیدا

کئے تھے، ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں۔ یہی دین مستقیم ہے، سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں اپنا نقصان مت کرنا اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سے لڑتے ہیں۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے۔ یہ ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے جس سے کفار گمراہ کئے جاتے ہیں کہ وہ اس حرام مہینے کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام سمجھتے ہیں، تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کئے ہیں ان کی گنتی پوری کر لیں، پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں ان کی بداعمالیاں ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ربط: اوپر اہل کتاب کے ذکر سے پہلے مشرکوں کے کفر کے بعد عہد شکنی کرنے کی بنیاد پر ان سے قتال کرنے کا بیان تھا۔ اب ان کی بعض کفر اور جہالت کی اور بھی باتوں کا بیان ہے۔ جن کی بنیاد پر قتال کا حکم اور اس کی تاکید کا بیان ہے، اور جہالت کی ان باتوں کے ذکر سے پہلے حق کے امر کی تعیین ہے تا کہ اس کے خلاف کا جہالت ہونا ظاہر ہو جائے، لہٰذا اس میں سابق مضمون کی طرف واپسی ہے۔

مشرکوں کی بعض کفریہ جہالتوں کا دوبارہ ذکر:

اس جہالت کا حاصل زمانہ سے متعلق احکام کی تبدیلی تھا، جس کی یہ صورتیں تھیں: چونکہ ملت ابراہیمی کے اعتقاد کی بنا پر اشہر حرم میں قتل و غارت کو وہ بھی برا سمجھتے تھے اور کبھی اپنی نفسانی اغراض سے ان میں قتال کی ضرورت پڑتی یا لڑتے لڑتے احترام کا مہینہ آجاتا تو کہتے، اس سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا، دوسرا مہینہ حرام ہوگا، مثلاً محرم آگیا تو کہتے اس بار صفر کا مہینہ حرام ہوگا، اگر صفر میں بھی ضرورت ہوتی تو کہتے کہ ربیع الاول حرام ہوگا۔ غرض سال میں چار مہینے تو حرام کر دیتے، لیکن تخصیص کا لحاظ نہ کرتے کہ واقعی شہر حرام کونسا تھا، اور ہم نے کس کو قرار دیا۔ اور کبھی جب زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً کسی سال میں برابر دس مہینے تک لڑتے رہتے اور شہر حرام کو اگلے مہینے پر ٹالتے ٹالتے دس مہینے گذر گئے، آگے سال کے دو ہی مہینے باقی رہ گئے تو خود سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا لیتے یعنی کہتے کہ یہ سال چودہ مہینے کا ہو گیا، جس پر چار مہینے اشہر حرام ہیں، حتی کہ ان کا حج بھی مختلف مہینوں میں ہوتا، چنانچہ ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس حج کے موقع پر برأت کا اعلان کیا، وہ مہینہ صحیح حساب سے تو ذی الحجہ تھا، لیکن ان کے حساب سے ذیقعدہ تھا، اگر چہ وہ اس سال اس مہینہ میں بھی جمع ہو گئے، کیونکہ وہ ہر مہینہ میں دو سال تک حج کرتے تھے، مثلاً دو سال ذی الحجہ میں حج کیا تو پھر دو سال محرم میں اور پھر دو سال صفر میں۔ شاید اس کمی زیادتی کی کسر نکالنے کے لئے ایسا کرتے ہوں، اس طرح ۹ ہجری میں حج کرنے کے لئے ان کے حساب سے ذی قعدہ کا نمبر تھا، وہ تو اس لئے جمع ہو گئے اور واقعی طور پر وہ ذی الحجہ تھا، اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھیج دیئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ برأت کے اعلان کا خاتمہ بعض روایتوں میں دسویں ربیع الثانی کو ہوا جیسا کہ احقر نے تمہید کے تیسرے فائدہ میں نقل کیا ہے، اور بعض روایتوں میں دسویں ربیع الاول آیا ہے، یعنی ان کے ربیع الاول کی دس

تاریخ تک جو کہ واقعی طور پر ربیع الثانی تھا، پھر اسی قاعدہ کے مطابق اگلے سال ان کے حساب سے ذی الحجہ میں حج کرنے کا نمبر تھا۔ اور وہ واقع میں بھی اور ان کے حساب سے بھی ذی الحجہ تھا، اگر چہ برأت کی وجہ سے مشرکوں کو آنا نصیب نہ ہوا، مگر آپ ﷺ نے دونوں حسابوں کی مطابقت کو اپنے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا: إلا إن الزمان قد استدار کھیئتہ یعنی زمانہ گھوم پھر کر اپنی اصلی ہیئت پر آ گیا ہے، اور آپ نے صحابہ سے شاید اسی واسطہ سے یہ پوچھا ہو: ایُّ شهر هذا یعنی ''یہ کونسا مہینہ ہے؟'' جبکہ انھوں نے کہا: الله ورسوله اعلم: یعنی اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں، تب آپ نے فرمایا: الیس ذی الحجة یعنی کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ لوگ محرم کو صفر کر دیتے تھے، اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ کہہ دیتے ہوں گے کہ اس بار صفر پہلے آ گیا، اس میں قتال کی اجازت ہے، محرم بعد میں آئے گا، اس میں قتال نہیں کریں گے، اور دوسرے یہ کہ صفر سے مراد مثل صفر کہتے ہوں یعنی محرم، محرم ہے، اور صفر، صفر۔ لیکن محرم، حرام نہ ہونے کی وجہ سے صفر کے مثل ہو گیا، اور صفر، حرام ہونے کی وجہ سے محرم کے مثل ہو گیا، جیسا کہ پہلی صورت میں بیان ہوا۔ ان کی جہالت کا یہ حاصل تھا۔ یہ تمام مضامین سوائے ان دو مضمونوں کے جن کے شروع میں لفظ شاید ہے، اور نمبر ۳ کے روح المعانی سے نقل کئے گئے ہیں، لہٰذا ان آیتوں میں اس جہالت کی نفی ہے اور اسی لئے شروع میں مہینوں کی تعداد بتائی تا کہ نمبر ۲ کی نفی ہو۔ اور آگے وقت کی تاخیر یا شہر حرام کی حرمت کی نفی فرمائی تا کہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ کی نفی ہو، اور اسی لئے حدیث میں اشہر حرم کی تعیین میں بہت اہتمام فرمایا۔ ثلث متوالیات یعنی تین آگے پیچھے آنے والے مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ و محرم اور چوتھے مہینے رجب کے بارے میں فرمایا: رجب مضر الذی بین جمادی وشعبان: کیونکہ ربیعہ روح المعانی کے مطابق رمضان کو شہر حرام سمجھتے تھے اور اس کو رجب کہتے تھے۔ اب تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

آیت کی تفسیر:

یقیناً اللہ کی کتاب (یعنی شرعی احکام) میں مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک (جو کہ معتبر ہے) بارہ مہینے (قمری) ہیں (اور یہ آج سے نہیں بلکہ) جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے (اسی دن سے اور) ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) یہی (مذکورہ امر) دین مستقیم ہے (یعنی ان مہینوں کا کل بارہ ہونا اور چار کا خاص طور سے اشہر حرم یعنی ادب کے مہینے ہونا، جاہلیت کی عادت کے برخلاف کہ جس میں کبھی سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے تھے اور کبھی ادب کے مہینوں کی تخصیص چھوڑ دیتے تھے کہ یہ بد دینی ہے) تو تم ان سب مہینوں کے بارے میں (دین کی خلاف ورزی کر کے جو کہ گناہ کا سبب ہے) اپنا نقصان مت کرنا (یعنی جاہلیت کس اس عادت کے مطابق مت کرنا) اور ان مشرکوں سے (جبکہ یہ اپنے کفریہ امور کو نہ چھوڑیں جن میں یہ خاص عادت بھی شامل ہے) لڑنا جیسا کہ وہ تم سب (مسلمانوں) سے لڑنے کو ہر وقت تیار رہا کرتے ہیں، اور (ان کی جمعیت اور سامان سے اندیشہ ہو تو) یہ جان رکھو کہ

اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے (لہٰذا ایمان اور تقوی کو اپنا شعار رکھو اور کسی سے مت ڈرو۔ آگے ان کی جاہلیت کی عادت کا بیان ہے کہ) یہ (مہینوں کا یا ان کی حرمت کا آگے کو ہٹا دینا کفر میں اور ترقی ہے جس سے (دوسرے عام) کفار گمراہ کیے جاتے ہیں (اس طرح) کہ وہ اس حرام مہینہ کو کسی سال (اپنی نفسانی غرض سے) حلال کر لیتے ہیں، اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) حرام سمجھتے ہیں، تا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مہینے حرام کیے ہیں (صرف) ان کی گنتی (بغیر تخصیص وتعیین) پوری کر لیں، پھر (جب تخصیص وتعیین نہ رہی تو) اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں، ان کی بداعمالیاں انہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، اور (ان کے کفر پر اصرار پر غم کرنا بے سود ہے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا (کیونکہ یہ خود راہ پر آنا نہیں چاہتے)

فائدہ: لوند کا مہینہ جو موسم کے حساب کو صحیح رکھنے کے لئے بارہ پر بڑھالیا جاتا ہے وہ اس آیت کی مخالفت نہیں ہے، اسی طرح دوسرے حسابوں کی بھی اس میں نفی نہیں ہے، جیسا کہ بعض اہل زمانہ کو غلط فہمی ہوئی ہے، کیونکہ ان حسابوں سے شرعی احکام میں کوئی فرق اور خلل نہیں پڑتا۔ اور آیت میں اس حساب کا باطل قرار دینا مقصود ہے، جس سے شرعی احکام میں خلل یا غلطی ہونے لگے، جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت کا بیان کیا گیا۔ البتہ چونکہ شرعی احکام کا دارومدار قمری حساب پر ہے، اس لئے اس کی حفاظت فرض کفایہ ہے، لہٰذا اگر ساری امت کسی دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالے جس سے قمری حساب ضائع ہو جائے تو سب گناہگار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے، لیکن سلف کی سنت کے خلاف ضرور ہے۔

اور قمری حساب کا استعمال اس کے فرض کفایہ ہونے کی وجہ سے یقینی طور پر افضل واحسن ہے، اور اس کے باوجود کہ آیت میں الفاظ ﴿ النَّسِیٓءُ ﴾ اور ﴿ یُحِلُّوْنَهٗ ﴾ اور ﴿ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ ﴾ سب کے مفہوموں کا حاصل ایک ہی ہے لیکن عنوان کے اختلاف سے ان کی مذمت کی تاکید ہوگئی، یعنی ان کا یہ عمل کئی حیثیتوں سے قابل مذمت ہے۔ اور یہ کہ اس میں مہینوں کی تقدیم وتاخیر ہے، جو احترام والے مہینوں کی تخصیص کے بغیر مطلق قابل مذمت ہے، اور پھر نظم وضبط کو برقرار نہ رکھنا بھی ہے، کہ ایک ماہ کا ایک سال ایک حکم اور اسی ماہ کا دوسرے سال دوسرا حکم یہ بھی ہوائے نفسانی کی علامت ہے، پھر حرام چیز کو حلال کرنا سب سے بڑھ کر گناہ ہے، خوب سمجھ لو۔

اور اس کو کفر میں ترقی اس لئے فرمایا کہ حرام چیز کو حلال کرنا کفر ہے، اور اس سے پہلے بھی وہ کافر تھے، لہٰذا اس حرام کو حلال کرنے سے ان کے کفر میں زیادتی ہوگئی، اور اس آیت کے نازل ہونے کے وقت اگر اشہر حرم کی حرمت قتال کی حرمت کے معنی میں باقی تھی تب تو کوئی پریشانی نہیں، اور اگر منسوخ ہو چکی تھی تو ان کے بیان کا اہتمام ضبط کی زیادتی، خلط ملط ہونے کو روکنے اور جاہلیت کو ختم کرنے کے لئے ہے، چاہے قتال کی حرمت نہ ہو، البتہ برکت اور فضیلت کے معنی میں ان کی حرمت اب بھی باقی ہے، جیسے جمعہ کا دن اور رمضان کا مہینہ۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْــــًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو۔ کیا تم نے آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر قناعت کرلی، سو دنیوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کردے گا اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

ربط: اوپر بعض غزوات کا ان سے متعلق امور سمیت ذکر ہوا تھا، اب غزوۂ تبوک کا بیان ہے جس کی تمہید اوپر آیت ۲۹ میں بھی آچکی ہے۔

غزوۂ تبوک کا قصہ:

تبوک ملک شام میں ایک مقام کا نام ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ جب فتح مکہ اور غزوۂ حنین وغیرہ سے فارغ ہوئے تو خبر ملی کہ روم کا نصرانی بادشاہ مدینہ پر فوجی چڑھائی کی تیاری کر رہا ہے اور وہ فوج تبوک میں جو اس کی حکومت میں ہے، جمع کی جائے گی، یہ خبر ملنے پر آپ نے خود ہی مقابلہ کے لئے سفر کا ارادہ فرمایا اور مسلمانوں میں اس کا عام اعلان کردیا۔ وہ زمانہ گرمی کی شدت کا تھا اور مسلمانوں کے پاس سامان بہت کم تھا، جبکہ سفر دور دراز کا تھا، چنانچہ اس غزوہ میں جانا بڑی ہمت کا کام تھا، اس لئے ان آیتوں میں اس کی بہت ترغیب دی گئی ہے، اور چونکہ منافق لوگ ایمان اور اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے اس میں طرح طرح کی بہانہ بازیاں کرنے لگے، اور ان کی طرح طرح کی خباثتیں ظاہر ہوئیں، اس لئے ان آیتوں میں ان پر بہت لعنت وملامت ہوئی ہے۔ غرض آپ تبوک کے مقام تک تشریف لے گئے اور وہاں نصاریٰ کے لشکر کا انتظار کرنے لگے مگر وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ مقابلہ میں آنے کا حوصلہ نہ کرسکے۔ چنانچہ آپ وہاں ایک عرصہ تک قیام فرمانے کے بعد خیر وعافیت کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ رجب ۹ ہجری میں پیش آیا اور یہ تفصیل فتح المنان میں ہے۔ اب پہلے اس غزوہ میں شرکت کے لئے ترغیب ارشاد فرمائی جاتی ہے، اس طرح کہ پہلے کاہلی وسستی پر ملامت اور غزوہ کو چھوڑنے پر وعید اور ترہیب ہے اور پھر اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی مدد ہونے کا کسی غزوہ پر موقوف نہ ہونے کا ذکر ہے، پھر غزوہ کا حکم اور فضیلت کے بیان کے ذریعہ وعدہ اور ترغیب ہے۔

غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر ترہیب اور سستی و کاہلی پر ملامت:

اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لئے) نکلو تو تم زمین سے چمٹے جاتے ہو؟ (یعنی اٹھتے اور چلتے نہیں) کیا تم نے آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر قناعت کر لی؟ تو دنیاوی زندگی کا فائدہ تو کچھ بھی نہیں، بہت تھوڑا ہے، اگر تم (اس جہاد کے لئے) نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں سخت سزا دے گا (یعنی تمہیں ہلاک کر دے گا) اور تمہارے بدلہ اور قوم پیدا کر دے گا (اور ان سے اپنا کام لے گا) اور تم اللہ (کے دین) کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکو گے، اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

فائدہ: یہاں سے سورت کے آخر تک آیتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ کے سلسلہ میں لوگوں کی کئی حالتیں ہو گئی تھیں: ایک جو بغیر کسی تردد کے ساتھ ہو لئے، دوسرے جو تردد کے بعد ساتھ چلے ﴿ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ﴾ میں ان دونوں قسموں کا ذکر ہے۔ تیسرے جو عذر کی وجہ سے نہ جا سکے۔ ﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ ﴾ میں ان کا بیان ہے۔ چوتھے وہ مؤمن جو کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود محض سستی کے سبب نہ جا سکے ﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا ﴾ اور ﴿ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ ﴾ اور ﴿ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ ﴾ الخ میں ان کا بیان ہے، پانچویں اکثر منافق لوگ جو عذر نہ ہونے کے باوجود نفاق کے سبب نہیں گئے، کئی آیتوں میں ان کا ذکر ہے چھٹے بعض منافق جو تجسس اور شرارت کی غرض سے ساتھ ہو لئے تھے، ﴿ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ، وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ ﴾ اور ﴿ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ﴾ میں بعض تفاسیر پر ان کا ذکر ہے، چنانچہ مذکورہ آیت میں بظاہر دوسری قسم کا ذکر ہے۔

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ ﴾

ترجمہ: اگر تم لوگ رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کہ آپ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا، جب کہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے، جس وقت کہ دونوں غار میں تھے، جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم غم نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہیں، سو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور آپ کو ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

ربط: اوپر آیت کی تمہید میں بیان ہو چکا ہے۔

ہجرت کے وقت کسی کی مدد کرنے پر رسول اللہ ﷺ کے منصور ہونے کا موقوف نہ ہونا:

اگر تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو (اللہ آپ کی مدد کرے گا، جیسا کہ) اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ (اس سے زیادہ مصیبت اور پریشانی کا وقت تھا، جبکہ) آپ کو کافروں نے (تنگ کر کے مکہ سے) جلاوطن کر دیا تھا، جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے (اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے) جس وقت کہ دونوں (صاحب) غار (ثور) میں (موجود) تھے، جبکہ آپ اپنے ہمراہی سے فرمارہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ (کی مدد) ہمارے ساتھ ہے۔ تو (وہ مدد یہ ہوئی کہ) اللہ تعالیٰ نے آپ (کے دل) پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی، اور آپ کو (فرشتوں کے) ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات (اور تدبیر) نیچی کر دی (کہ وہ ناکام رہے) اور اللہ ہی کا بول بالا رہا (کہ ان کی تدبیر اور حفاظت غالب رہی) اور اللہ زبردست حکمت والا ہے (اس لئے اس کی بات اور حکمت غالب رہی)

فائدہ: اس آیت میں ہجرت کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، غارِ ثور مکہ معظمہ سے قریب ہے، اس میں آپ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین دن تک چھپے رہے، کفار آپ کو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے ایک قائف یعنی پیروں کے نشانوں کو پہچاننے والے کے بتانے سے اس غار کے دہانے تک پہنچے، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی وجہ سے فکر ہوئی، آپ نے ان کی تسلی کی ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ چونکہ غار کے دہانہ پر مکڑی نے جالا بنا رکھا تھا، اس لئے کفار کو شبہ نہیں ہوا، وہ سب لوٹ گئے اور اس قیافہ شناس کو بے وقوف قرار دیا، پھر آپ وہاں سے نکل کر مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے اور بخیر وعافیت وہاں پہنچ گئے۔ یہ قوت غیبی، سکون اور فرشتوں کے نزول کا اثر تھا جو کہ سکینہ لے کر آتے ہیں اس قوت اور کفار کے ناکام چلے جانے کو نصرت قرار دیا، یہ سب روایتیں درمنثور میں ہیں۔

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: نکل پڑو تھوڑے سامان سے اور زیادہ سامان سے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

ربط: اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

غزوہ کا حکم اور ترغیب:

(جہاد کے لئے) نکل پڑو (چاہے) تھوڑے سامان سے (ہو) اور (چاہے) زیادہ سامان سے (ہو) اور اللہ کی راہ

میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم یقین رکھتے ہو (تو دیر مت کرو)

فائدہ: آخرت کی بہتری یعنی ثواب اور قرب تو یقینی ہے، اور کبھی دین کی بہتری بھی ہوتی ہے، یعنی فتح غنیمت اور عزت۔

﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝﴾ ع

ترجمہ: اگر کچھ لگتے ہاتھ ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی سا ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے، لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی۔ اور ابھی خدا کی قسمیں کھا جاویں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے، یہ لوگ اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

ربط: اوپر اس غزوہ سے متعلق مؤمنوں سے خطاب تھا، اب سورۃ کے اختتام تک منافقوں کے احوال اور اقوال کا ذکر ہے جو عذر نہ ہونے کے باوجود نفاق کے سبب غزوہ میں شریک نہیں ہوئے، اور بیچ بیچ میں کچھ دوسرے مناسب مضامین آگئے ہیں۔

پیچھے رہ جانے والے منافقوں کے اقوال و احوال:

اگر کچھ آسانی سے ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی سا ہوتا تو یہ (منافق) لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے، لیکن انہیں تو سفر ہی دور دراز کا معلوم ہونے لگا (اس لئے یہاں ہی رہ گئے) اور ابھی (جب تم لوگ واپس آؤ گے تو) اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے، یہ لوگ (جھوٹ بول بول کر) اپنے آپ کو تباہ (یعنی عذاب کا مستحق) کر رہے ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں (بلا شبہ ان کے بس کی بات تھی، اور یہ پھر بھی نہیں گئے)

فائدہ: لفظ ﴿لٰكِنْ﴾ کے ساتھ سفر کے لمبا بتانے سے نزدیک کے سامان کی بھی نفی ہوگئی، کیونکہ دور کا سفر ہونے کی وجہ سے نزدیک کی اور مال کے حصول کی سہولت باقی نہیں رہی، اور میانہ سفر کی نفی ظاہر ہے، اور اگر سفر کی دوری سے ایک ہی کی نفی معلوم ہو، تب بھی مقصود حاصل ہے کیونکہ پیروی کی علت دونوں امر کا مجموعہ تھا، ایک جز کی نفی سے مجموعہ کی نفی ہوگئی، اور مجموعہ کی نفی سے اتباع کی نفی ہوگئی۔

﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ۝ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ وَ

اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا، آپ نے ان کو اجازت کیوں دیدی تھی، جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہوجاتے اور جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے۔ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں آپ سے رخصت نہ مانگیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے، البتہ وہ لوگ آپ سے رخصت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیراں ہیں۔

ربط: اوپر جن منافقوں کا ذکر ہے انھوں نے آپ کی روانگی کے وقت جھوٹے جھوٹے عذر تراش کر سفر میں ہم راہ نہ جانے کی اجازت حاصل کر لی تھی، آپ نے انہیں اذن دیدیا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ اس اذن کا نامناسب ہونا اور ان کی اس اجازت طلب کرنے کی مذمت کے قابل ہونا اور نفاق پر مبنی ہونا بیان فرماتے ہیں۔

منافقوں کے لئے اجازت کا اولیٰ نہ ہونا اور ان کا اجازت طلب کرنا نفاق پر مبنی ہونا:

اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف (تو) کر دیا (لیکن) آپ نے ان کو (ایسی جلدی) اجازت کیوں دیدی تھی، جب تک آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہوجاتے، اور (جب تک کہ آپ) جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے (تا کہ وہ خوش تو نہ ہونے پاتے کہ ہم نے آپ کو دھوکہ دیدیا اور) جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں (اس میں شریک نہ ہونے کی کبھی) آپ سے رخصت طلب نہ کریں گے (بلکہ وہ حکم ملنے کے ساتھ ہی دوڑ پڑیں گے) اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتے ہیں (انہیں اجر وثواب دیں گے) البتہ وہ لوگ (جہاد میں نہ جانے کی) آپ سے رخصت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل (اسلام سے) شک میں پڑے ہوئے ہیں، تو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں (کبھی موافقت کا خیال ہوتا ہے کبھی مخالفت کا)

فائدہ: معافی جس طرح گناہ کی ہوتی ہے، کبھی خلاف اولیٰ عمل کی بھی ہوتی ہے، اس لئے ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ﴾ سے گناہ کا شبہ نہیں ہونا چاہئے اور لفظ ﴿ لِمَ اَذِنْتَ ﴾ سے ماضی میں کئے ہوئے کام پر بالذات عتاب مقصود نہیں ہے، بلکہ اصل مقصود آئندہ کے لئے اذن دینے کی ممانعت ہے، لہٰذا اس سے کوئی شبہ نہیں کرنا چاہئے، اور اس نصیحت سے غرض یہ نہیں ہے کہ وہ آپ کی اجازت کی وجہ سے رہ گئے، ورنہ ان کے (نہ) جانے میں ہی مصلحت تھی، وجہ یہ ہے کہ آگے خود ان کے جانے کے مفاسد کا بیان ہوتا ہے، اور اگر آپ اجازت نہ بھی دیتے تب بھی ان کی جانے کی نیت نہیں تھی، جیسا کہ الدر المنثور میں مجاہدؒ سے منقول ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ رخصت ملنے سے انہیں جو ایک طرح کی بے فکری حاصل ہوگئی،

اگر رخصت منظور نہ ہوتی تو یہ نہ ہوتی، اور یہ تب بھی نہ جاتے تو ان کی خباثت تو سب کے سامنے آجاتی، اور ﴿ الَّذِينَ صَدَقُوْا ﴾ کا مطلب یہ نہیں کہ ان میں سچے بھی تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے سچے ومعذور مؤمنوں سے ان کی حالت الگ ہو جاتی، اور سورۂ نور کے آخر میں جو مؤمنوں کے لئے اجازت طلب کرنے کو درست ثابت فرمایا ہے، ﴿ لَمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ﴾ تو اس سے مراد عذر کی وجہ سے رخصت طلب کرنا ہے اور یہاں بغیر عذر کے رخصت کی نفی ہے، لہٰذا کوئی تضاد نہیں ہے۔

﴿ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ ﴾

ترجمہ: اور اگر وہ لوگ چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کا کچھ سامان تو درست کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا، اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور یوں کہہ دیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو۔ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوا اس کے کہ اور دونا فساد کرتے اور کیا ہوتا اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے پھرتے ہیں، اور تم میں ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں اور ان ظالموں کو اللہ خوب سمجھے گا۔

ربط: اوپر منافقوں کے پیچھے رہ جانے اور جھوٹے عذر کرنے کا ذکر تھا۔ اب اس عذر کے جھوٹا ہونے کا قرینہ ﴿ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ ﴾ میں اور ان کے پیچھے رہ جانے سے غم نہ کرنے کے لئے اس کی حکمت کہ یہ جاتے تو فساد ہی کرتے، ﴿ لَوْ خَرَجُوْا ﴾ میں اور فساد واقع ہونے کے اس حکم کی تائید گذشتہ واقعات سے ﴿ لَقَدِ ابْتَغَوُا ﴾ میں بیان فرماتے ہیں۔

منافقوں کے عذر کے باطل ہونے کا قرینہ اور ان کے پیچھے رہ جانے کی حکمت اور ان کے مفسد ہونے کی تائید

اور اگر وہ لوگ (غزوہ کے لئے) چلنے کا ارادہ کرتے (جیسا کہ وہ اپنے عذر کے بیان کے وقت ظاہر کرتے ہیں کہ چلنے کا تو ارادہ تھا، لیکن کیا کیا جائے فلاں ضرورت پیش آگئی، تو اگر واقعی ایسا ہوتا) تو اس (چلنے) کا کچھ سامان تو درست کرتے (جیسا کہ سفر کے لئے عام طور سے لازم ہوتا ہے) لیکن (انھوں نے تو شروع سے ہی ارادہ ہی نہیں کیا اور اسی میں خیر ہوئی، جیسا کہ آگے آتا ہے، ﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ ﴾ الخ اور اس کے خیر ہونے کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا، اس لئے انہیں توفیق نہیں دی، اور (تکوینی حکم سے) یوں کہہ دیا گیا کہ معذور (واپاہج) لوگوں

کے ساتھ تم بھی یہاں ہی پڑے رہو (اور ان کے جانے میں خیر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ) اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوائے اس کے کہ اور دوگنا فساد کرتے اور کیا ہوتا؟ اور (فساد یہ ہوتا کہ) تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے (یعنی لگائی بجھائی کر کے آپس میں پھوٹ ڈلواتے اور جھوٹی افواہیں پھیلا کر پریشان کرتے، تمہارے دلوں میں دشمن کا رعب ڈالنے کی کوشش کرتے، اس لئے ان کا نہ جانا ہی اچھا ہوا) اور (اب بھی) تمہارے درمیان ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں (جنہیں اس سے زیادہ فساد کی تدبیر میں کمال و مہارت نہیں) اور ان ظالموں کو اللہ خوب سمجھے گا (اور ان لوگوں کی فساد انگیزی اور فتنہ پردازی کچھ آج نئی نہیں ہے) انھوں نے تو پہلے (غزوۂ احد وغیرہ میں) بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی (کہ کچھ دور ساتھ چل کر پھر ہٹ گئے تاکہ مسلمانوں کے دل ٹوٹ جائیں) اور (اس کے علاوہ بھی) آپ کو (نقصان پہنچانے) کے لئے رکاوٹوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے، یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا، اور (اس کا آنا یہ ہے کہ) اللہ کا حکم غالب رہا، اور انہیں ناگوار ہی گذرتا رہا (اسی طرح آئندہ بھی ہوگا، آپ بالکل اطمینان و تسلی رکھئے، کچھ فکر نہ کیجئے)

فائدہ: آیت میں جو لفظ ﴿سَمّٰعُوْنَ﴾ آیا ہے جس کا ترجمہ ہم نے "جاسوس" کیا ہے، بعض مفسروں نے انہیں منافق کہا ہے، مگر چونکہ یہ لوگ خود صاحب رائے نہیں تھے، اس لئے ان سے فساد کا کوئی خوف یا اندیشہ نہیں تھا، اس لئے ان کا جانا حکمت کے خلاف نہ تھا، بلکہ اس میں بعض مصلحتیں تھیں کہ مسلمانوں کا استقلال اور غلبہ اور کافروں کا ضعف اور عجز دیکھ کر اپنے رئیسوں کو خبر دیں، تو وہ اور زیادہ جلیں اور مریں (ان کے حوصلے ہمیشہ کے لئے پست ہو جائیں، واللہ اعلم۔

اور غزوۂ احد میں ان کا عین وقت پر الگ ہو جانا سورۂ آل عمران آیت ۱۲۱ و ۱۲۲ میں گذر چکا ہے۔

﴿لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: انھوں نے پہلے بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور آپ کے لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے، یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور اللہ کا حکم غالب رہا، اور ان کو ناگوار ہی گذرتا رہا۔ اور ان میں بعضا شخص وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھ کو اجازت دے دیجئے اور مجھ کو خرابی میں نہ ڈالئے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے اور یقیناً دوزخ ان کافروں کو گھیرے گی۔

ربط: اوپر منافقوں کے مشترک احوال کا بیان تھا۔ اب کئی آیتوں میں جو لفظ ﴿وَمِنْهُمْ﴾ سے شروع ہوئی ہیں، بعض منافقوں کے مخصوص احوال و اقوال اور بیچ بیچ میں مشترکہ احوال بھی بیان ہوئے ہیں۔

منافقوں کے کچھ خاص اقوال:

اوران (پیچھے رہ جانے والے منافقوں) میں سے کوئی شخص (آپ سے) کہتا ہے کہ مجھے (غزوہ میں نہ جانے اور گھر رہنے کی) اجازت دیدیجئے اور مجھے خرابی میں نہ ڈالئے (اس شخص کا نام جد بن قیس تھا، اس نے یہ بہانہ تراشا تھا کہ میں عورتوں پر عاشق اور فدا ہو جاتا ہوں اور رومیوں کی عورتیں حسین زیادہ ہیں، اس لئے میرے جانے میں میرا دینی نقصان ہے، اس لئے رخصت چاہتا ہوں، جیسا کہ درمنثور میں ہے) خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ خرابی میں تو پڑ ہی چکے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور کفر سے بڑھ کر اور کونسی خرابی ہوگی) اور یقیناً (آخرت میں) ان کافروں کو دوزخ بھرے گی۔

﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو وہ ان کے لئے موجب غم ہوتی ہے، اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے سے اپنا احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا اور وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑسکتا مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ کے تو سب مسلمانوں کو اپنے سب کام سپرد رکھنے چاہئیں۔ آپ فرمادیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری ہی کے منتظر رہتے ہو۔ اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے تم انتظار کرو، ہم تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں۔

ربط: اوپر کی آیت کی تمہید میں بیان ہو چکا۔

منافقوں کے بعض مشترکہ احوال:

اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو وہ ان کے لئے (رنج و) غم کا باعث ہوتی ہے، اور اگر آپ کو کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے تو (خوش ہوکر) کہتے ہیں کہ ہم نے تو (اسی واسطہ) پہلے سے اپنے لئے احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا (کہ ان کے ساتھ لڑائی وغیرہ میں نہیں گئے تھے) اور (یہ کہہ کر) وہ خوش ہوتے ہوسے چلے جاتے ہیں، آپ (ان سے جواب میں دو باتیں) فرمادیجئے (ایک تو یہ کہ) ہمیں کوئی حادثہ پیش نہیں آسکتا، سوائے اس کے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر

فرمایا ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے (لہٰذا مالک حقیقی جو تجویز کرے، جو بھی کوئی اس کی ملکیت میں ہو اس کے لئے اس پر راضی رہنا واجب ہے) اور (ہماری ہی کیا تخصیص ہے) تمام مسلمانوں کو اپنے تمام کام اللہ ہی کے سپرد رکھنے چاہئیں (دوسری بات یہ) فرمادیجئے کہ (ہمارے لئے جس طرح اچھی حالت بہتر ہے، اسی طرح حادثات بھی انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں کہ ان میں درجات کی بلندی اور سیئات کا کفارہ ہوتے ہیں، لہٰذا) تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے (کسی نہ کسی) ایک بہتری ہی کے انتظار میں رہتے ہو (یعنی تم جو ہماری حالت کے انتظار میں رہتے ہو کہ دیکھئے کیا ہو تو وہ چاہے حسنہ ہو یا مصیبت ہمارے لئے تو دونوں ہی میں بہتری ہے) اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا، (چاہے سیدھے) اپنی طرف سے (دنیا میں یا آخرت میں، جو قدرتی طور پر آتے ہیں) یا ہمارے واسطہ سے (جبکہ تم اپنے کفر کو ظاہر کردو تو دوسرے کافروں کی طرح قتل کئے جاؤ) تو تم (اپنے طور پر) انتظار کرو (اور) ہم تمہارے ساتھ (اپنے طور پر) انتظار میں ہیں۔

فائدہ: پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک اور حاکم ہیں اور حاکم ہونے کی حیثیت سے انہیں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے، اس لئے ہم ان کی تجویز پر راضی ہیں، اور دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، وہ اس مصیبت میں بھی ہمارے فائدے کی رعایت کرتے ہیں، اس لئے ہم ہر حال میں فائدہ میں ہیں، برخلاف تمہارے کہ تمہاری خوش حالی کا انجام بھی وبال اور عذاب ہے۔ اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں ضرور ہے۔

﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۚ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ تم خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے کسی طرح مقبول نہیں۔ بلاشبہ تم عدول حکمی کرنے والے لوگ ہو۔ اور ان کے خیر خیرات قبول ہونے سے اور کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ۔ سو ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں ان کو گرفتار عذاب رکھے، اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جاوے۔

ربط: اوپر جس شخص کا قول ﴿لَا تَفْتِنِّيْ﴾ آیا ہے، اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں خود تو نہ جاؤں گا، لیکن مال سے آپ کی مدد کردوں گا، جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اب ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس مالی مدد کا نا قابل قبول ہونا بیان فرماتے

ہیں جو کہ قبولیت کی سب سے پہلی شرط ہے۔

منافقوں کا خرچ کرنا اللہ کی راہ میں: اس کا مقبول نہ ہونا:

آپ (ان منافقوں سے) فرما دیجئے کہ تم (جہاد وغیرہ میں) چاہے خوشی سے خرچ کرو یا مجبوری سے (اللہ کے نزدیک) تم سے کسی طرح قبول نہیں کیا جائے گا (کیونکہ) بلاشبہ تم نافرمانی کرنے والے لوگ ہو (یہاں نافرمانی سے کفر مراد ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے) اور ان کے دیئے ہوئے مال صرف اس وجہ سے قبول نہیں کئے جاتے، کیونکہ انھوں نے اللہ کے اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا (اس کو اوپر نافرمانی کہا تھا، اور کافر کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جاتا) اور (اس باطنی کفر کی علامت ظاہر میں یہ ہے کہ) وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے، مگر مرے جی سے اور (نیک کام میں) خرچ نہیں کرتے مگر [1] ناگواری کے ساتھ (کیونکہ دل میں ایمان تو ہے نہیں جس سے ثواب کی امید ہو، اور اس امید سے رغبت ہو، محض بدنامی سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں) تو (جب یہ ایسے مردود ہیں تو) ان کے مال واولاد آپ کو (اس) تعجب میں نہ ڈالیں (کہ جن لوگوں کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، انہیں اتنے انعامات سے کیونکر نوازا گیا، تو یہ حقیقت میں نعمت نہیں، عذاب اور مصیبت ہے، کیونکہ) اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں کی وجہ سے دنیاوی زندگی میں (بھی) انہیں عذاب میں گرفتار رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جائے (جس کی بنا پر آخرت میں بھی عذاب میں گرفتار رہیں۔ جس اولاد اور مال کا یہ انجام ہو، وہ انعام کہاں ہوا! پھر تعجب کیوں ہو؟)

فائدہ: دنیا میں مال اور اولاد کا عذاب ہونا جب دنیا کے لئے لازم ہے کہ پہلے تو اس کو حاصل کرنے اور تمنا میں جسمانی اور روحانی کیسی کیسی کوفت اٹھانی پڑتی ہے، پھر اگر حاصل ہونے کے بعد ذرا نقصان ہو گیا، ذرا بیماری ہو گئی تو رنج وغم کا پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑتا ہے اور اگر ساری حالتیں طبیعت کے مطابق بھی ہوں تو اس کا اندیشہ کہ کوئی امر ناگوار پیش نہ آ جائے، پھر جدائی کے وقت کس بلا کی حسرت اور صدمہ کہ اللہ کی پناہ، اور آخرت میں تو ظاہر ہے کہ کافر پر جتنی زیادہ دنیاوی نعمتیں ہوں گی، ان کے کفر میں اتنا ہی زیادہ اضافہ ہوگا جس پر آخرت کے عذاب کی وعید ہے۔

﴿ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں کے ہیں، حالانکہ وہ تم میں کے نہیں، لیکن وہ ڈرپوک لوگ ہیں۔ ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی یا غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی ذرا جگہ تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر چل دیتے۔

(۱) اگر شبہ ہو کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بعض اوقات انفاق یعنی خرچ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہوگا، ورنہ لفظ ﴿ كَرْهًا ﴾ کیوں کہا جاتا؟ اس کا جواب آیات ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا ﴾ الخ کی تفسیر میں فائدہ کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

ربط: اوپر ان کے کافر ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان کے ایمان کے دعوی کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ تقیہ اور منافقت ہے۔

منافقوں کا ایمان کے اظہار میں مجبور ہونا:

اور یہ (منافق) لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہی ہیں، حالانکہ (واقعی طور پر) وہ تم میں سے نہیں، لیکن (اصل بات یہ ہے کہ) وہ ڈرپوک لوگ ہیں (اس وجہ سے ڈر کے مارے کہ ہمارے کفر ظاہر ہونے پر ہمارے ساتھ دوسرے کافروں جیسا برتاؤ نہ ہونے لگے، اپنے کفر کو جھوٹی قسمیں کھا کر چھپاتے ہیں اور کہیں دوسری جگہ ٹھکانا نہیں جو آزادی کے ساتھ جا رہیں۔ ورنہ) ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی یا (کہیں پہاڑوں وغیرہ میں) غار (مل جاتے) یا کوئی گھس بیٹھنے کی ذرا جگہ مل جاتی) تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر چل دیتے (اور ایمان کا اظہار نہ کرتے۔ مگر اب کیا کریں بیچارے مجبور ہیں، مجبوراً جھوٹی قسموں سے کارروائی کرتے ہیں)

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۞ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۞﴾

ترجمہ: اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں، سو اگر ان صدقات میں سے ان کو مل جاتا ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے ان کو نہیں ملتا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا تھا، اور یوں کہتے کہ ہم کو اللہ کافی ہے۔ آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا اور اس کے رسول دیں گے ہم اللہ کی طرف راغب ہیں۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ ﴾ کی تمہید میں گذر چکا۔

دوسرے منافقوں کے کچھ خاص احوال:

اور ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو صدقات (تقسیم کرنے) کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں (کہ نعوذ باللہ اس تقسیم میں عدل وانصاف سے کام نہیں لیا گیا) تو اگر ان صدقات میں سے کچھ انہیں (ان کی خواہش کے مطابق مل جائے تو وہ آپ سے) راضی ہو جاتے ہیں، اور اگر ان صدقات میں سے ان کو (ان کی خواہش کے مطابق) نہیں ملتا تو وہ (آپ سے) ناراض ہو جاتے ہیں (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اعتراض اور حرف گیری کا منشا محض دنیاوی حرص اور خود غرضی ہے، لہٰذا ایسے اعتراض کا باطل ہونا ظاہر ہے) اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ انہیں اللہ نے (دلایا تھا) اور اس کے رسول نے دیا تھا، اور (اس کے بارے میں یوں کہتے کہ ہمیں اللہ کا دیا) کافی ہے (ہمیں اتنا ہی

ملنا مناسب تھا، اسی میں خیر و برکت ہوگی اور اگر پھر ضرورت پیش آئے گی اور مصلحت ہوگی تو) آئندہ (اللہ تعالیٰ اپنے فضل (وکرم) سے ہمیں اور دے گا۔ اور اس کے رسول (ﷺ) دیں گے ہم (دل سے) اللہ ہی طرف راغب ہیں (اور اسی سے سب امیدیں رکھتے ہیں)

فائدہ: یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات میں سے منافقوں کو بھی ملا کرتا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ صدقات نفل تھے یا جن کو صدقات دیئے جاتے تھے وہ عملی منافق مراد ہوں تب تو کوئی اشکال نہیں، کیونکہ پہلی صورت میں تو اسلام شرط نہیں اور دوسری صورت میں اس کی نفی نہیں، اور اگر صدقات فرض یا منافق اعتقادی ہوں تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس وقت تمام احکام میں منافقوں کے ساتھ مؤمنوں جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا، اس لئے اس میں بھی ایسا ہی کیا گیا۔

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝﴾

ترجمہ: صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں اور جہاد میں اور مسافروں میں۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

ربط: اوپر صدقات کے بارے میں کئے گئے اعتراض کا جواب دیا تھا، اب اسی جواب کی تائید کے لئے صدقات کے مصارف کا اور مستحق لوگوں کا بیان فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ صدقات کا مقصد خاص اوصاف ہیں، لہٰذا رسول اللہ ﷺ اپنے دینے یا نہ دینے اور کم دینے اور زیادہ دینے میں ان اوصاف کے پائے جانے یا نہ پائے جانے اور قوت یا ضعف کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اعتراض کرنے والا اپنی کوتاہ نظری اور تنگ نظری کی وجہ سے اعتراض کرتا ہے، اور اس کے باوجود کہ آگے متفقہ طور پر فرض صدقات کا بیان ہے، اور جواب کا ربط بظاہر [1] صدقات کے عام ہونے پر موقوف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اوپر کی آیت میں صدقات کا فرض ہونا ثابت نہیں۔ لیکن ربط کی توجیہ اس طرح ہوسکتی ہے کہ جس طرح فرض صدقات خاص مصلحتوں اور اوصاف پر مبنی ہیں، اسی طرح دوسرے صدقات میں بھی خاص خاص مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہے، امانت و دیانت اور انصاف کے ساتھ تقسیم کرنے والے رسول اللہ ﷺ ان کو پیش نظر رکھتے تھے، لہٰذا ان کے ذکر میں

(۱) یعنی آگے جن صدقات کا ذکر ہوگا، ان میں ربط اسی صورت میں ہوگا جب وہ فرض اور نفل کے لحاظ سے عام ہوں ورنہ اگر آنے والی آیت میں صدقات فرض ہوں اور اوپر والی آیت میں جن صدقات کا ذکر ہے، ان کے بارے میں یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ وہ فرض تھے تو پھر ربط کیسے ہوگا؟

فرض صدقات کی تخصیص تمثیل کے طور پر ہوگی۔ خوب سمجھ لو۔

صدقات کے مستحق لوگ:

(فرض) صدقات تو حق ہے صرف غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات (کو وصول کرنے) پر متعین ہیں، اور جن کی دل جوئی کرنا (منظور) ہے، اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں (صرف کئے جائیں) اور قرض داروں کے قرضے (ادا کرنے) میں اور جہاد کرنے (والوں کے سامان) میں اور مسافروں (کی امداد) میں۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں (مناسب نامناسب کو جانتے ہیں، اور مناسب احکام مقرر کرتے ہیں)

یہ کل آٹھ مصارف ہیں، ان سے متعلق یہ مسائل ہیں:

مسئلہ (۱): مولفۃ القلوب یعنی جن لوگوں کی دل جوئی کرنا منظور ہوتا تھا، ان لوگوں کو جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں زکوٰۃ دی جاتی تھی، چاہے وہ مسلمان نہ ہوں مگر ان کے مسلمان ہونے کی امید ہو، یا محض ان کے شر وفتنہ سے بچنے کے لئے۔ اور یا مسلمان ہوں مگر غریب نہ ہوں، محض ان کو اسلام سے محبت پیدا کرنے کے لئے۔ صحابہ کے وقت میں ان کے مستحق نہ ہونے پر اجماع ہوگیا جو سابق حکم کے منسوخ ہوجانے کی علامت ہے (ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں ابن جبیر، شعبی اور عبیدہ السلمانی سے روایت کیا ہے، جیسا کہ الدر المنثور میں ہے۔ اب البتہ اگر کوئی مسلمان اور غریب ہو تو وہ دوسری قسموں میں داخل ہوجائے گا۔

مسئلہ (۲): فرض وصدقات دینے کے لئے لینے والے میں اسلام اور اصلی ضرورتوں سے زیادہ سامان کا نصاب کی مقدار میں مالک وقابض نہ ہونا سب میں شرط ہے، سوائے زکوٰۃ وصول کرنے اور اس سے متعلق ذمہ داریاں انجام دینے والے کارکنوں کے، جو اسلامی سلطان کی طرف سے مقرر ہوں کہ انہیں غنی ہونے کے باوجود اسی زکوٰۃ میں سے اجرت کے طور پر دینا جائز ہے۔ باقی قسموں میں مذکورہ قید شرط ہے، اور اس بنا پر صرف فقراء کہہ دینا کافی معلوم ہوتا تھا، لیکن دوسرے عنوانات کے لانے سے یہ مقصود ہے کہ ان میں فقیری اور مسکینی کے علاوہ مستحق ہونے اور دست گیری کے دوسرے اسباب بھی ہیں۔

مسئلہ (۳): بنی ہاشم میں سے نہ ہونا تمام قسموں میں شرط ہے۔

مسئلہ (۴): فقیر اور مسکین کی تعریف میں اگرچہ اختلاف ہے کہ ایک کے معنی ہیں جس کے پاس بالکل بھی کچھ نہ ہو، اور دوسرے کے معنی ہیں جس کے پاس نصاب سے کم ہو، لیکن زکوٰۃ کے حکم میں کچھ اختلاف نہیں ہے، البتہ وصیت کے حکم میں اختلاف ہے کہ اگر فقراء کے لئے وصیت کی تو حصہ کیسے لوگوں کو ملے گا؟ یا مسکینوں کے لئے وصیت کی تو کیسے لوگوں کو ملے گا۔

مسئلہ (۵): گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غلام سے اس کے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تم اتنا روپیہ دیدو تو میں تمہیں آزاد کردوں گا، تو اس غلام کو زکوٰۃ دیدی جائے گی تاکہ وہ اپنے آقا کو مطلوبہ رقم دے کر آزاد ہو جائے۔

مسئلہ (۶): جس کے پاس دس ہزار روپے موجود ہوں اور وہ گیارہ ہزار کا مثلاً قرض دار ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے

مسئلہ (۷): مجاہد کے اپنے گھر میں خوب مال و دولت اور اسباب موجود ہیں مگر وہ خود گھر سے دور ہے اور یہاں سامان نہیں، اس کو ضرورت ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے، یہی حکم مطلق مسافر کا ہے۔

مسئلہ (۸): مذکورہ تمام مصارف میں یہ شرط ہے کہ جن کو زکوٰۃ دی جائے، ان کو پوری طرح مالک بنادیا جائے، مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ (۹): یہ سب احکام فرض صدقات کے ہیں، نفلی صدقات میں یہ قیدیں نہیں ہیں، یہ سب مسائل ہدایہ میں ہیں۔

﴿وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ؀﴾

ترجمہ: اور ان میں سے بعضے ایسے ہیں کہ نبی کو ایذائیں پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ وہ نبی کان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں خیر ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مؤمنین کا یقین کرتے ہیں، اور آپ ان لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہیں جو تم میں ایمان کا اظہار کرتے ہیں، اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذائیں پہنچاتے ہیں ان لوگوں کے لئے دردناک سزا ہوگی۔

ربط: اوپر آیت ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ﴾ کی تمہید میں بیان ہو چکا ہے۔

دوسرے منافقوں کے کچھ خاص احوال واقوال:

اور ان (منافقوں) میں بعض (لوگ) ایسے ہیں کہ نبی (ﷺ) کو اذیت پہنچاتے ہیں (یعنی آپ کی شان میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن کو سن کر آپ کو اذیت ہو) اور (جب کوئی روکتا ہے تو) کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان لگا کر سن لیتے ہیں (لہٰذا آپ کو جھوٹ بول کر دھوکا دینا آسان ہے، اس لئے کوئی فکر کی بات نہیں) جواب میں آپ فرمادیجئے کہ (خود تمہیں دھوکا ہوا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا کسی بات کو سن لینا دو طرح ہوتا ہے: ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اس کو صحیح مان لیں۔ دوسرے خوش اخلاقی اور کریم النفسی یعنی ذاتی شرافت کے طور پر کہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے باوجود کہ یہ بات بالکل غلط ہے، اعلیٰ اخلاق اور فطری شرافت کی وجہ سے اس کو ٹال دیں اور کہنے والے پر کوئی گرفت یا پوچھ تاچھ نہ کریں، اس کو جھوٹا قرار نہ دیں، تو) وہ نبی کان لگا کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بھلائی (ہی بھلائی) ہے

(جس کا حاصل اور نتیجہ یہ ہے کہ) وہ اللہ (کی باتیں وحی کے ذریعہ معلوم کر کے ان) پر ایمان لاتے ہیں (جن کی تصدیق کا خیر و بھلائی ہونا تمام عالم کے لئے ظاہر ہے، کیونکہ تعلیم اور عدل اسی تصدیق پر موقوف ہے) اور (مخلص) مؤمنوں (کی باتوں) کا (جو ایمان و اخلاص کی حیثیت سے ہوں) یقین کرتے ہیں (اس کا بھی خیر ہونا ظاہر ہے کہ عدل عام احوال کی صحیح اطلاع پر موقوف ہے، اور اس کا ذریعہ بھی مخلص مؤمن ہیں، غرض کان لگا کر اور سچا سمجھ کر تو اللہ کی اور مخلصوں کی باتیں سنتے ہیں) اور باقی جو تمہاری شرارت آمیز باتیں سن لیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ ان لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہیں جو تم میں ایمان کا اظہار کرتے ہیں (چاہے دل میں نہ ہو، لہٰذا اس مہربانی اور اس خوش اخلاقی کی وجہ سے تمہاری باتیں سن لیتے ہیں، اور اس کی حقیقت سمجھ جانے کے باوجود درگذر سے کام لیتے اور خاموشی برتتے ہیں تو ان باتوں کا سننا دوسری طرح کا ہے، تم نے اپنی حماقت کی وجہ سے اس کو بھی پہلی قسم پر محمول کرلیا۔ خلاصہ یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حضرت ﷺ حقیقت کو نہیں سمجھتے اور اصل بات یہ ہے کہ حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے) اور جو لوگ رسول اللہ (ﷺ) کو اذیتیں پہنچاتے ہیں (چاہے ان باتوں سے جن کے کہنے کے بعد ﴿هُوَ أُذُنٌ﴾ کہا تھا یا خود اس اذن کے کہنے سے، کیونکہ اس میں بھی تو آپ کے ذہین و فطین ہونے کی شان کے خلاف ہے تو) ان لوگوں کے لئے دردناک سزا ہوگی (اس قصہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ بعض منافقوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی نازیبا بات کہی، کسی دوسرے منافق نے کہا کہ ایسا مت کہو، کہیں آپ کو خبر نہ ہو جائے، پھر ہماری خبر لیں۔ جواب میں اس شخص نے کہا: کوئی فکر و پریشانی کی بات نہیں، آپ ہر بات کان لگا کر سن لیتے ہیں، اور ہر ایک کے دھوکے میں آجاتے ہیں، کوئی تحقیق نہیں کرتے، اگر ایسا ہوا تو ہم جا کر باتیں بنا دیں گے اور دھوکہ دے کر بری ہو جائیں گے (روح المعانی میں السدی کے حوالہ سے ابن ابی حاتم کی روایت)

فائدہ: آیت کا مطلب یہ نہیں کہ منافقوں کی سخن سازی آپ سے کبھی مخفی نہیں رہی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کی خاموشی کی ہمیشہ ہی یہ وجہ نہیں ہوتی۔ اور آیت ﴿لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ کے نزول کے بعد تو پھر کوئی بات چھپی ہوئی رہی ہی نہیں، جیسا کہ مفسرین نے اس کی تفسیر میں صراحت کی ہے اور مؤمنوں میں جو ایمان و اخلاص کی حیثیت کی قید لگائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مؤمن ہر بات میں تو ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی تصدیق کرنا واجب ہو، بلکہ شرعی قاعدہ کے مطابق جو بات اس کے ایمان و اخلاص سے درست سمجھی جائے گی، اس کی تصدیق واجب ہوگی، اسی حیثیت میں عدالت کے گواہوں کی صفات بھی داخل ہیں۔

﴿يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝﴾

ترجمہ: یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کرلیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو اس کو راضی کریں۔ کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، یہ بڑی رسوائی ہے۔

ربط: اوپر منافقوں کے کچھ خاص احوال واقوال کا بیان تھا۔ اب باقی مشترکہ احوال ذکر کر کے گذشتہ بیان کی طرف لوٹتے ہیں، جن میں سے ایک تو ان کا فاسد اغراض سے قسمیں کھانا ہے۔

منافقوں کا فاسد اغراض سے جھوٹی قسمیں کھانا:

یہ لوگ تمہارے (مسلمانوں کے) سامنے (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں (کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی، یا ہم غزوہ میں فلاں عذر کی وجہ سے نہیں جاسکے) تاکہ تمہیں راضی کرلیں (جس کی وجہ سے ان کے جان ومال محفوظ رہیں) حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو انہیں راضی کریں (جو کہ ایمان اور اخلاص پر موقوف ہے) کیا انہیں خبر نہیں کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا (جیسا کہ یہ لوگ کر رہے ہیں) تو اس کے لئے طے ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طرح نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا (اور) یہ بڑی رسوائی (کی بات) ہے۔

فائدہ: روایتوں میں تصریح ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے، تاکہ آپ ان پر بھروسہ کریں، اور یہاں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد مسلمانوں کو راضی کرنا تھا، آپ کو راضی کرنا نہ تھا، تو اصلی بات یہ ہے کہ آپ کی رضامندی ایک تو تعرض نہ کرنے کی حیثیت سے ہے، اور اس حیثیت سے آپ کی رضامندی دوسرے مؤمنوں کی رضامندی کی طرح ہے اور دوسری رضامندی دل سے ہے اور اس اعتبار سے آپ کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طرح ہے، لہٰذا ان کا مقصود آپ کو پہلی حیثیت سے راضی کرنا تھا، جبکہ مطلوب دوسری حیثیت ہے، جو کہ مفقود تھی۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: منافق لوگ اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہوجاوے جو ان کو منافقین کے مافی الضمیر پر اطلاع دیدے۔ آپ فرمادیجئے کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم اندیشہ کرتے تھے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھئے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔

آپ کہہ دیجئے گا کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے؟ تم اب عذر مت کرو تم تو اپنے کو مؤمن کہہ کر کفر کرنے لگے۔ اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو تو سزا دیں گے بسبب اس کے کہ وہ مجرم تھے۔

ربط: اوپر بعض مشترک احوال کا بیان تھا، ان میں سے ایک ان کا استہزا یعنی مذاق اڑانا، اور پھر اس پر فضول اور لغو تاویل کرنا ہے۔ اب اس کا بیان ہے، جس کا قصہ یہ ہے کہ انھوں نے آپس میں کچھ ایسی باتیں کیں جن میں دین کا مذاق اڑایا گیا تھا۔ اور پھر اس وجہ سے کہ ان کی اکثر پوشیدہ باتوں کی اطلاع آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ ہو جاتی تھی اس لئے قدرتی طور پر یہ خیال ہوا کہ کہیں یہ بھی ظاہر نہ ہو جائے، چنانچہ وہ بات ظاہر بھی ہوگئی تو آپ نے انہیں بلا کر پوچھا، اس وقت انھوں نے تاویل کی ﴿ نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ﴾ یعنی "ہم تو محض مذاق اور خوش طبعی کر رہے تھے"

منافقوں کا مذاق اڑانا اور باطل عذر کرنا:

منافق لوگ (فطری طور پر) یہ اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر (پیغمبر ﷺ کی وحی کے ذریعہ) کوئی ایسی سورت (یا آیت) نازل نہ ہو جائے جو ان منافقوں کے (مافی الضمیر پر) من کی باتوں کی اطلاع دیدے (یعنی انھوں نے جو خفیہ طور پر مذاق اڑانے کی باتیں کی ہیں کہ مسلمانوں کے اعتبار سے ان کی حیثیت دلوں میں چھپے ہوئے رازوں کی سی ہے، کہیں ان کی خبر نہ ہو جائے) آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم مذاق کرتے اور اڑاتے رہو (اس میں ان کے استہزا یعنی مذاق اڑانے کی حرکت کی اطلاع کے بارے میں جتلا دیا، چنانچہ آگے خود ارشاد ہے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا، جس (کے اظہار) سے تم اندیشہ کرتے تھے (چنانچہ لفظ ﴿ اسْتَهْزِءُوْا ﴾ کے ذریعہ ظاہر کر دیا کہ تم استہزا کرتے تھے) اور (ظاہر ہو جانے کے بعد) اگر آپ ان سے (اس استہزا کی وجہ پوچھیئے تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض ہنسی مذاق اور خوش طبعی کر رہے تھے (اس بات کا اصل مطلب مقصود نہیں تھا۔ محض دل خوش کرنے کے لئے جس سے سفر آسانی سے گذر جائے یا ٹائم پاس ہو جائے کہ اس طرح ایک اچھے مقصد سے ایسی باتیں یوں ہی کر رہے تھے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کا اور اس کی آیتوں کا اور اس کے رسول کا مذاق اڑاتے تھے (یعنی چاہے غرض کچھ بھی ہو، مگر استہزا کا موقع تو دیکھو، دیکھو کہ کس کا مذاق اڑا رہے تھے کہ ان کے ساتھ استہزاء کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے) اب تم (یہ بے ہودہ) عذر مت کرو (مطلب یہ کہ یہ عذر قابل قبول نہیں، اور اس عذر کی وجہ سے استہزا جائز نہیں ہو جاتا) تم تو خود کو مؤمن کہنے کے بعد کفر کرنے لگے (کیونکہ دین کے ساتھ استہزا بالکل کفر ہے، اگرچہ دل میں تو پہلے بھی ایمان نہیں تھا، ہاں اگر کوئی دل سے توبہ کر لے اور مخلص مؤمن بن جائے تو یقیناً کفر اور کفر کے عذاب سے چھوٹ جائے، لیکن اس کی بھی سب کو توفیق نہیں ہوگی، البتہ کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور انہیں معاف کر دیا جائے گا، لہٰذا حاصل یہ کہ) اگر ہم تم میں سے بعض کو (اس

وجہ سے) چھوڑ بھی دیں (کہ وہ مسلمان ہوجائیں گے) پھر بھی بعض کو تو (لازمی طور پر) اس وجہ سے سزا دیں گے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم ہیں (یعنی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوں گے)

مسئلہ: دین کے ساتھ قصداً استہزا چاہے بداعتقادی کی بنا پر یا بغیر بداعتقادی کے ہو، کفر ہے۔ اور استہزا اللہ کے ساتھ ہو، یا چاہے اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ، یہ تینوں آپس میں ایک دوسرے سے متعلق ہیں، اور فقرہ ﴿إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ﴾ کے مصداق کے طور پر روایتوں میں مخشی بن حمیر کا ذکر آیا ہے، اور لفظ طائفہ کا اطلاق ایک فرد پر بھی ہوتا ہے، اس لئے کوئی اشکال لازم نہیں آتا، جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔

﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُم بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُم بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾﴾

ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات کی تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انھوں نے خدا کا خیال نہ کیا، پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا، بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان کے لئے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور ان کو عذاب دائمی ہوگا۔ تمہاری حالت ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں جو شدتِ قوت میں اور کثرتِ اموال واولاد میں تم سے بھی زیادہ تھے۔ تو انھوں نے اپنے حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا، سو تم نے بھی اپنے حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی بری باتوں میں ایسے ہی گھسے جیسا وہ لوگ گھسے تھے۔ اور ان لوگوں کے اعمال دنیا وآخرت میں ضائع گئے اور وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔ کیا ان لوگوں کو ان کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں، جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور الٹی ہوئی بستیاں کہ ان کے پاس ان

کے پیغمبر صاف نشانیاں لے کر آئے، سو اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

ربط: اوپر منافقوں کے کئی قبیح امور کا ذکر ہوا ہے۔ اب ان کا آپس میں اور دوسرے کفار کے ساتھ جو پہلے گذر چکے ہیں، قبیح امور میں متشابہ ہونا اور ان قبیح امور پر وعید اور گذشتہ امتوں کے قصوں کی طرف اشارہ کر کے اس وعید کی تاکید فرماتے ہیں۔

منافقوں کا مذمت میں کافروں کے مشابہ ہونا اور ان کے لئے وعید:

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں کہ بری بات کی (یعنی کفر اور اسلام کی مخالفت کی) تعلیم دیتے ہیں، اور اچھی بات سے (یعنی ایمان اور نبی کی سنت کی اتباع سے) منع کرتے ہیں، اور (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں، انھوں نے اللہ کا خیال نہیں کیا (یعنی اطاعت نہیں کی) اس لئے اللہ نے ان کا خیال نہیں کیا (یعنی ان کے اوپر اپنی خاص رحمت نہیں کی) بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں، اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور (اعلانیہ) کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہ ان کے لئے کافی (سزا) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور انہیں (مذکورہ وعدہ کے مطابق) ہمیشہ کا عذاب ہوگا (اے منافقو! کفر اور کفر کی جزا کے مستحق ہونے میں) تمہاری حالت ان لوگوں جیسی ہے جو تم سے پہلے (زمانہ میں) گذر چکے ہیں جو قوت کی شدت اور مال و اولاد کی کثرت میں تم سے بھی زیادہ تھے تو انھوں نے اپنے (دنیاوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا، تو تم نے بھی اپنے (دنیاوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے (دنیاوی) حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا، اور تم بھی بری باتوں میں ایسے ہی گھسے جیسا وہ لوگ (بری باتوں میں) گھسے تھے، ان لوگوں کے اعمال (حسنہ) دنیا اور آخرت (سب) میں ضائع گئے (کہ دنیا میں ان اعمال پر ثواب کی بشارت نہیں، اور آخرت میں ثواب نہیں) اور (دنیا و آخرت میں اس طرح ضائع ہونے کی وجہ سے) وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں (کہ دونوں جہاں میں مسرت اور راحت سے محروم ہیں، لہٰذا اسی طرح تم ان کی طرح کفر کرتے ہو، تو انہی کی طرح نقصان اٹھاؤ گے اور ناکام ہو گے۔ اور جس طرح ان کے مال و اولاد (ان کے کام نہیں آئے، تم تو ان چیزوں میں ان سے کم ہو، تمہارے کام تو بدرجۂ اولیٰ نہیں آئیں گے۔ یہ تو آخرت کے نقصان کی وعید ہوئی۔ آگے دنیا کے نقصان کے ذکر سے تنبیہ فرماتے ہیں کہ) کیا ان لوگوں کو ان (کے عذاب و ہلاکت) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں، جیسے نوح کی قوم اور عاد و ثمود اور ابراہیم کی قوم اور اہل مدین اور الٹی ہوئی بستیاں (یعنی حضرت لوط کی قوم کی بستیاں) کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر (حق کی) صاف نشانیاں لے کر آئے (لیکن وہ نہ ماننے کی وجہ سے برباد ہوئے) تو (اس بربادی میں) اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (اسی طرح ان منافقوں کو بھی ڈرنا چاہئے)

فائدہ: دوسری قوموں کے قصے تو سورۃ الاعراف آیات ۵۹ تا ۹۳ میں گذرے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا قصہ یہ ہے کہ نمرود کے دماغ میں ایک مچھر گھس گیا تھا، اس کے بعد نمرود کو اپنے سر پر مار پڑنے سے کچھ سکون رہتا تھا، ورنہ سخت اذیت میں مبتلا رہتا تھا، اس نے ایک عالیشان عمارت بنائی تھی، اس عمارت کے گرنے سے اس قوم کے بہت سے لوگ دب کر مر گئے، جیسا کہ الدر المنثور میں سورۃ النحل کی آیت ۲۶ کی تفسیر میں ہے۔

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ ﴾ ع

ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں۔ ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر ہے، حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہونگی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور نفیس مکانوں کا جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہونگے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

ربط: اوپر منافقوں کے قبیح امور اور ان کی فضیحتوں کا ذکر تھا۔ اب مضمون کی مزید وضاحت کے لئے کہ اصل چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں اور مخالفوں کی بشارت کے لئے مؤمنوں کے بعض قابل تعریف امور کا بیان ہے۔

مؤمنوں کی تعریفیں اور بشارتیں:

اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں، ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا (جس کی تفصیل جلدی ہی آیت ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ ﴾ میں آرہی ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے (پوری جزا دے سکتا ہے) حکمت والا ہے (مناسب جزا دیتا ہے۔ اب اس رحمت کا بیان ہوتا ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور نفیس مکانوں کا وعدہ کر رکھا ہے) جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے، اور (ان سب نعمتوں کے ساتھ) اللہ تعالیٰ کی رضامندی (جو اہل جنت کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل رہے گی، ان) سب (نعمتوں) سے بڑی چیز ہے۔

یہ (مذکورہ جزا) بڑی کامیابی ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝﴾

ترجمہ: اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

ربط: اوپر مؤمنوں کے ذکر سے پہلے منافقوں کا ذکر تھا۔ اب پھر انہی کا خاص طور پر ذکر ہے کہ مذکورہ مضامین پر تفریع کے طور پر ان سے اور ان کے ساتھ کفار سے زبان اور ہتھیاروں کے ذریعہ مجاہدہ کا حکم ہے، اور ان کے جہنمی ہونے کی خبر ہے، اور اس کے بعد مذکورہ مضامین کی طرح دوسرے مضامین کا تفریع کے مجموعہ کی تائید اور اس کی علت کے طور پر بیان ہے۔

کافروں اور منافقوں سے جہاد کا حکم:

اے نبی! (ﷺ) کافروں (سے ہتھیاروں سے) اور منافقوں سے (زبان سے) جہاد کیجئے۔ اور ان پر سختی کیجئے (دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں) اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔

﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝﴾

ترجمہ: وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات نہیں کہی، حالانکہ یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی تھی، اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے، اور انھوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی اور یہ انھوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزقِ خداوندی سے مالدار کر دیا، سو اگر توبہ کریں تو ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک سزا دے گا، اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار۔

ربط: اوپر والی آیت میں گذر چکا ہے۔

منافقوں کے بعض احوال سے سابقہ مضامین کی تاکید اور جہاد کے حکم کی تائید:

اس کے متعلق مختصر طور پر قصہ یہ ہے کہ تبوک سے واپسی میں چند منافقوں نے کہ جن کی تعداد بارہ تک نقل کی گئی ہے، ایک رات طے کیا کہ آپ ﷺ کی سواری فلاں گھاٹی سے گذرے گی، وہاں سب مل کر آپ کو اوپر سے دھکیل دیں اور پھر

قتل کردیں، چنانچہ جمع ہوکر اور اپنا اپنا منہ لپیٹ کر اچانک اس موقع پر آپہنچے، مگر آپ نے انہیں دیکھ کر ڈانٹ دیا۔ حضرت حذیفہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے، انھوں نے ہٹا دیا، مگر اس وقت وہ لوگ پہچانے نہیں گئے، بعد میں آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوگیا تو آپ نے منزل پر پہنچ کر ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا ایسا مشورہ کیا تھا، اور ایسا منصوبہ بنایا تھا، وہ سب قسمیں کھا گئے کہ نہ ایسا کوئی مشورہ ہوا اور نہ ہی کوئی منصوبہ بنایا گیا، ان میں سے بعض کی خاص طور سے آپ نے مالی مدد بھی فرمائی تھی، جیسے جُلاس کا ایک بڑا قرضہ ادا کیا تھا، اور ویسے بھی آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ کے اکثر لوگ غریب اور محتاج تھے، پھر غنیموں کی کثرت ہوئی تو انہیں بھی ظاہری میل جول کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ملتا ہی رہتا تھا، جیسا کہ آیت ۴۲ ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا﴾ سے بھی معلوم ہوتا ہے، اس قصہ کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی، اور اس کے نازل ہونے کے بعد جُلاس رضی اللہ عنہ نے سچے دل اور اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کیا، جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ یہاں غنیموں سے متعلق حوالہ روح المعانی سے نقل کیا گیا ہے، جسے الکلبی نے روایت کیا ہے اور درمنثور میں نزول کے اسباب اور دوسرے قصے بھی نقل کئے ہیں، اسی طرح ﴿هَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا﴾ اور ﴿أَغْنٰهُمُ﴾ کی تفسیر میں بھی دوسرے اقوال نقل کئے ہیں۔

آیت و تفسیر:

وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات (مثلاً یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کردیں) نہیں کہی، حالانکہ یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی تھی (کیونکہ آپ کو قتل کے سلسلہ کی بات کا کفر ہونا ظاہر ہے) اور (وہ لوگ یہ بات کہہ کر) اپنے (ظاہری) اسلام کے بعد (ظاہر میں بھی) کافر ہوگئے (اپنے ہی مجمع میں سہی کہ جس کی خبر مسلمانوں کو بھی ہوگئی اور اس سے عام طور پر کفر کھل گیا) اور انھوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی (یعنی رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا، مگر ناکام رہے) اور یہ انھوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزق خداوندی سے مالدار کردیا، (اس احسان کا بدلہ ان کے نزدیک یہی ہوگا کہ برائی کریں) تو اگر (اس کے بعد بھی) توبہ کریں تو ان کے لئے (دونوں جہاں میں) بہتر (اور فائدہ مند) ہوگا، (چنانچہ جلاس کو توبہ کی توفیق ہوگئی) اور اگر (توبہ سے) منہ پھیرا (اور کفر ونفاق ہی پر جمے رہے) تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت (دونوں جگہ) میں دردناک عذاب دے گا (چنانچہ عمر بھر بدنام اور پریشان اور خوفزدہ رہنا اور مرتے وقت مصیبت کا مشاہدہ کرنا یہ دنیاوی عذاب ہے اور آخرت میں دوزخ میں جانا ظاہر ہی ہے) اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار (کہ عذاب سے بچالے، اور جب دنیا ہی میں کوئی یار و مددگار نہیں، جہاں اکثر مدد ہو جاتی ہے تو آخرت میں تو بدرجۂ اولیٰ منفی ہوگا۔

فائدہ: آیت میں لفظ ﴿نَقَمُوْٓا﴾ بالکل ویسا ہی ہے جیسے ہماری زبان میں کہتے ہیں: "مجھ سے یہ غلطی ہوگئی تھی کہ

میں وقت پر اس کے کام آگیا تھا' اس کو تاکید الشی بخلافہ یعنی کسی چیز کی تاکید اس کے خلاف سے کہتے ہیں۔

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان میں سے بعض آدمی ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے عطا فرماوے تو ہم خوب خیرات کریں، اور ہم خوب نیک نیک کام کیا کریں۔ سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیدیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور روگردانی کرنے لگے اور وہ روگردانی کے عادی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق کردیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا، اس سبب سے کہ انھوں نے خدا تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے، کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا راز اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

ربط: اوپر آیت ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ ﴾ کی تمہید میں گذر چکا ہے۔

بعض منافقوں کے کچھ خاص احوال:

اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ ثعلبہ بن حاطب نامی ایک شخص نے آپ سے کثرت مال کی دعا کرائی، آپ نے سمجھایا کہ اس میں کوئی مصلحت نہیں ہے، لیکن اس نے اصرار کیا کہ میں مال و دولت نیک کاموں میں صرف کیا کروں گا، آخر وہ آپ کی دعا سے مال دار ہوگیا، لیکن جب زکوٰۃ دینے کا وقت آیا تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ میں اور جزیہ میں کیا فرق ہے؟ اس طرح زکوٰۃ نہیں دی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت وتفسیر: اور ان (منافقوں) میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں (کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے عہد کرنا اور اللہ سے عہد کرنا برابر ہے، اور وہ عہد یہ تھا کہ) اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے (بہت سارا مال) عطا فرمادے تو ہم (اس میں سے) خوب خیرات کریں اور ہم (اس کے ذریعہ سے) خوب نیک نیک کام کیا کریں، اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے (بہت سارا مال و دولت) دیدیا تو اس میں بخل کرنے لگے (کہ زکوٰۃ نہ دی) اور (اطاعت سے) منہ پھیرنے لگے اور وہ تو (پہلے ہی سے) منہ پھیرنے کے عادی ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان (کے اس فعل) کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق بٹھادیا جو اللہ کے پاس جانے کے دن تک (یعنی مرتے وقت تک) رہے گا، کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کی اور اس سبب سے کہ (وہ اس وعدہ میں شروع ہی میں) جھوٹ

بولتے تھے (یعنی وعدہ پورا کرنے کی نیت ان کی پہلے بھی نہ تھی، لہٰذا نفاق تو دل میں اس وقت بھی تھا، جس کا نتیجہ یہ جھوٹ اور وعدہ خلافی ہے۔ پھر اس جھوٹ اور وعدہ خلافی کے وقوع سے اور بھی زیادہ غضب کے مستحق ہوگئے، اور اس زیادہ غضب کا اثر یہ ہوا کہ وہ پچھلا نفاق اب ہمیشہ رہنے والا اور کبھی زائل نہ ہونے والا ہوگیا کہ توبہ بھی نصیب نہیں ہوگی۔ اسی حالت میں مر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا نصیب ہوگا۔ اور پوشیدہ کفر کے باوجود وہ جو اسلام اور اطاعت کا اظہار کرتے ہیں تو) کیا ان (منافقوں) کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں کو خوب جانتے ہیں (اور اس لئے وہ ظاہری اسلام اور اطاعت ان کے کام نہیں آسکتا، خاص طور سے آخرت میں، لہٰذا جہنم کی سزا ضروری ہے)

فائدہ: باوجودیکہ صاحب قصہ صرف ایک شخص کا ہے، پھر بھی آیت میں جگہ جگہ جمع کی ضمیر لائی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے منافق بھی کسی نہ کسی حد تک ایسی ہی ذہنیت رکھتے تھے اور دیکھا جاتا ہے کہ دوسرے ہم خیال و ہم مشرب لوگوں کو ان کے اس قسم کے مال سے بھی نفع ہوتا ہے اور وہ ایسے احوال اور اقوال کو پسند بھی کیا کرتے ہیں اور ﴿فَاَعْقَبَهُمْ﴾ الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح طاعتوں سے ایمان کی نورانیت بڑھتی ہے۔ اسی طرح گناہوں سے کفر کی ظلمت بھی بڑھتی ہے، لہٰذا جھوٹ اور وعدہ خلافی سے گذشتہ کفر میں کہ ﴿هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ سے بھی اس کی طرف اشارہ ہے، یہ شدت ہوگئی کہ وہ مرتے دم تک کے لئے بڑھ گیا، جس کے لئے جہنم لازم ہے۔ لہٰذا اصل سزا جہنم میں ہمیشہ کے لئے پھینک دیا جانا ہے۔ قصہ کا تتمہ یہ ہے کہ ان آیتوں کے نازل ہونے کی خبر سن کر ثعلبہ زکوٰۃ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے منع فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری زکوٰۃ لینے سے منع فرمادیا ہے، اس نے بہت ہائے واویلا کیا، پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں زکوٰۃ لایا، آپ نے بھی قبول نہ کی، اسی طرح حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے بھی قبول نہیں کی، یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہ مر گیا، جیسا کہ ابو امامۃ الباہلی کی روایت سے طبرانی اور دلائل البیہقی کے حوالہ سے روح المعانی میں ہے۔ احقر کہتا ہے کہ اس کا زکوٰۃ لانا اور نہ لینے پر واویلا کرنا خلوص کی بنیاد پر نہیں تھا، بلکہ عار اور بدنامی دور کرنے کے لئے تھا، کیونکہ ﴿فَاَعْقَبَهُمْ﴾ الخ سے اس کا ہمیشہ کافر رہنا معلوم ہوگیا، پھر خلوص کا احتمال کہاں رہا، اور شاید ممانعتِ قبول سے حضور ﷺ کی مراد یہی ہو، کیونکہ صدقہ کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے، اور یہاں شرط کا نہ پایا جانا نص سے ثابت ہے، لہٰذا مشروط سے بھی ممانعت ہوگی، اور اس میں بھی کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا﴾ میں اسی کا اشارہ ہو، یہ شخص جو زکوٰۃ لایا ہے تو کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ دل کا حال جانتا ہے، جب دل میں ایمان نہیں تو کیسے قبول کی جائے گی، اور چونکہ یہ بات بھی کسی روایت میں نہیں آئی کہ بعد میں اس شخص نے مسکینوں کو خود دیدی ہو اس سے ظاہری طور پر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے زکوٰۃ دی ہی نہیں، یہ بھی اس کے خلوص نہ ہونے کا ایک قرینہ ہے، ورنہ خود بھی تو دے سکتا تھا، اور ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں مستقل وحی

بھی نازل ہوئی ہو۔ اور خلفاء راشدین کا قبول نہ کرنا آپ ﷺ کے قبول نہ فرمانے کی وجہ سے تھا۔ اور ﴿فَأَعْقَبَهُمْ﴾ سے استدلال کی صورت میں جمع کی ضمیر کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ دوسرے منافقوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا، مگر ممکن ہے کہ دوسروں کی تعیین نہ ہوئی ہو، اس لئے ان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا گیا، یا اس حکم میں اس شخص کی خصوصیت بانی اور باوی ہونے کی وجہ سے ہو، جیسا کہ بعض احکام مخصوص بھی ہوجایا کرتے تھے، اور اب چونکہ کسی کا پوشیدہ کفر یقینی نہیں، اس لئے اب اسلام ظاہر کرنے والے کے ساتھ مسلمان ہی والا معاملہ کیا جائے گا۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جن کو بجز محنت مزدوری کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا یعنی ان سے بھی تمسخر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس تمسخر کا بدلہ دے گا اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی۔

ربط: اوپر بعض مخصوص لوگوں کے احوال کا بیان تھا۔ اب پھر بعض مشترکہ احوال کا بیان ہے، جیسا کہ پہلے سے اسی طرح سلسلہ چلا آرہا ہے۔

منافقوں کے بعض دیگر مشترکہ احوال:

اس سے متعلق قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار آپ نے صدقہ کی ترغیب دی تو ایک صحابی بہت سارا مال لے آئے، منافقین نے ان کے بارے میں ریاکار ہونے کی بات کہی، ایک دوسرے صحابی غریب تھے، وہ بہت تھوڑا مال لائے، منافقوں نے کہا کہ یہ اس لئے لے آئے ہیں تاکہ ان کا بھی نام ہوجائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جیسا کہ بخاری کے حوالہ سے درمختار میں ہے۔

آیت وتفسیر: یہ (منافق لوگ) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں، اور (خاص طور سے) ان لوگوں پر (اور بھی زیادہ) جن کو محنت مزدوری (کی آمدنی) کے سوا اور کچھ میسر نہیں ہوتا (اور وہ بیچارے اس میں سے ہمت کر کے پیش کردیتے ہیں تو ان پر زیادہ طعن کرتے ہیں) یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں (یعنی مطلق طعنہ زنی تو سب پر کرتے ہیں اور ان غریبوں سے تمسخر بھی کرتے ہیں، ان کا مذاق بھی اڑاتے ہیں) اللہ تعالیٰ انہیں اس تمسخر کا (تو خاص) بدلہ دیں گے اور (ویسے مطلق طعنہ زنی کا یہ بدلہ تو ملے گا ہی کہ) ان کے لئے (آخرت میں) دردناک سزا ہوگی۔

فائدہ: چونکہ تمسخر یعنی مذاق اڑانے سے زیادہ دل دکھتا ہے، اس لئے اس کا ذکر واقع ہونے اور جزاء دونوں میں

خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ اور یہاں نفل صدقات کی تخصیص واقعہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ اگر عیب جوئی اور تمسخر غیر نفل میں ہو تب بھی یہی سزا ہے، بلکہ اولیت کے درجہ میں ہے، کیونکہ فرض نفل سے افضل ہے، تو اس کے بارے میں غلط بات اور بھی زیادہ سخت ہوگی۔

﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: آپ خواہ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا، اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں ہدایت نہیں کرتا۔

ربط: اوپر منافقوں کے لئے دردناک عذاب کی بات کہی گئی ہے۔ اب اس کے لئے تاکید بیان فرماتے ہیں کہ یہ عذاب نبی کی دعا اور استغفار یعنی مغفرت طلب کرنے سے بھی نہیں ٹل سکتا، جبکہ نبی کی دعا عذاب ٹالنے کا سب سے عظیم وسیلہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اصل شرط یعنی ایمان موجود نہیں ہے۔

نبی کے استغفار کا خاص منافقوں کے لئے نافع نہ ہونا:

آپ چاہے ان (منافقوں) کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں (نفع نہ ہونے میں دونوں برابر ہیں، جیسا کہ فرمایا ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ﴾ الخ آگے اس نفع کے نہ ہونے کا بیان ہے جس میں دونوں برابر ہیں، یعنی اگر آپ ان کے لئے ستر بار (یعنی کثرت سے) بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشیں گے (اور یہ (نہ بخشنا) اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو (جو کبھی ایمان اور حق طلب ہی نہ کریں) ہدایت نہیں کرتا (اس وجہ سے یہ لوگ عمر بھر کفر ہی پر قائم رہے اور اسی پر ختم ہو گئے)

فائدہ: اس آیت سے متعلق کچھ مضمون ان شاء اللہ تعالیٰ جلدی ہی آیت ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ الخ کی تفسیر میں آرہا ہے۔

﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: یہ پیچھے رہ جانے والے خوش ہوگئے رسول اللہ کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا۔ اور کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو، آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے۔ کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔ سوتھوڑے دنوں ہنس لیں اور بہت دنوں روتے رہیں، ان کاموں کے بدلہ میں جو کچھ کیا کرتے تھے۔ تو اگر خدا تعالیٰ آپ کو ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے پھر یہ لوگ چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن سے لڑو گے، تم نے پہلے بھی بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا تو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہی ہیں۔

ربط: اوپر سے منافقوں کا ذکر چلا آرہا ہے، اب ان میں سے خاص طور سے غزوہ کے وقت ساتھ نہ چلنے اور اپنے گھروں میں ہی رہ جانے والوں سے متعلق بعض مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

گھروں میں بیٹھے رہ جانے والوں میں سے بعض کا حال وانجام:

یہ پیچھے رہ جانے والے، رسول اللہ (ﷺ) کے (جانے کے) بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہوگئے، اور انہیں اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا (دو وجہ سے) ناگوار ہوا (ایک کفر، دوسرے آرام طلبی) اور دوسروں سے بھی کہنے لگے کہ تم (ایسی تیز) گرمی میں (گھر سے) مت نکلو، آپ (جواب میں) کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ (اس سے بھی) زیادہ (تیز اور) گرم ہے (تو تعجب ہے کہ اس گرمی سے تو بچتے ہو اور جہنم میں جانے کا خود سامان کر رہے ہو کہ کفر کو اور جہاد واسلام کی مخالفت کو نہیں چھوڑتے) کیا اچھا ہوتا اگر وہ سمجھتے تو (ان مذکورہ امور کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں) تھوڑے دنوں ہنس (کھیل) لیں، اور (پھر آخرت میں) بہت دنوں (یعنی ہمیشہ) روتے رہیں (یعنی ہنسنا تھوڑے دن کا ہے اور پھر رونا ہمیشہ ہمیشہ کا ہوگا) ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ (کفر ونفاق اور مخالفت وغیرہ) کیا کرتے تھے (جب ان کا حال معلوم ہوگیا) تو اگر اللہ تعالیٰ آپ کو (اس سفر سے مدینہ کو صالح وسالم) ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے ("گروہ" اس لئے کہا کہ ممکن ہے بعض اس وقت تک مر جائیں اور کوئی کہیں چلا جائے اور) پھر یہ لوگ (خوشامد کے طور پر اور سابق الزام کو دور کرنے کی غرض سے کسی جہاد میں آپ کے ساتھ) چلنے کی اجازت مانگیں (اور دل میں اس وقت بھی یہی ہوگا کہ عین وقت پر کچھ بہانہ کردیں گے) تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ (اگرچہ اس وقت دنیا سازی کے طور پر باتیں بنا رہے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کا حال بتادیا ہے، اس لئے پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ) تم کبھی بھی میرے ساتھ (جہاد میں) نہ چلو گے اور نہ ہی میرے ہمراہ ہو کر (دین کے) کسی دشمن سے لڑو گے (جو کہ چلنے سے اصلی مقصود ہے، کیونکہ) تم نے پہلے بھی بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا (اور اب بھی وہی عزم ہے) تو (خواہ مخواہ جھوٹی باتیں کیوں بناتے ہو، بلکہ پہلے ہی کی طرح اب بھی) ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ جو (عذر کی وجہ سے واقعی) پیچھے رہ جانے کے لائق ہی ہیں (جیسے بوڑھے، بچے اور عورتیں)

فائدہ: فقرہ ﴿قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا﴾ میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ مسلمانوں کو بھی بہکاتے ہوں، چاہے ان کے کہنے کا اثر نہ ہوا ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنے ہم خیال اور ہم مشرب لوگوں سے کہتے ہوں، چاہے کہنے کی ضرورت نہ ہو، لیکن اس سے مقصود موافقت کا اظہار اور اپنی رائے پر خوش و مسرور ہونا ہے۔ اور ﴿فَلْيَضْحَكُوْا﴾ اگرچہ امر کا صیغہ ہے، مگر اس سے مراد خبر دینا ہے، اور مجموعہ پر نتیجہ مرتب کرنا ہے، لہٰذا یہ شبہ نہیں رہا کہ رونا اعمال کی جزاء ہونا صحیح ہے، مگر ہنسنے کے جزا ہونے کا کیا مطلب ہے؟

> ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ان میں کوئی مرجاوے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو جیے۔ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔

ربط: اوپر منافقوں کے ساتھ ان کی دنیاوی زندگی میں برتاؤ کا ذکر تھا۔ اب ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ برتاؤ کا بیان ہے۔

منافقوں کے ساتھ مرنے کے بعد برتاؤ:

اور ان میں سے کوئی مرجائے تو اس (کے جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ (دفن وغیرہ کے واسطے) اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے (کیونکہ) انھوں نے (یعنی جو مرگئے ہیں) اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے ہیں (اور جو کافر ہو کر مرے اس کے لئے دعا اور استغفار یا اس کے کفن دفن میں شرکت جائز نہیں)

اشکال و جواب: اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں ایک اشکال ہے، وہ اشکال مع جواب نقل کیا جاتا ہے۔ اس کا شانِ نزول حدیث شیخین یعنی بخاری و مسلم کی حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح منقول ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے نے جو کہ مسلمان اور صحابی تھے، رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ اپنی قمیص عنایت فرمادیں تا کہ اس کو یہ قمیص پہنا کر دفن کر دیا جائے، آپ نے قمیص عنایت فرمادی، انھوں نے پھر درخواست کی کہ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھا دیجئے، آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اس کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقوں کی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (جیسا کہ اوپر آیت گذری ہے ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ الخ) آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے (منع نہیں فرمایا) کہ ارشاد ہے: آپ چاہے ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں، اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا،

لہٰذا میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا۔ غرض یہ کہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، اس پر یہ آیت ﴿ لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ پھر کبھی آپ نے کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی۔

اس میں اشکال یہ ہے کہ کیا آیت ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ کے ذریعہ استغفار کی ممانعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، اگر ثابت ہوتی ہے تو پھر آپ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ کیوں پڑھی؟ کہ نماز جنازہ سے استغفار یعنی مغفرت طلب کرنا مقصود ہوتا ہے؟ اور پھر آپ نے اختیار دینا کیسے سمجھا؟ اور اگر ممانعت ثابت نہیں ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن کی مادری زبان عربی ہی تھی، وہ اس زبان کو پوری طرح سمجھتے تھے، ممانعت کیسے سمجھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں لفظ "اَوْ" میں برابری کے معنی پائے جاتے ہیں نہ اس سے ممانعت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی اختیار یا غیر اختیار، بلکہ اس میں حکم اور ممانعت کے معنی کے لئے خارجی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے ﴿ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ ﴾ الخ دوسری آیت ﴿ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ ﴾ الخ سے ڈرانے کا حکم ثابت ہوا۔ اب اس خارجی دلیل کے سلسلہ میں اختلاف ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہ سمجھا کہ ﴿ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾ سے اس فعل کا بیکار ہونا معلوم ہوتا ہے اور آپ جیسے حکیم کی شان کے اعتبار سے بیکار کام منع ہے، اس لئے انھوں نے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو منع فرمایا ہے، اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں اس میں کچھ حکمتیں تھیں، چنانچہ درمنثور میں قتادہ سے ابوالشیخ کے حوالہ سے آپ کا ارشاد منقول ہے کہ "میری قمیص سے اس کی نجات نہیں ہوسکتی، لیکن مجھے امید ہے کہ اس بات کو دیکھ کر کہ میں اپنے ایسے بدخواہوں کے ساتھ بھی ایسی شفقت اور لطف کا معاملہ کرتا ہوں، ایک ہزار سے زیادہ لوگ مسلمان ہوجائیں گے۔" آپ نے اس حکمت کے اعتبار سے اس عمل کو بیکار نہ سمجھ کر اختیاری امر کے تقاضے پر عمل فرمایا، لہٰذا نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اشکال رہا، نہ آپ پر۔ اور آپ کا یہ ارشاد کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کرلوں گا، اسی بنیاد پر ہے کہ آپ نے ستر کی گنتی کی حد مراد سمجھی، کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ اس سے کثرت مراد ہے، بلکہ یہ جملہ شرطیہ، اصلاً خبریہ ہے۔ چنانچہ درمنثور میں بخاری کی روایت سے آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اگر میں جانتا کہ ستر سے زیادہ بار استغفار کرنے سے مغفرت ہوجائے گی تو میں زیادہ بار کرلیتا، مطلب یہ کہ اگر گنتی کی حد مراد ہوتی تو زیادہ بار استغفار کرلیتا، مگر چونکہ مراد کثرت ہے، اس لئے اب زیادہ استغفار نہ کروں گا، البتہ مطلق استغفار چونکہ مذکورہ حکمت میں شامل ہے، اس لئے نماز جنازہ کے ضمن میں اس کو اختیار کیا گیا۔

لیکن ممانعت کی وجہ یہ ہوئی کہ اگرچہ اس میں وہ مصلحتیں ضرور تھیں، لیکن آئندہ اس کے نتیجہ میں مفاسد سامنے آئے، مثلاً مخالفوں کو تنبیہ نہ ہوتی، اور موافقت کرنے والوں کا دل نہ بڑھتا، کہ یہاں تو سب برابر ہیں وغیرہ۔

مسئلہ (۱): کافر کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لئے استغفار کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ (۲): قبر پر کھڑے ہونے سے مراد احترام واکرام کے طور پر کھڑا ہونا ہے، چاہے دیکھنے اور زیارت کی غرض سے

ہو یا فن کی غرض سے، اور اگر عبرت اور موت کی یاد کی غرض سے ہو یا کسی اور ضرورت کے تحت ہو تو درست ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کوئی کافر رشتہ دار مر جائے اور اس کے انتظام کی ذمہ داری اس کے اوپر آ جائے تو مسنون طریقہ کی رعایت کے بغیر غسل و کفن وغیرہ انجام دیدے، اسی طرح قبر پر کھڑا ہونا درست ہے، لیکن اگر عبرت کی غرض سے دیکھنے میں بھی کوئی دینی مفسدہ ہو تو پھر جائز نہیں۔ فقط

﴿ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان کے اموال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا میں ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کا دم حالت کفر ہی میں نکل جاوے۔

ربط: اوپر کی آیت میں منافقوں پر اللہ کا غضب ہونا بیان ہوا، اب بتاتے ہیں کہ ان کے پاس جو مال و اولاد ہیں یہ ان کے محبوب ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ عذاب کا ذریعہ بننے کی وجہ سے وہ بھی غضب کا نتیجہ ہیں۔

مال و اولاد کا خاص کفار کے لئے عذاب کا ذریعہ ہونا:

اور ان کے مال و اولاد آپ کو (اس) تعجب میں نہ ڈالیں (کہ ایسے لوگوں کو جن پر غضب ہو رہا ہے، یہ نعمتیں کیوں دی گئیں؟ تو یہ واقعی طور پر ان کے لئے نعمتیں نہیں، بلکہ عذاب کا ذریعہ ہیں، کیونکہ) اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (مذکورہ) چیزوں کی وجہ سے دنیا میں (بھی) انہیں عذاب میں گرفتار رکھے، اور ان کا دم (بھی) کفر ہی کی حالت میں نکل جائے، جس کے نتیجہ میں آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا رہیں)

فائدہ: اسی مضمون سے ملتی ہوئی آیت ۵۵ بھی نفقات کے غیر مقبول ہونے کے ذکر میں گذر چکی ہے، وہاں زندگی کی ایک حالت یعنی نفقات کے قبول نہ ہونے کے ساتھ اس مضمون کا تعلق تھا اور یہاں موت کی ایک حالت یعنی نجات نہ ہونے کے ساتھ تعلق ہے، لہٰذا تکرار نہیں رہی، یا مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے اس کی تاکید مقصود ہو، لہٰذا یہ بھی ایک نیا فائدہ ہے۔

﴿ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور جب کبھی کوئی ٹکڑا قرآن کا اس مضمون میں نازل کیا جاتا ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان میں کے مقدور والے آپ سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی یہاں ٹھیرنے والوں کے ساتھ رہ جاویں۔ وہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی، جس سے وہ سمجھتے ہی نہیں۔ ہاں لیکن رسول اور آپ کی ہمراہی میں جو مسلمان ہیں انھوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ کو رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

ربط: اوپر غزوۂ تبوک سے متعلق منافقوں کے پیچھے رہ جانے اور باطل عذروں کے سہارے اجازت طلب کرنے کا بیان تھا۔ اب ان کی اس حالت کا مستقل ہونا بیان فرماتے ہیں کہ ہر غزوہ میں ان کی یہی حالت ہوتی ہے، اور ان کے مقابلہ میں اہل ایمان کی جاں بازی اور اس کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔

پیچھے رہ جانے والے منافقوں کی عادت کا مستقل ہونا اور مؤمنوں کی تعریف:

اور جب کبھی اس سلسلہ میں قرآن کا کوئی ٹکڑا نازل کیا جاتا ہے کہ تم (خلوص دل سے) اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے اس کی قدرت رکھنے والے آپ سے رخصت مانگتے ہیں، اور (رخصت کا یہ مضمون ہوتا ہے کہ) کہتے ہیں: ہمیں اجازت دیدیجئے کہ ہم بھی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں (البتہ ایمان اور اخلاص کے دعوے میں کچھ کرنا نہیں پڑتا، اس لئے کہہ دیا: ہم تو مخلص ہیں) وہ لوگ (انتہائی بے غیرتی کے ساتھ) گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے، اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی، جس کی وجہ سے وہ (غیرت و بے غیرتی کو) سمجھتے ہی نہیں، ہاں لیکن رسول (ﷺ) اور جو مسلمان آپ کی ہمراہی میں ہیں، انھوں نے (البتہ اس حکم کو مانا اور) اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں (اور وہ خوبی اور کامیابی یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (اور) وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

فائدہ: ﴿أُولُوا الطَّوْلِ﴾ یعنی قدرت رکھنے والوں کے ذکر سے ان کی تخصیص مقصود نہیں ہے، بلکہ غیر ﴿أُولُوا الطَّوْلِ﴾ یعنی قدرت نہ رکھنے والوں کا حال بدرجۂ اولیٰ معلوم ہو گیا کہ جب قدرت رکھنے والوں کا یہ حال ہے تو قدرت نہ رکھنے والوں کا حال تو ضرور ایسا ہی ہوگا اور باوجودیکہ رسول کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن اس سے مؤمنوں کی مدح وستائش اور تعریف مقصود ہے کہ جہاد میں ان کا خلوص بھی کامل ہے، جیسا کہ آپ کا خلوص اکمل ہے۔

﴿ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتوں میں سے آئے تا کہ ان کو اجازت مل جاوے اور جنھوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے بالکل ہی جھوٹ بولا تھا، وہ بالکل ہی بیٹھ رہے، ان میں جو کافر رہیں گے ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

ربط: اوپر مدینہ کے منافقوں کا ذکر تھا۔ اب دیہاتوں میں رہنے والے منافقوں کا ذکر ہے۔

دیہاتوں کے منافقوں کا حال:

اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے تا کہ انہیں (گھر رہنے کی) اجازت مل جائے اور (ان دیہاتیوں میں سے) جنھوں نے اللہ سے اور اس کے رسول سے (ایمان کے دعوی میں) بالکل ہی جھوٹ بولا تھا، وہ بالکل ہی بیٹھے رہے (جھوٹے عذر اور بہانے کرنے بھی نہ آئے) ان میں سے جو (آخر تک) کافر رہیں گے، ان کو (آخرت میں) دردناک عذاب ہوگا (اور جو توبہ کرلیں وہ عذاب سے بچ جائیں گے)

فائدہ: یوں تو ایمان کے دعوی میں سارے ہی منافق جھوٹے تھے، مگر جو عذر کرنے آئے تھے، انھوں نے اپنے دعوی کو ظاہر داری میں تو نبھایا، جبکہ بعض متکبر اور بے باک تھے کہ انھوں نے ظاہر داری بھی نہ برتی، وہ جیسے دل سے جھوٹے تھے ظاہر میں بھی ان کا جھوٹ کھل گیا، یہ ان کے بالکل جھوٹ بولنے کا مطلب ہے، اس طرح ان دیہاتی منافقوں کی دو قسمیں ہوگئیں۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جب کہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ خلوص رکھیں ان نکوکاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے، بڑی رحمت والے ہیں۔ اور نہ ان لوگوں پر کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو سواری دیدیں اور آپ کہہ دیتے

ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کروں تو وہ اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ ان کو خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں۔ بس الزام تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود اہل سامان ہونے کے، اجازت چاہتے ہیں، وہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی، جس سے وہ جانتے ہی نہیں۔

ربط: اوپر جھوٹے عذر بیان کرنیوالوں کا اور ان کے عذروں کے غیر مقبول ہونے کا بیان تھا۔ اب سچے عذر والوں اور ان کے عذروں کے مقبول ہونے کا بیان ہے۔ اور ﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ ﴾ الخ میں عذر کی مقبولیت کی تاکید کے لئے مواخذہ کا باطل عذر والوں میں منحصر ہونا فرمادیا گیا۔

صحیح عذروں کا قبول ہونا اور ان کی تاکید:

کمزور لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو (جہاد کے سامان کی تیاری میں) خرچ کرنے کو میسر نہیں، جبکہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں (اور دل سے اطاعت کرتے رہیں تو) ان نیک کام کرنے والوں پر کسی قسم کا الزام (عائد) نہیں (کیونکہ واضح اور طے شدہ اصول ہے ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت وقدرت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا) اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے، بڑی قدرت والے ہیں (کہ اگر یہ لوگ اپنے علم کے مطابق معذور ہوں اور اپنی طرف سے خلوص واطاعت میں کوشش کریں اور واقعی طور پر کسی وجہ سے کچھ کمی رہ جائے تو معاف کردیں گے) اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ اور الزام ہے) کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دیدیں، اور آپ (ان سے) کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تمہیں سوار کردوں تو وہ (ناکام) اس حالت میں واپس جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں، اس غم میں کہ (افسوس) انہیں (جہاد کے سامان کی تیاری میں) خرچ کرنے کے لئے کچھ میسر نہیں (نہ خود اپنے پاس ہے، نہ کسی دوسری جگہ سے ملا، غرض ان مذکورہ معذور لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں) بس الزام (اور مواخذہ) تو صرف ان لوگوں پر ہے، جو اہل سامان (اور قوت) ہونے کے باوجود (گھر رہنے کی) اجازت چاہتے ہیں، وہ لوگ (انتہائی بے غیرتی کے ساتھ) گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی، جس کی وجہ سے وہ (گناہ وثواب کو) جانتے ہی نہیں۔

فائدہ: درمنثور میں چند روایتیں لکھی ہیں جن میں سواری مانگنے والے ان لوگوں کے ناموں کا ذکر ہے۔ اور لفظ ﴿ رَضُوْا ﴾ الخ پہلے بھی آیا ہے، وہاں یہ مضمون مطلق غزوات کے بیان میں تھا، اور یہاں خاص غزوۂ تبوک کے بیان میں ہے۔ لہٰذا تکرار نہیں رہی یا تکرار سے تاکید کا فائدہ مقصود ہے۔

﴿ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۞ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: یہ لوگ تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے آپ کہہ دیجئے کہ یہ عذر پیش مت کرو، ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے، اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری خبر دے چکے ہیں اور آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری کارگذاری دیکھ لیں گے، پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے، پھر وہ تم کو بتا دے گا جو جو کچھ تم کرتے تھے۔ ہاں! وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاویں گے جب تم ان کے پاس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، یہ اس لئے قسمیں کھاویں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ سو اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

ربط: اوپر ان منافقوں کا ذکر تھا جنھوں نے روانگی کے وقت عذر گھڑے تھے۔ اب ان کا ذکر ہے جنھوں نے واپس آنے پر بہانے بنا بنا کر سنائے کہ ہم تو برابر ارادے کرتے رہے، مگر فلاں فلاں مجبوریاں آ گئیں۔ یہ آیتیں واپسی سے پہلے نازل ہوئیں جن میں فانی اغراض اور آپ کو اور مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے ان کی بہانہ بازی سے متعلق ﴿ يَعْتَذِرُوْنَ ﴾ میں پیشین گوئی ہے۔ اور ﴿ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا ﴾ اور ﴿ فَاَعْرِضُوْا ﴾ میں اس عذر کے وقت ان کے ساتھ قولی و عملی برتاؤ کی تعلیم ہے، اور ساتھ ہی انہیں عذاب کی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔

منافقوں کے بہانوں کے بارے میں پیشگی اطلاع اور دارین میں ان کے ساتھ برتاؤ:

جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے (سب کے) سامنے عذر پیش کریں گے (لہٰذا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (سب کی طرف سے صاف) کہہ دیجئے کہ (بس رہنے دو) یہ عذر پیش مت کرو، ہم تمہیں کبھی سچا نہ سمجھیں گے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ہمیں تمہاری (واقعی حالت کی) خبر دے چکے ہیں (کہ تمہیں کوئی واقعی عذر نہیں تھا) اور (خیر) آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری کارگذاری دیکھ لیں گے، (یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ تم اپنے زعم کے مطابق کتنے مطیع اور مخلص ہو) پھر اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے (عالم الغیب والشہادہ ہے، جس سے تمہارا کوئی عقیدہ، نظریہ خیال یا عمل چھپا ہوا نہیں ہے؟) پھر وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کرتے تھے (اور اس کا

بدلہ دے گا) ہاں! وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھا جائیں گے (کہ ہم معذور و مجبور تھے) جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے، تا کہ تم انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو (اور ملامت وغیرہ نہ کرو) تو تم (ان کا مطلب پورا کر دو۔ اور) ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو (اس فانی مقصد کے حاصل ہونے سے ان کا کچھ بھلا نہ ہوگا، کیونکہ) وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور (آخر میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان کاموں کے بدلہ میں جو کچھ وہ (انفاق اور مخالفت وغیرہ) کیا کرتے تھے (اور اس کا بھی تقاضہ یہی ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ (ان سے کچھ کہنے سننے کا مقصد ان کی اصلاح ہے اور اس کی ان کی خباثت کی وجہ سے امید نہیں ہے) اور یہ (اس لئے بھی (قسم کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ تو (اول تو تم اللہ کے دشمنوں سے راضی ہی کیسے ہو جاؤ گے، لیکن بالفرض) اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو (انہیں کیا فائدہ؟ کیونکہ) اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا (اور خالق کی رضا مندی کے بغیر مخلوق کا راضی ہونا بے سود ہے)

فائدہ: عذر اور قسم کے سلسلہ میں ان کی دو غرض بیان فرمائیں: ایک: منہ پھیرنا اور دوسرے رضا مندی حاصل کرنا اور اس سے متعلق تین حکم فرمائے۔ ایک ﴿ لَا تَعْتَذِرُوْا ﴾ یعنی عذر پیش مت کرو۔ دوسرا: ﴿ فَاَعْرِضُوْا ﴾ یعنی ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ اور تیسرے راضی نہ ہونا جو ﴿ فَاِنْ تَرْضَوْا ﴾ سے سمجھ میں آتا ہے تو ان اغراض کے جمع ہونے کی صورت تو یہ ہے کہ بعض کی غرض اعراض یا منہ پھیرنا ہوگا، بعض کی رضا مندی حاصل کرنا یا سب کی غرض ظاہر میں اعراض، منہ پھیرنا اور باطن میں رضا مندی۔ یا اصلی غرض رضا مندی ہوگی اور آخری درجہ اعراض، اور تینوں احکام کے جمع ہونے کی صورت یہ ہے کہ دل سے راضی نہ ہونا اور قول سے اولاً ﴿ لَا تَعْتَذِرُوْا ﴾ اور اس کے بعد اعراض اور حدیث میں جو آیا ہے کہ ان کی ظاہری باتیں قبول کر لی گئیں اور ان کے باطن کی باتوں کو اللہ کے حوالہ کر دیا گیا، اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ﴿ لَا تَعْتَذِرُوْا ﴾ کے بعد ایسا کیا گیا، جو کہ اعراض کا حاصل ہے۔ واللہ اعلم

﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ ع ۱۲

ترجمہ: دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں۔ اور ان دیہاتوں میں سے بعض بعض ایسا ہے جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کو جرمانہ سمجھتا ہے اور تم مسلمانوں کے واسطے گردشوں کا منتظر رہتا ہے۔ برا

وقت ان ہی پر پڑنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں۔ اور بعضے اہل دیہات میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعا کا ذریعہ بناتے ہیں۔ یاد رکھو ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان کے لئے موجب قربت ہے، ضرور ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں داخل کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے، بڑی رحمت والے ہیں۔

ربط: اوپر آیت ۹۰ میں دیہاتوں کے رہنے والے منافقوں کا ذکر تھا۔ اب بھی ان کی مذمت ہے اور ان کے ساتھ اہل دیہات میں جو مخلص مؤمن تھے، ان کی مدح وستائش ہے۔

دیہاتوں کے منافقوں کی مذمت اور مخلص مؤمنوں کی مدح وستائش:

(ان منافقوں میں جو) دیہاتی (ہیں) وہ لوگ (سخت مزاجی کی وجہ سے) کفر ونفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور (عقل والوں اور علم والوں سے دوری کی وجہ سے) انہیں ایسا ہی ہونا چاہئے کہ انہیں ان کے احکام کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائے ہیں (کیونکہ جب جاننے والوں سے دور دور رہیں گے تو ان کا جاہل رہنا تو اس کا لازمی نتیجہ ہے، اور اسی وجہ سے مزاج میں سختی اور مجموعہ سے کفر ونفاق میں شدت ہوگی) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں (وہ ان سب امور سے باخبر ہیں، اور حکمت سے مناسب سزا دیں گے) اور ان (منافق دیہاتیوں میں سے کوئی ایسا ہے کہ (کفر، نفاق اور جہالت کے علاوہ اس میں بخل وعداوت بھی ہے، حتیٰ کہ) جو کچھ (جہاد وزکوٰۃ وغیرہ کے مواقع میں مسلمانوں کی شرما شرمی میں) خرچ کرتا ہے، اس کو جرمانہ (کی طرح) سمجھتا ہے (یہ تو بخل ہوا) اور (عداوت یہ ہے کہ) تم مسلمانوں کے واسطے (زمانہ کی) گردشوں کا منتظر رہتا ہے (کہ کہیں انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے، تو ان کا خاتمہ ہو، تو) برا وقت انہی (منافقوں) پر پڑنے والا ہے (چنانچہ فتوحات کی وسعت ہوئی، کافر لوگ ذلیل ہوئے، ان کی ساری حسرتیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں، اور تمام عمر خوف اور رنج میں گذری) اور اللہ تعالیٰ (ان کے کفر ونفاق کی باتیں) سنتے ہیں (اور ان کے دلی خیالات، جرمانہ سمجھنے اور گردشوں کے منتظر رہنے کو) جانتے ہیں (لہٰذا اس سب کی سزا دیں گے) اور اہل دیہات میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ (نیک کاموں میں) خرچ کرتے ہیں، اس کو اللہ کے نزدیک ہونے کا ذریعہ اور رسول (ﷺ) کی دعا (لینے) کا ذریعہ بناتے ہیں (کیونکہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ایسے مواقع پر خرچ کرنے والے کو دعا دیتے تھے، جیسا کہ احادیث میں ہے) یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان لوگوں کے لئے (اللہ کے نزدیک) قربت کا ذریعہ ہے (اور دعا کا ہونا تو یہ خود دیکھ وسن لیتے ہیں، ان کی خبر دینے کی ضرورت نہ تھی، اور وہ قرب یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ہی اپنی (خاص) رحمت میں داخل کرلیں گے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے، بڑی رحمت والے ہیں (لہٰذا ان کی لغزشیں معاف کر کے اپنی رحمت میں لے لیں گے)

فائدہ: ﴿ اَشَدُّ ﴾ اور ﴿ اَجْدَرُ ﴾ یعنی بہت زیادہ سخت ہونے کی جو علت ترجمہ کے تحت بیان کی گئی ہے اس سے دیہاتوں والے مؤمن نکل گئے، کیونکہ وہ خود اہل علم کے پاس آتے جاتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں علم حاصل ہوتا ہے اور علم سے خشوع اور کامل و پورا ایمان حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ شبہ نہ رہا کہ سخت مزاجی اور علماء سے دوری تو سب کے لئے عام ہے اور (اتخاذ مغرم) یعنی جرمانہ سمجھنے کے بارے میں اگر یہ شبہ ہو کہ خوش دلی کے بغیر کسی کا مال حلال نہیں ہوتا۔ اور اتخاذ مغرم، خوش دلی کے خلاف ہے تو پھر ایسا مال کیوں لیا جاتا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ واضح نہیں کہ ایسا مال لیا جاتا تھا، چنانچہ روح المعانی میں آیت ﴿ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ﴾ کی تفسیر میں، قبول نہ ہونے کی ایک تفسیر نہ لینا نقل کی ہے۔ دوسرے ثواب کا اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ اعتقادی کراہت تھی، اور چونکہ عقلی مصلحت سے تقیہ ہوتا تھا جس کے فائدے طبعی طور پر انہیں مطلوب و مرغوب تھے، اس لئے خوش دلی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اور دینے والے کی ریاکاری لینے والے کے لئے حرمت کا سبب نہیں، تیسرے ممکن ہے کہ اپنے طور پر خرچ کرتے ہوں، اور لینے والے کو کراہت کا علم نہ ہو۔

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

ربط: اوپر دیہات والے مؤمنوں کا ذکر تھا۔ اب افضل کو غیر افضل پر مقدم کرتے ہوئے تمام مؤمنوں کا ذکر ہے۔

اگلے مہاجروں اور انصار کی فضیلت اور ان کے اتباع کی ان میں شمولیت:

اور جو مہاجر و انصار (ایمان لانے میں ساری امت سے) پہلے والے اور آگے رہنے والے ہیں، اور (باقی امت میں سے) جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ (ایمان لانے میں) ان کی پیروی کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا کہ ان کا ایمان قبول فرمایا جس پر جزا ملے گی) اور وہ سب اس (اللہ) سے راضی ہوئے (کہ طاعت اختیار کی، جس کی جزا سے یہ رضامندی اور زیادہ ہوگی) اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے۔

فائدہ: سابقون اولون میں سارے مہاجر اور انصار آ گئے۔ اور ﴿ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ ﴾ میں باقی مؤمن لوگ

آ گئے، جن میں پہلا درجہ تو صحابہ کا ہے، چاہے وہ مہاجر اور انصار نہ ہوں، کیونکہ بعد میں ہجرت فرض نہیں رہی تھی، مسلمان ہونے کے بعد اپنے اپنے گھروں میں ہی رہنے کی اجازت تھی، اور دوسرا درجہ اصطلاحی معنی والے تابعین کا ہے، پھر غیر صحابہ اور غیر تابعین کا، پھر خود اس آخری درجہ میں بھی فرق ہے کہ تبع تابعین اوروں سے فضیلت میں مقدم ہیں جیسے صحابہ میں مہاجر اور انصار دوسرے صحابہ سے افضل ہیں۔ اور اولیت کا اپنے زمانہ کے لوگوں سے افضلیت کا سبب ہونا تو اس لئے ہے کہ اس زمانہ کے لوگ قدرت کے باوجود پیچھے رہے اور اپنے زمانہ کے بعد والوں سے اس لئے ہے کہ وہ حضرات بنیاد رکھنے والے، ہدایت دینے والے ہو کر من سن سنة حسنة اور الدال علی الخیر کفاعله یعنی جس نے کسی نیکی و بھلائی کی بنیاد رکھی اور بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا اس کو کرنے والا جیسا ہوتا ہے کے مصداق ہوئے، اگر چہ زمانہ کے بعد والے پہلے زمانہ میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ایمان پر قادر نہ تھے، اور مذکورہ مرتبوں میں جیسا جیسا فرق ہوگا، ویسا ہی جزاء کے مراتب میں فرق ہوگا، مثلاً پہلے والوں کے لئے رضوان اور جنت دوسروں سے اعلیٰ ہوگی، اسی پر قیاس کرلیں، اور سابقون میں احسان کی قید کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ ان کا مہاجر اور ناصر ہونا احسان کے وجود کے لئے کافی دلیل ہے۔

﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴾

ترجمہ: اور کچھ تمہارے گرد و پیش والوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں، ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال پر پہنچے ہوئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے۔ ہم ان کو دوہری سزا دیں گے، پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جاویں گے۔

ربط: اوپر بہت ساری آیتوں میں منافقوں کے اقوال و افعال کا بیان چلا آ رہا ہے، جن کے نفاق کا حال ان کے اقوال و افعال سے معلوم ہو گیا تھا۔ اب ان منافقوں کا ذکر ہے، جن کا منافق ہونا بھی حضور ﷺ کو معلوم نہ تھا۔ غرض اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جن کا منافق ہونا معلوم تھا۔ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جن کا منافق ہونا معلوم نہیں تھا۔

ان منافقوں کا ذکر جن کا نفاق معلوم نہیں تھا:

اور کچھ تمہارے آس پاس رہنے والوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کے کمال کی حد پر (اس قدر) پہنچے ہوئے ہیں (کہ) ان کو آپ بھی نہیں جانتے (کہ یہ منافق ہیں، بس) انہیں ہم ہی جانتے ہیں، ہم انہیں (دوسرے منافقوں کے مقابلہ میں آخرت سے پہلے بھی) دوگنی سزا دیں گے (ایک نفاق کی اور دوسرے نفاق کے کمال کی، اور) پھر (آخرت میں بھی) وہ بڑے زبردست عذاب (یعنی ہمیشہ جہنم میں رہنے کی طرف بھیجے جائیں گے)

فائدہ: فقرہ ''آخرت سے پہلے'' میں دنیا اور قبر یا برزخ جو کہ دنیا اور آخرت کے درمیان ہے، دونوں آ گئیں۔ دنیا میں دوسرے منافقوں سے دوگنا عذاب اس طرح ہو سکتا ہے کہ منافقوں کو زیادہ پریشانی اس امر سے رہتی تھی کہ کہیں ہمارا نفاق

کھل نہ جائے، تو ظاہر ہے جن کا پتہ چل چکا اور ان کا راز کھل چکا، ان کے مقابلہ میں راز رکھنے کی فکر ان کو زیادہ ہوئی، جن کا اب تک پتہ نہیں چلا۔ اور قبر میں عذاب کے دوگنا ہونے اور آخرت میں اوروں سے عظیم ہونے میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔ اور انہیں دوسرے منافقوں سے بڑھا ہوا اس لئے فرمایا کہ نفاق کا مدار پوشیدہ رکھنے پر ہے۔ اور یہ اس میں ایسے بڑے ہوئے ہیں کہ باوجودیکہ رسول اللہ ﷺ ذہین وفطین ہونے میں تمام جہان سے افضل واکمل ہیں، مگر انھوں نے آپ کو بھی پتہ نہ چلنے دیا، اور ﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ ﴾ کے ترجمہ میں لفظ ''بھی'' لانے کا مطلب اس مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنی خطا کے مقر ہو گئے جنھوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے اور کچھ برے۔ اللہ سے امید ہے کہ ان پر توجہ فرماویں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے، بڑی رحمت والے ہیں۔ آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے۔ بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں، خوب جانتے ہیں۔ کیا ان کو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے میں اور رحمت کرنے میں کامل ہے۔ اور آپ کہہ دیجئے کہ عمل کئے جاؤ سو ابھی دیکھے لیتا ہے تمہارے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہلِ ایمان۔ اور ضرور تم کو ایسے کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے، سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلادے گا۔ اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے، بڑا حکمت والا ہے۔

ربط: آیت ۳۸ کی تمہید میں غزوۂ تبوک سے متعلق لوگوں کا کئی جماعتوں میں منقسم ہونا بیان کیا تھا، جن میں سے اوپر کی اکثر آیتوں میں پانچویں جماعت یعنی منافقوں کا ذکر زیادہ ہوا ہے۔ اب چوتھی جماعت یعنی ان مومنوں کا ذکر ہے جو محض سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے، مگر انھوں نے بہانے بازی نہیں کی، پھر ان میں دو قسمیں ہو گئی تھیں: ایک وہ جنھوں نے یہ سنتے ہی کہ آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے ہیں، مسجدِ نبوی میں آکر خود کو ستونوں سے باندھ لیا کہ اگر آ کھولیں

گے تو ٹھیک ورنہ یوں ہی بندھے بندھے ختم ہو جائیں گے۔ دوسرے وہ جنھوں نے سیدھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سچائی کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔ اگلی آیت ﴿ وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا ﴾ الخ میں پہلی جماعت کا بیان ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے پر آپ نے انہیں کھول دیا تو انھوں نے آپ کی خدمت میں کچھ مال لا کر پیش کیا کہ ہماری طرف سے کسی بھی نیک راہ میں جہاں آپ مناسب سمجھیں، اسے صرف فرما دیجئے۔ اس پر اگلی آیت ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ان کا مال قبول فرما لیا۔ اور اس سے آگے آیت ﴿ وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ ﴾ الخ میں دوسری جماعت کا بیان ہے اور ان کی توبہ قبول ہونے کا بیان آگے آیت ۱۱۷ میں آیا ہے، درمنثور میں ابن عباس کی روایت سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے مؤمنوں کا ذکر:

اور کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا، جنھوں نے ملے جلے عمل کئے تھے، کچھ (اچھے) بھلے (جیسے غلطی کا اعتراف جس کا مقصد ندامت ہے اور یہی توبہ ہے اور جیسے دوسرے غزوات میں شرکت جو پہلے ہو چکے ہیں۔ غرض انھوں نے یہ کام تو اچھے کئے) اور کچھ برے (کئے، جیسے بغیر کسی عذر کے پیچھے رہ جانا، تو) اللہ سے امید ہے (جیسا کہ ان کا وعدہ ہے) کہ ان (کے حال) پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمائیں (یعنی توبہ قبول فرمالیں) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے، بڑی رحمت والے ہیں (جب اس آیت کے مطابق توبہ قبول ہو چکی اور ان حضرات کو ستونوں سے کھول دیا گیا تو انھوں نے اپنا مال آپ کی خدمت میں لا کر پیش کیا اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے، تو ارشاد ہوا کہ) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ (جو یہ لائے ہیں) لے لیجئے، جس کے (لینے کے) ذریعہ آپ ان کو (گناہ کے آثار سے) پاک صاف کر دیں گے، اور (جب آپ ان سے مال لیں) تو ان کے لئے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے (دلی) اطمینان کا ذریعہ ہے، اور اللہ تعالیٰ (ان کے اعتراف کو) خوب سنتے ہیں (اور ان کی ندامت کو) خوب جانتے ہیں (اس لئے ان کے اخلاص کو دیکھ کر آپ کو یہ احکام دیئے۔ آگے ان مذکورہ اعمال صالحہ یعنی توبہ، ندامت اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کی ترغیب اور برے اعمال پیچھے رہ جانے وغیرہ سے آئندہ کے لئے ترہیب ہے، لہٰذا پہلے ترغیب ہے یعنی) کیا انہیں یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے، اور (کیا انہیں) یہ (خبر نہیں) کہ اللہ ہی (اس) توبہ قبول کرنے اور رحمت کرنے (کی صفت) میں کامل ہے (اسی لئے ان کی توبہ قبول کی اور اپنی رحمت سے مال قبول کرنے کا اور ان کے لئے دعا کرنے کا حکم فرمایا۔ لہٰذا آئندہ بھی غلطیوں اور گناہوں کے واقع ہو جانے پر توبہ کر لیا کریں، اور اگر توفیق ہو تو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کریں) اور (اس ترغیب کے بعد آگے ترہیب ہے، یعنی) آپ (ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ (جو چاہو) عمل کئے جاؤ تو (اول تو) اللہ اس کا رسول اور اہل ایمان (دنیا ہی

میں) ابھی دیکھے لیتے ہیں (برے عمل پر دنیا ہی میں ذلت اور خواری ہو جاتی ہے) اور (پھر آخرت میں) ضرور تمہیں اس (اللہ) کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے، تو وہ تمہیں تمہارا سب کیا ہوا بتادے گا (لہٰذا) آئندہ برے عمل یعنی پیچھے رہ جانے وغیرہ سے احتیاط رکھنا۔ یہ پہلی قسم کا بیان ہے۔ آگے دوسری قسم کا ذکر ہے) اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے کہ (توبہ میں اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے) انہیں سزا دے گا یا (اخلاص کی وجہ سے) ان کی توبہ قبول کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ (خلوص ہونے اور نہ ہونے کا حال) خوب جاننے والا ہے (اور) بڑا حکمت والا ہے (لہٰذا حکمت کے تقاضے کے مطابق جس توبہ میں اخلاص ہوتا ہے، اسے قبول کرتا ہے اور جس میں اخلاص نہیں ہوتا، اسے قبول نہیں کرتا، اور اگر کبھی بغیر توبہ کے معاف کرنے میں حکمت ہو تو ایسا بھی کر دیتا ہے)

یہاں چند تحقیقات قابل توجہ ہیں:

اول یہ کہ جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے تطہیر و تزکیہ یعنی پاک وصاف کرنے کا ذریعہ ہونے کے کیا معنی ہیں؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے، لیکن کبھی کبھی اس کی ظلمت اور کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے اور اگرچہ اس پر کوئی گرفت و پکڑ نہیں، لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، لہٰذا صدقہ سے خصوصاً حدیث الصدقة تطفئ غضب الرب یعنی صدقہ اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے، کی وجہ سے اور دوسرے نیک اعمال سے عموماً یہ ظلمت اور کدورت دور ہو جاتی ہے۔

دوسرے جب جہاد فرض کفایہ ہے تو جو لوگ سستی کی وجہ سے نہ گئے انہیں گناہ کیوں ہوا؟ جس کے لئے پہلی قسم کی طرف عمل سیئ یعنی برے عمل کی نسبت کی گئی، اور دوسری قسم کے حق میں عذاب کا احتمال بیان فرمایا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد اپنے آپ میں تو فرض کفایہ ہے، مگر جب آپ ﷺ نے سب کو چلنے کا حکم فرمایا تو یہ اس وقت فرض عین ہو گیا تھا۔ بلکہ جب بھی کوئی اسلامی امام حکم دیدے گا، تو یہی حکم ہوگا۔

تیسرے صدقہ لے کر امام کو اور جس کو وہ صدقہ دیا جائے، دعا دینا مستحب ہے۔ ﴿صَلِّ عَلَيۡهِمۡ﴾ کے یہی معنی ہیں۔ مگر یہ دعا لفظ صلوٰۃ سے نہیں ہونی چاہئے، یعنی اس طرح نہ کہے کہ اللّٰهم صل علی فلان، کیونکہ عرف عام میں اس سے نبوت کا وہم لازم آتا ہے۔ اور حضور ﷺ سے جو منقول ہے، وہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہے اور اس وقت اس عرف کا ذکر نہ تھا۔

چوتھے توبہ کرنے والوں کے لئے دو احتمال توبہ قبول کرنے اور عذاب کے اس وجہ سے ہیں کہ توبہ کبھی شرطوں کے مطابق نہیں ہوتی، لہٰذا اس کا توبہ کی قبولیت والی آیتوں کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، مثلاً اوپر والی آیت ہی ہے ﴿أَلَمۡ يَعۡلَمُوٓاْ﴾۔

پانچویں مذکورہ بالا تفسیر کی بنیاد پر یہ شبہ نہیں رہا کہ بغیر توبہ کے معافی نہیں ہوتی۔ چنانچہ علیم حکیم کے ترجمہ میں اس کی وضاحت کردی گئی، کہ کبھی یہی معافی حکمت کا تقاضا ہوتی ہے۔

﴿ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ۝ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور بعضے ایسے ہیں جنھوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچاویں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمانداروں میں تفریق ڈالیں اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس کے قبل سے خدا اور رسول کا مخالف ہے۔ اور قسمیں کھاجاویں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے تقوی پر رکھی گئی ہے، وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔ پھر آیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا سے ڈرنے پر اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو، یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارہ پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی ہو پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتا۔ ان کی یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی، مگر ان کے دل ہی اگر فنا ہوجاویں تو خیر اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

ربط: اوپر بار بار منافقوں کا ذکر ہوا ہے۔ اب ان کے ایک مسجد بنانے کا اور اس سے متعلق بعض امور کا بیان ہے۔ جس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ مدینہ شہر کے قریب ایک محلہ قبا ہے، رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو پہلے اسی محلہ میں قیام فرمایا، پھر شہر میں تشریف لائے تھے تو قبا میں قیام کے زمانہ میں جس جگہ آپ نماز پڑھتے تھے، وہاں اس محلہ کے مخلص مؤمنوں نے ایک مسجد بنالی وہ اس میں نماز پڑھتے تھے۔ منافق ایک شخص ابو عامر راہب سے تعلق اور میل جول رکھتے تھے جو کہ دین اسلام کا سخت دشمن تھا، انھوں نے آپس میں طے کیا کہ ایک مکان مسجد کے نام سے الگ بنایا جائے، اور سب اس میں جمع ہوکر اسلام کو نقصان پہنچانے کے مشورے کیا کریں، اور اس سارے مجمع کا سردار و سربراہ ابو عامر ہے، وہ جب بھی مدینہ آیا کرے تو اس مکان میں ٹھہرا کرے۔ اور ابو عامر نے کہا کہ میں روم کے بادشاہ ہرقل سے

مل کر اسلام کے مقابلہ کے لئے لشکر لے آؤں گا، جس سے اسلام بالکل نیست ونابود ہو جائے گا۔ غرض مسجد کی شکل میں وہ مکان تیار ہوا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ وہاں چل کر نماز پڑھ لیجئے، تو پھر وہاں جماعت کرنے لگیں گے۔ آپ نے الگ سے ایک مسجد بنانے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ ہماری نیت بالکل نیک اور صاف ہے۔ محض عام مسلمانوں کے آرام اور سہولت کی غرض سے بنالی ہے کہ سہولت کے ساتھ وسعت ہو۔ گرمی سردی میں سایہ کی ضرورت ہوتی ہے، ایک مسجد میں سب نہیں سما سکتے، اس کی وجہ سے زیادہ نمازیوں کے لئے گنجائش ہو جائے گی، کوئی بیمار یا ضعیف آدمی دور نہ جا سکے تو پاس کے پاس اس میں نماز پڑھ لے۔ آپ ﷺ نے حسن ظن کی بنیاد پر تصدیق فرما کر وعدہ کرلیا کہ تبوک سے واپس آنے کے بعد اس میں نماز پڑھ لوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں کے ذریعہ آپ کو ان کی نیت بتادی اور وہاں نماز پڑھنے کی غرض سے وہاں جانے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ آپ نے اس وجہ سے کہ وہ مکان مسجد کی سچی نیت سے نہیں بنایا گیا تھا، اور مزید یہ کہ اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے تھے، صحابہ کو بھیج کر اس کو آگ لگوادی اور منہدم کرادیا، اس مسجد کا لقب مسجد ضرار مشہور ہے، کیونکہ یہ مسلمانوں کے ضرر اور نقصان کا سبب تھی۔ الدر المنثور وغیرہ میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ ان آیتوں میں اس مسجد کا اور مقابلہ میں مؤمنوں کی مسجد کا بیان ہے جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہے۔

مسجد ضرار کا ذکر:

اور بعض (لوگ) ایسے ہیں جنھوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ (اسلام کو) نقصان پہنچائیں، اور (اس میں بیٹھ بیٹھ کر) کفر (یعنی رسول سے دشمنی) کی باتیں کریں، اور (اس کی وجہ سے) ایمان والوں (کے مجمع) میں پھوٹ ڈالیں (کیونکہ جب دوسری مسجد بنتی ہے اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ نیک نیتی سے بنی ہے تو لازمی ہے کہ پہلی مسجد کا کچھ نہ کچھ مجمع منتشر ہو ہی جاتا ہے) اور (یہ بھی غرض ہے کہ) اس شخص کے قیام کا سامان (وانتظام) کریں جو اس (مسجد کے بنانے) سے پہلے اللہ اور رسول کا مخالف ہے (ابو عامر مراد ہے) اور (پوچھو تو) قسمیں کھائیں گے (جیسے ایک دفعہ پہلے بھی سوال کرنے پر قسم کھا چکے ہیں) کہ بھلائی کے سوا ہماری کچھ نیت نہیں (بھلائی سے مراد آسائش اور گنجائش ہے) اور اللہ گواہ ہے کہ وہ (اس دعوی میں) بالکل جھوٹے ہیں (جب اس مسجد کی یہ حالت ہے کہ وہ واقع میں مسجد ہی نہیں، بلکہ اسلام کو نقصان پہنچانے والی ہے تو) آپ اس میں کبھی (بھی نماز کے لئے) کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن سے (یعنی جس دن سے وہ مسجد تجویز ہوئی ہے) تقوی (اور اخلاص) پر رکھی گئی ہے (مسجد قبا مراد ہے) وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لئے) کھڑے ہوں (چنانچہ کبھی کبھی آپ وہاں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے تھے) اس (مسجد قبا) میں ایسے (اچھے) آدمی ہیں، کہ وہ خود پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتے ہیں (جب دونوں مسجدوں کے بانیوں کا حال معلوم ہو گیا تو) پھر (سمجھ لو) کیا ایسا شخص بہتر ہے جس

نے اپنی عمارت (یعنی مسجد) کی بنیاد کسی گھاٹی پر رکھی ہو (اس سے باطل اور کفریہ اغراض مراد ہیں، ناپائیداری میں اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی) پھر وہ (عمارت) اس (بانی) کو لے کر جہنم کی آگ میں گر پڑے (یعنی وہ عمارت تو اس وجہ سے گری کہ کنارہ پر ہے، جب وہ کنارہ پانی سے کٹ کر گرے گا تو عمارت بھی گرے گی۔ اور بانی اس لئے گرا کہ وہ اس عمارت میں رہتا تھا، اور چونکہ اس سے کفریہ اغراض مراد ہیں، جو آگ تک پہنچانے والی ہیں، اس لئے یہ فرمایا کہ وہ اس کو لے کر جہنم میں جا گری) اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو (دین کی) سمجھ ہی نہیں دیتا (کہ بنائی تو مسجد کے نام سے جو کہ دین کے شعائر میں سے ہے اور اس سے غرضیں کیسی کیسی رکھیں) ان کی یہ عمارت (یعنی مسجد) جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں (کانٹا سا) کھٹکتی رہے گی (کیونکہ جس غرض سے بنائی تھی، وہ پوری نہ ہوئی اور قلعی کھل گئی تو یہ الگ ایک بات ہوئی اور پھر اوپر سے منہدم کر دی گئی، غرض کوئی ارمان نہیں نکلا، اس لئے ساری عمر اس کا افسوس اور ارمان باقی رہے گا) ہاں اگر ان کے (وہ) دل ہی (جن میں وہ ارمان ہے) فنا ہو جائیں تو خیر (اس وقت وہ ارمان بھی ختم ہو جائے) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی حکمت والے ہیں (ان کی حالت کو جانتے ہیں، اور اس کے مناسب سزا دیں گے)

فائدہ: ﴿إِلَّآ أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ﴾: مطلب یہ نہیں کہ فنا اور موت کے بعد راحت ہو جائے گی، بلکہ یہ محاورہ میں ہمیشہ کی حسرت کے لئے کنایہ ہے، اور یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ حقیقت میں ہمیشہ کی حسرت ہی مراد ہو، کیونکہ موت سے ادراک کے محل یعنی حقیقی دل کو موت نہیں آتی، لہٰذا تقطع یعنی فنا کبھی متحقق ہی نہ ہوگا، اس لئے حسرت بھی کبھی ختم نہ ہوگی۔

ایک تعارض کا حل:

یہاں ایک علمی شبہ ہے وہ یہ کہ حدیثوں میں صراحت سے یہ بات آئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے قبا والوں سے پوچھا کہ آخر تم کس طرح پاک ہونے کو پسند کرتے ہو کہ تمہاری تعریف کی گئی، تو انھوں نے کہا کہ ہم استنجاء پہلے ڈھیلے سے کرتے ہیں اور پھر پانی سے دھوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہی بات ہے یعنی اسی وجہ سے یہ تعریف کی گئی ہے۔ اس حدیث سے اور آیت کے آگے پیچھے کے تعلق سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ﴾ سے مراد مسجد قبا ہے، پھر اُس حدیث کے کیا معنی ہیں کہ اس سلسلہ میں دو صحابیوں کے درمیان گفتگو ہوئی اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے یہ میری مسجد یعنی مسجد نبوی مراد ہے؟

جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں جو ظاہر میں معلوم ہوتا ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس آیت سے مراد مسجدِ نبوی بھی ہے، اور اس جواب سے مقصود مسجد قبا کے مخصوص ہونے کے دعویٰ کو رد کرنا ہے۔

رہا آیت کا آگے پیچھے کا تعلق تو اس سے اس حدیث کی نفی لازم آتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نص یعنی حدیث کی عبارت یا الفاظ سے تو مسجدِ قبا ہی کی طرف اشارہ ہے، مگر نص کی دلالت سے مسجد نبوی کی طرف بھی اشارہ ہے، کیونکہ مسجد قبا

کے بانی صحابہ ہیں، اور جب صحابہ کے بانی ہونے سے وہ ان اوصاف کا مصداق بن گئی تو جس مسجد کے بانی خود حضور پرنور ﷺ ہوں، وہ ظاہر ہے کہ بدرجۂ اولیٰ اس کی مصداق ہوگی۔ اور آپ ﷺ کا مقصود مسجد قبا کی نفی کرنا نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔

جو مسجد تفاخر اور ریاکاری کے لئے بنائی جائے وہ مسجد ہوگی:

مسئلہ: اس قصہ کی بنیاد پر جو بعض علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو مسجد تفاخر اور ریاکاری کے لئے بنائی جائے، وہ مسجد نہیں، مجھے اس بارے میں کلام ہے، کیونکہ جس عمارت پر قیاس کر کے مسئلہ نکالا گیا ہے اس میں تو درحقیقت مسجد بنانے کی ہی نیت نہیں تھی، کیونکہ ان کے عقیدہ میں مسجد بنانا تقرب کا سبب نہیں تھا۔ برخلاف تفاخر کے لئے مسجد بنانے والے کے کہ چاہے اس میں نیت فاسد ہو، پھر بھی وہ مسجد بنانے کو تقرب کا سبب سمجھتا ہے تو نیت کے فساد کو عقیدہ کے فساد پر قیاس کرنا غلط ہے، اور کسی مجتہد مذہب سے کہیں یہ جزیہ نقل کیا ہوا نہیں دیکھا گیا۔ اس لئے ظاہری احکام میں وہ مسجد ہے، چاہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہ ہو، مسجد ہونا اور مقبول ہونا یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم نہیں، نہ ہی کسی ایک جانب سے اور نہ ہی دونوں جانب سے۔ واللہ اعلم

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے معاملہ ٹھیرایا ہے خوشی مناؤ۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے، اور ایسے مؤمنین کو آپ خوشخبری سنادیجئے۔

ربط: اوپر جہاد میں نہ جاکر گھر بیٹھے رہنے والوں کی مذمت تھی۔ اب مجاہدوں کی فضیلت ہے، پھر ان میں سے خاص

کامل لوگوں کی، جن میں دوسرے ایمانی اوصاف بھی ہوں، منقبت یعنی تعریف وستائش ہے۔

مجاہدین کی عموماً اور کامل مؤمنوں کی خصوصاً فضیلت:

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس امر کے عوض خرید لیا ہے کہ انہیں جنت ملے گی (اور اللہ کے ہاتھ مال وجان کے فروخت کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ) وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے (یعنی جہاد کرتے) ہیں، جس میں (کبھی) قتل کرتے ہیں اور (کبھی) قتل کئے جاتے ہیں یعنی بیع یا سودے سے مراد جہاد کرنا ہے، چاہے اس میں قاتل بن جانے کی نوبت آئے یا مقتول ہونے کی) اس (قتال) پر (ان سے جنت کا) سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں (بھی) اور انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی) اور (بھلا) اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟ (اور اس نے اس بیع یعنی سودے پر جنت کا وعدہ کیا ہے) تو (اس حالت میں) تم لوگ (جو کہ جہاد کر رہے ہو) اپنے اس (مذکورہ) سودے پر جو تم نے (اللہ تعالیٰ سے) طے کیا ہے، خوشیاں مناؤ (کیونکہ اس سودے پر تمہیں مذکورہ وعدہ کے مطابق جنت ملے گی) اور یہ (جنت ملنا) بڑی کامیابی ہے (تو ضرور تمہیں سودا کرنا چاہئے) وہ (مجاہد لوگ ایسے ہیں جن میں جہاد کے علاوہ کمال کے یہ اوصاف بھی پائے جاتے ہیں کہ گناہوں سے) توبہ کرنے والے ہیں (اور اللہ کی) عبادت کرنے والے (ہیں) اور اللہ کی حمد کرنے والے (ہیں اور) روزہ رکھنے والے (ہیں اور رکوع اور سجدہ کرنے والے (ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور) نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے (ہیں) اور بری باتوں سے باز رکھنے والے (ہیں) اور اللہ کی حدوں کا (یعنی احکام کا) خیال رکھنے والے (ہیں) اور ایسے مؤمنوں کو (جو جہاد کرتے ہوں اور ان میں یہ صفات بھی پائی جاتی ہوں) آپ خوشخبری سنا دیجئے (کہ ان سے جنت کا مذکورہ وعدہ ہے)

فوائد: ۱-ان صفات کی قید لگانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان صفات کے بغیر جہاد کا ثواب نہیں ملتا، کیونکہ بہت ساری نصوص میں صرف جہاد پر بشارتیں وارد ہیں، البتہ ایمان ایک ضروری شرط ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان سب کے جمع ہونے پر ثواب اور فضیلت میں اور بھی زیادہ کثرت اور قوت ہو جاتی ہے، تاکہ اکیلے جہاد ہی پر انحصار کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ بلکہ ساتھ ساتھ ان عبادتوں کو بھی ہمیشہ ادا کرتے رہیں۔ ۲-اور چونکہ جہاد میں اکثر مال بھی خرچ ہوتا ہے اور جان کا خرچ کرنا زیادہ اہم ہے، اس لئے آیت کے شروع میں تو جانوں اور مالوں دونوں کا ذکر فرمایا اور اس کی تفصیل میں صرف بذل النفس یعنی قتال پر اکتفا فرمایا، اور بذل النفس سے مراد یہی قتال ہے کہ اس میں جان سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جان کام ہی آجائے یعنی قتل ہو ہی جائے، اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ جان تو مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، پھر اس کے بذل کے کیا معنی؟ ۳-اور مشہور ہے کہ انجیل میں جہاد کا حکم نہیں ہے، پھر انجیل میں اس وعدہ کے ہونے کے کیا معنی؟ تو یا تو اس میں اس امت کا ذکر ہو چکا ہوگا کہ ان کے لئے قتل کا حکم دیا جائے گا۔ اور ان سے یہ وعدہ ہوگا یا اس میں مطلق مال

وجان سے کام لینے کی فضیلت ہوگی جس کے عموم میں جہاد بھی داخل ہے اور اگر اب یہ مضامین اس میں نہ ہوں تو شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ گذشتہ اصلی کتابیں مفقود ہیں۔

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی ہوں، اس امر کے ظاہر ہوجانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا، وہ صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انھوں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا، پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہوگئے، واقعی ابراہیم بڑے رحیم المزاج حلیم الطبع تھے۔

ربط: سورت کا زیادہ تر حصہ کفار سے براءت سے متعلق ہے، چنانچہ آغاز ہی ﴿بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ سے کیا گیا اور جہاد کا حکم ہوا، یہ سب معاملات زندگی سے متعلق تھے، اب اس براءت کی تاکید کے لئے کفار کے واسطے استغفار کرنے کی ممانعت ہے، جو کہ موت کے بعد سے متعلق معاملہ ہے کہ اس میں غیر ضروری تعلقات کا بالکل ہی خاتمہ ہے، جیسا کہ اوپر منافقوں کے جنازہ پر نماز کی ممانعت تھی اور اس ممانعت کی وجہ یہ ہوئی کہ ابو طالب کی وفات کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب تک مجھے منع نہیں کیا جائے گا، میں ان کے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔ اس پر دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے مردوں کے لئے استغفار شروع کردیا تو آیت ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ﴾ الخ نازل ہوئی۔ اور اس میں ممانعت آگئی، بعض حضرات نے یہ شبہ ظاہر کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے باپ کے لئے استغفار فرمایا تھا۔ اس پر اگلی آیت ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ﴾ الخ میں اس شبہ کا جواب آیا، اس کو ابو الشیخ اور ابن عساکر نے سفیان بن عیینہ عن عمرو بن دینار کے حوالہ سے روایت کیا ہے اور اسی طرح روح المعانی میں ہے اور پہلی آیت کا شانِ نزول شیخین نے نقل کیا ہے۔

مشرکوں کے واسطے استغفار کی ممانعت اور اس سے متعلق شبہ کا جواب:

نبی (ﷺ) کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں۔ اگر چہ وہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں، اس امر کے ظاہر ہوجانے کے بعد کہ یہ لوگ جہنمی ہیں (اس وجہ سے کہ کافر ہوکر مرے ہیں) اور (اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے شبہ ہو کہ انھوں نے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا کی تھی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ) ابراہیم (علیہ السلام) کا اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا کرنا (اس کا جہنمی ہونا ظاہر ہونے سے پہلے تھا اور) وہ (بھی) صرف (اس) وعدہ کے سبب تھا جو انھوں نے اس سے کرلیا تھا (اس قول میں ﴿سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي﴾ غرض ان

کے لئے دعا مانگنے کا جواز تو اس لئے تھا کہ اس کا جہنمی ہونا ظاہر نہ ہوا تھا۔ اور دعا مانگنے کے لئے ترجیح اس وجہ سے ہوگئی تھی کہ وعدہ کرلیا تھا، ورنہ جواز کے باوجود بھی ایسا نہ کرتے) پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن (یعنی کافر ہو کر مرا) ہے تو وہ اس سے بالکل لاتعلق ہوگئے (کہ استغفار بھی چھوڑ دیا، کیونکہ اس وقت مغفرت کی دعا کرنا بے معنی ہے، کیونکہ کافر کے لئے مغفرت کا احتمال ہے ہی نہیں، بخلاف زندگی کے کہ اس وقت مغفرت کی دعا کے معنی ہدایت کی توفیق کی طلب کے ہوسکتے ہیں کہ ہدایت کی توفیق کے لئے مغفرت لازم ہے۔ رہا یہ سوال کہ وعدہ کیوں کرلیا تھا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) واقعی ابراہیم (علیہ السلام) بڑے رحیم مزاج والے اور حلیم طبیعت والے تھے (کہ اس کے باوجود کہ باپ نے انہیں کیسی کیسی سخت باتیں کہیں مگر انھوں نے حلم سے کام لیا اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ شفقت کے جوش کی وجہ سے وعدہ کرلیا اور جب تک نفع کا احتمال تھا، اس وعدہ کو پورا فرمایا، لیکن جب بالکل ہی مایوسی ہوگئی تو ہار کر چھوڑ دیا، بخلاف تمہارے استغفار کے کہ یہ مشرکوں کے مرنے کے بعد ہو رہا ہے جن کا شرک کی حالت میں مرنا مشاہدہ سے ظاہر اور معلوم ہے، اور شرعی احکام میں ایسا ظاہر کافی ہے۔ پھر قیاس کب صحیح ہے؟ اور شبہ اس قیاس پر مبنی کب ہوسکتا ہے؟)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میں جو ابراہیم علیہ السلام کی دعا منقول ہے ﴿ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ ﴾ یعنی "میرے باپ کو بخش دے" اس کے معنی یہ ہیں: واهد أبي اور میرے باپ کو ہدایت دے" اور اگلا فقرہ ﴿ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾ اس کے بہت ہی مناسب ہے۔ اور ایک آیت میں جو والدین کے لئے مغفرت کی دعا میں ﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾ یعنی "جس دن حساب لیا جائے گا" فرمایا ہے، وہاں مطلب یہ ہے "ان دونوں کو ہدایت دے تاکہ جس دن حساب لیا جائے انہیں بخش دیا جائے" اور بخاری کی حدیث میں جو آیا ہے کہ "ابراہیم علیہ السلام قیامت میں عرض کریں گے" آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے آپ مجھے رسوا نہیں کریں گے، پھر میرے باپ کے بعد میرے لئے رسوائی کی اور کونسی بات بڑھ کر ہوسکتی ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: "میں نے جنت کو کافروں کے لئے حرام کردیا ہے، اور پھر ارشاد ہوگا کہ دیکھو تمہارے پیروں کے نیچے کیا ہے؟ اور انہیں وہ ایک جنگلی جانور کی شکل میں نظر آئے گا، پھر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا، تو اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اس وقت اس کی مغفرت چاہیں گے، بلکہ مطلب یہ عرض کرنا ہوگا کہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں قیامت کی رسوائی سے بچاؤں گا اور اس میں بھی تو رسوائی ہے کہ میرا باپ اس حالت میں ہو کہ یہ میرے سامنے کھڑا ہو، سب دیکھ رہے ہوں اور اس کو ذلیل و رسوا کر کے عذاب دیتے ہوئے جہنم میں لے جا کر ڈالا جائے، تو اس سے مجھے بچایئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ تو ضروری نہیں کہ رسوائی سے بچانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہو، کہ اس کی مغفرت کردی جائے، ہم دوسری صورت تجویز کرتے ہیں کہ اس کو مسخ کرتے ہیں کہ کوئی اس کو پہچانے نہیں اور تمہیں شرمندگی نہ ہو، خوب سمجھ لو۔

اور جاننا چاہئے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس طرح استغفار کیا ہے اس طریقہ سے استغفار کرنا دوسروں کے لئے بھی

جائز ہے، پھر جو سورۂ ممتحنہ آیت ۴ میں فرمایا گیا ہے: ﴿اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ﴾ یعنی ''ابراہیم اوران کے ساتھ والوں میں تمہارے لئے اسوہ ہے، لیکن ابراہیم کے اس قول میں اسوہ نہیں ہے جوانھوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں آپ کے لئے مغفرت کی دعا کروں گا'' یعنی اس قول میں آپ کی اقتدا نہ کرنا، مطلب یہ ہے کہ اس قول کا مطلب جو تم سمجھ رہے ہو کہ اس کے مطلق ہونے پر محمول سمجھ رکھا ہے، تو اس میں اقتدا مت کرنا۔ خوب سمجھ لو۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کئے پیچھے گمراہ کردے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلادے جن سے وہ بچتے رہیں، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمان اور زمین میں وہی جلاتا اور مارتا ہے۔ اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں مشرکوں کے لئے استغفار کرنے کو ناجائز فرمایا تھا، چونکہ ناجائز افعال کا خاصہ یہ ہے کہ ان کے کرنے سے دل میں ایک ظلمت پیدا ہوجاتی ہے، جس سے گمراہی کا قریبی مادہ پیدا ہوجاتا ہے، اور بار بار کرنے سے اس میں مزید قوت ہوتی ہے، جیسا کہ آیت ﴿بَلْ ۜ رَانَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ﴾ الخ المطففین آیت ۱۴ کی تفسیر میں ترمذی اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ مضمون روایت کیا ہے، اس پر نظر کرنے سے ڈرنے والے مؤمن کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ کہیں اس ناجائز استغفار سے ہمیں مذکورہ نقصان نہ پہنچا ہو، اس سلسلہ میں آگے تسلی فرماتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی فعل میں یہ اثر اس کے ممنوع ہونے کے بعد ہوتا ہے، ممنوع ہونے سے پہلے نہیں ہوتا، کیونکہ کوئی بھی فعل ناجائز اس وقت ہوتا ہے جب اس کی ممانعت کردی جائے، اگر ممانعت کے حکم سے پہلے ہوتا اور ممانعت سے صرف اس کا ظہور ہوتا تو اس احتمال کی گنجائش تھی کہ اثر تو اس میں ہے ہی، اس لئے نقصان ہوا ہوگا، اور تسلی کے بعد اپنا صفاتِ کمال کے ساتھ موصوف ہونا بیان فرماتے ہیں۔ تاکہ ممانعت اور تسلی، سب کی تاکید ہوجائے۔

ممانعت سے متعلق مؤمنوں کی تسلی اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف ممانعت اور تسلی کی تاکید کے لئے:

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے، جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتادے، جن سے وہ بچتے رہیں (لہٰذا جب ہم نے تم مسلمانوں کو ہدایت دی اور اس سے پہلے مشرکوں کے لئے استغفار کی ممانعت بتائی نہیں تو اس کے کرنے سے تمہیں یہ سزا نہیں دی جائے گی کہ تمہارے اندر گمراہی کا مادہ پیدا کردیا جائے) بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (تو وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے بتائے بغیر ایسے احکام کو کوئی نہیں جان سکتا، اس لئے ان افعال سے نقصان بھی نہیں پہنچنے دیتے، اور) بلاشبہ اللہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے، وہی جلاتا اور مارتا

ہے (یعنی ہر طرح کی حکومت اور قدرت اسی کے لئے خاص ہے، اس لئے وہ جو چاہے حکم دے سکتا ہے، اور جس نقصان سے چاہے، بچا سکتا ہے) اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار ہے (بلکہ صرف وہی یار و مددگار ہے، اس لئے ممانعت سے پہلے تمہیں نقصان سے بچاتا ہے، اور اگر تم نے منع کرنے کے بعد اطاعت نہیں کی تو اور کوئی بچانے والا نہیں)

فائدہ: اور ہدایت سے پہلے جو گمراہی ہوتی ہے، جیسا کہ اصرار کرنے والے کافروں میں ہوتی ہے، وہ بھی حق واضح ہونے کے بعد ہوتی ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد سے ظاہر ہے: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ یعنی "ہم کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک رسول نہ بھیج دیں" سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۵۔ لہٰذا یہ تخصیص واقعہ کی خصوصیت کے اعتبار سے ہے۔

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۱۱۷﴾ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ﴾ ع

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا، پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے۔ اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ خدا سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی، بجز اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جاوے۔ پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے، بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

ربط: اوپر بہت ساری آیتیں غزوۂ تبوک کے قصہ سے متعلق تھیں، اب بھی اسی غزوہ میں شریک ہونے والوں کی اور شریک نہ ہونے والوں میں سے سچ بولنے والوں اور توبہ کرنے والوں کی مدح وستائش اور ان کا مقبول اور قابل رحم ہونا بیان فرماتے ہیں: جن میں سے بعض کا ذکر اوپر آیت ﴿ وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ ﴾ میں بھی مختصر طور پر گذر چکا ہے۔ اور یہ تین بزرگ تھے: (۱) کعب بن مالک (۲) مرارہ بن الربیع اور (۳) ہلال بن امیہ۔ ان کا یہ قصہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے، بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ، تمہارے بارے میں جو اللہ کا حکم ہوگا، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا، اور آپ نے مسلمانوں کو ان کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا، چنانچہ اس حالت میں ان پر پورے پچاس دن گذر گئے، یہاں تک کہ انتہائی پریشانی کی وجہ سے ان کی نظر میں ساری دنیا تنگ و تاریک نظر آنے لگی،

آخر یہ آیت نازل ہوئی جس میں توبہ قبول ہونے کی بشارت دی گئی، تفصیلی قصہ حدیث میں ہے اور بڑی وقعت واثر والا قصہ ہے۔

غزوۂ تبوک میں مجاہدوں اور توبہ کرنے والوں کی مقبولیت:

اللہ تعالیٰ نے نبی (ﷺ) کے حال پر توجہ فرمائی (کہ آپ کو نبوت اور جہاد کی امامت اور تمام خوبیاں عطا فرمائیں) اور مہاجروں اور انصار کے حال پر بھی (توجہ فرمائی، کہ انہیں ایسی مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا) جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت بھی نبی کا ساتھ دیا، اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا (اور جہاد میں جانے سے ہمت ہارنے لگے تھے مگر) پھر اللہ نے ان (لوگوں) کے حال پر توجہ فرمائی (کہ انہیں سنبھال لیا، اور آخر کار ساتھ ہو ہی گئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے (کہ اپنی مہربانی سے ہر ایک کے حال پر کس کس طرح توجہ فرمائی) اور ان تین لوگوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب (ان کی پریشانی اس حد کو پہنچی کہ) زمین اپنی (اتنی بڑی) فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی، سوائے اس کے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے (اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے) پھر ان کے حال پر (بھی خاص) توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی (مصیبت اور معصیت کے ایسے مواقع میں اللہ کی طرف) رجوع رہا کریں: بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے، بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

فائدہ: اوپر آیت ۳۸ کے تحت اس غزوہ سے متعلق جن چھ جماعتوں کا بیان کیا گیا تھا، یہاں ان میں سے پہلی، دوسری اور چوتھی جماعت کا ذکر ہے، جو مضمون کی مطابقت سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس مقام پر جناب رسول اللہ ﷺ کے ذکر کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ آپ کی محبوبیت کا خاص ہونا پوری طرح ظاہر ہے اور دین کی ضروری معلومات میں سے ہے، مگر ایک تو بطور تبرک اور پھر صحابہ کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے کہ اس خاص عنایت کا فیض ہمیں بھی ملے گا، جو آپ کی مقدس ذات پر متوجہ ہے، اور اس غزوہ کے زمانہ کو ساعت عسرت یعنی تنگی کا زمانہ اس لئے فرمایا کہ شدید گرمی کا موسم تھا، سفر لمبا تھا، معاملہ جنگی مہارت رکھنے والے لشکر کا تھا، سواری کے جانوروں کی بہت کمی تھی، کھانے پینے کیا سامان یعنی رسد کی کمی اتنی تھی کہ ایسے بھی حالات پیش آئے کہ ایک ایک خشک کھجور دو دو آدمیوں میں بانٹی جاتی تھی، اور روایات کے مطابق بعض دفعہ ایک چھوارے کو ایک ایک کے کئی کئی آدمی چوستے تھے، سواری کے اونٹ بھی ذبح کرنے پڑے، یہاں تک کہ ان کی آلائش کو نچوڑ کر پینا پڑا، جیسا کہ در منثور میں منقول ہے۔

مسئلہ: کسی کو شریعت کے خلاف امر کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے یہ سزا دینا کہ بات چیت، کلام وسلام ترک کر دیں جائز ہے، اور حدیثوں میں جو تین دن سے زیادہ بات چیت بند کرنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ ہے جس کا سبب

کوئی دنیاوی رنج ہو۔ واللہ اعلم

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

ربط: اوپر مجاہدین اور توبہ کرنے والوں کی مدح وستائش اور مقبولیت کا ذکر تھا، چونکہ یہ مقبولیت تقوی، صدق اور اخلاص کی بدولت ہے، اس لئے اب عام مؤمنوں کو اس کا حکم فرماتے ہیں۔

تقوی اور صدق کا حکم:

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور (عمل میں) سچے لوگوں کے ساتھ رہو (یعنی جو لوگ نیت اور بات میں سچے ہیں ان کی راہ پر چلو، تاکہ تم صدق اختیار کرو)

﴿ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۙ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گردوپیش میں ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجبِ غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی، ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے اور جو کچھ چھوٹا بڑا انھوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

ربط: اوپر پیچھے رہ جانے والوں پر ملامت اور مجاہدین کی فضیلت الگ الگ بیان کی گئی تھی، اب دونوں کو اجتماعی طور پر اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ دوسرے مضمون سے پہلے مضمون پر استدلال بھی ہو جائے۔

مجاہدین کی فضیلت کے ضمن میں پیچھے رہ جانے والوں پر ملامت:

مدینہ کے رہنے والوں کو اور ان کو جو دیہات والے ان کے آس پاس (رہتے) ہیں یہ مناسب نہ تھا کہ رسول اللہ (ﷺ) کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ (مناسب تھا) کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں (کہ آپ تو تکلیفیں برداشت

کریں اور یہ آرام سے بیٹھے رہیں، بلکہ انہیں آپ کے ہمراہ جانا ضروری تھا، اور) یہ (ساتھ جانے کا ضروری ہونا) اس سبب سے ہے کہ رسول کی محبت کا حق ادا کرنے کے علاوہ ان مجاہدوں کو بات بات پر ثواب حاصل ملتا ہے، اگر یہ اخلاص کے ساتھ جاتے تو ثواب انہیں بھی ملتا، چنانچہ) انہیں اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں جو پیاس لگی اور جو تکان ہوئی اور جو بھوک لگی اور جو کچھ چلے، جو کافروں کے لئے غیظ و غضب کا سبب ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی، ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک عمل لکھا گیا (باوجودیکہ بعض امور اختیاری افعال نہیں، مگر یہ مقبولیت و محبوبیت کا تقاضہ ہے کہ اضطراری امور میں بھی اختیاری اعمال کی طرح ثواب کا باعث قرار دیئے گئے اور اس وعدہ میں تخلّف کا احتمال نہیں، کیونکہ) یقیناً اللہ تعالیٰ مخلص لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے (لہٰذا جب وعدہ کرلیا تو ضائع نہ ہوگا) اور جو کچھ چھوٹا بڑا انھوں نے خرچ کیا، اور جتنے میدان انہیں طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام (نیکیوں میں) لکھا گیا، تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے (ان سب) کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے (کیونکہ جب ثواب لکھا گیا تو بدلہ ملے گا)

فائدہ: ﴿ لَا يُضِيْعُ ﴾ میں مخلصین کی تخصیص اس لئے ہے کہ بغیر اخلاص کے تو اجر ہی نہیں ملتا۔

﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں۔ ایسا کیوں نہ کیا جاوے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں، اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آویں ڈراویں تاکہ وہ احتیاط رکھیں۔

ربط: اوپر جو پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں ملامت کے مضامین نازل ہوئے، اس سے آئندہ کے لئے شبہ ہوسکتا تھا کہ ہمیشہ کے لئے سب کے ذمہ جہاد میں جانا ضروری ہوگا، اس لئے اب ہر شخص کے جانے کا فرض نہ ہونا بیان فرماتے ہیں، اور تبوک میں جو تمام موجود لوگوں کے ذمہ فرض تھا، اس کی وجہ آیت ﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا ﴾ کی تفسیر میں گذر چکی ہے، لہٰذا دونوں آیتوں کے مجموعہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ جہاد اپنے آپ میں فرض کفایہ ہے، مگر امام کے حکم سے ہر مخاطب پر فرض عین ہوجائے گا۔

جہاد کے لئے نکلنے کا فرض کفایہ ہونا:

اور (ہمیشہ کے لئے) مسلمانوں کو یہ (بھی) نہیں چاہئے کہ (جہاد کے واسطے) سب کے سب (ہی) نکل کھڑے ہوں (کہ اس میں بھی بعض اوقات مسلمانوں کا نقصان ہے) تو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے (اور کچھ اپنے وطن میں رہ جایا کریں) تاکہ (یہ) باقی رہ جانے والے

لوگ (رسول اللہ ﷺ کے وقت میں آپ سے اور آپ کے بعد شہر کے علماء سے) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں، اور تاکہ یہ لوگ اپنی (اس) قوم کو (جو کہ جہاد میں گئے ہیں) جبکہ وہ ان کے پاس واپس آئیں (دین کی باتیں سنا کر اللہ کی نافرمانی سے) ڈرائیں، تاکہ وہ (ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے) احتیاط رکھیں۔

فائدہ: باقی رہ جانے والے لوگوں کے رہ جانے میں جو مصلحتیں ہیں، ان میں سے ایک بڑی مصلحت کا ذکر فرمادیا جو کہ دینی مصلحت ہے، اس کے علاوہ دنیا کی بھی مصلحتیں ہیں، جو بالکل ظاہر ہیں محتاج بیان نہیں، مثلاً سب کے چلے جانے سے خود دارالاسلام کا قبضہ سے نکل جانا بعید نہیں اور دین کی سمجھ کی تخصیص باقی رہ جانے والے گروہ کے ساتھ اس لئے ہے کہ عام طور پر علم حاصل کرنے کا کام اپنے شہر میں اور حضر میں ہوتا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے۔ اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

ربط: اوپر چند آیتوں میں جہاد کی ترغیب تھی، اب اس کی ترتیب اس سے متعلق بعض امور سمیت بیان کی جارہی ہے۔

جہاد کی ترتیب:

اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو، جو تمہارے آس پاس (رہتے) ہیں اور انہیں تمہارے اندر سختی پانی چاہئے (یعنی تمہیں جہاد کے وقت بھی مضبوط رہنا چاہئے، اور ویسے بھی صلح کے زمانہ سے علاوہ بھی ان سے ڈھیلا پن نہ برتنا چاہئے) اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ (کی امداد) متقی لوگوں کے ساتھ ہے (لہٰذا ان سے نہ ڈرو نہ دبو)

فائدہ: ترتیب کا حاصل ظاہر ہے کہ پہلے پاس والوں سے نبٹنا چاہئے، پھر باقی لوگوں میں جو سب سے پاس ہوں، اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے آگے عمل کریں اور اس ترتیب کے برعکس عمل میں جو مفاسد ہیں وہ ظاہر ہیں، چنانچہ حضور ﷺ نے جو اپنے اختیار سے غزوات فرمائے اور صحابہ نے بھی، سب میں اس ترتیب کا لحاظ رکھا گیا۔

﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا

يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَإِذَا مَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ ۭ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی، سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں آزار ہے اس سورت نے ان میں ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی، اور وہ حالتِ کفر ہی میں مر گئے۔ اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنسے رہتے ہیں، پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں، پھر چل دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کا دل پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ محض بے سمجھ لوگ ہیں۔

ربط: اوپر بہت ساری آیتوں میں منافقوں کے قابلِ مذمت امور کا ذکر ہوا، ان میں سے اللہ کی نازل کی ہوئی آیتوں کا مذاق اڑانا اور ان سے نفرت بھی شامل ہے۔ اب اس کا بیان ہے مع جواب وعتاب کے۔

اللہ کی نازل کی ہوئی آیتوں کے ساتھ منافقوں کا تمسخر اور ان سے نفرت کا ذکر مع جواب وعتاب:

اور جب کوئی (نئی) سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافق (غریب مسلمانوں سے تمسخر کے طور پر) کہتے ہیں کہ (کہو) اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی کی (آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: تم جواب چاہتے ہو) تو (سنو) جو لوگ ایمان والے ہیں، اس سورت نے ان کے ایمان میں ترقی کی ہے، اور وہ (اس ترقی کے اور ادراک سے) خوش ہو رہے ہیں (مگر چونکہ وہ امر دل سے متعلق ہے، اور تمہیں وہ نصیب نہیں، اس لئے تمہیں اس کا ادراک بھی نصیب نہیں، اس لئے تم تمسخر کرتے ہو) اور جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، اس سورت نے ان میں ان کی (پہلی) گندگی کے ساتھ اور (نئی) گندگی بڑھا دی (کیونکہ پہلے قرآن کے ایک حصہ کا انکار تھا، اب اس نئے حصہ کا انکار اور ہوا) اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے (یعنی جو ان میں مر چکے ہیں، وہ کافر مرے اور جو اس اصرار پر قائم رہیں گے، وہ کافر مریں گے۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ قرآن میں ایمان کو ترقی دینے کی بیشک خاصیت ہے، لیکن اس کا جو محل ہے اس میں قبولیت کی اہلیت بھی تو ہونی چاہئے اور اگر پہلے سے خباثت مستحکم ہے تو اس کا اور بھی زیادہ استحکام ہو جائے گا۔ در باغ لالا روید و در شورہ بوم خس یعنی باغ میں لالہ کے پھول کھلتے ہیں اور کھاری زمین میں گھاس پھونس) اور کیا انہیں دکھائی نہیں دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں (مگر) پھر بھی (اپنی گھناؤنی حرکتوں سے) باز نہیں آتے، اور نہ ہی وہ کچھ سمجھتے ہیں (جس سے باز آنے کی آئندہ امید ہو، یعنی ان حوادث سے انہیں عبرت حاصل کرنی چاہئے اور غیرت حاصل کر کے اپنی اصلاح کر لینی چاہئے تھی، یہ تو ان کے تمسخر کا بیان ہوا جو وہ اپنی مجلسوں میں کرتے

تھے۔آگے اس نفرت کا بیان ہے جو نبی ﷺ کی مجلس میں ان سے صادر ہوتا تھا، چنانچہ ارشاد ہے) اور جب کوئی (نئی) سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں (اور اشارہ سے باتیں کرتے ہیں) کہ تمہیں کوئی (مسلمان) دیکھتا تو نہیں (کہ اٹھتا ہوا دیکھ لے، اور حضرت ﷺ سے جا لگائے) پھر (اشاروں ہی اشاروں میں باتیں کر کے وہاں سے اٹھ کر) چل دیتے ہیں (یہ لوگ نبی ﷺ کی مجلس سے کیا پھرے) اللہ تعالیٰ نے ان کے دل (ہی ایمان سے پھیر دیئے ہیں، کیونکہ وہ بالکل ہی ناسمجھ لوگ ہیں (کہ اپنے نفع سے بھاگتے ہیں)

فائدۃ: ﴿ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ﴾ سے خاص عدد مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ کبھی سال میں ایک بار اور کبھی کئی بار ایسا ہو جاتا ہے۔ اور ان آفتوں اور حوادث سے یا تو عام صورت حال مراد ہے کہ سمجھ دار و عقل مند آدمی تو ان سے بھی متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کر لیتا ہے یا خاص وہ واقعات مراد ہیں جو ان کے نفاق کی بنا پر پیش آتے تھے، مثلاً کبھی ان کے دوست کافر لوگ مغلوب ہو گئے، کبھی ان کے نفاق کی باتیں کھل گئیں، اس پریشانی اور پوچھ تاچھ کے اندیشہ میں مبتلا رہے کہ اس طرح کی تمام باتوں سے ان کے لئے خصوصیت کے ساتھ عبرت حاصل کرنا ضروری تھا۔

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔ پھر اگر روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔

ربط: چونکہ یہ سورت قرآنِ کریم کی آخری سورتوں میں سے ہے، اس لئے اس کے خاتمہ پر حجت قائم کرنے اور دعوت کی تکمیل کے لئے آپ کی رسالت اور کمال کے بعض اوصاف کی توضیح مناسب ہوئی، اور نہ ماننے کی صورت میں توحید اور توکل کے اظہار سے کہ وہ اہم ترین اصولوں میں سے ہے، آپ کی مستعدی اور بلند حوصلگی کا اظہار بہتر ہوا، خاص طور سے اس سورت کے ساتھ یہ مضمون اس وجہ سے زیادہ چسپاں ہے کہ اس میں براءت کے ذریعہ اتمام حجت کر دیا گیا، لہٰذا ایک اتمام سے دوسرے اتمام کی تاکید ہو جائے گی۔

رسالت اور رسالت کے کمالات مع اظہار چستی و بلند حوصلگی:

(اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمہاری ہی جنس (بشر، انسان) سے ہیں (تاکہ

تمہیں نفع حاصل کرنا آسان ہو) جنہیں تمہارے نقصان کی بات نہایت گراں گزرتی ہے (چاہتے ہیں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے) جو تمہارے فائدہ کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے، پھر خاص طور سے) ایمان والوں کے ساتھ (تو) بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں (ایسے رسول سے فائدہ نہ اٹھانا بڑی محرومی ہے) پھر اگر (اس پر بھی آپ کو رسول ماننے سے اور آپ کا اتباع کرنے سے) منہ پھیریں تو آپ کہہ دیجئے: (میرا کیا نقصان ہے) میرے لئے (تو) اللہ تعالیٰ (حافظ و ناصر) کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں (لہٰذا معبود ہونا اس کے ساتھ خاص ہے تو لازمی طور پر سارے کمالات علم وقدرت بھی اس میں بے مثل ہوں گے، پھر مجھے کسی کی مخالفت سے کیا اندیشہ) میں نے اس پر بھروسہ کرلیا، اور وہ بڑے عظیم عرش کا مالک ہے (تو دوسری چیزیں تو اولیٰ درجہ میں اس کی ملکیت ہوں گی، لہٰذا اس پر بھروسہ کرنے کے بعد مجھے کوئی اندیشہ نہیں، البتہ تم اپنی فکر کرلو کہ حق کا انکار کرکے کہاں رہو گے؟)

فائدہ: عرش کا 'عظیم' ہونا اس سے ظاہر ہے کہ آفتاب، زمین سے ڈیڑھ سو گنا سے بھی زیادہ بڑا ہے، اور وہ آسمان کے مقابلہ میں کتنی ذرا سی جگہ میں موجود ہے، لہٰذا آسمان کتنا بڑا ہوا، پھر دوسرا آسمان اس سے اوپر تیسرا آسمان اس سے کتنا زیادہ بڑا ہوگا، اسی پر قیاس کرتے جائیں اور سارے آسمان کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسی بڑی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں، پھر کرسی، عرش کے سامنے ایسی ہی چھوٹی ہے، اس سے اندازہ کرلیا جائے۔ اہل رصد جس کو فلک الافلاک کہتے ہیں، روح المعانی کے مطابق مرکز عالم سے اس کے مقعر یعنی گہرائی کے مرکز تک تین کروڑ پینتیس لاکھ چوبیس ہزار چھ سو نو فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اور فرسنگ تین کوس کا ہوتا ہے، تو اس طرح مذکورہ فاصلہ دس کروڑ پانچ لاکھ تہتر ہزار آٹھ سو ستائس کوس کا ہوا۔ یہ اس مقعر کی سطح کے دائرہ کا نصف قطر ہوا، اس سے مقعر کی سطح کی عظمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جبکہ محدب تک کا فاصلہ اہل رصد کو بھی معلوم نہیں ہوا، حالانکہ اہل ہیئت یہ ثابت نہیں کرسکے کہ فلک الافلاک سے اوپر کچھ نہیں اور روایتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ عرش سے اوپر کوئی جسم نہیں، لہٰذا اگر فلک الافلاک عرش کے علاوہ کوئی ہے تو عرش اس سے بھی اوپر ہوگا، پھر اس کی عظمت کا کیا حساب ہوسکتا ہے، وہ عدد عربی عبارت میں ان الفاظ میں لکھا ہے: ثلاثة وثلثون الف الف وخمس مائة واربعة وعشرون ألف وست مأة وتسع فراسخ۔ واللہ اعلم

﴿سورۃ البراءت کی تفسیر ۱۷ ربیع الثانی بروز پیر سنہ ۱۳۲۴ھ کو پوری ہوئی، الٰہی! باقی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرما، بہ برکت سید انس وجن (آمین)﴾

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم کرنے والے ہیں

اس پوری سورت کا حاصل چند مضامین ہیں:(۱) توحید کا اثبات (۲) رسالت کا اثبات (۳) قرآن کا اثبات (۴)اخرت کا اثبات (۵) بعض قصوں کے ذریعہ ڈرانا۔ اور پہلے مضمون کے ضمن میں شرک کو باطل قرار دینا دوسرے ضمن میں اس سے متعلق بعض شبہات کا جواب تیسرے کے ضمن میں اس کے جھٹلانے پر رد اور چوتھے کے ضمن میں جو سزا، اور دنیا کے فنا ہونے کا بیان اور پانچویں کے ضمن میں بعض شبہات کا جواب اور آپ کی تسلی ہے، اور یہ سب مضامین کفار کے ساتھ بحث اور حجت ہیں، چونکہ اس سے پہلی سورت میں بھی بحث، حجت اور مقابلہ تھا اگر چہ وہاں یہ ہتھیاروں سے تھے اور یہاں زبان سے ہیں، اور وہاں کفار کے مختلف فرقوں سے تھے اور یہاں صرف مشرکوں سے ہیں۔ چنانچہ آیتوں میں غور کرنے سے یہ سب امور ظاہر ہو سکتے ہیں، اس بیان سے دونوں سورتوں میں بھی اور خود اس سورت کے اجزا میں بھی آپس میں نسبت اور ربط ظاہر ہو گئے۔

﴿ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ پر حکمت کتاب کی آیتیں ہیں۔ کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیج دی کہ سب آدمیوں کو ڈرائیے اور جو ایمان لے آوے ان کو یہ خوشخبری سنائیے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ کافر کہنے لگے یہ شخص تو بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔

قرآن اور رسالت کی حقیقت:

(﴿ الٓرٰ ﴾ کا مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی کو بہتر معلوم ہے) یہ (جو آگے آیتیں ہیں) حکمت سے بھری ہوئی کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں (جو حق ہونے کی وجہ سے جاننے اور ماننے کے قابل ہیں، اور چونکہ جن پر ان کا نزول ہوا ہے، کفار ان کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، اس لئے جواب فرماتے ہیں کہ) کیا ان (مکہ کے) لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا

کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس (جو کہ ان کی طرح بشر، انسان تھے) وحی بھیج دی (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ (عام طور پر) سب لوگوں کو (اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے پر) ڈرایئے اور جو ایمان لے آئے، ان کو یہ خوشخبری سنایئے کہ ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا (یعنی اگر ایسا مضمون کسی آدمی پر وحی کے ذریعہ نازل ہوجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں مگر کافروں کو اس قدر تعجب ہوا کہ آپ کے بارے میں کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ شخص تو بلاشبہ کھلا جادوگر ہے (نبی نہیں ہے، کیونکہ ان کے خیال میں نبوت آدمی کے لئے نہیں ہوسکتی)

فائدہ: یہ مشرکوں کی ایک جہالت تھی کہ وہ بغیر کسی دلیل کے نبوت اور بشریت کو ایک دوسرے کے خلاف سمجھتے تھے، اس آیت میں اس کا جواب ہے، جس کا حاصل اصطلاحی طور پر منع (بات تسلیم نہ) کرنا ہے، اور ان کا دوسرا قول نازل ہونے کے طریقہ سے متعلق تھا ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾ یعنی "یہ قرآن دونوں بڑے شہروں کے کسی آدمی پر ایک ہی بار میں کیوں نازل نہیں ہوگیا" ان کے اس اعتراض کا جواب اس جگہ اس آیت کے فوراً بعد بیان کردیا گیا ہے ﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴾ الخ یعنی کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟

﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کردیا، پھر عرش پر قائم ہوا، وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ کوئی سفارش کرنے والا نہیں، بدون اس کی اجازت کے۔ ایسا اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

ربط: اوپر قرآن اور رسالت کا ذکر تھا، اب توحید کا بیان ہے۔

توحید کی حقیقت:

بلاشبہ تمہارا (حقیقی) رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں (کے برابر وقت) میں پیدا کردیا (چنانچہ وہ اعلیٰ درجہ کا قادر ہے) پھر عرش پر (جو حکومت و سلطنت کے تخت کے مشابہ ہے، اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو کہ اس کی شان کے لائق ہے، تاکہ عرش سے زمین اور آسمانوں میں احکام جاری فرمائے، جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ) وہ ہر کام کی (مناسب تدبیر کرتا ہے، چنانچہ وہ حکیم بھی ہے) اس کی اجازت کے بغیر (اس کے سامنے) کوئی سفارش کرنے والا (سفارش) نہیں (کرسکتا۔ لہٰذا وہ عظیم بھی ہوا، چنانچہ) ایسا اللہ تمہارا (حقیقی) رب ہے تو تم اس کی عبادت کرو (اور شرک مت کرو) کیا تم پھر بھی (ان دلیلوں کو سننے کے بعد بھی) نہیں سمجھتے؟

﴿ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ اللہ نے سچا وعدہ کرر کھا ہے، بیشک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تا کہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے انصاف کے ساتھ جزا دے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے۔

ربط: اوپر توحید کا ذکر ہے، اب قیامت کا ذکر ہے۔

آخرت کی حقیت:

تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے، اللہ نے (اس کا) سچا وعدہ کرر کھا ہے، بے شک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ (آخرت میں) پیدا کرے گا تا کہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے، اور انھوں نے انصاف کے ساتھ نیک کام کئے، پوری پوری جزا دے (اور اس میں ذرا کمی نہ کرے، بلکہ بہت کچھ زیادہ دیدے) اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے (آخرت میں) کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور ان کے کفر کی وجہ سے دردناک عذاب ہوگا۔

﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں۔ بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں جو ڈرمانتے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کا بیان ہوا ہے، اب پھر اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔

توحید کی طرف لوٹنا:

وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا، اور چاند کو (بھی) نورانی بنایا۔ اور اس (کی چال) کے لئے منزلیں

مقرر کیں (کہ ہر روز ایک منزل طے کرتا ہے) تا کہ (ان اجزاء فلکی یعنی آسمانی جسموں، سورج، چاند، ستاروں وغیرہ کے ذریعہ) تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ پیدا نہیں کیں، وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتارہے ہیں جو سمجھ دار ہیں، بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے، ان سب میں ان لوگوں کے واسطے (توحید کے) دلائل ہیں جو (اللہ کا ڈر) مانتے ہیں۔

فائدہ: یوں تو دلائل ان لوگوں کے لئے بھی بیان کئے ہیں جو غیر اہل علم ہیں، یعنی علم نہیں رکھتے اور ان لوگوں کے لئے بھی جن کے دلوں میں تقویٰ کی صفت نہیں پائی جاتی، مگر یہاں تخصیص نفع اٹھانے کے اعتبار سے ہے اور منزل سے مراد سفر کی وہ دوری ہے جسے کوئی سیارہ رات اور دن میں طے کرلے، چاہے وہ مسافت خلا کی ہو یا ملا یعنی زمین کی ہو، اور اس معنی میں آفتاب کی بھی اپنی منزلیں ہیں، چنانچہ بعض اہل علم نے ﴿قَدَّرَهٗ﴾ کی ضمیر ہر واحد کی تاویل کے ذریعہ دونوں کی طرف لوٹائی ہے، لیکن چونکہ سورج کے مقابلہ میں چاند کی رفتار تیز ہے، اور اس کا منازل طے کرنا محسوس ہوتا ہے، اس لئے اس کے ساتھ منازل کی سیر کی تخصیص مناسب ہے، اور اس اعتبار سے چاند کی انتیس یا تیس منزلیں ہوتی ہیں، مگر چونکہ وہ اٹھائیس رات سے زیادہ نظر نہیں آتا، اس لئے اس کی اٹھائیس منزلیں مشہور ہیں، اور اس کے باوجود کہ تاریخوں، مہینوں اور برسوں وغیرہ کی گنتی اور حساب کے آلات میں سے سورج اور چاند دونوں ہیں، لیکن سورج کا دورہ ایک سال میں پورا ہونے کی وجہ سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ برسوں کی گنتی کو سورج سے متعلق کیا جائے، اور اس سے چھوٹے حساب کو چاند سے متعلق کیا جائے، اور اسی واسطے حساب کا لفظ تخصیص کے بعد تعمیم کے طور پر بڑھایا گیا۔ واللہ اعلم

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ ع

ترجمہ: جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے، ان کا رب ان کو بوجہ ان کے مؤمن ہونے کے ان کے مقصد تک پہنچادے گا ان کے نیچے نہریں جاری ہونگی، چین کے باغوں میں۔ ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ! اور ان کا باہمی سلام یہ ہوگا السلام علیکم اور ان کی اخیر بات یہ ہوگی الحمد للہ رب العالمین۔

ربط: اوپر آخرت کا مضمون تھا، اب پھر اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

آخرت کی طرف واپسی:

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے، اور وہ دنیاوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں (آخرت کی طلب اصل کے طور پر نہیں کرتے) اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (آئندہ کی کوئی خبر یا پروا نہیں) اور جو لوگ ہماری آیتوں سے (جو کہ مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر دلالت کرتی ہیں) بالکل غافل ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے (ان) اعمال کی وجہ سے جہنم ہے (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے! اور انھوں نے نیک کام کیے، ان کا رب انہیں ان کے مؤمن ہونے کی وجہ سے ان کے مقصد (یعنی جنت) تک پہنچادے گا۔ ان کے (ٹھکانوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی، چین کے باغوں میں (اور جس وقت وہ جنت میں جائیں گے اور اچانک عجیب عجیب امور دیکھیں گے اس وقت) ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ اور (پھر جب ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو) ان کا آپس میں سلام یہ ہوگا "السلام علیکم" اور (جب اطمینان سے وہاں جا بیٹھیں گے اور اپنی پرانی مصیبتیں، تھکاوٹوں اور پریشانیوں اور اس وقت کی تمام کدورتوں سے پاک ہمیشہ کے عیش کا مقابلہ کریں گے تو) ان کی (اس وقت کی ان باتوں میں) آخری بات یہ ہوگی ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ﴾

فائدہ: ﴿ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ ﴾ کی اس تفسیر کے بعد یہ شبہ نہیں رہا کہ اس کے بعد وہ کوئی بات نہ کریں گے؟

﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر جلدی سے نقصان واقع کردیا کرتا جس طرح وہ فائدے کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔ سو ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے، ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

ربط: اوپر ﴿ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمُ ﴾ میں کفار کو آخرت میں عذاب دیئے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ کفار ایسے مضامین کو جھٹلانے کی غرض سے کہا کرتے تھے کہ ہم تو عذاب کی ان باتوں کو اس وقت سمجھیں گے کہ ہمارے اوپر یہاں دنیا میں عذاب نازل ہوجائے، جیسا کہ سورۂ ص آیت ۱۶ میں نقل فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴾ یعنی "انھوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمارے حصہ کا عذاب ہمارے اوپر جلدی قیامت کے دن سے پہلے ہی نازل کردیجئے" اور اس کے بعد عذاب نازل نہ ہونے سے آخرت میں عذاب نہ ہونے کا شبہ ہوسکتا تھا۔ اس لئے اب اس کا جواب بیان فرماتے ہیں۔

عذاب کے جلدی واقع نہ ہونے سے پیدا ہونے والے شبہ کا جواب:

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر (ان کے جلدی مچانے کے مطابق) جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا، جس طرح وہ فائدے کے لئے جلدی مچاتے ہیں (اور ان کے مطابق وہ فائدہ جلد واقع کر دیتا ہے، اگر اسی طرح نقصان بھی جلد ہی واقع کر دیا کرتا) تو ان کا (عذاب کا) وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا (لیکن چونکہ ہماری حکمت کا یہ تقاضہ نہیں ہے، جس کا بیان جلدی ہی آگے آتا ہے) اس لئے ہم ان لوگوں کو جنہیں ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے، ان کے حال پر (بغیر عذاب کے چند روز) چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں (اور زیادہ عذاب کے مستحق ہو جائیں، اور وہ حکمت یہی ہے)

فائدہ: اگر کسی کو شبہ ہو کہ آیت سے دو امر سمجھ میں آتے ہیں: ایک یہ کہ شر یا عذاب مانگنے سے بھی جلدی واقع نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ خیر و بھلائی مانگنے سے جلدی واقع ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اس کے برعکس بھی کثرت سے واقع ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ رحمت کے تقاضہ سے اصل خیر و بھلائی کا جلدی واقع ہونا ہے۔ اور شر و برائی میں جلدی واقع نہ ہونا ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے معاملہ برعکس ہو جائے تو آیت کی دلالت کے خلاف قرار نہیں پائے گا، لہٰذا آیت میں جلدی ہونا اور جلدی نہ ہونا اصل کے تقاضہ کے اعتبار سے ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ جو شر و نقصان واقع ہوتا ہے اس میں خاص شخص کے اعتبار سے یا عام مصلحت کے اعتبار سے کوئی بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے، اور اسی طرح جس بھلائی میں دیر ہوتی ہے اس میں کوئی برائی پوشیدہ ہوتی ہے، لہٰذا اس شر کا واقع ہونا اصلاً خیر کا واقع ہونا ہے اور اس خیر کا واقع ہونا اصل میں شر کا واقع نہ ہونا ہے۔

﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے، لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی، پھر ہم جب اس کی وہ تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا، ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال ان کو اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں۔

ربط: اوپر توحید کا ذکر ہوا ہے، اب شرک کا باطل ہونا ایک خاص طریقہ سے بیان فرماتے ہیں، وہ یہ کہ مصیبت میں خود مشرکین ہی اللہ کے سوا سب کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، چنانچہ جس طرح شرک واقع میں باطل ہے، اسی طرح خود اس عقیدہ والوں کے طرز عمل سے بھی وہ لچر ثابت ہوتا ہے۔

مشرکوں کے طریقہ کا لچر و گھٹیا ہونا:

اور جب انسان کو (یعنی ان میں سے بعض کو) کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے، لیٹے بھی، بیٹھے بھی،

کھڑے بھی (اور اس وقت انہیں کوئی بت وغیرہ یاد نہیں رہتا) پھر جب (اس کی دعا اور التجا کے بعد) ہم اس کی وہ تکلیف ہٹادیتے ہیں تو پھر اپنی حالت پر آجاتا ہے (اور ہم سے ایسا بے تعلق ہوجاتا ہے کہ) گویا جو تکلیف اسے پہنچی تھی، اس کو ہٹانے کے لئے کبھی ہمیں پکارا ہی نہیں تھا (یعنی پھر وہی شرک کی باتیں کرنے لگتا ہے) حد سے نکلنے والے ان لوگوں کے (برے) اعمال انہیں اسی طرح اچھے معلوم ہوتے ہیں (جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے)

فائدہ: اس آیت کا مضمون قرآن مجید کی کئی آیتوں میں مختلف لفظوں میں آیا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ خیر و بھلائی کی حالت میں یہ احکام ثابت فرمائے ہیں، بھول چوک سے بچنا دعا کا ترک کرنا اور خوشی و مسرت کی دعا کرنا، ان سب باتوں کا بیک وقت جمع ہوجانے کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔ اور برائی کی حالت میں یہ احکام ثابت فرمائے ہیں، دعا سے مایوسی، ناشکری اور ان میں سے مایوسی اور ناشکری کے اجتماع کی صحت تو ظاہر ہے، لیکن دعا اور مایوسی کا اجتماع بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ دعا امید ہی کی حالت میں کی جاتی ہے، تو یا تو یوں کہا جائے کہ زبان سے دعا کرتا ہے مگر دل میں مایوسی ہوتی ہے، یا یوں کہا جائے کہ شروع میں تو خوب دعا کرتا ہے، پھر جلدی ہی مایوس ہوکر چھوڑ دیتا ہے۔ اور سورۂ حم ٓ وفصلت یا حم ٓ السجدہ آیت ۴۹ میں ارشاد ہوا ہے: ﴿لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۗءِ الْخَيْرِ﴾ یعنی انسان بھلائی کی دعا سے کبھی مایوس نہیں ہوتا تو اس میں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہ بات خیر کی حالت میں ہے تب تو اس میں دعا کا ترک کرنا اوپر ثابت ہوچکا ہے، اور اگر شر کی حالت میں ہے تو مایوس ہونے کا حکم مشکل ہے، کیونکہ مایوسی کی حالت میں دعا میں نشاط یقینی طور پر فوت ہوجاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات دونوں حالتوں میں مشترک ہے اور دعا سے مراد درخواست، التجا اور تمنا و حرص ہے، جبکہ یہ امور ہر حالت میں تازہ رہتے ہیں، خوب سمجھ لینا چاہئے، اس بیان سے تمام اشکال دور ہوگئے۔

﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کردیا ہے جبکہ انھوں نے ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور وہ ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے۔ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں، پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں بجائے ان کے تم کو آباد کیا تاکہ ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔

ربط: اوپر کافروں کے معاد (آخرت) میں عذاب کے مستحق ہونے کا مضمون بیان فرمایا ہے۔ اب ان کے مستحق ہونے کی تاکید کے لئے مختصر طور پر پچھلے کافروں کا مختلف قسم کے عذاب سے ہلاک ہونا بیان فرماتے ہیں، تاکہ تنبیہ ہوجائے کہ یہ بھی عذاب کے مستحق ہیں، لیکن بعض مصلحتوں سے ہولناک عذاب دنیا میں نہیں دیا جارہا ہے، اور چونکہ وہاں

کوئی رکاوٹ مصلحت نہیں ہوگی، اس لئے وہاں لازمی طور پر واقع ہوجائے گا اور اس مختصر بیان کی تفصیل کے لئے سورت کے آخر میں بعض گذشتہ امتوں کے قصے آئے ہیں۔

گذشتہ قوموں کی ہلاکت کے مختصر بیان کے ذریعہ کافروں کو ڈرانا:

ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو (مختلف قسموں کے عذابوں کے ذریعہ) ہلاک کردیا ہے جبکہ انھوں نے ظلم (یعنی کفر و شرک) کیا، حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلیلیں لے کر آئے، اور وہ (انتہائی عناد کی وجہ سے) ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے، ہم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے) پھر ہم نے ان کے بعد دنیا میں ان کے بجائے تمہیں آباد کیا تاکہ (ظاہری طور پر بھی) ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو (کیا انہی کی طرح شرک اور کفر کرتے ہو یا ایمان لاتے ہو)

فائدہ: لفظ ظاہری طور پر اس لئے کہا کہ اللہ کا علم تو واقع ہونے سے پہلے بھی ہے۔

﴿ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحٰٓى إِلَيَّ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۚ إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے، یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کردیجئے۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کردوں، بس میں تو اسی کا اتباع کرونگا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ تو میں تم کو یہ پڑھ کر سناتا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا، کیونکہ اس سے پہلے بھی تو ایک بڑے حصے عمر تک تم میں رہ چکا ہوں۔ پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے۔ سو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتلادے۔ یقیناً ایسے مجرموں کو اصلاً فلاح نہ ہوگی۔

ربط: اوپر توحید اور آخرت سے متعلق گفتگو تھی، اب قرآن اور رسالت کی صداقت وحقیت کا بیان ہے جو شروع میں بھی آچکا ہے۔

قرآن ورسالت کا برحق ہونا:

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں، تو یہ لوگ جنہیں ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (آپ سے) یوں کہتے ہیں کہ (یا تو) اس کے سوا کوئی دوسرا (پورا) قرآن ہی لائیے جس میں ہمارے عقیدہ اور عمل کے خلاف مضامین نہ ہوں) یا (کم سے کم) اس (قرآن) میں کچھ ترمیم کر دیجئے (کہ ہمارے عقیدوں اور عمل کے خلاف مضامین اس میں سے نکال دیجئے، اور ان کے اس قول سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لوگ قرآن کو محمد کا کلام سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ اسی بنا پر جواب دینے کے لئے فرماتے ہیں کہ) آپ یوں کہہ دیجئے کہ (اس بات سے قطع نظر کہ ایسے مضامین کا حذف کرنا، نکالنا خواہ اپنے آپ میں کیسا ہی ہو خود) مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کردوں (اور جب کچھ مضامین کا نکالنا بھی ممکن نہیں تو پورے کا نکالنا یا بدلنا تو بدرجۂ اولیٰ ناممکن ہے، کیونکہ وہ میرا کام تو ہے ہی نہیں، بلکہ اللہ کا کلام ہے جو وحی کے ذریعہ آیا ہے، جب ایسی بات ہے تو) بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا، جو میرے پاس وحی کے ذریعہ پہنچا ہے (اور فرض کرو: خدانخواستہ) اگر میں (وحی کا اتباع نہ کروں بلکہ) اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے عظیم (دن کے) عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں (جو گنہ گاروں کے لئے مخصوص ہے، اور وہ گناہ کی وجہ سے تمہارے نصیب میں ہے، تو میں اس عذاب یا اس کے سبب یعنی گناہ کی جرأت نہیں رکھتا، اور اگر انہیں اس کے وحی ہونے میں کلام ہے اور یہ اس کو آپ ہی کا کلام سمجھتے ہیں تو (آپ یوں کہہ دیجئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ کلام معجزہ ہے کوئی آدمی اس پر قادر نہیں ہو سکتا، چاہے تم ہو یا میں ہوں تو) اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا (کہ میں یہ کلام تمہیں نہ سنا سکوں اور اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ تمہیں اس کی اطلاع نہ دے) تو (مجھ پر اس کو نازل نہ فرماتا، لہٰذا) نہ تو میں تمہیں یہ (کلام) پڑھ کر سناتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی اطلاع دیتا (لہٰذا جب میں تمہیں سنا رہا ہوں اور میرے ذریعہ تمہیں اطلاع ہو رہی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کلام کو سنوانا اور اطلاع کرنا منظور ہوا اور سنانا اور اطلاع دینا اس کے معجزہ ہونے کی وجہ سے بغیر وحی کے ممکن نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی وحی اور کلام الٰہی ہے) کیونکہ (آخر) اس (کلام کے ظاہر کرنے) سے پہلے بھی تو عمر کے ایک بڑے حصہ تک تم میں رہ چکا ہوں (پھر اگر یہ میرا کلام ہے تو یا تو اتنی مدت تک ایک جملہ بھی اس طرز کا نہ نکلا اور یا اچانک اتنی بڑی بات بنالی، یہ تو بالکل عقل کے خلاف ہے) پھر کیا اتنی عقل نہیں رکھتے (جب اس کا کلام الٰہی اور حق ہونا ثابت ہو گیا اور پھر بھی مجھ سے ترمیم و تبدیلی کی درخواست کرتے ہو اور اس کو نہیں مانتے تو سمجھ لو کہ) اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا الزام لگائے (جیسا میرے لئے تجویز کرتے ہو) یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتائے (جیسا اپنے لئے تجویز کر رکھا ہے) یقیناً ایسے مجرموں کی بالکل فلاح نہ ہوگی (بلکہ یہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں مبتلا ہوں گے)

فائدہ: قرآن کے معجزہ ہونے کے ثبوت میں ﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ﴾ سے بہت نچلی سطح پر آکر استدلال کیا ہے، یعنی اصل استدلال یہ ہے کہ ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ اور اس میں اگر کوئی بہت دور کا احتمال نکالے کہ شاید عام لوگ اس پر قادر نہ ہوں، آپ قادر ہوں تو اس کا یہ جواب دیا ہے کہ میں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ تمہارے درمیان گذارا ہے جب تو میں کبھی ایسا ویسا کلام نہ کہہ سکا اور اب اچانک اس اعلیٰ معیار کا کلام پیش کرنے لگا، جس سے تم سب لوگ عاجز ہو، بالکل محال ہے، اور معجزہ کا دار و مدار محال ہی پر ہوتا ہے۔

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ وہ پاک اور برتر ہے، ان لوگوں کے شرک سے۔ اور تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے تھے، پھر انھوں نے اختلاف پیدا کرلیا، اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں، ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

ربط: اوپر مشرکوں کے طریقہ کا گھٹیا اور لچر ہونا بیان کیا تھا، اب بھی شرک کا باطل ہونا بیان فرماتے ہیں۔

شرک کا باطل ہونا:

اور یہ لوگ اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو (عبادت نہ کرنے کی صورت میں) نہ ان کو نقصان پہنچا سکیں اور نہ (ہی عبادت کرنے کی صورت میں) انہیں فائدہ پہنچا سکیں، اور (اپنی طرف سے بغیر دلیل کے ایک فائدہ گھڑ کر) کہتے ہیں کہ یہ (معبود) اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں (اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں (یعنی اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کے شفاعت کرنے والا ہونے یا معبود برحق ہونے کے واقع یا ممکن ہونے کا علم نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم تمام اشیاء کا احاطہ کرنے والا ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کو ان کا علم نہیں تو معلوم ہوا کہ ان کا واقع ہونا یا ممکن ہونا باطل ہے، لہٰذا ایسا نہ ہونا اور اس کا محال ہونا حق ہے۔ اس سے شرک کے عقیدہ کا باطل ہونا لازم آگیا، لہٰذا وہ) ان لوگوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ اور (یہ شرک کا طریقہ عقل اور شریعت کے اعتبار سے باطل ہونے کے علاوہ پہلے سے بھی موجود نہیں ہے، کیونکہ پہلے

(تمام لوگ ایک ہی طریقہ کے تھے (یعنی سب توحید کے ماننے والے تھے، کیونکہ آدم علیہ السلام توحید کے ماننے والے تھے، بہت زمانہ تک ان کی اولاد انہی کے طریقہ پر رہی، لہٰذا سب توحید ہی کے ماننے والے رہے) پھر (اپنی ٹیڑھی ذہنیت اور سوچ سے) انھوں نے (یعنی ان میں سے بعض نے) اختلاف پیدا کرلیا (اور مشرک ہوگئے، لہٰذا شرک کا طریقہ محض گھڑا ہوا قرار پایا) اور (یہ مشرک عذاب کے ایسے مستحق ہیں کہ) اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے مقرر ہو چکی ہے (کہ انہیں پورا عذاب آخرت میں دوں گا) تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں، ان کا قطعی فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا (یعنی عذاب واقع ہو جاتا جس کا وعدہ کیا گیا ہے، جو کہ عملی فیصلہ ہے)

فائدہ: نقصان اور نفع کا نہ ہونا اگر حقیقت کے اعتبار سے مراد لیا جائے تو اللہ کے سوا تمام معبود مردے اور زندے اس میں شامل ہیں کہ کوئی بھی ایسا نہیں کرسکتا۔ اور اگر صورت کے لحاظ سے مراد لیا جائے تب بھی مردے یعنی بت وغیرہ اس میں شامل ہیں، جن کو اہل مکہ معبود سمجھتے تھے۔

اور ان کا یہ کہنا کہ یہ ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ اور شفاعت کرنے والا عبادت کا مستحق ہوتا ہے، اس کے دو جواب ہیں: ایک صغری (پہلی بات) باطل کرکے، دوسرا کبری (دوسری بات) باطل کرکے ﴿ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ ﴾ میں دونوں کی طرف اشارہ ہے یعنی اول تو وہ شفیع، شفاعت کرنے والے نہیں، دوسرے شفیع کے لئے معبود ہونا لازم نہیں۔ غرض اللہ کے سوا کسی اور کے معبود ہونے کا عقیدہ چاہے ذاتی طور پر ہو یا عرضی طور پر ہو شرک ہے، اور ان کو جو وہ لوگ سفارشی مانتے تھے یہ دنیا میں تو تحقیق کے طور پر باطل ہے اور آخرت میں فرض کے طور پر کہ وہ آخرت کے تو قائل ہی نہیں تھے، جیسا کہ اس آیت ﴿ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ ﴾ الخ میں ہے۔

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا، سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کی خبر صرف خدا کو ہے، سو تم بھی منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

ربط: اوپر بعض آیتوں میں رسالت کا مسئلہ آچکا تھا، اب پھر اسی کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

رسالت کے مسئلہ کی طرف لوٹنا:

اور یہ لوگ (بہت سارے معجزوں کے خاص طور سے قرآن کے ظاہر ہو جانے کے باوجود جو کہ نبوت کے ثبوت کے لئے کافی دلیل ہے محض عناد کی بنیاد پر) یوں کہتے ہیں کہ ان (یعنی محمد ﷺ) پر (ہماری فرمائش والے معجزوں میں سے) کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا؟ تو آپ فرما دیجئے کہ (چونکہ معجزہ سے نبوت پر دلالت مقصود ہوتی ہے، اور یہ اب تک کے

تمام معجزوں سے حاصل ہو چکی ہے، اس لئے ان فرمائشوں کی ضرورت باقی نہیں رہی البتہ امکان واقع ہونے اور نہ ہونے دونوں کا ہے، تو یہ ایک غیبی علم ہے کہ واقع ہوگا یا واقع نہ ہوگا، اور) غیب کی خبر صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (مجھے نہیں ہے) لہٰذا تم بھی منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (کہ واقع ہوتا ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان امور کو رسالت کے منصب سے یا اس کے لوازم سے کوئی تعلق نہیں، نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی اصل مقصود کو ثابت کرنے میں مجھے کوئی دخل ہے، البتہ ثابت کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہوں اور ثابت بھی کر چکا ہوں۔

فائدہ: اس مضمون کا بیان کئی جگہ گذر چکا ہے۔

﴿ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ہم لوگوں کو بعد اس کے کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارہ میں شرارت کرنے لگتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا، بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں۔

ربط: اوپر کفار کا قول نقل فرمایا ہے کہ محمدؐ پر ہماری فرمائش کے مطابق کوئی معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا؟ اب اس اعتراض کی علت بیان فرماتے ہیں جو کہ اعراض یعنی منہ پھیرنا ہے اور اس کی علت کو بھی جو کہ اغراض و مقاصد کا حصول ہے، مع وعید بیان فرماتے ہیں۔ اور اس علت کے افادہ کے علاوہ یہ مضمون اوپر والی آیت ﴿ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ ﴾ الخ کا تتمہ اور اگلی آیت ﴿ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ ﴾ الخ کی تمہید بھی ہے۔

کافروں کے منہ پھیرنے اور اعراض کی علت:

اور جب ہم، لوگوں کو ان پر کوئی مصیبت پڑ چکنے کے بعد کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو (وہ) فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں (یعنی ان سے منہ پھیرتے ہیں) اور ان کو جھٹلاتے ہیں اور ان کے ساتھ تمسخر اور استہزاء سے پیش آتے ہیں۔ اعراض و عناد کے طور پر دوسرے معجزوں کی فرمائش کرنے لگتے ہیں، اور جو مصیبت ان پر آ چکی ہے اس سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے، لہٰذا اعتراض کی علت نازل کی ہوئی آیتوں سے اعراض یعنی منہ پھیرنا ہے اور اسی کی علت نعمتوں کا عطا فرمانا ہے۔ آگے وعید ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا، یقیناً ہمارے فرشتے تمہاری ساری شرارتوں کو لکھ رہے ہیں (لہٰذا اللہ کے علم میں محفوظ ہونے کے علاوہ دفتر میں بھی محفوظ ہیں)

﴿ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ

بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: وہ ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کے موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان سے خوش ہوتے ہیں، ان پر ایک جھوکا ہوا کا آتا ہے اور ہر طرف سے ان پر موجیں اٹھی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ آ گھرے، سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، اگر آپ ہم کو اس سے بچالیں تو ہم ضرور حق شناس بن جاویں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال ہونے والی ہے دنیوی زندگی میں حظ اٹھا رہے ہو، پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے، پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو جتلا دیں گے۔

ربط: اوپر توحید کا مضمون دوبارآ چکا ہے، اب پھر اس کی طرف وعید کے ساتھ لوٹ رہے ہیں، جس میں تحقیق اور الزام دونوں سے کام لیا گیا ہے یعنی ﴿ يُسَيِّرُكُمْ ﴾ میں تحقیقی جواب ہے اور ﴿ دَعَوُا اللّٰهَ ﴾ میں الزامی جواب ہے۔ اور آگے ﴿ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ ﴾ الخ میں تنبیہ اور وعید ہے۔

توحید اور مزید وعید:

وہ (اللہ) ایسا ہے کہ تمہیں خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے (یعنی جن آلات اور اسباب و ذرائع سے تم چلتے پھرتے ہو، وہ سب اللہ ہی کے دیئے ہوئے ہیں) یہاں تک کہ (بعض اوقات جب تم کشتی میں (سوار) ہوتے ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے لوگوں کو ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان (کی رفتار سے) خوش ہوتے ہیں (اس حالت میں اچانک) ان پر (مخالف) ہوا کا جھوکا آتا ہے، اور ان (لوگوں) پر ہر طرف سے موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں (بری طرح) گھیرے میں لے لیا گیا ہے (اس وقت) سب خالص عقیدہ کے ساتھ اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (کہ اے اللہ!) اگر آپ ہمیں اس (مصیبت) سے بچالیں تو ہم ضرور حق شناس (یعنی توحید کے ماننے والے موحد) بن جائیں (یعنی اس وقت جیسا توحید کا عقیدہ ہو گیا ہے، اس پر قائم رہیں گے) پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو (اس تباہ کرنے والی مصیبت سے) بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین (کی مختلف سمتوں اور خطوں وعلاقوں) میں ناحق سرکشی (یعنی وہی شرک ومعصیت) کرنے لگتے ہیں، اے لوگو! (سن لو) تمہاری یہ سرکشی تمہارے لئے وبال (جان) ہونے والی ہے (لہٰذا) دنیاوی زندگی میں (اس سے تھوڑے سے) مزے کر رہے ہو، پھر تمہیں ہمارے پاس آنا ہے، پھر ہم تمہارا سب کیا ہوا

تمہیں جتا دیں گے (اور اس کی سزا دیں گے)

﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ ؕ وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّۃٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّۃٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ کَاَنَّمَاۤ اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس سے زمین کی نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، خوب گنجان ہو کر نکلے۔ یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا، سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ دار البقاء کی طرف تم کو بلاتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ جن لوگوں نے نیکی کی ہے، ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید برآں بھی۔ اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھاوے گی اور نہ ذلت۔ یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے بدکام کئے ان کی بدی کی سزا اس کے برابر ملے گی اور ان کو ذلت چھالے گی۔ ان کو اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ربط: اوپر ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ﴾ الخ میں فرمایا تھا کہ کفر اور معاصی یعنی گناہوں کی وجہ سے دنیا میں تمہاری یہ کامیابی و کامرانی چند دن کی ہے، پھر آخرت میں اس کی سزا بھگتنی ہے۔ اب دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کی جزا و سزا کا باقی ہونا جزا و سزا کی تفصیل سمیت اور اس کے مستحق لوگوں کا ذکر ہے، لہٰذا یہ مضمون اپنے سے پہلے والے مضمون سے بھی متعلق ہوا اور آخرت کے مسئلہ پر بھی مشتمل ہوا جو کہ اس سورت کے مقاصد میں سے ہے۔

دنیا کا فنا ہونا اور عقبیٰ کی جزا و سزا کا باقی رہنا:

بس دنیاوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس (پانی) سے زمین کی نباتات خوب

گنجان ہوکر نکلیں، جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی، اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی (یعنی سبزے و ہریالی کی وجہ سے خوشنما معلوم ہونے لگی) اور اس (زمین) کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس (کی نباتات) پر مکمل قابض ہو چکے تو (ایسی حالت میں) دن میں یا رات میں اس (کی ان نباتات) پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا (جیسے پالا یا خشک سالی وغیرہ) تو ہم نے اسے ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل (گذشتہ یہاں) وہ موجود ہی نہ تھی (بس دنیاوی زندگی اسی نباتات کی طرح ہے) ہم آیتوں کو اسی طرح صاف صاف بیان کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے جو سوچتے ہیں (لہٰذا دنیا تو فنا ہونے والی جگہ قرار پائی) اور اللہ تعالیٰ تمہیں دار البقا (یعنی ہمیشہ رہنے والی جگہ) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، راہ راست پر چلنے کی توفیق دیدیتا ہے (جس سے دار البقاء تک پہنچا جا سکتا ہے۔ آگے جزا و سزا کا بیان ہے کہ) جن لوگوں نے نیکی کی ہے (یعنی ایمان لائے ہیں) ان کے واسطے خوبی (یعنی جنت) ہے، اور اس سے بڑھ کر (اللہ کا دیدار بھی) اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ہی ذلت، یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور جن لوگوں نے برے کام (شرک و کفر) کئے، ان کی برائی کی سزا اس کے برابر ملے گی (برائی سے زیادہ نہ ہوگی) اور ان پر ذلت چھائے گی، انہیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہ بچا سکے گا (ان کی چہرہ کی کدورت کی حالت ایسی ہوگی کہ) جیسے ان کے چہروں پر اندھیری رات کی تہہ کی تہہ لپیٹ دی گئی ہوں، یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۞ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۞ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۞ ﴾ ع ۸

ترجمہ: اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھیرو، پھر ہم ان کے آپس میں پھوٹ ڈالیں گے اور ان کے وہ شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔ اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کئے ہوئے کاموں کا امتحان کرلے گا، اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے، لوٹائے جاویں گے اور جو کچھ معبود تراش رکھتے تھے سب ان سے غائب ہو جاویں گے۔

ربط: اوپر مشرکوں کے حق میں فرمایا تھا: ﴿ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ﴾ یعنی "انہیں اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہ بچا سکے گا" چونکہ وہ لوگ اپنے معبودوں کو اپنا سفارشی مانتے تھے، اس لئے اب ان معبودوں کا اپنی عبادت کرنے والوں سے

قیامت میں بے تعلقی ظاہر کرنا بیان فرماتے ہیں، جس سے ان کی عبادت کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہونا ظاہر ہے۔

قیامت میں معبودوں کا عبادت کرنے والوں سے لاتعلقی ظاہر کرنا:

اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس دن ہم ان سب (مخلوقات) کو (قیامت کے میدان میں) جمع کریں گے پھر (ان تمام مخلوقات میں سے) مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شریک (جن کو تم اللہ کی عبادت میں شریک ٹھہراتے تھے ذرا) اپنی جگہ ٹھہرو (تاکہ تمہیں تمہارے عقیدہ کی حقیقت معلوم کرائی جائے) پھر ہم ان (عبادت کرنے والوں اور معبودوں) کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے۔ اور ان کے وہ شریک (ان سے خطاب کر کے) کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے (کیونکہ عبادت سے معبود کا راضی کرنا مقصود ہوتا ہے) تو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے کہ ہمیں تمہاری عبادت کی خبر بھی نہیں تھی (راضی ہونا تو دور کی بات ہے، البتہ شیطان کی تعلیم تھی اور وہی راضی تھا، لہٰذا اس اعتبار سے اس کی پرستش کرتے تھے) اس مقام پر ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں کا امتحان کرلے گا (کہ واقعی یہ اعمال فائدہ دینے والے تھے یا نہیں، چنانچہ ان مشرکوں کو بھی حقیقت کھل جائے گی کہ جن کی شفاعت کے بھروسے ہم انہیں پوجتے تھے، انھوں نے الٹی ہمارے خلاف گواہی دی۔ اب ان سے نفع کی تو کیا امید رکھی جائے، اور یہ لوگ اللہ (کے عذاب) کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے، لوٹائے جائیں گے۔ اور انھوں نے جو کچھ معبود تراش رکھے تھے، سب ان سے غائب (اور گم) ہو جائیں گے (کوئی بھی تو کام نہ آئے گا)

فائدہ: اگر کسی کو شبہ ہو کہ کیا وہاں بت بھی بولیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی محال نہیں ہے، اللہ کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔ اور ان کا ان کی عبادت سے غافل ہونا ظاہر ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ بتوں کو یہاں ایسا شعور نہیں ہے اور اگر ملائکہ وغیرہ معبودوں کو بھی عام مراد لیا جائے تو بھی غافل ہونا صحیح ہے، کیونکہ ملائکہ وغیرہ کا علم احاطہ کرنے والا نہیں ہے، اور وہ سب اپنے اپنے مخصوص کاموں میں لگے ہوئے ہیں، اور ﴿ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ کی جو وضاحت کی گئی، سورۂ سبا کی آیت ۴۱ ﴿ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ﴾ الخ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور ﴿ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ ﴾ کو جو ﴿ هُنَالِكَ ﴾ کے ساتھ جوڑا تو یہ علم کی زیادتی کی تحقیق کے اعتبار سے ہے، ورنہ مطلق علم تو مرنے کے ساتھ اور قبر میں حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہاں اللہ تعالیٰ کو کفار کا مولیٰ فرما دینا ملکیت کے معنی کے اعتبار سے ہے اور ﴿ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴾ میں نفی کرنا محب و ناصر یعنی دوست اور مددگار کے معنی کے اعتبار سے ہے۔

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ حَقَّتْ

كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدٰى ۖ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝

ترجمہ: آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے، یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے، سو ضرور وہ یہی کہیں گے کہ اللہ! تو ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں پرہیز کرتے، سو یہ ہے اللہ جو تمہارا رب حقیقی ہے، پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔ اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات کہ ایمان نہ لاویں گے، تمام متمرد لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے۔ آپ یوں کہئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے پھر دوبارہ بھی پیدا کرے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا، سو پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔ آپ کہئے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا راستہ بتلاتا ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی امر حق کا راستہ بتلاتا ہے۔ تو پھر آیا جو شخص امر حق کا رستہ بتلاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بے بتلائے خود ہی رستہ نہ سوجھے تو تم کو کیا ہو گیا؟ تم کیسی تجویزیں کرتے ہو؟ اور ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ یقیناً بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے۔

ربط: اوپر کی کئی آیتوں میں توحید کے ثبوت اور شرک کے باطل ہونے کا بیان ہے۔ اب پھر یہی مضمون ہے۔

توحید کا حق اور شرک کا باطل ہونا:

آپ (ان مشرکوں سے) کہئے کہ (بتاؤ) وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ (یعنی آسمان سے بارش برساتا ہے اور زمین سے پیدا کرتا ہے جس سے تمہارا رزق تیار ہوتا ہے) یا (یہ بتاؤ کہ) وہ کون ہے جو (تمہارے کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے (کہ پیدا بھی اسی نے کیا، حفاظت بھی وہی کرتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو ان کو ماؤف یعنی بے کار کر دیتا ہے) اور کون ہے جو جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکالتا ہے، اور بے جان (چیز) کو جاندار (چیز) سے نکالتا ہے (جیسے وہ نطفہ اور انڈے کو جاندار سے نکالتا ہے اور اس سے جاندار پیدا ہوتا ہے) اور کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے (ان سے یہ سوالات کیجئے) تو وہ ضرور (جواب میں) یہی کہیں گے کہ (ان سب افعال کا

کرنے والا) اللہ (ہے) تو ان سے کہئے کہ پھر (شرک سے) کیوں پرہیز نہیں کرتے؟ تو (جس کے یہ افعال اور اوصاف بیان ہوئے) یہ اللہ ہے جو تمہارا حقیقی رب ہے (اور جب امر حق ثابت ہوگیا) پھر (امر) حق کے بعد اور کیا رہ گیا گمراہی کے سوا؟ (یعنی جو امر حق کی ضد ہوگی، وہ گمراہی ہے۔ اور توحید کا حق ہونا ثابت ہوگیا، پھر شرک یقیناً گمراہی ہے) پھر (حق کو چھوڑ کر) کہاں (باطل کی طرف) پھرے جاتے ہو؟ (آگے رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی ہے کہ آپ ان لوگوں کی باطل پرستی پر رنجیدہ رہا کرتے تھے، لہٰذا ارشاد ہے کہ جس طرح یہ لوگ ایمان نہیں لاتے) اسی طرح آپ کے رب کی یہ (ازل میں لکھی ہوئی) بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے، تمام سرکش لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے (پھر آپ کیوں رنجیدہ ہوں؟ اور) آپ (ان سے) یوں (بھی) کہئے کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے) شریکوں میں (چاہے وہ ذوی العقول یعنی عقل والے ہوں، جیسے شیطان یا غیر ذوی العقول یعنی بے عقل جیسے بت) کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی (مخلوق کو) پیدا کرے پھر (قیامت میں) دوبارہ بھی پیدا کرے؟ (اگر وہ اس وجہ سے کہ اس میں شریکوں کی توہین ہے، جواب میں تامل کریں تو) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا تو (اس کی تحقیق کے بعد بھی) تم کہاں (حق سے) پھرے جاتے ہو؟ (اور) آپ (ان سے یوں بھی) کہئے کہ کیا تمہارے (تجویز کئے ہوئے عقل والے) شریکوں (جیسے شیطانوں) میں کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا راستہ بتاتا ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی امر حق کا راستہ (بھی) بتاتا ہے (چنانچہ اس نے عقل دی، انبیاء بھیجے، برخلاف شیطانوں کے کہ اول تو وہ ان افعال پر قادر نہیں، اور وہ خالص تعلیم کو جس کی انہیں قدرت دی گئی ہے گمراہ کرنے اور باغی بنانے میں صرف کرتے ہیں) تو پھر (ان سے کہئے کہ یہ بتاؤ کہ) کیا جو امر حق کا راستہ بتاتا ہو، وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ جس کو بغیر بتائے خود ہی راستہ نہ سوجھے (اور اس سے بڑھ کر یہ کہ راستہ بتانے کے باوجود بھی اس پر نہ چلے؟ جیسے شیطان پھر جب یہ اتباع کے بھی قابل نہ ہوں تو عبادت کے لائق کیسے ہوسکتے ہیں؟) تو (اے مشرکو!) تمہیں کیا ہوگیا؟ تم کیسی تجویزیں کرتے ہو؟ (کہ توحید کو چھوڑ کر شرک کو اختیار کرتے ہو) اور (تماشا یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی اس تجویز اور عقیدہ پر کوئی دلیل نہیں رکھتے، بلکہ) ان میں سے اکثر لوگ صرف بے بنیاد (خیالات پر چل رہے ہیں (اور) یقیناً بے بنیاد خیالات امر حق (کو ثابت کرنے) میں ذرا بھی مفید نہیں (خیر) یہ جو کچھ کر رہے ہیں، یقیناً اللہ کو سب خبر ہے (وقت پر سزا دیدے گا)

فائدہ: یہ جو ارشاد ہوا: ﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ یعنی ''آپ کہئے کہ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے پھر دوبارہ بھی پیدا کرے؟'' اس کے بارے میں سوال یہ ہے کہ مشرک تو دوبارہ پیدا کرنے کے قائل ہی نہیں تھے پھر یہاں یہ کیوں کہا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ دوبارہ پیدا کرنے پر قطعی دلیلیں قائم ہیں، اس لئے اس کو گویا طے شدہ اور مسلم امر قرار دے کر یہ حجت ان کے سامنے رکھی گئی۔

﴿ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور یہ قرآن افتراء کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس کے قبل آچکی ہیں اور احکام ضروریہ کی تفصیل بیان کرنے والا ہے، اس میں کوئی بات شک کی نہیں، رب العالمین کی طرف سے ہے، کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو افتراء کرلیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو ان کو بلالو اگر تم سچے ہو، بلکہ وہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز ان کو اس کا اخیر نتیجہ نہیں ملا۔ جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح انھوں نے بھی جھٹلایا تھا سو دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ اور ان میں سے بعضے ایسے ہیں جو اس پر ایمان لے آویں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لاویں گے اور آپ کا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔

ربط: اوپر بعض آیتوں میں قرآن کی حقیت کا بیان تھا۔ اب پھر وہی مضمون ہے۔

قرآن کا برحق ہونا:

اور یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور سے صادر ہوا ہو، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے (نازل) ہو چکی ہیں، اور (اللہ کے) ضروری احکام کی تفصیل بیان کرنے والا ہے (اور) اس میں کوئی بات شک (وشبہ) کی نہیں (اور وہ) رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے، کیا (اس کے افتراء یعنی گھڑا ہوا نہ ہونے کے باوجود) یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (اچھا) تو پھر تم (بھی تو عربی ہو اور اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ ہو) اس جیسی ایک ہی سورت (بنا) لاؤ، اور (اکیلے نہیں) اللہ کے سوا جن جن کو چاہو (مدد کے لئے) بلا لو، اگر تم سچے ہو (کہ نعوذ باللہ میں نے تصنیف کرلی ہے تو تم بھی تصنیف کر لاؤ۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ اس قسم کی دلیلوں سے فائدہ وہ اٹھاتا ہے جو سمجھنا بھی چاہے، تو انھوں نے کبھی سمجھنا ہی نہ چاہا) بلکہ ایسی چیز کو جھٹلانے لگے جس کے (صحیح وغیر صحیح ہونے کو) اپنے علم کے احاطہ میں نہیں لائے (اور اس کی حالت کو سمجھنے کا ارادہ نہیں کیا تو ایسے لوگوں سے سمجھنے کی کیا امید ہو سکتی ہے) اور (ان کی اس بے فکری اور لاپروائی کی وجہ یہ ہے کہ) ابھی انہیں اس (قرآن کے جھٹلانے کا) قطعی نتیجہ نہیں ملا (یعنی عذاب نہیں آیا، ورنہ سارا نشہ ہرن ہو جاتا۔ اور آنکھیں کھل جاتیں، اور حق و باطل الگ

الگ واضح ہوجاتا، لیکن آخر کبھی تو وہ نتیجہ پیش آنے والا ہے۔ چاہے اس وقت ایمان لانا کوئی فائدہ نہ دے۔ چنانچہ) اسی طرح (جیسے بغیر تحقیق کے یہ لوگ جھٹلا رہے ہیں) جو (کافر) لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں، انھوں نے بھی (امور حق کو) جھٹلایا تھا تو دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا (برا) ہوا (اسی طرح ان کا ہوگا) اور (ہم جو ان کا برا انجام بتا رہے ہیں تو سب مراد نہیں کیونکہ) ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لے آئیں گے، اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کا رب (ان) فساد پھیلانے والوں کو خوب جانتا ہے (جو ایمان نہ لائیں گے، لہٰذا خاص ان کو مقررہ وقت پر سزا دے گا)

قرآن کے معجز ہونے پر وہمی لوگوں کے شبہ کا جواب:

﴿لَمْ يُحِيطُوا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس معاملہ میں بات کرے، پہلے اس کی تحقیق تو کر لے، جو بات کرنی ہو، تحقیق کے بعد کرے۔ اور بعض وہمی لوگوں نے ﴿قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ﴾ الخ کے سلسلہ میں یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ کلام کرنے والے بعض لوگوں میں بعض ایسی خصوصیات ہوتی ہیں کہ دوسرے میں نہیں ہوتیں، لہٰذا یہ اس کے معجزہ ہونے کی دلیل نہیں، اس کا جواب جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے چالیس سال ان کے درمیان گذارے تھے، اس وقت کبھی آپ کے کلام میں ایسی کوئی خصوصیت سامنے نہیں آئی، اور پھر چالیس سال بعد اچانک وہ خصوصیت کیسے پیدا ہوگئی اور قرآن کے نازل ہونے کے دوران بھی قرآن کے علاوہ آپ ہی کے کلام میں کبھی ایسی کوئی خصوصیت ظاہر نہیں ہوئی، اس کے علاوہ کسی کے کلام میں ہزار درجہ کی کوئی خصوصیت ہو، پھر دوسرے فصیح و بلیغ لوگ کوشش کر کے تھوڑا بہت تو ویسا اس پیمانہ کا کلام پیش کر سکتے ہیں، پھر قرآن کے معاملہ میں آج تک ایسا کیوں نہ ہوسکا؟ مزید یہ کہ کسی بھی قسم کی خصوصیت والا قیامت تک کا دعویٰ نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ کافروں نے اس قسم کے شبہات پیش نہیں کئے، اور اگرچہ حدیثوں کی عبارت دوسرے لوگوں سے زیادہ بلیغ و فصیح ہے، مگر اس کے سلسلہ میں نظیر پیش نہ کر پانے کا دعویٰ نہیں فرمایا گیا۔

﴿ وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ کو جھٹلاتے رہیں تو یہ کہہ دیجئے کہ میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تم کو ملے گا، تم میرے کئے ہوئے کے جوابدہ نہیں ہو اور میں تمہارے کئے ہوئے کا جوابدہ نہیں ہوں۔ اور ان میں بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان

لگالگا بیٹھتے ہیں کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو؟ اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ آپ کو دیکھ رہے ہیں پھر کیا آپ اندھوں کو رستہ دکھلانا چاہتے ہیں، گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو؟ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا، لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں۔

ربط: اوپر افتراء میں ان لوگوں کے جھٹلانے کا اور ﴿قُلْ فَأْتُوْا﴾ میں اس جھٹلانے کے مناظرانہ جواب کا ذکر تھا۔ اب ان کے جھٹلانے پر اصرار کی حالت میں براءت کے ضمن میں اعراض والا جواب ہے اور ان کی ہدایت سے مایوس ہونے پر آپ کی تسلی فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور براءت کا اظہار:

اور اگر ان (دلیلوں کے بعد بھی) آپ کو جھٹلاتے رہیں تو (بس آخری بات) یہ کہہ دیجئے کہ (اچھا ٹھیک ہے) میرا کیا ہوا مجھے ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تمہیں ملے گا، تم میرے عمل کے ذمہ دار نہیں ہو اور میں تمہارے کئے ہوئے کا ذمہ دار نہیں ہوں (جس طریقہ پر چاہو قائم رہو، خود ہی معلوم ہو جائے گا) اور (آپ ان کے ایمان لے آنے کی امید چھوڑ دیجئے، کیونکہ) ان میں (اگرچہ) بعض (لوگ) ایسے (بھی) ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگالگا کر بیٹھتے ہیں (لیکن دل میں ایمان اور حق کی طلب کا ارادہ نہیں ہے، چنانچہ اس اعتبار سے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے، لہٰذا ان کی حالت بہرے لوگوں جیسی ہوئی تو) پھر کیا ان بہروں کو سنا (کر ان کے مان لینے کا انتظار کر) تے ہیں، چاہے انہیں سمجھ بھی نہ ہو (ہاں اگر سمجھ ہوتی تو بہرے پن میں بھی کچھ کام چل سکتا) اور (اسی طرح) ان میں بعض ایسے ہیں کہ (ظاہر میں) آپ کو (معجزات و کمالات سمیت) دیکھ رہے ہیں (لیکن حق کی طلب نہ ہونے کی وجہ سے ان کی حالت اندھوں جیسی ہے تو) پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھانا چاہتے ہیں، چاہے ان کے پاس بالکل بھی بصیرت نہ ہو (ہاں! اگر بصیرت ہوتی تو اندھے پن میں بھی کچھ کام چل سکتا تھا۔ اور ان کی عقلیں جو اس طرح تباہ ہو گئیں تو) یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا (کہ انہیں ہدایت کی قابلیت نہ دے اور پھر پکڑ فرمادے) لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں کہ عطا کی ہوئی قابلیت کو ضائع کر دیتے ہیں، اور اس سے کام نہیں لیتے۔

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَلَا

يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

ع ۱۰

ترجمہ: اوران کووہ دن یاددلایئے جس میں اللہ تعالیٰ ان کواس کیفیت سے جمع کرے گا کہ گویاوہ سارے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہونگے اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے، واقعی خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایااور وہ ہدایت پانے والے نہ تھےاور جس کاان سے ہم وعدہ کررہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑاسااگر ہم آپ کودکھلادیں یاہم آپ کووفات دیدیں، سوہمارے پاس توان کوآنا ہی ہے، پھراللہ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہی ہے۔اور ہرامت کے لئے ایک حکم پہنچانے والا ہے، سوجب ان کاوہ رسول آچکتاہے، ان کافیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتاہےاوران پرظلم نہیں کیاجاتا۔اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگااگرتم سچے ہو۔آپ فرمادیجئے کہ میں اپنی ذات خاص کے لئے توکسی نفع کااورکسی ضررکااختیاررکھتاہی نہیں، مگرجتناخداکومنظور ہو۔ ہرامت کے لئے ایک معین وقت ہے جب ان کاوہ معین وقت آپہنچتاہےتوایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔آپ فرمادیجئے کہ یہ تو بتلاؤکہ اگرتم پرخداکاعذاب رات کوآپڑے یادن کوتوعذاب میں کون چیزایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کوجلدی مانگ رہے ہیں۔کیاپھرجب وہ آہی پڑے گااس کی تصدیق کروگے، ہاں اب مانا! حالانکہ تم اس کی جلدی مچایاکرتے تھے۔پھر ظالموں سے کہاجاوے گاکہ ہمیشہ کاعذاب چکھو، تم کوتمہارے ہی کئے کابدلہ ملاہے۔اوروہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیاعذاب واقعی امرہے، آپ فرمادیجئے کہ ہاں! قسم ہے میرے رب کی کہ وہ واقعی امرہےاورتم کسی طرح خداکوعاجز نہیں کرسکتے۔اوراگرہرہرمشرک شخص کے پاس اتناہوکہ ساری زمین میں بھرجاوے تب بھی اس کودے کراپنی جان بچانے لگے، ورجب عذاب دیکھیں گےتوپشیمانی کوپوشیدہ رکھیں گےاوران کافیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگااوران پرظلم نہ ہوگا۔یادرکھوکہ جتنی چیزیں آسمانوں اورزمینوں میں ہیں، سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔یادرکھوکہ اللہ کاوعدہ سچاہے، لیکن بہت سے آدمی یقین نہیں کرتے، وہی جان ڈالتاہےوہی جان نکالتاہےاورتم سب اسی کے پاس لائے جاؤگے۔

ربط: اوپرآیت ﴿ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ الخ اورآیت ﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ ﴾ الخ میں کفراور

تکذیب یعنی جھٹلانے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ اب اس عذاب کے دنیا میں واقع نہ ہونے کی وجہ سے کفار جن شبہات کا اظہار کرتے تھے، ان کا جواب آخرت کی تحقیق کے ضمن میں بتاتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ چاہے وہ عذاب کبھی دنیا میں واقع ہو جائے، لیکن اس کا اصلی وقت حشر کے دن ہے، اسی لئے دنیا میں اس کی صرف بعض قسمیں اور شکلیں واقع ہوتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ﴿ بَعْضَ الَّذِیْ ﴾ الخ اور پوری طرح اس وقت ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ﴾ الخ لہٰذا دنیا میں واقع نہ ہونا نہ مضر ہے اور نہ ہی میرے اختیار میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ ﴾ الخ اور نہ ہی یہ تمہارے حق میں مصلحت ہے، کیونکہ فوری واقع ہو جانے سے ایمان کی مہلت بھی ختم ہو جائے گی۔ اسی لئے فرمایا ﴿ مَّاذَا یَسْتَعْجِلُ ﴾ الخ

آخرت کی خبر کا سچا ہونا اور اس سے متعلق کفار کے شبہات کا جواب:

اور انہیں وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ تعالیٰ انہیں اس حالت میں جمع کرے گا کہ (وہ سمجھیں گے) گویا وہ (دنیا میں یا برزخ میں) سارے دن کی ایک آدھ گھڑی ہی رہے ہوں گے (چونکہ وہ دن طویل بھی ہوگا اور شدید بھی ہوگا، اس لئے دنیا اور برزخ کی مدت اور تکلیف سب کچھ بھول کر ایسا سمجھیں گے کہ وہ زمانہ بہت جلد گزر گیا) اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی (لیکن ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکیں گے، اس سے اور بھی زیادہ رنج اور صدمہ ہوگا، کیونکہ جان پہچان کے لوگوں سے فائدہ کی امید ہوتی ہے) یقیناً وہ لوگ (اس وقت سخت) خسارے میں پڑے جنھوں نے اللہ کے پاس جانے کی بات کو جھٹلایا، اور وہ (دنیا میں بھی) ہدایت پانے والے نہ تھے، اسی لئے آج خسارہ میں پڑے، لہٰذا ان کے عذاب کا اصلی وقت تو یہ دن ہے، ان کو یاد دلا دیجئے) اور (دنیا میں ان پر عذاب واقع ہونے کے بارے میں یہ بات ہے کہ) جس (عذاب) کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں، اس میں سے کچھ تھوڑا سا (عذاب) اگر ہم آپ کو دکھا دیں (یعنی اگر آپ کی زندگی میں وہ نازل ہو جائے) یا (اس کے نازل ہونے سے پہلے ہی) ہم آپ کو وفات دیدیں (پھر چاہے بعد میں نازل ہو یا نہ ہو) تو (دونوں احتمال ہیں، کوئی شق ضروری نہیں، لیکن ہر حال اور ہر احتمال پر) ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے پھر (سب کو معلوم ہے کہ) اللہ تعالیٰ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہی ہے (لہٰذا ان پر سزا دے گا، غرض یہ کہ چاہے دنیا میں سزا ہو یا نہ ہو، مگر اصلی موقع پر ضرور ہوگی) اور (یہ سزا جو ان کے لئے تجویز ہوئی ہے یہ اتمام حجت اور عذر کے ازالہ کے بعد ہوئی ہے، اور ان کی کیا تخصیص ہے، ہمیشہ ہی سے ہماری عادت رہی ہے کہ جن امتوں کو ہم نے مکلف بنانا چاہا ہے، ان میں سے) ہر ایک امت کے لئے ایک حکم پہنچانے والا (ہوا) ہے تو جب ان کا وہ رسول (ان کے پاس) آ جاتا ہے (اور احکام پہنچا دیتا ہے، اس کے بعد) ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے (وہ فیصلہ یہی ہے کہ نہ ماننے والوں کو ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے) اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا جاتا (کیونکہ اتمام حجت کے بعد سزا دینا انصاف

کے خلاف نہیں ہے) اور یہ لوگ (عذاب کی وعیدیں سن کر جھٹلانے کے ارادہ سے یوں) کہتے ہیں کہ (اے نبی! اور اے مسلمانو! عذاب کا) یہ وعدہ کب (واقع) ہوگا، اگر تم سچے ہو (تو واقع کیوں نہیں کرا دیتے؟) آپ (سب کی طرف سے جواب میں) فرما دیجئے کہ میں (خود) خاص اپنی ذات کے لئے تو کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور کسی نقصان (کو دور کرنے) کا اختیار رکھتا ہی نہیں، مگر جتنا (اختیار) اللہ کو منظور ہو (اتنا اختیار البتہ حاصل ہے، لہٰذا جب خاص اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کے نفع ونقصان کا تو کیوں کر مالک ہوں گا، لہٰذا عذاب واقع کرنا میرے اختیار میں نہیں، رہا یہ کہ کب واقع ہوگا تو بات یہ ہے کہ) اللہ کے نزدیک ہر امت کے (عذاب کے) لئے ایک وقت مقرر ہے (چاہے دنیا میں یا آخرت میں تو) جب ان کا وہ مقررہ وقت آپہنچتا ہے تو (اس وقت) نہ ایک پل پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں (بلکہ فوراً عذاب واقع ہوجاتا ہے، اسی طرح تمہارے عذاب کا وقت مقرر ہے، اس وقت وہ واقع ہوجائے گا۔ اور وہ جو فرمائش کرتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہے جلدی ہوجائے، جیسا کہ ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ مفہوم کے لحاظ سے اور ﴿رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا﴾ الفاظ کے اعتبار سے اس جلد بازی پر دلالت کرتے ہیں، جس سے مقصود (جھٹلانا ہے تو) آپ (اس سلسلہ میں ان سے) فرما دیجئے کہ یہ بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات کے وقت یا دن کے وقت (آپڑے) تو یہ بتاؤ کہ عذاب میں کونسی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں! یعنی عذاب تو سخت وشدید چیز اور پناہ مانگنے کی چیز ہے نہ کہ جلدی مانگنے کی، اور چونکہ جلدی مانگنے سے ان کا مقصود جھٹلانا ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ) کیا اب تو جھٹلا رہے ہو (جو تصدیق کے نفع بخش ہونے کا وقت ہے) پھر جب (اصل جس کا وعدہ کیا گیا ہے) آہی پڑے گا (اس وقت) اس کی تصدیق کروگے (جس وقت کہ تصدیق کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور اس وقت کہا جائے گا کہ) ہاں اب مانا! حالانکہ (پہلے سے) تم (جھٹلانے کے ارادہ سے) اس کی جلدی مچایا کرتے تھے، پھر ظالموں (یعنی مشرکوں) سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو، تمہیں تمہارے ہی کئے کا بدلہ ملا ہے۔ اور وہ (انتہائی تعجب اور انکار کے ساتھ) آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی امر ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ ہاں! میرے رب کی قسم! وہ واقعی امر ہے، اور تم کسی طرح اللہ کو مجبور نہیں کرسکتے (کہ وہ عذاب دینا چاہے اور تم اس سے بچ جاؤ) اور (اس عذاب کی ایسی شدت ہوگی کہ) اگر ہر مشرک کے پاس اتنا (مال) ہو کہ ساری زمین میں بھر جائے، تو اس کو بھی اپنی جان بچانے کے لئے دینے لگے گا (اگرچہ نہ خزانہ ہوگا اور نہ لیا جائے گا، لیکن شدت اس درجہ کی ہوگی کہ ہونے کی تقدیر پر سب کچھ دینے کے لئے راضی ہوجائے) اور جب عذاب دیکھیں گے تو (مزید فضیحت کے خوف سے) پشیمانی کو (اپنے دل ہی دل میں) پوشیدہ رکھیں گے (یعنی اس کے قولی وفعلی آثار کو ظاہر نہ ہونے دیں گے، تاکہ دیکھنے والے زیادہ نہ ہنسیں، لیکن آخر میں یہ ضبط وتحمل بھی اس شدت کی وجہ سے جاتا رہے گا) اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا، اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہ ہوگا۔ یاد رکھو کہ جتنی چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، سب اللہ ہی کی ملکیت ہیں (وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے، اور ان میں یہ مجرم بھی داخل

ہیں، ان کا فیصلہ بھی مذکورہ طریقہ سے کرسکتا ہے) یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے (لہٰذا قیامت ضرور آئے گی) لیکن بہت سے آدمی یقین ہی نہیں کرتے، وہی جان ڈالتا ہے، وہی جان نکالتا ہے (لہٰذا دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے کیا مشکل ہے؟ اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے، اور حساب وکتاب ہوگا)

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفاء ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ پس لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے۔ وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں۔

ربط: اوپر بعض آیتوں میں قرآن کے حق ہونے کا اثبات تھا۔ اب مع فضیلت کے پھر وہی مضمون ہے، اور اس سے اوپر ترہیب کے ساتھ دعوت تھی، آگے ترغیب کے ساتھ دعوت ہے۔

قرآن کا حق ہونا اور اس کی فضیلت اور اس کے ذریعہ مخاطب لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا:

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو (برے کاموں سے روکنے کے لئے) نصیحت ہے، اور (اگر اس پر عمل کر کے برے کاموں سے بچیں تو) دلوں میں جو (برے کاموں سے) روگ (ہوجاتے ہیں) ان کے لئے شفا ہے، اور (نیک کام کرنے کے لئے) رہنمائی کرنے والی ہے اور (اگر اس پر عمل کر کے نیک کاموں کو اختیار کریں تو) رحمت (اور ثواب کا ذریعہ) ہے (اور یہ سب برکتیں) ایمان والوں کے لئے (ہیں، کیونکہ عمل وہی کرتے ہیں، لہٰذا قرآن کی یہ برکتیں سنا کر) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (جب قرآن ایسی چیز ہے (تو) لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے (اور اس کو عظیم دولت سمجھ کر اختیار کر لینا چاہئے) وہ اس (دنیا) سے بدرجہا بہتر ہے جس کو (یہ لوگ) جمع کر رہے ہیں (کیونکہ دنیا کا نفع تھوڑا اور فنا ہونے والا ہے اور قرآن کا نفع بہت زیادہ اور باقی رہنے والا ہے)

فائدہ: موعظت، وعظ ونصیحت اور شفا اور ہدایت اور رحمت کے مفہوموں کا فرق ترجمہ ہی سے ظاہر ہے، اور میرے نزدیک ﴿ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ سب کے لئے قید ہے، جیسا کہ اس پر دوسری آیت دلالت کرتی ہے، جیسا کہ فرمایا ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ﴾ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور ایک جگہ فرمایا ہے: ﴿ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾

﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہئے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ پوچھئے کہ کیا تم کو خدا نے حکم دیا ہے یا اللہ پر افتراء ہی کرتے ہو۔ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء باندھتے ہیں، ان کا قیامت کی نسبت کیا گمان ہے۔ واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے، لیکن اکثر آدمی بے قدر ہیں۔

ربط: اوپر چند آیتوں میں شرک کو باطل کیا گیا ہے۔ اس شرک کی رسموں میں سے ایک رسم حلال کو حرام کرنے کی تھی جس کو سورۂ انعام میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اب اس رسم کو قبیح قرار دیا گیا۔

شرک کی بعض رسموں کو قبیح قرار دینا:

آپ (ان سے) کہئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے (فائدے کے) لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا، پھر تم نے (اپنی طرف سے مسئلہ گھڑ کر) اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا (حالانکہ اس کو حرام قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں، تو) آپ (ان سے) پوچھئے کہ کیا تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے، یا اللہ پر (محض اپنی طرف سے) افتراء ہی کرتے ہو۔ اور (چونکہ پہلی شق کا احتمال ہی نہیں، بلکہ دوسری شق متعین ہے، اس لئے اس پر وعید فرماتے ہیں کہ) جو لوگ اللہ پر جھوٹا افترا کرتے ہیں، ان کا قیامت کے بارے میں کیا گمان ہے؟ (جو بالکل ڈرتے نہیں؟ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی؟ یا آئے گی تو مگر ہم سے پوچھ تاچھ نہیں ہوگی) واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے (کہ فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ توبہ کے لئے مہلت دے رکھی ہے) لیکن اکثر لوگ ناقدری کرنے والے ہیں (ورنہ توبہ کر لیتے)

فائدہ: چونکہ اوپر تمہید میں مذکور موقع میں اس حرام اور حلال ہونے کی تفصیل آچکی ہے، اس لئے اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔

﴿وَمَا تَكُوْنُ فِىْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

الْعَظِیْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۚ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ۗ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: اور آپ کسی حال میں ہوں اور منجملہ ان احوال کے آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے، جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو۔ اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز بڑی ہے، مگر یہ سب کتاب مبین میں ہے۔ یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ وہ، وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں۔ ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں تمام تر غلبہ خدا ہی کے لئے ہے۔ وہ سنتا ہے جانتا ہے۔ یاد رکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں، یہ سب اللہ ہی کے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شرکاء کی عبادت کر رہے ہیں، کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں؟ محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے ہیں اور محض قیاسی باتیں کر رہے ہیں۔

ربط: اوپر بہت ساری آیتوں میں کفار کا انکار اور جھٹلانا اور عناد اور مخالفت کا بیان ہو چکا ہے، چونکہ یہ امور طبعی طور پر رنج و تکلیف پہنچانے والے ہیں۔ اس لئے اب آپ کی تسلی کا مضمون ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں عام و خاص تمام حالات کی خبر ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا تَكُوْنُ ﴾ الخ اور ہم اپنی اطاعت کرنے والوں کو دونوں جہان میں تمام ناپسندیدہ امور سے محفوظ رکھتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ ﴾ الخ اور کامل قدرت بھی ہمیں ہی حاصل ہے، نہ دوسرے شریکوں کو جیسا کہ اعلان ہے: ﴿ اِنَّ الْعِزَّةَ ﴾ الخ لہٰذا علم اور قدرت کا اعتقاد اور حفاظت کا وعدہ تسلی کے لئے کافی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا یَحْزُنْكَ ﴾ الخ اور تسلی کا مضمون مختصر طور پر اوپر بھی آیت ﴿ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ ﴾ الخ میں آچکا ہے۔

اللہ کی حفاظت، قدرت اور علم کے بیان کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

اور آپ (چاہے) کسی بھی حال میں ہوں۔ اور ان احوال میں آپ (چاہے) کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور (اسی طرح دوسرے لوگ بھی جتنے ہوں) تم جو کام بھی کرتے ہو، ہمیں سب کی خبر رہتی ہے، جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب (کے علم) سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (بلکہ سب کچھ اس کے علم میں حاضر ہے) اور نہ کوئی چیز اس (مذکورہ مقدار) سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز (اس سے) بڑی ہے، مگر یہ سب (اللہ کے علم کے احاطہ کی وجہ سے) کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہے، (یہ تو اللہ کے علم کا بیان ہوا۔ آگے مخلص

اطاعت گذار لوگوں کے محفوظ ہونے کا بیان ہے کہ) یادرکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ (ناک واقعہ پڑنے والا) ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) رنجیدہ ہوتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ انہیں خوفناک اور غم ناک حوادث سے بچاتا ہے۔ اور) وہ (اللہ کے دوست) وہ ہیں جو ایمان لائے اور (گناہوں سے) پرہیز رکھتے ہیں (یعنی ایمان اور تقوی سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے، اور ان کے خوف اور حزن وملال سے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ) ان کے لئے دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی (اللہ کی جانب سے خوف اور حزن وملال سے بچنے کی) خوشخبری ہے (اور) اللہ کی باتوں (یعنی وعدوں) میں کچھ فرق نہیں ہوا کرتا (لہٰذا جب بشارت میں ان سے وعدہ ہوگیا، اور وعدہ ہمیشہ صحیح ہوتا ہے، اس لئے خوف اور حزن وملال کا نہ ہونا لازم ہے، اور) یہ (بشارت جس کا ذکر ہوا) بڑی کامیابی ہے۔ اور جب (آپ نے مقبول لوگوں کا محفوظ ہونا سن لیا) تو آپ کو ان کی باتیں غم میں نہ ڈالیں (یعنی آپ ان کی کفر کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، کیونکہ علم اور مذکورہ حفاظت کے ساتھ) تمام تر غلبہ (اور قدرت بھی) اللہ ہی کے لئے (ثابت) ہے (وہ اپنی قدرت سے وعدہ کے مطابق آپ کی حفاظت کرے گا) وہ (ان کی باتیں) سنتا ہے (اور ان کی حالت) جانتا ہے (وہ آپ کا بدلہ ان سے خود لے لے گا) یادرکھو کہ جتنے بھی آسمانوں میں ہیں اور جتنے بھی زمین میں ہیں (یعنی فرشتے اور جنات وانسان) یہ سب اللہ ہی کی (ملکیت) ہیں (اس حفاظت یا بدلہ کو کوئی روک نہیں سکتا، لہٰذا تمام پہلوؤں سے تسلی رکھنی چاہئے) اور (اگر کسی کو شبہ ہو کہ شاید جن کو انھوں نے اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے، وہ کچھ مزاحمت کر سکیں، تو اس کی حقیقت سن لو کہ) جو لوگ ایک اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شریکوں کی عبادت کر رہے ہیں (اللہ جانے) وہ کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں (یعنی ان کے پاس اس عقیدہ کی کیا دلیل ہے: حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ بھی دلیل نہیں ہے) محض بے بنیاد خیال کا اتباع کر رہے ہیں اور محض قیاسی باتیں کر رہے ہیں (لہٰذا واقع میں ان میں خدائی کی صفات علم وقدرت وغیرہ نہیں ہیں، پھر ان میں مزاحمت کے احتمال کی کہاں گنجائش ہے)

فائدہ: یہاں خوف سے اللہ کا خوف اور غم سے آخرت کا غم مراد نہیں ہے، بلکہ دنیاوی خوف اور غم کی نفی مراد ہے، جس کا احتمال دشمنوں کی مخالفت کی وجہ سے ہوسکتا ہے، وہ خوف اور غم کامل مؤمنوں کو نہیں ہوتے، ان کا اعتماد اور بھروسہ ہر وقت اللہ پر ہوتا ہے، وہ ہر واقعہ کی حکمت کا اعتقاد رکھتے ہیں، اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں، جس کی بشارت انہیں قرآن اور حدیث نے دی ہے۔ اور یہ بشارت ایمان والوں کو اور صبر کرنے والوں وغیرہ سب کے لئے عام ہے، انہیں ان کے رب کی طرف سے رحمت کی بشارت ہوتی ہے، ان کے اوپر فرشتے رحمت اور سکون کی دولت لے کر نازل ہوتے ہیں، اور انہیں سچے خوابوں کی نعمت حاصل ہوتی ہے اور یہ سب بشارت میں شامل ہیں، اور اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کو ان کے گمراہ ہونے کا غم تھا، اسی طرح ان کی مخالفت اور نقصان پہنچانے کے احتمال سے بھی فکر و پریشانی ہوتی تھی۔ واللہ اعلم

﴿ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ الْغَنِيُّ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ۭ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ۧ ﴾ ع

ترجمہ: وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے۔ اس میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔ سبحان اللہ! وہ تو کسی کا محتاج نہیں۔ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں، کیا اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں وہ کامیاب نہ ہونگے۔ یہ دنیا میں تھوڑا سا عیش ہے، پھر ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہے، پھر ہم ان کے کفر کے بدلے سزائے سخت چکھا دیں گے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں جس طرح تسلی مقصود ہے، اسی طرح اس سے توحید پر بھی دلالت ہوتی ہے، اور اس سے پہلے دوسری آیتیں بھی توحید کے سلسلہ میں آچکی ہیں، اب بھی توحید کا مضمون ہے۔

توحید کے دلائل:

وہ (اللہ) ایسا ہے کہ جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام کرو، اور دن بھی اس طرح بنایا کہ (روشن ہونے کی وجہ سے) دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے، اس (بنانے) میں ان لوگوں کے لئے (توحید کی) دلیلیں ہیں، جو (ان مضامین کو توجہ اور غور وفکر کے ساتھ) سنتے ہیں (مشرک ان دلیلوں میں غور نہیں کرتے اور شرک کی باتیں کرتے ہیں چنانچہ) وہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، سبحان اللہ! (وہ کیسی سخت بات کہتے ہیں) وہ تو کسی کا محتاج نہیں (اور سب اس کے محتاج ہیں) اسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (لہٰذا سب اس کی ملکیت ہوئے، اور وہ مالک ہوا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ کمالات میں اس کا کوئی شریک اور ہم جنس نہیں، لہٰذا اگر اولاد ہم جنس ہو تو وہ ہم جنسی باطل ہوگئی اور اگر دوسری جنس سے ہو تو غیر جنس کا اولاد ہونا عیب ہے، اور اللہ تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک ہے، جیسا کہ فقرہ سبحانہ میں اس طرف اشارہ بھی ہے، لہٰذا اولاد کا ہونا بالکل باطل ہوگیا۔ اب ہم نے جو اولاد ہونے کی نفی کا دعویٰ کیا تھا، اس پر تو ہم نے دلیل قائم کردی، اب رہا تمہارا دعویٰ تو) تمہارے پاس (بے ہودہ دعویٰ کے سوا) اس (دعویٰ) پر کوئی دلیل (بھی) نہیں (تو) کیا اللہ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو، جن کا تم (کسی دلیل سے) علم نہیں رکھتے؟ آپ (ان کا افتراپرداز

ہونا ثابت کر کے، اس افترا کی وعید سنانے کے لئے) کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر افترا کرتے ہیں (جیسے مشرک) وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے (اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہم تو ایسے لوگوں کو خوب کامیاب اور نعمتوں میں مشغول پاتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ) یہ دنیا میں (چند دن کا) تھوڑا سا عیش ہے (جو بہت جلد ختم ہو جائے گا) پھر (مرنے کے بعد) انہیں ہمارے ہی پاس آنا ہے، پھر (آخرت میں) ہم ان کے کفر کے بدلے سخت سزا (مزہ) چکھادیں گے۔

فائدہ: سورۂ بقرہ آیت ۱۱۶ ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ﴾ الخ کے ضمن میں اولاد کی نفی کے استدلال کی کسی قدر تفصیلی تقریر گذر چکی ہے، اسے یہاں ایک بار پھر ملاحظہ کر لیا جائے۔

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰھُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنایئے جب کہ انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم کو میرا رہنا اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو میرا تو خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ سو تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کر لو، پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہ ہونا چاہئے، پھر میرے ساتھ کر گذرو اور مجھ کو مہلت نہ دو۔ پھر بھی اگر تم اعراض ہی کیئے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں اطاعت کرنے والوں میں رہوں۔ سو وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے، پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو آباد کیا اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو غرق کر دیا، سو دیکھنا چاہئے کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ڈرائے جا چکے تھے۔

ربط: اوپر کئی مضامین کا ذکر ہوا ہے۔ اب بعض قصوں کے ذریعہ سب کی تائید فرماتے ہیں۔ توحید کی اس طرح کہ انبیاء نے توحید کی دعوت فرمائی، اور رسالت کی اس طرح کہ پہلے بھی رسول گذرے ہیں، اور تہدید یعنی ڈرانے وخوف دلانے اور وعید کی اس طرح کہ گذشتہ امتوں پر عذاب نازل ہوئے اور آپ کی تسلی کی اس طرح کہ پہلے لوگ بھی جھٹلاتے آئے ہیں، سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

نوح علیہ السلام کا قصہ ان کی قوم کے ساتھ:

اور آپ ان کو نوح (علیہ السلام) کا قصہ پڑھ کر سنایئے (جو کہ اس وقت پیش آیا تھا) جب انھوں نے اپنی قوم سے

فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تمہیں میرا رہنا (وعظ ونصیحت کرنے اور راہِ راست کی طرف بلانے کی حالت میں) اور اللہ کے احکام کی نصیحت کرنا ناگوار معلوم ہوتا ہے تو (ہوا کرے میں کچھ پرواہ نہیں کرتا، کیونکہ) میرا تو اللہ ہی پر بھروسہ ہے، تو تم مع اپنے شریکوں کے یعنی بتوں کے (نقصان پہنچانے سے متعلق) اپنی تدبیر (جو کچھ کرسکو) پختہ کرلو (یعنی تم اور تمہارے معبود سب مل کر مجھے ضرر پہنچانے میں اپنے ارمان پورے کرلو) پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن (اور دل کی تنگی) کا باعث نہ ہونی چاہئے (یعنی چونکہ اکثر خفیہ تدبیر سے طبیعت میں گھٹن ہوا کرتی ہے، تو خفیہ تدبیر کی ضرورت نہیں، جو کچھ تدبیر کرو دل کھول کر اعلانیہ کرو، نہ میرا لحاظ پاس کرو اور نہ ہی میرے چلے جانے، نکل جانے کا اندیشہ ہو، کیونکہ اتنے آدمیوں کے پہرے میں سے ایک آدمی کا نکل جانا بھی مشکل ہے، پھر پوشیدہ طور پر کچھ کرنے کی کیا ضرورت ہے) پھر میرے ساتھ (جو کچھ کرنا ہے) کر گذرو اور مجھے (بالکل) مہلت نہ دو (حاصل یہ کہ میں نہ تمہاری ان باتوں سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی تبلیغ سے رک سکتا ہوں، یہاں تک تو خوف کی نفی فرمائی۔ آگے طمع کی نفی فرماتے ہیں، یعنی) اگر تم پھر بھی اعراض ہی کئے جاؤ تو (یہ سمجھو کہ میں نے تم سے (اس تبلیغ پر) کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا (اور میں تم سے کیوں مانگتا، کیونکہ) میرا معاوضہ تو صرف (فضل وکرم کے وعدہ کے مطابق) اللہ ہی کے ذمہ ہے (غرض نہ تم سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی کچھ خواہش رکھتا ہوں) اور (چونکہ) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اطاعت کرنے والوں میں رہوں (اس لئے تبلیغ کے سلسلہ میں حکم کی تعمیل کرتا ہوں، اگر تم نہ مانوگے تو اس میں میرا کیا نقصان ہے) تو (اس واضح اور بلیغ نصیحت کے باوجود) وہ لوگ انہیں جھٹلاتے رہے، لہٰذا (ان پر طوفان کا عذاب مسلط ہوا اور) ہم نے (اس عذاب سے) انہیں اور ان کو جوان کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی، اور انہیں (زمین پر) آباد کیا اور (جو لوگ باقی رہ گئے تھے، ان میں سے جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا، ان کو (اس طوفان میں) غرق کردیا، تو دیکھنا چاہئے کہ جن لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرایا جاچکا تھا، ان کا کیا انجام ہوا (یعنی وہ بے خبری میں ہلاک نہیں کئے گئے، ان سے پہلے کہہ دیا، سمجھا دیا، پھر بھی نہ مانے تو سزا پائی)

فائدہ: بعض لوگ یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ جب گنتی کے چند لوگ ہی بچے تھے تو ساری دنیا میں صرف وہی تھے، اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت ان سب کے لئے عام تھی تو بعثت کا عام ہونا محمد ﷺ کی خصوصیت نہیں رہی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کی خصوصیت کے معنی یہ ہیں کہ جب مختلف امتیں موجود تھیں اس وقت بھی آپ کی بعثت سب کی طرف عام تھی، جبکہ دوسرے نبیوں کی امت کسی خاص قوم کی طرف ہوگی کہ حضرت نوح کے زمانہ میں جو لوگ طوفان سے بچے، وہ تو ایک ہی قوم تھے، دوسری قومیں تو ان سے بعد میں پھیلیں، لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت اب بھی محفوظ ہے، کیونکہ حضرت نوح کے زمانہ میں مختلف اقوام نہیں رہی تھیں۔

﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر نوح کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا، سو وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے، پھر جس چیز کو انھوں نے اول میں جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے، اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں۔

ربط: اوپر نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ تھا۔ اب عاد اور ثمود وغیرہ کا قصہ مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے۔

عاد اور ثمود وغیرہ کا مختصر قصہ:

پھر نوح (علیہ السلام) کے بعد ہم نے دوسرے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا تو وہ ان کے پاس معجزے لے کر آئے (مگر) پھر (بھی) ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی یہ کیفیت تھی کہ) جس چیز کو انھوں نے شروع میں (ایک بار جھوٹا کہہ دیا تو بعد میں بھی) اس کو مان کر نہ دیا (اور جیسے یہ لوگ دل کے سخت تھے) اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں۔

حوالہ: ایک ایسی ہی آیت سورۃ الاعراف ۱۰۱ میں گذر چکی ہے۔

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاْئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝﴾

ع ۱۲

ترجمہ: پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنے معجزات دے کر بھیجا، سو انھوں نے تکبر کیا اور وہ لوگ جرائم کے خوگر تھے۔ پھر جب ان کو ہمارے پاس سے صحیح دلیل پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ صریح جادو ہے۔ موسیٰ نے فرمایا: کیا تم اس صحیح دلیل کی نسبت جب کہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو۔ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ وہ لوگ کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے، اور تم دونوں کو دنیا میں ریاست مل جاوے۔ اور ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔ اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو حاضر کرو۔ سو جب وہ آئے موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم کو ڈالنا ہے۔ سو جب انھوں نے ڈالا تو موسیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ تم لائے ہو جادو یہ ہے۔ یقینی بات

ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ دلیل صحیح کو اپنے وعدوں کے موافق ثابت کر دیتا ہے گو مجرم لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔

ربط: اوپر بعض قصوں کا ذکر ہوا، اب فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا ذکر ہوتا ہے۔

فرعون کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ:

پھر ان (مذکورہ) پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنے معجزات (عصا اور ید بیضاء) دے کر بھیجا تو انھوں نے (ان کی تصدیق کرنے سے اعلانیہ) تکبر کیا (اور حق کی طلب کے لئے ذرا بھی غور و فکر نہ کیا) اور وہ لوگ جرائم کے عادی تھے (اس لئے اطاعت نہ کی) پھر جب (موسیٰ کے نبوت کے دعویٰ کے بعد) انہیں ہمارے پاس سے (موسیٰ کی نبوت سے متعلق) صحیح دلیل پہنچی (اس سے معجزہ مراد ہے) تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقیناً یہ کھلا جادو ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: کیا تم اس صحیح دلیل کے بارے میں جو تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو کہ یہ جادو ہے؟) کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر (جب کہ وہ نبوت کا دعویٰ کریں تو عادت کے خلاف کسی کام کے مظاہرہ میں) کامیاب نہیں ہوا کرتے (اور میں کامیاب ہوا کہ پہلے دعویٰ کیا، پھر عام عادت اور معمول کے کاموں کے خلاف معجزے ظاہر کر دیئے) وہ لوگ (اس بات کا تو کوئی جواب نہ دے سکے، ویسے ہی جہالت کے طور پر) کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اس طریقہ سے ہٹادو، جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو دیکھا ہے، اور (اس لئے آئے ہو کہ) تم دونوں کو دنیا میں ریاست (اور سرداری و حکومت) مل جائے اور (تم خوب سمجھ لو کہ) ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔ اور فرعون نے (اپنے سرداروں سے) کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو (جو ہماری حکومت کے دائرہ اور ملک میں ہیں) حاضر کرو (چنانچہ جمع کیے گئے) تو جب وہ آئے (اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تو) موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تمہیں (میدان میں) ڈالنا ہے تو جب انھوں نے (اپنا جادو کا سامان) ڈالا تو موسیٰ (علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کچھ تم (بنا کر) لائے ہو، جادو یہ ہے (وہ نہیں جسے فرعون اور اس کے ماننے والے جادو کہتے ہیں) یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (جادو) کو ابھی درہم برہم کیے دیتا ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا (جو معجزہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریں) اور اللہ تعالیٰ (جس طرح باطل والوں کے باطل کاموں اور معاملوں کو حق و سچے معجزوں کے مقابلہ میں باطل کر دیتا ہے، اسی طرح) صحیح دلیل (یعنی معجزہ) کو اپنے وعدوں کے مطابق (جو نبیوں کی نبوت کے اثبات سے متعلق ہیں) ثابت کر دیتا ہے، چاہے مجرم (اور کافر) لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔

فائدہ: ﴿لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ﴾ اور ﴿لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ کے ظاہری مفہوم کی وجہ سے شبہ ہوتا تھا کہ بعض اوقات ہم جادوگروں اور فسادیوں کو کامیاب ہوتے دیکھتے ہیں۔ احقر نے ترجمہ کی جو وضاحت کی ہے، اس سے

یہ شبہ دور ہو گیا یعنی اس سے خاص وہ جادوگر مراد ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہو۔ اور وہ مفسد مراد ہے جو معجزہ کا مقابلہ کرے، تو ان کی کامیابی کی نفی ہے، اور یہ درست ہے، کیونکہ جھوٹے شخص کے ہاتھ سے معجزہ کا اظہار اور سچے شخص کے ہاتھ سے معجزہ کا پوشیدہ ہونا دونوں شرعی طور پر ناممکن ہے، اور اسی طرح سورۂ طٰہٰ میں جو آیا ہے ﴿ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴾ (۶۹) اس سے بھی یہی مراد ہے یعنی جو معجزات کے مقابلہ کے لئے آئے۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّن فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ○ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ ○ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۖ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ○ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○ ﴾

ترجمہ: پس موسیٰ علیہ السلام پر ان کی قوم میں سے صرف قدرے قلیل آدمی ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حاکم سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف پہنچاوے۔ اور واقع میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا، اور یہ بھی بات تھی کہ وہ حد سے باہر ہو جاتا تھا۔ اور موسیٰ نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل کرو، اگر تم اطاعت کرنے والے ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالموں کا تختۂ مشق نہ بنا۔ اور ہم کو اپنی رحمت کے صدقے ان کافر لوگوں سے نجات دے۔ اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو اور نماز کے پابند رہو۔ اور آپ مسلمانوں کو بشارت دیدیں۔

ربط: اوپر سے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ چلا آتا ہے، اب اس کا تتمہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ:

تو (جب عصا کا معجزہ ظاہر ہوا تو) موسیٰ علیہ السلام پر شروع شروع میں) ان کی قوم میں سے صرف تھوڑے سے لوگ ایمان لائے، وہ بھی فرعون سے اور اپنے حاکموں سے ڈرتے تھے کہ کہیں (ظاہر ہونے پر) انہیں تکلیف (نہ) پہنچادیں۔ اور واقعی (ان کا ڈرنا بیجا نہ تھا، کیونکہ) فرعون اس ملک میں (سلطنت کا) زور اور غلبہ رکھتا تھا، اور یہ بھی بات تھی کہ وہ (انصاف کی) حد سے باہر ہو جاتا تھا (اور ظلم کرنے لگتا تھا، پھر جو شخص حکومت کی طاقت کے بل پر ظلم کرتا ہو، اس سے ڈر تو لگتا ہی ہے) اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (جب انہیں خوفزدہ دیکھا تو ان سے) فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم (سچے دل سے) اللہ پر ایمان رکھتے ہو (سوچ بچار مت کرو، بلکہ) اس پر توکل (بھروسہ) کرو، اگر تم (اس کی) اطاعت کرنے والے

ہو۔ انھوں نے (جواب میں) عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا (اس کے بعد اللہ سے دعا کی کہ) اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت کے صدقہ میں ان کافر لوگوں سے نجات دے (یعنی جب تک ہمارے اوپر ان کی حکومت مقدر ہے، وہ ہم پر ظلم نہ کرنے پائیں، اور پھر ان کی حکومت ہی کے دائرہ سے نکال دیجئے) اور ہم نے (اس دعا کے قبول کرنے کا سامان کیا کہ) موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی (ہارون علیہ السلام) کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے ان لوگوں کے لئے (بدستور) مصر میں، گھر برقرار رکھو (یعنی وہ ڈر کر گھر نہ چھوڑیں، ہم ان کے محافظ ہیں) اور (نماز کے اوقات میں) تم سب اپنے انہی گھروں کو نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو (مسجدوں کی حاضری خوف کی وجہ سے معاف ہے) اور (یہ ضروری ہے کہ) نماز کے پابند رہو (تاکہ نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے جلدی چھڑا دے) اور (اے موسیٰ!) آپ مسلمانوں کو بشارت دیدیں (کہ اب جلدی ہی یہ مصیبت ختم ہوجائے گی)

فائدہ: اس تفسیر پر بعض لوگوں نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ چونکہ فرعون کے ہاتھوں سارے ہی بنی اسرائیل مصیبتوں میں بتلا تھے، اس لئے ان میں سے کوئی بھی موسیٰ علیہ السلام کا مخالف نہ تھا، پھر ایمان لانے میں گنتی کے چند لوگوں کی تخصیص کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اور ان کے اپنے سرداروں سے ڈرنے کی کیا وجہ ہے؟ پھر سیرت انبیاء کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے چلے تو ان کی تعداد لاکھوں میں تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مخالف نہ ہونے سے ایمان لانا لازم نہیں آتا۔ دل میں یہ بات ہوگی کہ ابھی مسلمان ہوکر کیوں پریشانی میں پڑیں، جب موقع آئے گا تب مسلمان ہوجائیں گے، ان میں سے جو لوگ حق کے سچے طلب گار تھے، ان سے لاپروائی اور تاخیر برداشت نہیں ہوئی۔ وہ قاعدہ کے مطابق ایمان لے آئے (اگرچہ اس کا عام اعلان نہیں کیا، اور اپنے سرداروں سے قبطی مراد ہیں کہ وہی حاکم تھے، اور یہ قصہ شروع کا ہے پھر کچھ ہمت بڑھتی گئی اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ تفسیر مدارک میں پہلے معاملہ کی قید کی تصریح ہے۔ اب سارے شبہات دور ہوگئے۔

اور جاننا چاہئے کہ توکل کے لئے لازم ہے کہ مخلوق پر نظر نہ رہے، نہ طمع کے اعتبار سے اور نہ ہی خوف کے اعتبار سے۔ لہٰذا یہ دعا کے منافی نہیں، اور کا جو حکم ہوا، اس کا مقصود ترجمہ سے ظاہر ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ ان کے گھر تو پہلے سے مصر میں بنے ہوئے تھے، پھر یہ حکم کیوں ہوا؟ اور ﴿ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ﴾ کا حاصل یہ ہے کہ گذشتہ امتوں میں مسجدوں کے سوا کسی دوسری جگہ نماز نہیں ہوتی تھی، مگر خوف کی حالت میں انہیں اجازت دی گئی، پھر اس میں بھی گھر کے ہر حصہ میں درست نہ ہوگی بلکہ خاص جگہ متعین کرنی پڑے گی، اس بنا پر پھر بھی امت محمودیہ خصوصیت میں ان سے ممتاز رہی کہ ان کے لئے اس تعیین کی بھی حاجت نہیں۔

اور ﴿ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ کا حکم شاید اس طرح ہوا جیسے ارشاد ہے: ﴿ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ اس طرح یہ

اس قول کی تفصیل ہو جائے گی۔ ﴿ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ﴾ الخ اور یہ سب احکام دعا کی قبولیت کے آثار سے اس لئے ہیں کہ ﴿ تَبَوَّاٰ ﴾ میں سفر کی تشویں سے بچالیا۔ اور ﴿ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ ﴾ میں نماز کے لئے نکلنا جو اظہار کا سبب ہوتا معاف کر دیا اور ﴿ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ میں نجات کی تدبیر بتادی، اور ﴿ بَشِّرِ ﴾ میں نجات کا وعدہ کر لیا اور ان سب میں قبولیت کا دخل ظاہر ہے۔

﴿ وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَاۤ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان تجمل اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں اے ہمارے رب! اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے گمراہ کریں، اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور ان کے دلوں کو سخت کر دیجئے، سو یہ ایمان نہ لانے پاویں، یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی، سو تم مستقیم رہو، اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔

ربط: اوپر کی طرح اب بھی موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا پہلا تتمہ:

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (دعا میں) عرض کیا کہ اے ہمارے رب! (ہمیں یہ بات معلوم ہو گئی کہ) آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو زیب و زینت کے سامان اور طرح طرح کے دنیاوی مال اے ہمارے رب! اس واسطے دیئے ہیں کہ وہ (لوگوں کو) آپ کی راہ سے گمراہ کریں (لہٰذا ہدایت ان کے مقدر میں نہیں ہے اور جو حکمت مقصود تھی وہ حاصل ہو چکی تو اب ان کے مالوں اور جانوں کو کیوں باقی رکھا جائے؟ لہٰذا) اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور (ان کی جانوں کی ہلاکت کا سامان کر دیجئے، اس طرح کہ) ان کے دلوں کو (زیادہ) سخت کر دیجئے (جس کی وجہ سے وہ ہلاکت کے مستحق ہو جائیں) تو یہ ایمان نہ لانے پائیں (بلکہ روز بروز ان کا کفر ہی بڑھتا جائے) یہاں تک کہ دردناک عذاب (کے مستحق ہو کر اس) کو دیکھ لیں (تو اس وقت ایمان مفید نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے۔ جیسا کہ الدر المنثور میں ہے) حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی (کیونکہ آمین کہنا بھی دعا میں شریک ہونا ہے یعنی ہم ان کے مالوں اور جانوں کو اب ہلاک کرنے والے ہیں) تو تم (اپنے منصب سے متعلق کام یعنی تبلیغ پر) ثابت قدم رہو (یعنی چاہے ہدایت ان کی تقدیر میں نہ ہو مگر تبلیغ میں تمہارا تو فائدہ ہے)

اوران لوگوں کے راستہ پر نہ چلنا، جن کو (ہمارے وعدہ کے سچا ہونے کا یا عذاب میں جلدی نہ کرنے میں حکمت ہونے کا یا تبلیغ کے ضروری ہونے کا) علم نہیں (یعنی ہمارے وعدہ کو سچا سمجھو۔ اوراگر ہلاکت میں دیر ہوجائے تو اس میں حکمت سمجھو اوراپنے منصب سے متعلق کام میں لگے رہو)

فائدہ: اس موقع پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ موسیٰ علیہ السلام آئے تو ہدایت کے واسطے اور بددعا کرنے لگے، تو ہدایت کے لئے آنے کے معنی تو یہ ہیں کہ انہیں دین کے راستہ کی طرف بلاتے رہیں، تو یہ کام تو آپ بددعا کے بعد بھی کرتے رہے۔ اس طرح ہدایت اور بددعا میں کوئی ضد نہیں ہے، رہا ان کا بددعا کرنا تو اصل مقصود گمراہی کی بددعا کرنا نہیں ہے، بلکہ وحی کے ذریعہ یقینی طور پر یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ اب یہ ایمان نہیں لائیں گے، آپ نے ہلاکت کی بددعا فرمائی، جیسا کہ نوح علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ اور ﴿ وَ اشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ﴾ یعنی ان کے دلوں کو سخت کرنے کی بددعا بذاتِ خود مقصود نہیں ہے، بلکہ یہ ہلاکت کی دعا کی تمہید ہے، اور بالعرض مقصود ہے، اور یہ بالعرض مقصود ہونا اس قضا (تقدیر) کی عین موافقت تھی جو کھل کر سامنے آگئی تھی، اس لئے اس میں بھی اشکال نہیں رہا۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا مال و دولت وغیرہ ان کو گمراہ کرنے یا ان کے گمراہ ہونے کے لئے دینا تو فعل الحکیم لایخلو عن الحکمة یعنی حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، ثابت ہوجانے کے بعد اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ چاہے ہم حکمت کی تعیین نہ کرسکیں، آگے فرعون کے اور اس کے لشکر کے ہلاک ہونے کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مال بھی بہت سا غرق ہو کر تلف وضائع ہوا جبکہ تمام مالوں کے لئے بددعا نہیں تھی، اور بعض آثار میں ہے کہ ان کا مال ومتاع غرق ہونے سے پہلے پتھر بن گیا تھا، جیسا کہ الدرالمنثور میں ہے۔

﴿ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۹۰ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۹۱ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝۹۲ ﴾ ع ۱۴

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کردیا، پھر ان کے پیچھے پیچھے فرعون مع اپنے لشکر کے ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا۔ یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ بجز اس کے کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں کوئی معبود نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں۔ جواب دیا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے اور پہلے سے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا۔ سو آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لئے موجبِ عبرت ہو جو تیرے بعد ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری عبرتوں سے غافل ہیں۔

ربط: اوپر کی طرح اب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا دوسرا تتمہ:

اور (جب ہم نے فرعون کو ہلاک کرنا چاہا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے باہر نکال لے جائیں، چنانچہ وہ سب کو لے کر چلے، اور راستہ میں دریائے شور حائل ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اس میں راستہ پیدا ہوگیا، اور) ہم نے بنی اسرائیل کو (اس) دریا سے پار کر دیا پھر فرعون مع اپنے لشکر کے ان کے پیچھے پیچھے ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے (دریا میں) چلا (کہ دریا سے نکل کر ان سے قتل وقتال کرے، لیکن وہ دریا سے پار نہ ہوسکا) یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا (اور عذاب کے فرشتے نظر آنے لگے) تو (گھبرا کر) کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ اور میں مسلمانوں میں شامل ہوتا ہوں (تو مجھے اس غرق ہونے سے اور آخرت کے عذاب سے نجات دی جائے۔ اور ﴿ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴾ میں موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق بھی داخل ہوگئی، تب فرشتہ کے ذریعہ) جواب دیا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے (جبکہ قابل قبول نہیں، کیونکہ آخرت کا معائنہ شروع ہوگیا) اور (آخرت کے معائنہ سے) پہلے سے سرکشی کرتا رہا اور فساد پھیلانے والوں میں داخل رہا (اب نجات چاہتا ہے) تو (مطلوبہ نجات کے بجائے) ہم آج تیری لاش کو (پانی کی تہہ میں بیٹھنے سے) نجات دیں گے، تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے عبرت کا سبب ہو (کہ تیری بدحالی اور تباہی دیکھ کر اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے ڈریں) اور حقیقت یہ ہے کہ (پھر بھی) بہت سے آدمی ہماری (ایسی ایسی) عبرتوں سے غافل ہیں (اور احکام کی خلاف ورزی کرنے سے نہیں ڈرتے)

فائدہ: اس لاش کے بچا لینے اور پانی کے اوپر آجانے کو طنز واستہزا کے طور پر اور اس کو مایوس کر دینے کے لئے نجات فرمایا، مطلب یہ کہ ایسی نجات ہوگی جو تیرے لئے زیادہ رسوائی کا سبب ہوگی، جیسا کہ جنگ کے معرکوں میں بعض کی لاش یا سر اس لئے محفوظ رکھے جاتے ہیں کہ ان کی تشہیر کی جائے۔ اور آیت میں عام مفہوم یہ منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے دماغوں میں فرعون کی جو انتہائی عظمت اور ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اس کی وجہ سے اس کے غرق ہونے میں شبہ تھا، اس کی لاش کو دیکھ کر انہیں بھی یقین آگیا اور چونکہ فرعون کا ایمان لانا آخرت کے حالات کو دیکھ لینے کے وقت تھا، اس لئے وہ مقبول نہیں ہوا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ﴾ یعنی جس وقت انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو پھر ان کے ایمان لانے نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا (سورۃ المؤمن ۸۵)

اور ایمان کے قبول نہ ہونے کے یقین کے باوجود جو بعض احادیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونسنا آیا ہے، اس کی یہ توجیہ ہے کہ رحمت سے دنیاوی رحمت مراد ہے اور حاصل یہ ہے کہ اگرچہ یہ تلفظ شرعی ایمان کے تحقق نہ ہونے کی وجہ سے تو مفید نہیں، لیکن شاید منافقوں کی حالت کی طرح کہ ان کا ایمان آخرت میں تو مفید نہیں ہوتا مگر دنیا میں جان ومال کی حفاظت کے لئے تو کافی مفید ہوجاتا ہے۔ اسی طرح شاید ان الفاظ کی بدولت غرق ہونے سے بچ

جائے جبکہ اس کا زندہ رہنا دنیا میں فساد کا سبب ہوگا، اس لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کا منہ بند کرتے تھے کہ پھر اس کے منہ سے یہ الفاظ نہ نکلیں۔ اور روح المعانی میں جو ابن جریر وغیرہ سے اس روایت میں: فیغفر لہ: کا اضافہ نقل کیا ہے اس کو بھی دنیاوی صورت کی مغفرت پر محمول کریں گے یعنی جس طرح حقیقی اسلام کی وجہ سے گذشتہ گناہوں کی مغفرت حقیقت میں ہوجاتی ہے، اسی طرح ظاہری ایمان سے ظاہری طور پر معافی ہوجاتی ہے کہ پہلے کئے ہوئے کفریہ اعمال کا دنیاوی احکام میں انتقام نہیں لیا جاتا۔ واللہ اعلم۔

اور بعض اکابر سے جو فرعون کے ایمان کی صحت منقول ہے، وہ کسی شخص نے بعد میں ان کی تصنیفات میں اپنی طرف سے بڑھادی ہے۔ چنانچہ الیواقیت والجواہر میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

﴿ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں کھانے کو دیں، سو انھوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

ربط: اوپر موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بنی اسرائیل پر انعام عظیم ہونا بیان فرمایا ہے کہ انہیں کیسے بڑے موذی سے نجات دی، اب اپنی دوسری نعمتوں کا ذکر اور ان کی نافرمانیوں کی شکایت فرماتے ہیں۔

یہود پر دو نعمتوں کا ذکر اور ان کی دو نافرمانیوں کی شکایت:

اور ہم نے (فرعون کو غرق کرنے کے بعد) بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے بہت اچھا ٹھکانا دیا (کہ اس وقت تو مصر کے مالک ہوگئے، اور ان کی پہلی ہی نسل کو عمالقہ پر فتح دے کر بیت المقدس اور ملک شام عطا فرمایا) اور ہم نے انہیں کھانے کے لئے نفیس چیزیں دیں (مصر میں بھی باغات اور چشمے تھے اور ملک شام کے بارے میں ﴿ بٰرَكْنَا فِيْهَا ﴾ آیا ہے) تو (چاہئے تو یہ تھا کہ ہماری اطاعت میں زیادہ سرگرم) رہتے، لیکن انھوں نے الثادین میں اختلاف کرنا شروع کیا، اور غضب یہ کہ) انھوں نے (یہ اختلاف جہالت کی وجہ سے) نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس (اللہ کے واضح احکام کا) علم پہنچ گیا (تھا، اس کے بعد اختلاف کیا۔ آگے اس اختلاف پر وعید ہے کہ) یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان (اختلاف کرنے والوں) کے درمیان قیامت کے دن ان معاملوں میں (عملی) فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

فائدہ: ﴿ مُبَوَّاَ صِدْقٍ ﴾ کی تفسیر درمنثور میں وہی مصر وشام منقول ہے جو ہم نے لکھی ہے۔ اور بنی اسرائیل کے جس اختلاف کا ذکر فرمایا، اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک نبوت کی تصدیق کے باوجود انبیاء کے سلسلہ میں اختلاف کہ ان

کے احکام میں طرح طرح کی حیلہ بازیاں اور حجتیں کرتے تھے۔ جیسا کہ بقرہ کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ اور دوسرا معنی یعنی بعض انبیاء کی تصدیق نہ کرنا یعنی انبیاء میں فرق اور اختلاف کرنا جس میں یہود کا ہمارے حضور ﷺ کو نہ ماننا بھی داخل ہے، اور پہلے والوں پر انعام ایک لحاظ سے بعد والوں پر بھی انعام ہے۔ اس لئے اس انعام کو ان سے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے۔

﴿ فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۙ۝ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر اگر آپ اس کی طرف سے شک میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو آپ ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو آپ سے پہلے کی کتابوں میں پڑھتے ہیں، بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے، آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں، اور نہ ان لوگوں میں ہوں جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، کہیں آپ تباہ نہ ہو جاویں۔

ربط: اوپر یہود کے دین میں اختلاف کرنے کا ذکر تھا، چونکہ مشرک جو اس سورت میں مخاطب ہیں، اس اختلاف میں انہی کی طرح بلکہ ان سے بھی بڑھے ہوئے تھے، اس لئے قرآن کی حقانیت کے ذریعہ ایک خاص عنوان سے دین اسلام کی حقانیت ثابت فرماتے ہیں۔

دین محمدی کا ایک خاص انداز سے حق ہونے کا بیان:

پھر (دین محمدی کے حق ہونے کے ثبوت کے واسطے ہم ایک ایسا کافی طریقہ بتاتے ہیں کہ جو صاحب وحی نہیں ہے، اس کے لئے تو کیسے کافی نہ ہوگا۔ وہ ایسا ہے کہ آپ تو صاحب وحی ہیں، لیکن اگر آپ سے بھی قضیہ شرطیہ کے طور پر اس کا خطاب کیا جائے تو اس طرح ممکن ہے کہ) اگر (بالفرض) آپ اس (کتاب) کی طرف سے شک (وشبہ) میں ہوں، جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو (اس شک کو دور کرنے کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ) آپ ان لوگوں سے پوچھ کر دیکھئے جو آپ سے پہلے والی کتابوں کو پڑھتے ہیں (توریت اور انجیل مراد ہیں، وہ پڑھنے کی حیثیت سے اس کی پیشین گوئیوں کی بنا پر اس قرآن کے سچے ہونے کو بتا دیں گے) بیشک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے، آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں، اور نہ (شک کرنے والوں سے بڑھ کر) ان لوگوں میں ہوں جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، کہیں آپ (نعوذ باللہ) تباہ نہ ہو جائیں۔

فائدہ: ظاہر میں آپ سے خطاب ہے، مگر مقصود دوسروں سے خطاب ہے، آپ کو خطاب کرنے میں ایک تو اس دلیل کے کافی ہونے میں مبالغہ ہے، کیونکہ جب صاحب وحی کو جسے بغیر کسی واسطہ کے براہِ راست اللہ اور اس کے فرشتوں کے

ذریعہ سے پیغام ملتے ہیں، جب اہل علم سے حاصل ہونے والی معلومات کافی ہوگئیں جو اللہ سے حاصل ہونے والی معلومات کا واسطہ ہیں تو جو شخص بغیر واسطہ کے معلومات حاصل کر ہی نہیں سکتا، اس کے لئے وہ معلومات واسطہ سے بدرجۂ اولیٰ کافی ہوں گی۔ یہ تو پہلے خطاب کی توجیہ ہے اور بعد کے خطاب ﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ ، وَ لَا تَكُوْنَنَّ ﴾، اور ﴿ فَتَكُوْنَ ﴾ میں جھٹلانے اور پردہ ڈالنے وجھٹلانے کے ممانعت کے قابل ہونے میں مبالغہ ہے، کیونکہ جس ذات میں اس کا احتمال بھی نہیں جب اس کو روکا جاتا ہے تو جس میں احتمال ہے اس کو تو بدرجۂ اولیٰ روکا جانا چاہئے اور آیت کے نازل ہونے کے وقت ہی آپ نے اپنے خطاب میں اپنے مقصود نہ ہونے کو ان الفاظ میں ظاہر فرمادیا: لا اشک و لا اسأل: یعنی نہ مجھے کوئی شک ہے اور نہ ہی کسی سے سوال کرنے کی ضرورت ہے، اس کو عبدالرزاق اور ابن جریر نے قتادہ سے مرفوعاً اور مرسلاً روایت کیا ہے، جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ اور یہ شبہ کہ صاحب وحی کے لئے اہل علم سے معلومات حاصل کرنا کیسے کافی ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اہل علم اتباع کے حق دار نہیں، بلکہ صرف نقل کرنے والے ہیں، اور اس میں کوئی اشکال نہیں، اور یہ بات کہ اہل کتاب تو خود جھٹلاتے تھے، پھر ان سے پوچھنے کے لئے کیسے کہہ دیا گیا؟ اس کا جواب "پڑھنے کی حیثیت" کے فقرہ میں خود توجیہ کی تقریر میں موجود ہے، یعنی جب وہ اصل مضمون کو پڑھ دیں تو کوئی امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۚ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہوچکی ہے وہ ایمان نہ لاویں گے، گو ان کے پاس تمام دلائل پہنچ جاویں جب تک کہ عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں۔ چنانچہ کوئی ایسی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا اس کو نافع ہوتا، ہاں مگر یونس کی قوم۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور ان کو ایک وقت خاص تک عیش دیا۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے۔ سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کرسکتے ہیں جس سے وہ ایمان ہی لے آویں، حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا بدون خدا کے حکم کے ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر گندگی واقع کردیتا ہے۔

ربط: اوپر ایمان نہ لانے والوں کا ذکر تھا، چونکہ طبعی طور پر آپ کو اس سے رنج ہوتا تھا، اس لئے اب آپ کی تسلی کی خاطر فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان نہ لانا مقدر ہوچکا ہے، اس لئے اس کے خلاف واقع نہ ہوگا، جیسا کہ فرمایا

﴿ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴾ الخ البتہ اگر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی طرح ان کا ایمان نہ لانا مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو ان کی طرح ایمان کی توفیق ہو جاتی، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لَمَّآ اٰمَنُوْا ﴾ الخ اور یونس علیہ السلام کی قوم کی کیا تخصیص ہے، اگر تمام روئے زمین والوں کا ایمان مقدر ہو جاتا تو سب ہی ایمان لے آتے جیسا کہ آگے فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ ﴾ الخ لہٰذا آپ اس کی فکر چھوڑ دیجئے، اس لئے فرمایا: ﴿ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ ﴾

ہدایت کے اللہ کی مشیت پر موقوف ہونے کے بیان کے ذریعہ رسول اللہ کی تسلی:

یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی (یہ ازلی) بات ثابت ہو چکی ہے (کہ یہ ایمان نہ لائیں گے) وہ (کبھی بھی) ایمان نہیں لائیں گے چاہے ان کے پاس (حق کے ثبوت کے) تمام دلائل پہنچ جائیں، جب تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں (مگر اس وقت ایمان کا نفع نہیں ہوتا) چنانچہ (جتنی بستیوں پر عذاب آچکا ہے ان میں سے) کوئی بستی ایمان نہیں لائی کہ اسے ایمان لانے کا نفع ہوتا (کیونکہ ان کے ایمان کے ساتھ مشیت کا تعلق نہیں ہوا تھا) ہاں! سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے (کہ ان کے ساتھ مشیت متعلق ہوئی تھی، اس لئے وہ اس عذاب کے ابتدائی آثار کو دیکھ کر ایمان لے آئے، جس کا وعدہ کیا گیا تھا اور) جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کے اوپر سے رسوائی کے عذاب کو ٹال دیا، اور انہیں ایک خاص وقت (یعنی موت کے وقت) تک (خیر و خوبی کے ساتھ) عیش و آرام دیا (لہٰذا دوسری بستیوں کا ایمان نہ لانا اور یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا دونوں معاملے اللہ کی مشیت سے ہوئے) اور (ان قوموں اور بستیوں کی ہی کیا تخصیص ہے) اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے (مگر اللہ تعالیٰ نے بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ نہ چاہا اس لئے سب ایمان نہیں لائے) تو (جب یہ بات ہے تو) کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں، جس میں وہ ایمان لے ہی آئیں۔ حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا اللہ کے حکم (یعنی مشیت) کے بغیر ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ بے عقل لوگوں پر (کفر کی) گندگی واقع کر دیتا ہے (یعنی مشیت کا وہ تعلق ان کے بسیط یا مرکب جہل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا سلسلہ بھی مشیت و حکمت تک پہنچتا ہے)

فائدہ: ﴿ مَتَّعْنٰهُمْ ﴾ کے ترجمہ میں جو خیر و خوبی کی قید لگائی اس کی دلیل سورۂ ہود کی آیت ۳ ﴿ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے جو ﴿ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ﴾ کا حاصل ہے، اور وہ مومنوں کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا یہ شبہ نہ رہا کہ فائدہ پہنچانا تو کفار کے لئے بھی عام ہے، پھر اس کے ایمان پر مرتب ہونے کے کیا معنی ہیں۔ اور یونس علیہ السلام کی قوم کے قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے ایمان نہ لانے پر یونس علیہ السلام نے اللہ کی وحی کے مطابق انہیں عذاب کی خبر دی اور خود چلے گئے، جب وعدہ کے مطابق وقت پر عذاب کے آثار شروع ہوئے تو پوری قوم نے حق تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری شروع کی اور ایمان لے آئے، تب وہ عذاب ٹل گیا، اور ان آثار

سے عذاب کا نزول گمان کے طور پر ملائکہ کے معائنہ اور آخرت کے انکشاف کے بغیر معلوم ہوا تھا، اس لئے ﴿ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ﴾ کے خلاف نہیں، اور یہ آسان بات ہے، اور بعض نے اس واقعہ کو اس عموم سے مخصوص و مستثنیٰ کہا ہے اور ﴿ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ تخصیص کے لئے نہیں، بلکہ واقعہ کا بیان ہے۔ اور ایمان کا آخرت میں نفع بخش و مفید ہونا یقینی ہے۔

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں ان کو دلائل اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتے۔ سو وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو تم انتظار میں رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے، ہم اسی طرح سب ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں، یہ ہمارے ذمہ ہے۔

ربط: اوپر تسلی کے مضمون سے پہلے ایمان نہ لانے والوں کا بیان تھا۔ اب عناد کے باوجود ان کا محلِ تکلیف رہنا یعنی مایوسی کی وجہ سے ان کا امر و نہی کے دائرہ سے خارج نہ ہونا اور اس عناد کی بنا پر ان کا عذاب کا مستحق ہونا بیان ہوا ہے۔

عناد رکھنے والوں کا مکلّف اور عذاب کا مستحق ہونا:

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو (اور دیکھو) کہ آسمانوں اور زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں؟ (آسمانوں میں ستارے وغیرہ اور زمین میں بے شمار مخلوقات نظر آتی ہیں، یعنی ان میں غور کرنے سے توحید کی عقلی دلیل حاصل ہوگی، یہ ان کے مکلّف ہونے کا بیان ہوا) اور جو لوگ (عناد کے طور پر) ایمان نہیں لاتے، انہیں دلیلیں اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتیں (یہ ان کے عناد کا بیان ہوا) تو (ان کے عناد کی اس حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) وہ لوگ (حال کی دلالت سے) صرف ان لوگوں جیسے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں (یعنی دلیلوں اور وعیدوں کے باوجود جو لوگ ایمان نہیں لاتے تو ان کی حالت اس شخص کی طرح ہے جو ایسے عذاب کا منتظر ہو جو پہلی قوموں پر آیا تھا، تو (آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم انتظار کرتے رہو، میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں (جن پچھلی قوموں کا اوپر ذکر تھا، ہم ان پر عذاب واقع کرتے تھے) پھر ہم (اس عذاب سے) اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے (جس طرح ہم نے ان مومنوں کو نجات دی تھی) ہم اس طرح سب ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں، یہ (وعدہ کے مطابق) ہمارے ذمہ ہے

(چنانچہ اسی طرح اگر ان کافروں پر کوئی افتاد پڑی تو مسلمان اس سے محفوظ رہیں گے۔ چاہے دنیا میں چاہے آخرت میں)

فائدہ: آخرت کے عذاب سے تو مؤمنوں کا بچنا ظاہر ہے، اور پہلے عذابوں میں دنیاوی عذاب سے بچنا بھی ظاہر ہے، اور اس امت کے کافروں کے عذاب یعنی قتل وغیرہ سے مسلمانوں کا بچنا اس معنی میں ہے کہ انہیں وہ واقعہ عذاب کی حیثیت سے پیش نہیں آتا۔

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں ہو تو میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔ لیکن ہاں! اس معبود کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ اور یہ کہ اپنے آپ کو اس دین کی طرف اس طرح متوجہ رکھنا کہ اور سب طریقوں سے علاحدہ ہو جاؤ اور کبھی مشرک مت بننا۔ اور خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے، پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں حق ضائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچادے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں ہے، اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں۔ وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں مبذول فرمادیں۔ اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والے ہیں۔

ربط: اوپر کافروں کے اسلام کو جھٹلانے کا بیان تھا، اب دین اسلام کی حقیقت کے رکن اعظم یعنی توحید کا ذکر ہے، تا کہ اس حقیقت میں غور کرنے سے اس کے حق ہونے کا علم حاصل ہو سکے۔

اسلام کے رکن اعظم توحید کا بیان:

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک (اور تردد وفکر و پریشانی) میں ہو تو (میں تمہیں اس کی حقیقت بتاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ) میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم اللہ کے سوا کرتے ہو، لیکن ہاں! اس معبود کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے، اور مجھے (اللہ کی جانب سے) یہ حکم ہوا ہے کہ میں (ایسے

معبود پر) ایمان لانے والوں میں سے ہوں اور (مجھے) یہ (حکم ہوا ہے) کہ اپنے آپ کو اس (مذکورہ بالا) دین (توحید خالص) کی طرف اس طرح متوجہ رکھنا کہ دوسرے تمام طریقوں سے علاحدہ ہو جاؤ، اور (مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ) اللہ (کی توحید) کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا کہ جو تجھے نہ (عبادت کرنے کی حالت میں) کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ عبادت چھوڑنے کی حالت میں) کوئی نقصان پہنچا سکے، پھر اگر (بالفرض) ایسا کیا (یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت کی) تو تم اس حالت میں (اللہ کا حق ضائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور (مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ) اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اور کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تمہیں کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں (بلکہ) وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں عطا فرمادیں۔ اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والے ہیں (اور فضل کے تمام افراد مغفرت اور رحمت میں داخل ہیں، اور مغفرت اور عظیم رحمت ان کی صفت ہیں، لہٰذا وہ لامحالہ فضل والے بھی ہیں)

فائدہ: خلاصہ یہ کہ میرا دین تو یہ ہے کہ جس میں کسی کو شک ہونا ہی نہیں چاہئے، پھر کافر لوگوں کے منکر ہونے کے باوجود شک کیوں کیا؟ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس دین میں تو شک بھی نہیں ہونا چاہئے۔ انکار اور جھٹلانا تو بہت دور کی بات ہے۔

﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴾

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے سو جو شخص راہِ راست پر آ جاوے گا سو وہ اپنے واسطے راہ راست پر آوے گا۔ اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔

ربط: اوپر دین اسلام کی حقیقت ظاہر کی گئی ہے، اب اس اظہار کا اتمام حجت کا سبب ہونا بیان کیا گیا ہے۔

اتمام دعوت کے بعد حجت کا قائم ہونا:

آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے پاس (دین) حق تمہارے رب کی طرف سے دلیل کے ساتھ پہنچ چکا ہے، تو (اس کے پہنچ جانے کے بعد) جو شخص سیدھے راستہ پر آ جائے گا تو وہ اپنے (نفع کے) واسطے سیدھے راستہ پر آئے گا۔ اور جو شخص (اب بھی) گمراہ رہے گا تو اس کا گمراہ رہنا (یعنی اس کا وبال بھی) اسی پر پڑے گا، اور میں تم پر (کچھ ذمہ داروں کے طور پر) مسلط نہیں کیا گیا ہوں (کہ تمہاری گمراہی کے بارے میں مجھ سے پوچھ تاچھ ہونے لگے، تو پھر میرا کیا نقصا ن ہے!)

﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور آپ اس کا اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے اور صبر کیجیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کردیں گے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے۔

ربط: اوپر حجت کے قیام اور دعوت کے اہتمام کا مضمون تھا، چونکہ اس کے بعد بھی بعض لوگ منکر رہے، جس سے آپ کو رنج ہوتا تھا، اس لئے اب تسلی پر سورت کو ختم فرماتے ہیں، جیسے چند آیت پہلے بھی تسلی کا مضمون آیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی:

اور آپ اس کا اتباع کرتے رہیے جو کچھ آپ کے پاس وحی بھیجی جاتی ہے (اس میں دوسرے تمام اعمال کے ساتھ تبلیغ بھی آگئی) اور (ان کے کفر اور ایذا پر) صبر کیجیے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (ان کا) فیصلہ کردیں گے (چاہے دنیا میں ہلاکت کے ساتھ چاہے آخرت میں عذاب کے ساتھ، مطلب یہ کہ آپ اپنے ذاتی اور منصب سے متعلق کام میں لگے رہیے، ان کی فکر نہ کیجیے) اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا (فیصلہ کرنے والا) ہے۔

فائدہ: ایسی گفتگو اور اسی طرح اس سے پہلے کی آیت والی گفتگو عام طور سے خطابوں اور مناظروں کے بالکل آخر میں ہوا کرتی ہے، لہٰذا ان پر سورت کا ختم کرنا نہایت لطیف حسن خاتمہ ہے۔

﴿بحمد للہ! سورۂ یونس کی تفسیر ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۴۲۴ھ کو پوری ہوئی، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں صاحب ہجرت پر نازل ہوں﴾
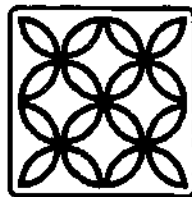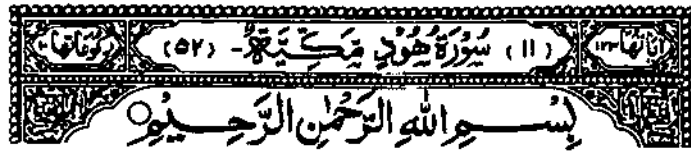
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورۃ ہود (علیہ السلام)

سورت کے مضامین کا خلاصہ:

سورۂ ہود سوائے آیت ۱۱۴ ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ ﴾ الخ کے قتادہ رحمہ اللہ کے نزدیک پوری سورت مکی ہے، جیسا کہ روح المعانی میں ہے، اس سورت کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں پہلے رسالت اور توحید کا ذکر ہے اور اس کے ضمن میں دونوں جہاں کی بھلائی کا وعدہ ہے۔ اور اعراض یعنی منہ پھیرنے پر عذاب کی وعید ہے، اور اس کی مناسبت سے بعثت کا ذکر ہے، اور عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں عذاب میں تاخیر کی وجہ سے ان کے شبہ کا منشا ظاہر کیا گیا ہے، اور انسانوں میں اکثر پائی جانے والی فطری خصلت کے ذریعہ اس شبہ کی وضاحت ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ ﴾ الخ میں کی گئی ہے۔ پھر ان کے رسالت کا انکار کرنے پر آپ کا دل تنگ ہونے پر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔ پھر وہ جو قرآن پر شبہ کرتے تھے اس کا جواب ہے، پھر عذاب کے مستحق ہونے سے متعلق ان کے ایک باطل زعم کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ پھر مؤمنوں کی فضیلت اور کافروں کی بدانجامی بیان کی گئی ہے، پھر دونوں کے فرق کی ایک مثال دے دی گئی ہے، پھر ان سب مضامین کی تقریر و تائید کے لئے چند قصے بیان کئے گئے ہیں، جن سے توحید، رسالت، وعید کا واقع ہونا اور مؤمنوں کی فلاح اور منکروں کا خسارہ یہ سب امور ثابت ہوتے ہیں، اور پھر قصوں کے بعد ان پر بطور نتیجہ وعید بیان کی گئی ہے، اور اس میں قیامت کی جزا و سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور وعید میں تمام مشرکوں کا مشترک ہونا بیان کیا گیا ہے اور پھر آپ ﷺ کی تسلی کے لئے بتایا گیا ہے کہ منکروں کا مخالفت کا یہ کوئی نیا اور انوکھا عمل نہیں ہے، ان کا ہمیشہ سے ہی یہ طریقہ چلا آ رہا ہے۔ اور اس بیان کے ضمن میں عذاب میں تاخیر کی حکمت کا ذکر کیا گیا ہے، جس کا ذکر سورت کے شروع میں ان کے شبہ کی منشا کی وضاحت میں آیا تھا، اور پھر اس عذاب کے اپنے وقت پر واقع ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور پھر مسلمانوں کو ان کفار سے اعراض کر کے اپنے کام میں لگے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خاص طور سے اپنی جگہ ثابت قدم رہنے، کافروں سے دوستی کا تعلق ختم کرنے اور نماز کے قیام اور صبر کا حکم دیا گیا ہے، اس کے بعد عبرت کے واسطے گذشتہ امتوں کی ہلاکت کا مختصر حال، عذاب اور اس کا ظاہری سبب یعنی جرم کا ارتکاب اور حقیقی سبب یعنی اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت اور حکمت کا بیان ہے۔ ساتھ ہی قصوں کے ذکر کی بعض حکمتیں بیان کی گئی ہیں، اور پھر کافروں سے آخری کلام کہ اگر نہیں مانتے تو چاہو جس حال میں رہو،

نتیجہ خود دیکھ لوگے۔ اوراس کی تقریر کے لئے اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب اور تمام امور کا مرجع ہونا اوران کے اعمال پر مطلع ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اوراس کے ضمن میں عبادت اور توکل کا واجب ہونا بتایا گیا ہے کہ یہ ذکر موقع ومحل کے لحاظ سے بہت مناسب ہے۔ یہ تمام مضامین نہایت ترتیب اور تہذیب کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اوران کا آپس میں تناسب اور سابقہ سورت کے مضامین سے قریب ہونا ظاہر ہے۔ خاص طور سے اس سورت کا آغاز اور گذشتہ سورت کا انجام تو پوری طرح متحد ہے کہ دونوں میں توحید اور رسالت کا اثبات ہے۔ واللہ اعلم

﴿ الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ ﴾

ترجمہ: الف، لام را۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں، ایک حکیم باخبر کی طرف سے۔ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ میں تم کو اللہ کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔ اور یہ کہ تم لوگ اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ، پھر اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم کو وقت مقرر تک خوش عیشی دے گا اور زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا۔ اور اگر تم لوگ اعراض کرتے رہے تو مجھ کو تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ تم کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ یادرکھو وہ لوگ دوہرا کئے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ اپنی باتیں خدا سے چھپا سکیں۔ یادرکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر باتیں کرتے ہیں، بالیقین وہ دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے۔ اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو، اور وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چند روزہ رہنے کی جگہ کو جانتا ہے۔ سب چیزیں کتاب مبین میں ہیں۔ اور وہ ایسا ہے کہ سب آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزماوے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔

سورت کی ابتداء:

شروع میں قرآن کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے اور اس کے توحید پر مشتمل ہونے کا بیان ہے، اور آپ کے بشیر ونذیر یعنی رسول ہونے کا ذکر ہے اور توبہ واستغفار یعنی ایمان کا حکم اور اس پر بشارت ہے۔ اور پھر توحید کے اثبات کے لئے علم، قدرت، رزق کا عطا فرمانا اور تخلیق اور تخلیق کی حکمت کا ﴿ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ﴾ تک بیان ہے۔

توحید ورسالت اور ان کے متعلقات:

﴿ الٓرٰ ﴾ (اس کے معنی تو اللہ ہی کو بہتر معلوم ہیں) یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں (دلائل کے ذریعہ) مستحکم ومضبوط کی گئی ہیں، پھر (اس کے ساتھ ساتھ) صاف صاف (بھی) بیان کی گئی ہیں (اور وہ کتاب ایسی ہے کہ) ایک حکمت والے (اور) باخبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے (آئی ہے۔ جس کا بڑا مقصد) یہ (ہے) کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو، میں اللہ کی طرف سے تمہیں (ایمان نہ لانے پر عذاب سے) ڈرانے والا اور (ایمان لانے پر ثواب کی) بشارت دینے والا ہوں۔ اور (اس کتاب کے مقاصد میں سے) یہ (بھی ہے) کہ تم لوگ اپنے گناہ (شرک اور کفر وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ۔ (یعنی ایمان لاؤ اور) پھر (ایمان لاکر) اس کی طرف (عبادت کے ذریعہ) متوجہ رہو (یعنی عمل صالح کرو، چنانچہ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے) وہ تمہیں مقررہ وقت (یعنی موت کے وقت) تک (دنیا میں) عیش وآرام کا سامان دے گا اور (آخرت میں) ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا (یہ کہنا بھی (بشیر کہنے کے درجہ میں ہے) اور اگر تم لوگ (ایمان لانے سے) منہ پھیرے (ہی) رہو تو (اس صورت میں) مجھے تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے (یہ کہنا نذیر کے درجہ میں ہے اور عذاب کو دور یا مشکل مت سمجھو، کیونکہ) تم (سب) کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتا ہے (پھر دور یا مشکل سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں، البتہ اگر وہاں تمہاری حاضری نہ ہوتی، یا نعوذ باللہ اسے قدرت نہ ہوتی تو عذاب واقع نہ ہوتا۔ لہٰذا ایسی حالت میں ایمان اور توحید سے اعراض نہیں کرنا چاہئے، اور قدرت کے اثبات کا تعلق توحید سے بھی ہے۔

آگے علم کا اثبات ہے کہ اس کو بھی جزا کے واقع ہونے اور توحید دونوں سے تعلق ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ) یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کئے دیتے ہیں (اور اوپر سے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں) تاکہ اپنی باتیں اللہ سے چھپا سکیں (یعنی وہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو باتیں کرتے ہیں، تو اس حالت میں کرتے ہیں تاکہ کسی کو خبر نہ ہوجائے۔ اور جس کا یہ عقیدہ ہوگا کہ اللہ کو تو خبر ضرور ہوتی ہے اور آپ کا صاحب وحی ہونا دلیلوں سے ثابت ہے تو وہ چھپانے کی یہ تدبیر کبھی بھی نہیں کرے گا، لہٰذا یہ تدبیر کرنا گویا حال کی دلالت سے اللہ سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنا ہے۔ تو) یاد رکھو کہ وہ لوگ جس

وقت (دوہرے ہوکر) اپنے کپڑے (اپنے اوپر) لپیٹتے ہیں، وہ اس وقت بھی سب کچھ جانتا ہے جو کچھ (یہ لوگ) چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں، اور جو کچھ باتیں وہ ظاہر کرتے ہیں (کیونکہ) یقینی طور پر وہ (تو) دلوں کے اندر کی باتیں جانتا ہے (تو زبان سے کہی ہوئی باتیں کیوں نہ جانے گا)

آگے توحید سے متعلق رزق عطا کرنے کا بیان ہے، جس سے علم کے مسئلہ کی بھی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:
اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار، زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو (اور رزق پہنچانے کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے تو) وہ ہر ایک کی زیادہ رہنے کی جگہ کو اور چند روز رہنے کی جگہ کو جانتا ہے (اور ہر ایک کو اس کی جگہ ہی رزق پہنچاتا ہے۔ اور اگرچہ سب چیزیں اللہ کے علم میں تو ہیں ہی، مگر اس کے ساتھ ہی) سب چیزیں کتاب مبین (یعنی لوح محفوظ) میں (بھی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ لکھی ہوئی) ہیں (غرض واقعات ہر طرح محفوظ ہیں۔

آگے تخلیق کا اور ساتھ ہی اس کی حکمتوں کا بیان ہے، جس سے بعث یعنی مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کئے جانے کی بھی تائید ہوتی ہے، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے، کیونکہ پہلی بار پیدا کرنا دوسری بار پیدا کرنے پر قادر ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے) اور وہ (اللہ) ایسا ہے کہ اس نے سارے آسمانوں اور زمین کو چھ دن (کے برابر وقت) میں پیدا کیا، اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا (کہ یہ دونوں چیزیں پہلے سے پیدا ہو چکی تھیں اور یہ بیان کرنا اس لئے ہے) تاکہ تمہیں آزمائے کہ (دیکھیں) تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے (مطلب یہ کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان میں تمہاری حاجتوں اور فائدوں کو پیدا کیا، تاکہ تم ان میں دیکھ کر توحید پر استدلال کرو، اور ان سے فائدہ اٹھا کر انعام دینے والے کا شکر ادا کرو، اور اس کے احکام پر عمل کرو، فرماں برداری واطاعت کرو جس کا مطلب ہے عمل صالح کرو، تو بعض نے ایسا کیا اور بعض نے نہ کیا)

فائدہ: استخفا یعنی باتوں کو چھپانے کی تفسیر شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ سے نقل کی گئی ہے۔ اور ﴿لِيَسْتَخْفُوْا﴾ کے بعد جو ﴿مِنْهُ﴾ آیا ہے اس کی تفسیر در منثور میں مجاہدؒ سے من الله إن استطاعوا یعنی اگر ان کے بس کا ہو تو اللہ سے چھپالیں۔ اور ابی رزین سے ﴿يَثْنُوْنَ﴾ اور ﴿يَسْتَغْشُوْنَ﴾ کی تفسیر کان احدهم يحنى ظهره ويستغشى بثوبه یعنی ''ان میں سے بعض لوگ اپنی کمر جھکا لیتے تھے اور اپنے کپڑے ڈھانپ لیتے تھے'' سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور بات کرنے کی قید کہیں نقل کی ہوئی نظر سے نہیں گذری۔ لیکن ﴿يُسِرُّوْنَ﴾ اس کا قرینہ ہے، جس کا مفعول دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ ﴿وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ الخ جس کا جواب ﴿يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ﴾ الخ کی طرح وہاں ارشاد ہوا ہے ﴿رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ الخ اور مستقر اور مستودع کی جو مذکورہ تفسیر سب سے زیادہ مشہور ہے، اگرچہ اس میں تمام دواب یعنی زمین پر چلنے والے جاندار شامل نہیں ہیں، لیکن مستقر اور مستودع والوں کے ساتھ علم کا تعلق ان کے ساتھ علم کے تعلق پر جو مستقر اور مستودع والے نہیں ہیں بدرجۂ اولیٰ دلالت کرتا ہے، کیونکہ ان کا وجود زیادہ ظاہر ہے اور ظاہر ہے کہ پوشیدہ کا علم ظاہر کے علم کے لئے بدرجۂ اولیٰ

لازم ہے، لہٰذا اس اعتبار سے علمی تعلق کا عموم کلام کا مدلول ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور دلبۃ میں مرزوق یعنی جس کو رزق دیا جاتا ہے کی قید اس لئے لگائی کہ بعض بغیر کھائے پیئے مرجاتے ہیں، لہٰذا اس قید کے بعد بغیر کھائے پیئے مرجانے والوں سے متعلق شبہ نہ رہا کہ انہیں رزق کہاں پہنچتا ہے اور عیش و آرام کے سامان سے مراد وہ ہے جس کا ذکر ﴿اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً﴾ اور ﴿فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً﴾ میں فرمایا ہے، اور ﴿یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ﴾ کا ایمان کا نتیجہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ ایمان کے بغیر اعمال قبول نہیں۔

﴿ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور اگر آپ کہتے ہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے تو جو لوگ کافر ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ تو نرا صاف جادو ہے۔ اور اگر تھوڑے دنوں تک ہم ان سے عذاب کو ملتوی رکھتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ اس عذاب کو کون چیز روک رہی ہے؟ یاد رکھو جس دن وہ ان پر آپڑے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا، اور جس کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں، وہ ان کو آگھیرے گا۔

ربط: اوپر ﴿یُمَتِّعْكُمْ﴾ میں ایمان لانے پر ثواب کا وعدہ اور ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ میں ایمان نہ لانے پر عذاب کی وعید اور دونوں کا اجمالی بیان ﴿لِیَبْلُوَكُمْ﴾ میں بیان ہوا تھا۔ اور یہ سب باتیں بعث یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد ہوں گی، اس لئے اب بعث سے متعلق مضمون ہے۔

بعث کی بحث:

اور اگر آپ (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد (قیامت کے دن دوبارہ) زندہ کئے جاؤ گے تو (ان میں) جو لوگ کافر ہیں، وہ (قرآن کے بارے میں جس میں بعث کی خبر ہے) کہتے ہیں کہ یہ تو محض کھلا جادو ہے (وہ جادو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ باطل ہوتا ہے، مگر پھر بھی اس کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح وہ قرآن کو نعوذ باللہ باطل سمجھتے تھے، لیکن اس کے مضامین کے اثرات کو بھی دیکھتے تھے۔ اس مجموعہ پر یہ حکم لگایا کہ اس سے بعث کا انکار کرنا مقصود تھا، نعوذ باللہ۔ آگے ان کے انکار کرنے کے منشا کا جواب ارشاد ہے) اور اگر ہم ان سے تھوڑے دنوں تک (دنیاوی زندگی مراد ہے) عذاب کو (جس کا وعدہ کیا گیا ہے) ملتوی رکھتے ہیں (کیونکہ اس کو ملتوی رکھنے میں کچھ حکمتیں ہوتی ہیں) تو وہ (انکار اور استہزاء کے طور پر) کہنے لگتے ہیں کہ (جب تمہارے نزدیک ہم عذاب کے مستحق ہیں تو) اس عذاب کو کونسی چیز روک رہی ہے؟ (یعنی اگر عذاب کوئی چیز ہوتی یا وہ ہمارے اوپر واقع ہونے والا ہوتا تو اب تک ہو چکا ہوتا، جب آج تک واقع نہیں ہوا تو

معلوم ہوا کہ جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو، وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ) یاد رکھو، جس دن وہ (مقررہ وقت پر ان پر آپڑے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا، اور جس (عذاب) کے ساتھ یہ استہزاء کر رہے ہیں، وہ ان کو آگھیرے گا (مطلب یہ کہ ان کے عذاب کے مستحق ہونے کے باوجود یہ تاخیر اس لئے ہے کہ بعض حکمتوں کی وجہ سے اس کا وقت معین ہے، پھر اس وقت ساری کسر نکل جائے گی)

﴿ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۚ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ نا امید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھادیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا۔ وہ اترانے لگتا ہے، شیخی بگھارنے لگتا ہے۔ مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، وہ ایسے نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

ربط: اوپر عذاب کی تاخیر کی وجہ سے خود عذاب اور عذاب کے وقت یعنی مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے وقت سے متعلق ان کے انکار کا ذکر تھا۔ اب اس کی تائید کے لئے انسانوں میں اکثر پائے جانے والے خاصہ کا ذکر ہے۔

رنج اور خوشی کے سلسلہ میں انسان کے بعض خواص کا ذکر:

اور اگر ہم انسان کو اپنی مہربانی کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں تو وہ نا امید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو کسی تکلیف کے بعد جو کہ اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھادیں تو (ایسا اتراتا ہے کہ) کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد دور ہو گیا (اب کبھی نہ ہوگا۔ لہٰذا) وہ اترانے لگتا ہے، شیخی بگھارنے لگتا ہے، مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (اس سے مؤمن مراد ہیں کہ ان میں یہ خصلت کچھ کم زیادہ ہوتی ہیں تو) وہ ایسے نہیں ہوتے (بلکہ نعمت کے زوال کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور نعمت عطا کئے جانے کے وقت شکر و اطاعت کرتے ہیں، جو اعمالِ صالحہ کا نتیجہ ہوتا ہے، لہٰذا) ایسے لوگوں کے لئے بڑی مغفرت اور بڑا اجر ہے (خلاصہ یہ کہ مؤمنوں کے سوا اکثر آدمی ایسے ہی ہیں کہ ذرا سی بے فکری کی صورت میں بالکل نڈر ہو جاتے ہیں اور ذرا سی پریشانی میں نا امید ہو جاتے ہیں، اس لئے یہ لوگ عذاب آنے میں تاخیر کی وجہ سے بے خوف ہو گئے اور اس کا سرے سے ہی انکار کرنے لگے۔

فائدہ: اور جب دنیا میں پیش آنے والے نقصان کے دور ہو جانے کے بعد اس نقصان کے دوبارہ واقع ہونے کا احتمال بھول جاتے ہیں تو قیامت کا نقصان تو ابھی واقع بھی نہیں ہوا تو اس کے انکار میں کیا تعجب ہے۔ اسی طرح انہیں ملی

ہوئی نعمت کے زائل ہوجانے کے بعد اس کے دوبارہ ملنے کا احتمال نہیں رہتا، جس کی وجہ سے ان پر مایوسی طاری ہوجاتی ہے۔ اور اس مقام کا مقصود بظاہر صرف ﴿ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ ﴾ الخ سے حاصل ہے، لیکن غالباً اس کی منشا کی تاکید کے لئے دوسرا جملہ ﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ ﴾ الخ لایا گیا ہے کہ وہ دونوں منشا میں مشترک ہے، یعنی اس وقت ملنے والی نعمت کے زائل ہونے کا یقین اور بعد میں ملنے والی جزا یا سزا کا احتمال ہونا۔ واللہ اعلم۔ اور اس آیت سے متعلق کچھ ضروری مضمون سورۂ یونس آیت ۲ میں لکھا جاچکا ہے۔

﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۞ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: سو شاید آپ ان احکام میں سے جو کہ آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجے جاتے ہیں بعض کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں اور آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا، ان کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ اور پورا اختیار رکھنے والا ہر شے پر اللہ ہی ہے۔ کیا یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو خود بنالیا ہے۔ آپ فرمادیجئے کہ تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنائی ہوئی لے آؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلاسکو بلالو، اگر تم سچے ہو۔ پھر یہ کفار تم لوگوں کا کہنا نہ کرسکیں تو تم یقین کرلو کہ یہ قرآن اللہ ہی کے علم سے اترا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟

ربط: سورت کے شروع میں رسالت اور توحید کا بیان تھا۔ اب بھی رسالت سے متعلق اس ترتیب سے بحث ہے کہ پہلے ان کے مذکورہ استہزا کی وجہ سے آپ کو تنگ دل یعنی پریشان ہونے پر تسلی، پھر رسالت کے طور پر آنے والے پیغام یعنی قرآن پر ان کے لوگوں کے شبہ کا جواب پھر قرآن کی حقیقت کی وضاحت اور رسالت کی اس بحث کے ساتھ توحید کا بیان ہے جو کہ رسالت کے اعظم یعنی بڑے مقاصد میں سے ہے۔

رسالت کی بحث اور توحید کا بیان:

(یہ لوگ جو انکار و استہزا سے پیش آتے ہیں) تو شاید آپ (تنگ ہوکر) ان احکام میں سے جو کہ آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجے جاتے ہیں، بعض (یعنی تبلیغ) کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں (مطلب یہ کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ تبلیغ ترک کردیں، تو ظاہر ہے کہ ایسا ارادہ تو آپ نہیں کرسکتے، پھر تنگ ہونے سے کیا فائدہ ہے؟) اور آپ کا دل اس بات سے تنگ (پریشان) ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں (اگر یہ نبی ہیں تو) ان پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا؟ یا ان کے ہمراہ کوئی فرشتہ (جو ہم سے بھی بات

چیت کرتا) کیوں نہیں آیا؟ (یعنی ایسی خلاف عادت عجیب وغریب باتیں کیوں نہیں کی گئیں، توان باتوں سے آپ پریشان نہ ہوں، کیونکہ) آپ تو (ان کافروں کے اعتبار سے) صرف ڈرانے والے ہیں (یعنی پیغمبر ہیں، جس کے لئے مطلق معجزہ کی یعنی عادت ومعمول کے خلاف بات یا چیز کی ضرورت ہے نہ کہ کسی خاص طے شدہ ومتعین معجزہ کی) اور ہر شے پر پورا اختیار رکھنے والا (تو) اللہ ہی ہے (آپ نہیں ہیں، جب یہ بات ظاہر اور طے ہے تو ان معجزوں یعنی خلاف عادت ومعمول کے خلاف باتوں کا ظاہر کرنا آپ کے اختیار سے باہر ہے، پھر اس کی فکر اور اس فکر سے تنگی وپریشانی کیوں ہو، اور چونکہ پیغمبر کے لئے مطلق معجزہ کی ضرورت ہے اور آپ کا بڑا معجزہ قرآن موجود ہے تو اس کو نہ ماننے کی کیا وجہ ہے؟) کیا (اس کے بارے میں) یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ نے اس کو (اپنی طرف سے) خود بنالیا ہے۔ آپ جواب میں فرمادیجئے کہ اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے) تو (اچھا) تم بھی اس جیسی دس سورتیں (جو تمہاری) بنائی ہوئی (ہوں) لے آؤ اور (اپنی مدد کے لئے) اللہ کے سوا جن جن کو بلاسکو، بلالو۔ اگر تم سچے ہو، پھر اگر یہ کافر تم لوگوں (یعنی رسول اللہ ﷺ اور مؤمنوں) کا (یہ) کہنا کہ (اس جیسی سورتیں بنالاؤ کو پورا) نہ کرسکیں تو تم (ان سے کہہ دو کہ اب تو) یقین کرلو کہ یہ قرآن اللہ ہی کے علم (اور قدرت) سے اترا ہے (اس میں نہ کسی اور کے علم کا دخل ہے اور نہ قدرت کا) اور یہ (بھی یقین کرلو) کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں (کیونکہ معبود تو اللہ والی مخصوص صفات میں کامل ہوتا ہے، پھر اگر کوئی اور ہوتا تو اس کو قدرت بھی پوری ہوتی اور اس وقت سے وہ تم لوگوں کی مدد کرتا کہ تم اس جیسا لے آتے، کیونکہ دین کی تحقیق کے موقع کا یہ تقاضا ہے، لہٰذا اس جیسی لانے سے مجبور ہونے سے رسالت اور توحید دونوں ثابت ہوگئیں۔ اور جب دونوں باتیں ثابت ہوگئیں تو) پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو! (یا نہیں)

فائدہ: سورۂ یونس اور سورۂ بقرہ میں کہا گیا ہے کہ ﴿بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ یعنی اس جیسی ایک سورت لے آؤ، تو یہ امر طے ہے کہ سورۂ بقرہ مدنی ہے، لہٰذا مکہ میں فرمایا اس جیسی دس سورتیں لے آؤ، اور جب اس سے عاجز ہوگئے تو مدینہ میں فرمایا: اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔ اس طرح ایک سورت لانے کا چیلنج کیا گیا۔ دوسری طرف اگر سورۂ یونس مدنی ہے جیسا کہ تفسیر اتقان میں ایک قول نقل کیا گیا ہے تو اس کی بھی یہی توجیہ ہوگی۔ اور اگر سورۂ یونس مکی ہے اور سورۂ ہود سے پہلے نازل ہوئی ہے جیسا کہ اتقان میں ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے تو میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ اپنے آپ میں معجزہ ہونے کی حیثیت سے تو ایک سورت لانے کا چیلنج کیا گیا، اور ان کے اس دعوی کے اعتبار سے ﴿لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا﴾ یعنی ''اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی کہہ سکتے ہیں'' اس کے اعتبار سے دس سورتیں لانے کا چیلنج کیا گیا۔ واللہ اعلم

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝١٦﴾

ترجمہ: جو شخص محض حیاتِ دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں، اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں اور انھوں نے جو کچھ کیا تھا، وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں، وہ بے اثر ہے۔

ربط: اوپر بعض آیتوں میں توحید، رسالت، قرآن اور بعث کا انکار کرنے والے ان لوگوں کو عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس پر وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم تو بڑے بڑے نیک کام کرتے ہیں، جیسے مہمانداری، غریب پروری اور صلہ رحمی وغیرہ تو اگر قیامت کوئی چیز ہے تو ہمیں تو ثواب ملے گا، نہ کہ عذاب۔ جیسا کہ اس قول میں بھی ہے ﴿ وَّلَىِٕنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَـلۡحُسۡنٰى ﴾ یعنی ”اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لئے اس کے پاس بڑی نیکیاں ہوں گی“ اس لئے اب ان کے اس باطل زعم کو رد فرماتے ہیں۔

کفار کا اپنے اعمال پر ثواب کے مستحق ہونے کے زعم کا باطل ہونا:

جو شخص (اپنے نیک اعمال سے) محض دنیاوی زندگی (کا نفع) چاہتے ہیں (جیسے شہرت، نیک نامی، عزت و مرتبہ، اور اس کی نیت آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی نہ ہو) تو ہم ان لوگوں کے (ان) اعمال (کی جزا) انہیں دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں، اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی (یعنی ان کے اعمال کے عوض انہیں دنیا ہی میں نیک نامی، صحت و تندرستی، عیش و عشرت کا سامان اور کثرت سے مال و دولت اور اولاد عنایت کر دئے جاتے ہیں جبکہ ان کے اعمال کا اثر ان کی ضدوں پر غالب ہو اور اگر ان کی ضد والے اعمال غالب ہوں تو پھر یہ اثر نہیں ہوتا اور یہ تو دنیا میں ہوا۔ رہا آخرت کا معاملہ تو) یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں جہنم کے سوا اور کچھ (ثواب وغیرہ) نہیں۔ اور انھوں نے جو کچھ کیا تھا، وہ آخرت میں سارا بے کار (ثابت) ہوگا، اور (واقع میں تو وہ) جو کچھ کر رہے ہیں (نیت کے فساد کی وجہ سے اب بھی) بے اثر ہے (مگر ظاہری صورت کے اعتبار سے فائدہ مند سمجھا جاتا ہے، آخرت میں حقیقت سامنے آجائے گی اور ان کا خیال باطل ثابت ہو جائے گا)

فائدہ: اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ کفار کی نیت دنیاوی فائدہ کے سوا کچھ نہیں ہوتی، البتہ اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے جن کی نیت دنیا کے سوا کچھ نہ ہو۔ جیسا کہ بعض اوقات بعض مسلمانوں کی نیت بھی صرف دنیا ہی کے لئے ہوتی ہے، اس وجہ سے بعض مفسرین نے آیت کو عام کہا ہے، مگر بہتر یہی ہے کہ اس کو کفار کے ساتھ خاص کیا جائے، جیسا کہ قرینہ ہے: ﴿ لَيۡسَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ﴾ یعنی ان کے لئے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس میں یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ ان کے لئے ان اعمال کے بدلہ جہنم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ تاویل بہت دور کی ہوگی۔ اور معافی کا احتمال بھی موجود ہے، اور مؤمنوں میں جو ریاکار ہیں ان کے لئے دوسری حدیثیں آئی ہیں۔ اس

طرح جن کافروں کی نیت آخرت میں ثواب حاصل کرنے کی ہوتی ہے، ان کا حکم دوسرے مقام سے ظاہر ہوتا ہے۔ جن میں اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان کا شرط ہونا ثابت ہے۔

اور آیت میں ظاہری طور پر دو حکم بیان کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ دنیا میں ضرور جزا مل جاتی ہے، اور دوسرا یہ کہ آخرت میں کچھ نفع نہیں ہوگا۔ پہلے حکم پر اس اشکال کا وہم ہوتا ہے کہ بعض اوقات دنیا میں بھی کچھ نہیں ملتا۔ اور دوسرے حکم پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض روایتوں سے آخرت میں عذاب میں تخفیف سمجھ میں آتی ہے جیسا کہ ابوطالب کے سلسلہ میں آیا ہے۔

پہلے اشکال کا جواب ترجمہ کے بیان سے معلوم ہوگیا کہ نیک اور بد اعمال کی خصوصیت کے آثار مختلف ہوتے ہیں۔ دونوں کے مجموعہ کے اعتبار سے جو غالب ہوگا اسی کا اثر سامنے آئے گا۔ اور یہ خصوصیات ہمارے ذہنوں میں کسی ضابطہ کی شکل میں نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ مخصوص ہیں۔

دوسرے شبہ کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ تخفیف ابتدا ہی سے ہوگی، یعنی بعض کو شروع ہی سے ہلکا عذاب دیا جائے گا، لیکن جس درجہ کا عذاب شروع ہو جائے گا، پھر اس میں کمی نہیں ہوگی، بلکہ ﴿ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ﴾ سے بظاہر اضافہ معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ زیادتی کے ساتھ ہلکا، غیر ہلکے کے اعتبار سے ہلکا ہی رہے گا، اور اس اعتبار سے ابوطالب کا عذاب سب سے ہلکا رہے گا۔ واللہ اعلم

﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ؀ ﴾

ترجمہ: کیا منکرِ قرآن ایسے شخص کی برابری کرسکتا ہے جو قرآن پر قائم ہو، جو کہ اس کے رب کی طرف سے آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک گواہ تو اسی میں موجود ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو کہ امام ہے اور رحمت ہے۔ ایسے لوگ اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کا انکار کرے گا تو دوزخ اس کے وعدہ کی جگہ ہے، سو تم قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑنا، بلاشک وشبہ وہ سچی کتاب ہے، تمہارے رب کے پاس سے، لیکن بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے۔

ربط: اوپر کافروں کے قرآن کو جھٹلانے کا بیان ہوا تھا۔ اب مؤمنوں کے اس کی تصدیق کرنے سے مع استدلال کے اس کے حق ہونے کا ذکر ہے، اور مؤمنوں کے مقابلہ میں کافروں کی وعید کا بھی ذکر فرمادیا گیا ہے۔

دلیل سے ثابت قرآن کا مؤمنوں کی تصدیق کرنا اور جھٹلانے والوں کے لئے وعید:

کیا قرآن کا انکار کرنے والا ایسے شخص کی برابری کرسکتا ہے، جو قرآن پر قائم ہو جو کہ اس کے رب کی طرف سے آیا

ہے، اور (قرآن) کے ساتھ ایک گواہ تو اس میں موجود ہے (یعنی اس کا معجزہ ہونا جو کہ عقلی دلیل ہے) اور (ایک) اس سے پہلے (یعنی) موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب (یعنی توریت، اس کی شہادت کے لئے اہل کتاب کے پاس موجود) ہے جو کہ (احکام بتانے کے اعتبار سے) امام ہے اور (ان احکام پر جو ثمرہ وثواب ملے گا، اس کے اعتبار سے وہ کتاب) رحمت (کا سبب) ہے (اور یہ دلیل نقلی ہے۔ غرض قرآن کی سچائی اور صحت کے لئے دونوں دلیلیں موجود ہیں، لہٰذا انہی دلیلوں کی وجہ سے) ایسے لوگ (جن کا ذکر ہوا ہے، وہ صاحب بینہ یعنی دلیل والے ہیں) اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، اور (کافروں کا حال یہ ہے کہ) جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کا انکار کرے گا تو دوزخ اس کے وعدہ کی جگہ ہے (پھر قرآن کا انکار کرنے والا اس کی تصدیق کرنے والے کے برابر کب ہوا؟) تو (اے مخاطب!) تم قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑنا، بلاشک وشبہ وہ تمہارے رب کی طرف سے (فرمائی ہوئی) سچی کتاب ہے، لیکن (ان دلیلوں کے باوجود کیسے غضب کی بات ہے کہ) بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ ع

ترجمہ: اور ایسے شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، ایسے لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاویں گے اور گواہ فرشتے کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں، سب سن لو کہ ایسے ظالموں پر خدا کی لعنت ہے جو کہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی نکالنے کی تلاش میں رہا کرتے تھے، اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے۔ یہ لوگ زمین پر خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے تھے اور نہ ان کا خدا کے سوا کوئی مددگار ہوا، ایسوں کو دونی سزا ہوگی، یہ لوگ سن نہ سکتے تھے اور نہ دیکھتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے اور جو معبود انھوں نے تراش رکھے تھے، ان سے سب غائب ہوگئے۔ لازمی بات ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہونگے۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے اچھے کام کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے ایسے لوگ اہل

جنت ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ دونوں فریق کی حالت ایسی ہے جیسے ایک شخص ہو اندھا بھی اور بہرا بھی اور ایک شخص ہو کہ دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو، کیا یہ دونوں حالت میں برابر ہیں؟ کیا تم سمجھتے نہیں؟

ربط: اوپر کی آیت میں تصدیق کرنے والوں اور انکار کرنے والوں کی حالت برابر نہ ہونے کا بیان ہے۔ اب دونوں کا جزاء میں برابر نہ ہونا مع ایک مثال کے بیان فرماتے ہیں۔

جھٹلانے والوں اور تصدیق کرنے والوں کے انجام کی تفصیل:

(اور ایسے شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے (کہ اس کی توحید، اس کے رسول کی رسالت اور اس کے کلام کا انکار کرے؟) ایسے لوگ (قیامت کے دن) اپنے رب کے سامنے (بہتان لگانے والے کی حیثیت سے) پیش کئے جائیں گے، اور (اعمال کے) گواہ فرشتے (اعلانیہ طور پر) یوں کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھوٹی باتیں لگائی تھیں، سب سن لو کہ ایسے ظالموں پر اللہ کی (زیادہ) لعنت ہے جو کہ (اپنے کفر اور ظلم کے ساتھ) دوسروں کو بھی اللہ کی راہ (یعنی دین) سے روکتے تھے اور اس (دین کے راستہ) میں کمی (اور شبہات) نکالنے کی کوشش میں رہتے تھے (تاکہ دوسروں کو گمراہ کریں) اور وہ آخرت کا بھی انکار کرتے تھے (یہ فرشتوں کے اعلان کا مضمون تھا۔

آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) یہ لوگ زمین (کے تختہ پر بھی) اللہ تعالیٰ کو عاجز (ومجبور) نہیں کر سکتے تھے (کہ کہیں جا چھپتے اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ نہ آتے) اور نہ ان کا اللہ کے سوا کوئی مددگار رہا (کہ گرفتاری کے بعد چھڑا لیتا) ایسے لوگوں کو (دوسروں سے) دوگنی سزا ہوگی (ایک اپنے کافر ہونے کی، دوسرے اوروں کو کافر بنانے کی کوشش کرنے کی) یہ لوگ (نفرت کے مارے اللہ کے احکام کو سن نہ سکتے تھے، اور نہ (ہی انتہائی عناد کی وجہ سے راہِ حق کو) دیکھتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے۔ اور انھوں نے جو معبود تراش رکھے تھے (ان) سے سب غائب (اور گم) ہو گئے (کوئی بھی تو کام نہ آیا، لہٰذا) لازمی بات ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہوں گے (یہ تو کافروں کا انجام ہوگا۔

آگے مسلمانوں کے انجام کا ذکر ہے کہ) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے اچھے کام کئے اور (دل سے) اپنے رب کی طرف جھکے (یعنی دل میں اتباع واطاعت اور خشوع پیدا کیا) ایسے لوگ اہل جنت ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے (یہ دونوں فریقوں کے انجام کا فرق بیان کر دیا گیا۔

آگے موجودہ فرق کی مثال ہے، جس پر آئندہ کے فرق کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا ارشاد ہے کہ) دونوں (مذکورہ) فریقوں (یعنی مؤمن اور کافر) کی حالت ایسی ہے جیسے ایک شخص اندھا بھی ہو اور بہرا بھی (جو نہ عبارت کو سنے اور نہ اشارہ کو دیکھے تو اس کے سمجھنے کی عادت کے طور پر کوئی صورت ہی نہیں) اور ایک شخص ہو کہ دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو (اس کے لئے سمجھنا نہایت آسان ہے) کیا یہ دونوں شخص حالت میں برابر ہیں؟ (ہرگز نہیں، یہی حالت کافر اور مسلمانوں کی ہے، کہ

وہ ہدایت سے بہت دور ہے، اور اس کی صفت ہدایت ہے) کیا تم (اس فرق کو) سمجھتے نہیں! (یعنی اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں، معاملہ بہت ہی واضح ہے)

فائدہ: ﴿ يُضٰعَفُ ﴾ کے ترجمہ میں جو ”دوسروں سے“ کی قید لگادی گئی اس سے یہ شبہ دور ہوگیا کہ قرآن میں یہ آیا ہے ﴿ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ﴾ یعنی جو بدی کے ساتھ آئے گا، اس کو اس کی بدی کے برابر ہی بدلہ ملے گا“ شبہ دور ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ برابری تو عمل کے ساتھ ہے، اور اضافہ دوسروں کے اعتبار سے ہے۔ عمل زیادہ ہونے کی وجہ سے اور اگر لفظ ﴿ يَصُدُّوْنَ ﴾ کو صدود سے اعراض کے معنی میں لیا جائے جس میں دوسروں کو گمراہ کرنا ماخوذ اور معتبر نہیں تو مضاعف یعنی دوگنا ہونا عمل کی گنتی زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ صدود کے عمل کی شدت کی وجہ سے ہے کہ اس شدت کا تقاضا عذاب کا زیادہ ہونا ہے، اس اعتبار سے برابری محفوظ ہے۔ خوب سمجھ لو۔ اور ﴿ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا ﴾ میں تمام عقائد، اعمال اور نفسانی کیفیات کی طرف اشارہ ہوگیا۔

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِىْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِىْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو، میں تم کو صاف صاف ڈراتا ہوں، میں تمہارے حق میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں۔ سو ان کی قوم میں جو کافر سردار تھے کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا آدمی سمجھتے ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارا اتباع انہی لوگوں

نے کیا ہے جو ہم میں بالکل رذیل ہیں، وہ بھی محض سرسری رائے سے، اور ہم تم لوگوں میں کوئی بات اپنے سے زیادہ بھی نہیں پاتے بلکہ ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ نوحؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم! بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم کو نہ سوجھتی ہو تو کیا ہم اس کو تمہارے گلے مڑھ دیں، اور تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ۔ اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر کچھ مال تو نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے، اور میں تو ان ایمان والوں کو نکالتا نہیں، یہ لوگ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں، لیکن واقعی میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کررہے ہو۔ اور اگر میں ان کو نکال بھی دوں تو مجھ کو خدا کی گرفت سے کون بچالے گا، کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں اور نہ تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں میں ان کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو ثواب نہ دے گا، ان کے دل میں جو کچھ ہو اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے تو اس صورت میں ستم ہی کردوں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے نوحؑ! تم ہم سے بحث کرچکے، پھر اس بحث کو بڑھا بھی چکے تو جس چیز سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو وہ ہمارے سامنے لے آؤ۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کو تو اللہ تعالیٰ بشرطیکہ اس کو منظور ہو تمہارے سامنے لادے گا۔ اور تم اس کو عاجز نہ کرسکو گے۔ اور میری خیرخواہی تمہارے کام نہیں آسکتی، گو میں تمہاری کیسی ہی خیرخواہی کرنا چاہوں جب کہ اللہ ہی کو تمہارا گمراہ کرنا منظور ہو، وہی تمہارا مالک ہے اور اسی کے پاس تم کو جانا ہے۔

ربط: یہاں تک جو مضامین توحید، رسالت، وعید کا واقع ہونا مؤمنوں کی فلاح اور کافروں کا خسارہ وغیرہ بیان ہوئے ہیں ان سب کی وضاحت اور تائید کے لئے اب چند قصے بیان کئے جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ قصہ:

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر (یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو (اور جو بت تم نے معبود قرار دے رکھے ہیں، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر ان سب کو چھوڑ دو، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے جا کر ان سے فرمایا کہ) میں تمہیں (اللہ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کی صورت میں) صاف صاف ڈراتا ہوں (اور اس ڈرنے کی تفصیل یہ ہے کہ) مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، تو ان کی قوم میں جو کافر سردار تھے، وہ (جواب میں) کہنے لگے کہ (تم جو نبوت کا دعوی کرتے ہو جیسا کہ ﴿ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴾ سے ظاہر ہے تو تمہاری یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، کیونکہ) ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں (اور آدمی کا نبی ہونا ہماری سمجھ سے باہر ہے) اور اگر (بعض لوگوں کے اتباع کرنے کو دلیل قرار دیا جائے تو وہ استدلال کے لائق نہیں، کیونکہ) ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارا (اتباع) انہی لوگوں نے کیا ہے جو ہم میں بالکل کم تر ہیں (جن کی عقل اکثر بہت معمولی ہوتی ہے، پھر) وہ (اتباع) بھی محض سرسری رائے سے (ہوا ہے یعنی پہلی بات تو یہ کہ ان کی عقل ہی

درست نہیں کہ وہ غور وفکر کے بعد بھی غلطی کرتے ہیں۔ دوسرے انھوں نے غور بھی نہیں کیا، اس لئے ایسے لوگوں کا تمہیں نبی سمجھ لینا کوئی حجت نہیں۔ بلکہ الٹا ہمارے اتباع کے لئے رکاوٹ ہے، کیونکہ شریف لوگوں کو رذیل اور گھٹیا لوگوں کی مطابقت کرنے سے شرم آتی ہے، اور اکثر ایسے کم حوصلہ لوگوں کا مقصد بھی مال یا عزت حاصل کرنا ہوتا ہے تو یہ لوگ بھی دل سے ایمان نہیں لائے) اور (اگر یہ کہا جائے کہ رذیل ہونے کے باوجود ان لوگوں کو کسی خاص امر کے اعتبار سے ہم پر فضیلت ہے، جس کے اعتبار سے ان کی رائے اس بارے میں درست ہے تو) ہم تم لوگوں میں (یعنی تم میں اور مسلمانوں میں اپنے سے زیادہ بھی کوئی بات نہیں پاتے (اس لئے تم مسلمانوں کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتے بلکہ ہم تمہیں (بالکل) جھوٹا سمجھتے ہیں۔ نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میری قوم! (تم جو کہتے ہو کہ تمہاری نبوت کی بات سمجھ میں نہیں آتی تو) بھلا یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں (جس سے میری نبوت ثابت ہوتی ہو) اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہو، پھر وہ (نبوت یا اس کی حجت) تمہیں نہ سوجھتی ہو تو (میں کیا کر سکتا ہوں) کیا ہم اس (دعوی یا دلیل) کو تمہارے سر تھوپ دیں؟ اور تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ (مطلب یہ کہ تمہارا یہ کہنا کہ سمجھ میں نہیں آتی، محض اپنے خیال سے مشکل امر قرار دینا ہے۔ نبوت اور بشریت کے جمع نہ ہونے کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ میرے پاس ان کے جمع ہونے کی دلیلیں معجزے وغیرہ موجود ہیں۔ میں محض لوگوں کے اتباع کو بنیاد نہیں بنا رہا ہوں، اس سے ان کی اس بات کا بھی جواب ہو گیا کہ لوگوں کا اتباع کرنا حجت نہیں، لیکن دلیل کا نتیجہ غور وفکر پر موقوف ہے۔ اور تم غور وفکر نہیں کرتے اور یہ میرے اختیار سے باہر کی بات ہے کہ تمہیں غور وفکر پر مجبور کر دوں) اور (یہ بات بھی فرمائی کہ) اے میری قوم! (یہ تو سوچو کہ اگر میں نبوت کا غلط دعوی کرتا تو آخر اس سے میرا کوئی مقصد ومطلب تو ہوتا۔ مثلاً یہی کہ اس کے ذریعہ خوب مال کماؤں، تو تمہیں معلوم ہے کہ) میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ مال نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے، میں اسی سے آخرت میں اجر کا طالب ہوں، اسی طرح اگر غور کرو تو دوسرے اغراض کی بھی نفی پاؤ گے۔ پھر جب کوئی غرض نہیں تو پھر مجھے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ؟ خلاصہ یہ ہے کہ میرے دعوی کے جھوٹا ہونے کا کوئی تقاضہ نہیں اور دعوی کے سچے ہونے پر دلیل موجود ہے، پھر نبوت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟) اور (تم جو کہتے ہو کہ معمولی اور ادنی قسم کے لوگوں کے اتباع کرنے کی وجہ سے تم میرا اتباع نہیں کر سکتے اور وضاحت کے ساتھ یا اشاروں میں یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں انہیں اپنے پاس سے ہٹا دوں تو) میں تو ان ایمان والوں کو اپنے پاس سے نہیں ہٹاؤں گا (کیونکہ) یہ لوگ اپنے رب کے پاس (عزت اور مقبولیت کے ساتھ) جانے والے ہیں (اور بھلا کوئی شخص حاکم یا بادشاہ کے مقرب لوگوں کو اپنے آپ سے دور کیا کرتا ہے۔ اس سے اس امر کا بھی جواب ہو گیا کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے) لیکن واقعی میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ (خواہ مخواہ کی) جہالت (اور بے ڈھنگی باتیں) کر رہے ہو۔ اور فرض کرو اگر میں انہیں اپنے پاس سے دور بھی کر دوں تو (یہ بتاؤ کہ) مجھے اللہ کی گرفت سے کوئی بچائے گا (کیا تم میں اتنی ہمت ہے جو

ایسے بے ہودہ مشورے دے رہے ہو) کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور (اس تقریر میں ان کے تمام شبہات کا جواب ہو گیا، لیکن آگے پھر ان تمام جوابوں کا تتمہ ہے۔ یعنی جب میری نبوت دلیل سے ثابت ہے تو اول تو دلیل کے سامنے مشکل قرار دینے کا کوئی مطلب نہیں، پھر یہ کہ وہ مشکل بھی نہیں، البتہ اگر میں کسی عجیب وغریب چیز کا دعوی کرتا تو انکار کرنے اور مشکل قرار دینے کا کوئی مطلب بھی ہوتا، لیکن یہاں تو تم دلیل کے بعد بھی کوئی بات سن کر نہیں دے رہے ہو۔ ہاں اگر دلیل کا تقاضہ بھی اس کو مشکل قرار دیتا ہو تو پھر واجب ہے، لیکن میں تو کسی ایسے عجیب امر کا دعوی نہیں کرتا۔ چنانچہ) میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں، اور نہ ہی میں (یہ کہتا ہوں کہ میں) غیب کی تمام باتیں جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور (یہ تو اپنی نبوت سے متعلق ارشاد فرمایا۔ آگے اپنا اتباع کرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہے، یعنی) جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں ان کے بارے میں (تمہاری طرح) یہ نہیں کہہ سکتا کہ (یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے، اس لئے) اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز ثواب نہ دے گا۔ ان کے دل میں جو کچھ بھی ہو، اس کو اللہ ہی بہتر طور پر جانتا ہے۔ تو ممکن ہے کہ ان کے دلوں میں اخلاص ہو تو پھر میں ایسی بات کیسے کہہ دوں) میں تو (اگر ایسی بات کہہ دوں تو) اس صورت میں ظلم کرنے والا ہی ہوں گا (کیونکہ بغیر تحقیق کے کوئی بات کہنا گناہ کی بات ہے۔ جب نوح علیہ السلام نے ان کی سب باتوں کا پورا پورا جواب دیدیا جس کا ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو عاجز ہو کر) وہ لوگ کہنے لگے کہ اے نوح! تم ہم سے بحث کر چکے، پھر اس بحث کو بڑھا بھی چکے تو (اب بحث چھوڑ دو اور) جس چیز سے تم ہمیں دھمکایا کرتے ہو (کہ عذاب آجائے گا) وہ ہمارے سامنے لے آؤ۔ انھوں نے فرمایا کہ (عذاب لانے والا میں کون ہوتا ہوں، مجھے تو صرف بات پہنچا دینے، سنا دینے کا حکم ہے تو میں اپنا فریضہ انجام دے چکا) اس کو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے لائے گا، بشرطیکہ اسے منظور ہو، اور (اس وقت پھر) تم اس کو عاجز نہ کر سکو گے (کہ وہ عذاب واقع کرنا چاہے اور تم نہ کرنے دو) اور میرا کام جو پہنچا دینا اور سنا دینا ہے تو اس میں میں نے تمہاری خیر خواہی اور دل سوزی کی، لیکن) میری خیر خواہی تمہارے کام نہیں آسکتی، چاہے میں تمہارے ساتھ کیسی ہی بھلائی کرنا چاہوں جبکہ اللہ تعالیٰ ہی کو تمہیں گمراہ کرنا منظور ہو (جس کی وجہ تمہارا عناد اور تکبر ہے۔ مطلب یہ کہ تم ہی اپنی بدقسمتی سے اپنے لئے نفع حاصل کرنا اور نقصان سے بچنا نہ چاہو تو میرے چاہنے سے کیا ہو سکتا ہے) وہی تمہارا مالک ہے (اور تم اس کے مملوک ہو، تو تم پر اس کے تمام حقوق واجب ہیں، اور تم ان حقوق کو عناد کی بنیاد پر ضائع کر کے مجرم بن رہے ہو) اور اسی کے پاس تمہیں جانا ہے (وہ تمہارے اس سارے عناد اور کفر کی کسر نکال دے گا)

فائدہ: ﴿لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا﴾ میں مال کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ اکثر جھوٹے دعوے کرنے والوں کا مقصد مال ہی ہوتا ہے۔ اور اگر جاہ و مرتبہ بھی مطلوب ہو تو وہ بھی اکثر مال ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر جگہ یہ کھلے عام دیکھا جاتا ہے۔ اور کافروں نے مؤمنوں کو حقیر و کم تر اس لئے کہا کہ وہ اکثر غریب لوگ تھے۔ اور ان کے پیشے اور روزگار بھی

ایسے ہی تھے، جو عام طور سے حقیر سمجھے جاتے ہیں، اور کافروں نے جو ان کی رائے کو کمزور قرار دیا ان کے فضل کا انکار کیا تو چونکہ نبوت کا ثبوت اس کے جواب پر موقوف نہیں تھا، اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہوئی، اور جواب ظاہر بھی ہے، وہ یہ کہ حق کے قبول کرنے کے بارے میں خاص طور سے اس مذکورہ دعوی کا انکار اور اثبات واضح طور پر باطل ہے، اس لئے ایسے لوگ حق کو بہت جلد قبول کرتے ہیں کہ ان میں گھمنڈ کم ہوتا ہے اور مال و دولت اور جاہ و مرتبہ والوں میں غرور و تکبر زیادہ ہوتا ہے۔ وہ آسانی سے کسی کی بات ماننے کو تیار نہیں ہوتے، چاہے وہ بات کتنی ہی صحیح ہو۔ چنانچہ حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ ان میں کبر و غرور وغیرہ کی رکاوٹ بنتے ہیں، پھر اس سے بڑھ کر رائے کی درستگی اور فضیلت کیا ہوگی۔ اور یہ جو کہا گیا کہ دلیل کے بعد مشکل قرار دینا توجہ کے قابل نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض امور جو محض عقل سے سمجھ میں نہیں آتے وہ مشکل معلوم ہوتے ہیں، لیکن امکان کے ساتھ جب خبر دینے والے کی سچائی شامل ہو جائے تو ترجیح واقع ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر عقلی یا شرعی دلیل اس کے ممنوع ہونے کا تقاضہ کرتی ہے تو ایسی صورت میں اس کو سمجھ کے قابل نہ ہونا قرار دینا مانا جاتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ممانعت کا قائل ہونا واجب ہو جاتا ہے اور نوح علیہ السلام نے پہلے ﴿ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ میں ان کے اخلاص کا اثبات فرمایا ہے۔ پھر ﴿ لَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ ﴾ الخ میں اخلاص نہ ہونے کے ثابت نہ ہونے پر اکتفا فرمانا دعوت میں نرمی کی غرض سے ہے۔ یعنی اگر تم ان کے اخلاص کا عقیدہ نہیں رکھتے تو بغیر دلیل کے ان کے اخلاص نہ ہونے کے بھی قائل نہ بنو۔ خوب سمجھ لو۔

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۟ ﴾

ترجمہ: کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ نے یہ قرآن تراش لیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر میں نے تراشا ہوگا تو میرا یہ جرم مجھ پر ہوگا اور میں تمہارے اس جرم سے بری الذمہ رہوں گا۔

ربط: اوپر نوح علیہ السلام کی اپنی قوم سے بحث کا ذکر ہوا ہے، چونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قریش کے کفار بھی حجت بازی کیا کرتے تھے، اس لئے مذکورہ قصہ کے درمیان میں اس سے متعلق ایک آیت بیان فرما دی۔

مکہ کے کافروں کی حجت بازی کا جواب:

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ قرآن (محمد ﷺ) نے گھڑ لیا ہے (تو جواب میں) آپ فرما دیجئے کہ اگر (فرض کرو) میں نے گھڑا ہوگا تو میرا یہ جرم مجھ پر (عائد) ہوگا (اور تم میرے جرم سے بری الذمہ ہو گے) اور اگر تم نے یہ دعوی گھڑا ہوگا تو تمہارا یہ جرم تم پر عائد ہوگا، اور) میں تمہارے اس جرم کی ذمہ داری سے بری ہوں گا۔

فائدہ: یہ آخری درجہ کا جواب ہے اور اصل جواب وہ ہے کہ اس الزام کا ہونا ثابت کر دیا جائے، جیسا کہ اس سورت کی آیت ۱۳ ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ﴾ الخ میں جواب دیا ہے، لیکن جو شخص نہ دلیل کو غلط ثابت کر سکے اور

نہ ہی اسے تسلیم کرے تو اس سے آخر میں یہی کہا جاتا ہے کہ ٹھیک ہے جیسا میں نے کیا ہے میں بھگتوں گا اور جیسا تم کر رہے ہو تم بھگتو گے۔

﴿وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۚ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰی نُوْحُ ١بْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی کہ سوا ان کے جو ایمان لا چکے ہیں اور کوئی شخص تمہاری قوم میں سے ایمان نہ لاوے گا سو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو اور تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرلو، اور مجھ سے کافروں کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا، وہ سب غرق کئے جاویں گے۔ اور وہ کشتی تیار کرنے لگے اور جب کبھی ان کی قوم میں سے کسی رئیس گروہ کا ان پر گذر ہوتا تو ان سے ہنسی کرتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا کہ تم ہم پر ہنستے ہو، سو ابھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کردے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ حکم آپہنچا اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہوا، ہم نے فرمایا کہ ہر قسم میں سے ایک ایک نر اور ایک مادہ یعنی دو عدد اس میں چڑھا لو اور اپنے گھر والوں کو بھی باستثناء اس کے جس پر حکم نافذ ہو چکا ہے، اور دوسرے ایمان والوں کو بھی اور بجز قلیل آدمیوں کے ان کے ساتھ کوئی ایمان نہ لایا تھا۔ اور نوحؑ نے فرمایا کہ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے، بالیقین میرا رب غفور ہے رحیم ہے۔ اور وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی۔ اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ علاحدہ مقام پر تھا کہ اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا، اور کافروں کے ساتھ مت ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھ کو پانی سے بچا لے گا۔ نوحؑ نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں، لیکن جس پر وہی رحم کرے اور دونوں کے بیچ میں

ایک موج حائل ہوگئی پس وہ غرق ہوگیا۔

ربط: اب پھر مذکورہ بالا قصہ کا تتمہ ہے۔

نوح علیہ السلام کے طوفان سے متعلق قصہ کا تتمہ:

اور (جب نصیحت کرتے ہوئے ایک لمبا زمانہ گذر گیا اور کچھ اثر نہ ہوا تو) نوح (علیہ السلام) کے پاس وحی بھیجی گئی کہ ان لوگوں کے سوا جو (اس وقت) ایمان لا چکے ہیں تمہاری قوم میں سے کوئی اور (نیا) شخص ایمان نہ لائے گا تو جو کچھ یہ لوگ (کفر، ایذا اور استہزا کر رہے ہیں) اس پر کچھ غم نہ کرو (کیونکہ غم تو کسی توقع کے خلاف امر سے ہوتا ہے، جب ان سے مخالفت کے سوا کوئی توقع ہی نہیں یعنی ہر وقت مخالفت ہی کا یقین ہے تو پھر غم کیوں کیا جائے؟) اور چونکہ اب ہمارا ارادہ انہیں غرق کرنے کا ہے اور اس لئے طوفان آنے والا ہے۔ تو) تم (اس طوفان سے بچنے کے لئے) ہماری نگرانی اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کرلو (کہ اس کے ذریعہ سے آپ اور مؤمن طوفان سے محفوظ رہیں گے) اور (یہ سن لو کہ) مجھ سے کافروں (کی نجات) کے بارے میں کچھ گفتگو نہ کرنا (کیونکہ) وہ بس غرق کئے جائیں گے (ان کے لئے یہ قطعی طور پر تجویز ہو چکا ہے، تو ان کی سفارش بے کار ہوگی۔ غرض نوح علیہ السلام نے کشتی کا سامان جمع کیا) اور وہ کشتی تیار کرنے میں لگے (چاہے خود یا دوسرے کاریگروں کے ذریعہ سے) اور (تیاری کے دوران) جب کبھی ان کی قوم میں سے کسی رئیس گروہ کا ان پر گذر ہوتا تو (ان کو کشتی بناتا دیکھ کر اور یہ سن کر کہ طوفان آنے والا ہے) ان کا مذاق اڑاتے (کہ دیکھو پانی کا کہیں کوئی نام ونشان نہیں اور یہ مفت میں مصیبت جھیل رہے ہیں) آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے تو ہم تمہارا مذاق اڑاتے ہیں جیسے تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو (کہ عذاب نزدیک آپہنچا ہے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور ہمارا مذاق اڑاتے ہو) تو ابھی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون ہے جس پر (دنیا میں) ایسا عذاب آنے والا ہے جو اس کو رسوا کردے گا اور (مرنے کے بعد) اس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب نازل ہوگا (غرض اس طرح آپس میں گفتگو اور معاملات ہوتے رہے) یہاں تک کہ جب ہمارا (عذاب کا) حکم (قریب) آگیا اور زمین سے پانی ابلنا شروع ہوا (یہ طوفان شروع ہو جانے کی علامت تھی اور اوپر سے برسنا شروع ہوا، اس وقت ہم نے (نوح علیہ السلام سے) فرمایا کہ ہر قسم (کے جانوروں) میں سے (جو کہ انسانوں کے لئے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے) ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو عدد اس (کشتی) میں چڑھالو۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی (چڑھالو) سوائے اس کے جس کے بارے میں (غرق ہونے کا) حکم صادر ہو چکا ہے (یعنی ان میں سے جو کافر ہیں جن کے بارے میں ﴿إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ﴾ کہہ دیا گیا ہے، اس کو سوار مت کرو) اور (گھر والوں کے علاوہ) دوسرے ایمان والوں کو بھی (سوار کرلو) اور تھوڑے سے آدمیوں کے سوا ان پر کوئی ایمان نہیں لایا تھا (لہٰذا انہی کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم ہوگیا) اور نوح (علیہ السلام) نے (سارے جانوروں کو سوار کر کے اپنے پیروکاروں سے) فرمایا کہ (آؤ) اس کشتی میں سوار ہو جاؤ (اور غرق ہونے کا کوئی اندیشہ مت کرنا، کیونکہ) اس کا چلنا اور

اس کا ٹھہرنا (سب) اللہ ہی کے نام سے ہے (اور وہی اس کے محافظ ہیں، پھر اندیشہ کیوں کیا جائے؟ اور اگر چہ بندوں کے گناہ ان کے غرق ہونے کا تقاضہ کرتے ہیں، مگر) یقینی طور پر میرا رب غفور ہے، رحیم ہے (وہ اپنی رحمت سے گناہ بھی بخش دیتا ہے اور حفاظت بھی فرماتا ہے۔ غرض سب کشتی میں سوار ہو گئے، اور اس دوران میں پانی بڑھ گیا) اور وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں پر چلنے لگی، اور نوح (علیہ السلام) نے اپنے ایک سگے یا سوتیلے) بیٹے کو (جس کا نام کنعان تھا اور وہ فہمائش کے باوجود ایمان نہ لایا تھا، اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے کشتی میں سوار نہیں کیا گیا تھا، اور اس وقت کشتی کنارے کے قریب ہی تھی اور وہ کنارہ پر موجود تھا، آخری دعوت کے طور پر) پکارا اور وہ (کشتی سے) علاحدہ مقام پر تھا، کہ اے میرے پیارے بیٹے! (کشتی میں سوار ہونے کی شرط پوری کر کے یعنی ایمان لا کر جلدی سے) ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور (عقیدہ میں) کافروں کے ساتھ مت ہو (یعنی کفر کو چھوڑ دے تاکہ غرق ہونے سے بھی بچ جائے) وہ کہنے لگا کہ میں ابھی کسی کی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا، جو مجھے پانی (میں غرق ہونے) سے بچا لے گا (کیونکہ وہ وقت طوفان کی ابتدا کا تھا، پانی پہاڑوں کے اوپر نہیں پہنچا تھا) نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں (نہ پہاڑ اور نہ ہی کوئی اور چیز) سوائے اس کے جس پر خود وہی رحم کرے (تو اس کو خود ہی بچا لے۔ غرض کنعان اس وقت بھی ایمان نہ لایا اور پانی زور و شور کے ساتھ اس طرف سے بڑھ گیا) اور دونوں (باپ بیٹے) کے درمیان میں ایک موج حائل ہو گئی، لہٰذا وہ (بھی دوسرے کافروں کی طرح) غرق ہو گیا۔

فائدہ: باوجودیکہ بعض اہل علم اس طوفان کے ساری دنیا میں عام نہ ہونے کے قائل رہے ہیں، لیکن آیتوں کے ظاہری مطلب و مفہوم سے یہ بات بعید ہے، کیونکہ ان سے اس طوفان کا ساری دنیا میں عام ہونا معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ یعنی "ہم نے صرف ان (نوح علیہ السلام) کی نسل کو ہی باقی رکھا" اور فرمایا: ﴿وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾ یعنی "(حضرت) نوح (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب! زمین پر کافروں کا ایک بھی گھر باقی نہ چھوڑ" اور طوفان کے عموم پر ظاہری طور پر جو بعض اشکالات واقع ہوتے ہیں سب کے جواب قریب قریب ہیں، مثلاً یہ کہ حیوانوں کی تمام قسموں میں سے ایک خاص مقدار کشتی میں کیسے سما سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو حیوانات پانی میں رہ سکتے ہیں وہ یقیناً اس حکم سے خارج ہیں، جن کی نسل چلانے کی ضرورت نہیں، وہ بھی الگ رہے، اور ممکن ہے کہ صرف انہی حیوانوں کے جوڑے کشتی میں سوار کئے گئے ہوں جن سے انسانی ضرورت متعلق ہوتی ہے، مثلاً وہ جنہیں کھایا جاتا ہے اور جو سواری کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، تاکہ طوفان کے ختم ہونے کے بعد باقی رہ جانے والے انسانوں کو تکلیف و پریشانی نہ ہو تو ایسے بہت تھوڑے ہیں، ہر ایک کا ایک جوڑا رکھنا کچھ مشکل نہیں۔ اسی طرح جن جانوروں سے انسانوں کی ضرورتیں متعلق نہیں جیسے درندے وغیرہ وہ سوار نہ کئے گئے ہوں، اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں دوبارہ اپنی قدرت سے پیدا کر دیا ہو یا معجزہ کے انداز میں اس

کشتی میں ان کے لئے بھی جگہ بن گئی ہو۔ اور اسی طرح ایک یہ اشکال ہے کہ نابالغ بچے کیسے غرق کئے گئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کچھ دن پہلے نئی نسلوں کی پیدائش بند ہوگئی ہو، یہاں تک کہ پرانے نابالغ، بالغ ہوگئے ہوں۔ اور نیا نابالغ پیدا نہ ہوا ہو، جیسا کہ روح المعانی میں عبداللہ بن زیاد بن سمعان سے اسحاق بن بشیر اور ابن عساکر کی روایت سے نقل بھی کیا ہے کہ چالیس سال پہلے سے بچوں کی پیدائش بند ہوگئی تھی اور یا یہ کہ وہ بچے بڑے ہو کر کافر ہونے والے تھے جیسا کہ ﴿لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ﴾ الخ میں ارشاد ہے، لہٰذا ان کا غرق ہوجانا ان کے لئے رحمت کا سبب ہوا کہ کفر اور اس کے برے نتیجوں سے بچ گئے۔ اور یہ اشکال کہ دوسرے جانوروں نے کیا غلطی کی تھی کہ انہیں نہیں بچایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ طوفان کافروں کے حق میں عذاب تھا اور حیوانوں کے لئے طبعی موت کے درجہ میں تھا، جو ہر روز ہوتی ہی رہتی ہے، اس لئے ان کی موت کو خطا و غلطی کا نتیجہ یا سزا قرار دینے کی ضرورت نہیں، خوب سمجھ لو۔

اور کشتی میں جو اہل ایمان سوار تھے ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے: اہل علم نے جو سب سے بڑی تعداد لکھی ہے وہ اسّی مرد اور اسّی عورتیں تھیں۔ مگر ان سب کی نسل نہیں چلی، اب ساری دنیا کے آدمی صرف حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور کشتی بنانے کے سلسلہ میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعلیم سے خود نوح علیہ السلام نے بنائی اور دوسرے یہ کہ کاریگروں سے بنوائی۔ اور کنعان کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ انہی کا بیٹا تھا، بعض نے کہا ہے کہ ان کا ربیب یعنی ان کی بیوی کا بیٹا دوسرے شوہر سے تھا، اور چونکہ بعض اہل سیرت نے روایت کیا ہے کہ ان کی بیوی کشتی میں موجود تھی اور وہ زندہ محفوظ رہی، جبکہ قرآن مجید میں ان کی بیوی کا کافر ہونے اور کسی بھی کافر کے نجات نہ پانے کا ذکر ہے، اس لئے بعض علماء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان کی ایک بیوی مؤمن تھی اور ایک کافر۔

﴿وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

ترجمہ: اور حکم ہوگیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا اور کشتی جودی پر آٹھہری اور کہہ دیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور!

ربط: ظاہر ہے۔

طوفان کے ختم ہونے کا قصہ:

اور جب کفار سارے غرق ہوچکے تھے تو) حکم ہوگیا کہ اے زمین! اپنا پانی (جو کہ تیری سطح پر موجود ہے) نگل جا۔ اور اے آسمان! (برسنے سے) تھم جا، چنانچہ دونوں امر واقع ہوگئے) اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر

آٹھہری اور کافر لوگوں کو رحمت سے دور قرار دیدیا گیا۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ طوفان کا پانی پہاڑوں سے اونچا تھا اور قصہ کے خاتمہ میں سب باتیں آگئیں۔ نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کی نجات، کافروں کا غرق ہونا اور طوفان کا ختم ہوجانا، اور شاید ﴿ بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴾ اس لئے فرمایا گیا کہ عبرت تازہ ہوجائے کہ یہ کفر کا وبال ہے تا کہ آئندہ والے اس سے بچے رہیں، اور جودی کی تحقیق تفسیر فتح المنان میں دیکھ لی جائے۔

﴿ وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِیۡنَ ۝ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۖ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـَٔلَكَ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ وَاِلَّا تَغۡفِرۡ لِیۡ وَتَرۡحَمۡنِیۡۤ اَكُنۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا وعدہ بالکل سچا ہے اور آپ احکم الحاکمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوحؑ! یہ شخص تمہارے گھر والوں میں نہیں، یہ تباہ کار ہے، سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان نہ بن جاؤ۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں اس امر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ آپ سے ایسے امر کی درخواست کروں جس کی مجھ کو خبر نہ ہو۔ اور اگر آپ میری مغفرت نہ فرماویں گے اور مجھ پر رحم نہ فرماویں گے تو میں بالکل تباہ ہوجاؤں گا۔

ربط: ظاہر ہے۔

نوح علیہ السلام کی بیٹے کے لئے دعا اور اس کا جواب:

اور (جب) نوح (علیہ السلام نے کنعان سے ایمان لانے کے لئے فرمایا اور اس نے نہ مانا تو اس کے غرق ہونے سے پہلے انھوں) نے (اس امید پر کہ شاید حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اس کے دل میں ایمان ڈال دیں اور یہ ایمان قبول کرلے) اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور آپ کا (یہ) وعدہ بالکل سچا ہے (کہ میرے گھر والوں میں جو ایمان والے ہیں انہیں بچالیں گے) اور (اگرچہ یہ اس وقت ایمان والا اور نجات کا مستحق نہیں ہے، لیکن) آپ احکم الحاکمین (اور بڑی قدرت والے) ہیں (اگر آپ چاہیں تو اس کو مومن بنادیں، تا کہ یہ بھی اس سچے وعدہ کا مستحق بن جائے۔ عرض کرنے کا مقصد اس کے ایمان کے لئے دعا کرنا تھا) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نوح! یہ شخص (ہمارے ازلی علم میں) تمہارے (ان) گھر والوں میں نہیں، جو ایمان لاکر نجات پائیں گے،

یعنی اس کی قسمت میں ایمان نہیں بلکہ یہ (قیامت تک) تباہ کار (یعنی کافر ہی رہنے والا) ہے تو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو، جس کی تمہیں خبر نہیں (یعنی ایسے امر کی دعا مت کرو جس میں احتمال ہو) میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم (آئندہ) نادان نہ بن جانا (یعنی ایسی دعاء کرنا نادانی کی بات ہے) انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب! اس امر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ (آئندہ) آپ سے ایسے امر کی درخواست کروں، جس کی مجھے خبر نہ ہو، اور (گذشتہ باتوں کو معاف کردیجئے، کیونکہ) اگر آپ میری مغفرت نہ فرمائیں گے اور مجھ پر رحم نہ فرمائیں گے تو میں تو بالکل ہی تباہ ہو جاؤں گا۔

فائدہ: مؤمنوں کی نجات کا وعدہ آیت کے ٹکڑے ﴿ احۡمِلۡ فِيۡهَا ﴾ یعنی ''اس کشتی میں چڑھالو'' سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ﴿ اِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ ﴾ میں یہی مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ﴿ اَهۡلَكَ ﴾ کے ساتھ ﴿ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ ﴾ فرمایا دیا تھا، اور اس کا مصداق متعین نہیں فرمایا تھا، اور یہ تعیین کا نہ ہونا واقع میں اس لئے تھا کہ یہ نجات یا غرق ہونے تک مبہم رہے۔ ہمارے سوا کسی کو خبر نہ ہو کہ کون مؤمن ہوگا اور کون کافر۔ اور اس اطلاع نہ ہونے میں کوئی حکمت ہوگی، لہٰذا اس میں ایسے مشتبہ شخص کے حق میں بھی دعا کرنے کی در پردہ ممانعت تھی۔ اور ﴿ لَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ﴾ میں بھی ظلم سے مراد ہمارے علم میں ظلم تھا، جو کہ یقینی اور مشتبہ سب کے لئے عام تھا، مگر نوح علیہ السلام یوں سمجھے کہ ﴿ ظَلَمُوۡا ﴾ سے مراد خود ان کے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے علم میں ظلم کرنا اور ﴿ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ ﴾ سے بھی مراد انہی کے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے علم میں یعنی کفر کا یقینی ہونا مراد ہے۔ لہٰذا چونکہ کنعان کا ان کے علم میں موت تک کفر کا یقینی ہونا نہ تھا، یعنی کفر کا یقینی اور موت تک ہونا معلوم نہ تھا جبکہ اس کا ایمان نہ ہونا معلوم تھا جس کو بعد میں اللہ تعالیٰ نے ﴿ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ ﴾ سے تعبیر فرمایا ہے، اس لئے آپ نے دعا کردی۔ اور چونکہ مذکورہ تفسیر کے مطابق اس کے لئے دعا کی اجازت نہ تھی، اس لئے نصیحت کی گئی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا کہ جس کے معاملہ کو ہم مبہم رکھنا چاہیں، اس میں درخواست کرو، اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ آیت ﴿ لَنۡ يُّؤۡمِنَ ﴾ سے اس کے کفر کا یقینی ہونا معلوم ہوتا ہے، پھر کیوں دعا کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اعلان قوم کے اعتبار سے ہے۔ اس اعلان کا اہل خاندان کے اعتبار سے ہونا ثابت نہیں، لہٰذا حضرت نوح کی عصمت کے بارے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔ اس مقام کی یہ تقریر اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے۔

﴿ قِيۡلَ يٰنُوۡحُ اهۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيۡكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ‌ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمۡ ثُمَّ يَمَسُّهُمۡ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۴۸ ﴾

ترجمہ: کہا گیا کہ اے نوحؑ! اترو ہماری طرف سے سلام اور برکتیں لے کر جو تم پر نازل ہوں گی اور ان جماعتوں پر کہ تمہارے ساتھ ہیں، اور بہت سی ایسی جماعتیں بھی ہوں گی کہ ہم ان کو چند روز عیش دیں گے، پھر ان پر ہماری طرف سے سزائے سخت واقع ہوگی۔

ربط: ظاہر ہے۔

قصہ کا آخر:

جب کشتی کے جودی پہاڑ پر ٹھہرنے کے چند روز بعد پانی بالکل اتر گیا، اس وقت نوح (علیہ السلام سے) کہا گیا (یعنی اللہ تعالیٰ نے خود یا کسی فرشتے کے ذریعہ ارشاد فرمایا) کہ اے نوح! (اب جودی پر سے زمین پر) ہماری طرف سے سلام اور برکتیں لے کر اترو جو تم پر نازل ہوں گی۔ اور ان جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں (کیونکہ ساتھ والے سب مسلمان تھے، اور اس مشترکہ علت سے قیامت تک کے مسلمانوں پر بھی سلام اور برکتوں کا نزول معلوم ہو گیا) اور (چونکہ یہ کلام بعد والے مسلمانوں پر برکتوں کے نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بعد والوں میں بعض کافر بھی ہوں گے، اس لئے ان کا حال بھی بیان فرماتے ہیں کہ) بہت سی ایسی جماعتیں بھی ہوں گی کہ ہم انہیں (دنیا میں) چند روز کا عیش دیں گے، پھر (آخرت میں) ان پر ہماری طرف سے سخت سزا واقع ہوگی۔

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: یہ قصہ منجملہ اخبار غیب کے ہے، جس کو ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کو پہنچاتے ہیں، اس کو اس کے قبل نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، سو صبر کیجئے۔ یقیناً نیک انجامی متقیوں ہی کے لئے ہے۔

ربط: نوح علیہ السلام کے قصہ کو ختم کرنے کے بعد قصوں کے فائدوں میں سے دو فائدے بیان فرماتے ہیں: ایک نبوت محمدی پر دلالت اور دوسرے رسول اللہ ﷺ کی تسلی۔

مذکورہ قصہ کے بعد دو فائدے:

یہ قصہ (آپ کے اعتبار سے) غیب کی خبروں میں سے ہے، جس کو ہم وحی کے ذریعہ سے آپ کے پاس پہنچاتے ہیں، اس (قصہ) کو اس سے (یعنی ہمارے بتانے سے) پہلے نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم (جانتی تھی، اس اعتبار سے یہ غیب کا معاملہ تھا، اور وحی کے سوا علم کے دوسرے تمام اسباب یقیناً مفقود ہیں، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آپ کو یہ وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے اور یہی نبوت ہے، لیکن یہ لوگ نبوت کے ثبوت کے بعد بھی آپ کی مخالفت کرتے ہیں) تو صبر کیجئے (جیسا کہ اس قصہ میں آپ کو نوح علیہ السلام کا صبر معلوم ہوا ہے) یقیناً نیک انجام متقیوں ہی کے لئے ہے (جیسا کہ نوح علیہ السلام کے قصہ میں معلوم ہوا کہ کفار کا انجام برا اور مسلمانوں کا انجام اچھا ہوا، اسی طرح ان کافروں کا چند دن کا زور و شور ہے، پھر آخر میں حق ہی کا غلبہ ہوگا؟

﴿ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، انھوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تم محض مفتری ہو۔ اے میری قوم! میں تم سے اس پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف اس کے ذمہ ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا ہے، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ اور اے میری قوم! تم اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ، پھر اس کی طرف متوجہ رہو، وہ تم پر خوب بارشیں برساوے گا اور تم کو اور قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کردے گا اور مجرم رہ کر اعراض مت کرو۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود! آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل تو پیش کی نہیں اور ہم آپ کے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں نہیں، اور کسی طرح آپ کا یقین کرنے والے نہیں۔ ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی خرابی میں مبتلا کردیا ہے۔ ہود نے فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں، جن کو تم خدا کے سوا شریک قرار دیتے ہو، سو تم سب مل کر میرے ساتھ داؤ گھات کرلو، پھر مجھ کو ذرا مہلت نہ دو۔ میں نے اللہ پر توکل کرلیا ہے جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔ جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے۔ یقیناً میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے۔ پھر اگر تم پھرے رہو گے تو جو پیغام دے کر مجھ کو بھیجا گیا تھا، وہ تم کو پہنچا چکا ہوں، اور تمہاری جگہ میرا رب دوسرے لوگوں کو زمین میں آباد کردے گا، اور اس کا تم کچھ نقصان نہیں کررہے۔ بالیقین میرا رب ہر شئے کی نگہداشت کرتا ہے۔ اور جب ہمارا حکم پہنچا، ہم نے ہود کو اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے، اُن کو اپنی عنایت سے بچالیا۔ اور اُن کو ایک بہت ہی سخت عذاب سے

بچالیا۔اور یہ قوم عاد تھی جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اُس کے رسولوں کا کہنا نہ مانا اور تمام تر ایسے لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو ظالم ضدی تھے اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی، اور قیامت کے دن بھی۔خوب سن لو، قوم عاد نے اپنے رب سے کفر کیا۔خوب سن لو رحمت سے دُوری ہوئی عاد کو جو کہ ہود کی قوم تھی۔

ربط: نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا قصہ بیان ہوتا ہے۔

ہود علیہ السلام کی قوم عاد کا قصہ:

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف ان کی (برادری کے یا وطن کے) بھائی (حضرت) ہود (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا، انھوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا: اے میری قوم! تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں، تم (اس بت پرستی کے اعتقاد میں) محض جھوٹا الزام لگانے والے ہو (کیونکہ اس کا باطل ہونا دلیل سے ثابت ہے) اے میری قوم! (میری نبوت کی دلیل کے ثبوت کے علاوہ اس امر سے مزید تائید ہوتی ہے کہ) میں تم سے اس (تبلیغ) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف اس (اللہ) کے ذمہ ہے جس نے مجھے (بالکل ناپید سے) پیدا کیا، پھر کیا تم (اس بات کو) نہیں سمجھتے؟ (کہ نبوت کو صحیح قرار دینے والی دلیل موجود ہے اور نبوت کے صحیح ہونے کے خلاف دلیل بالکل نہیں پائی جاتی، پھر نبوت میں شبہ کی کیا وجہ ہے؟) اور اے میری قوم! اپنے گناہ (کفروشرک وغیرہ) اپنے رب سے معاف کراؤ (یعنی ایمان لاؤ اور) پھر (ایمان لاکر) اس کی طرف (عبادت کے ذریعہ) متوجہ رہو (یعنی نیک عمل کرو، چنانچہ ایمان اور نیک عمل کی برکت سے) وہ تم پر خوب بارشیں برساوے گا (درمنثور میں ہے کہ قوم عاد پر تین سال تک متواتر قحط پڑا تھا، اور ویسے بھی جو بارش کی ضرورت رہتی ہے، وہ مطلوب ہے) اور (ایمان اور نیک عمل کی برکت سے) تمہیں اور قوت دے کر تمہاری (موجودہ) قوت میں ترقی کردے گا۔لہٰذا ایمان لے آؤ، اور مجرم رہ کر (ایمان سے) منہ مت پھیرو۔ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود! آپ نے ہمارے سامنے (اپنے اللہ کی طرف سے رسول ہونے کی) کوئی دلیل تو پیش نہیں کی (ان کا یہ قول عناد کے طور پر تھا) اور (صرف) آپ کے کہہ دینے سے تو ہم اپنے معبودوں (کی عبادت) کو چھوڑنے والے نہیں، اور ہم کسی طرح آپ کا یقین کرنے والے نہیں ہیں (اور) ہمارا کہنا تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی خرابی (جنون وغیرہ) میں مبتلا کردیا ہے (چونکہ آپ نے ان کی شان میں گستاخی کی، انھوں نے باؤلا کردیا، اس لئے ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو کہ اللہ ایک ہے، میں نبی ہوں وغیرہ) ہود (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (تم جو کہتے ہو کہ کسی بت نے مجھے باؤلا کردیا ہے تو) میں (اعلانیہ طور پر) اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم (بھی سن لو اور) گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے (بالکل) بیزار ہوں جن کو تم اللہ کے سوا (عبادت میں) شریک قرار دیتے ہو، تو (میری عداوت ایک تو پہلے سے ظاہر ہے اور اب اس براءت سے اس کی اور زیادہ تاکید ہوگئی، تو اگر ان بتوں میں کچھ قوت ہے تو) تم (اور وہ) سب مل کر میرے ساتھ (ہر طرح کے) داؤ پیچ کرلو (اور) پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (اور کوئی کسر نہ چھوڑو،

دیکھوں تو سہی وہ میرا کیا کرلیں گے۔ اور جب تم اور وہ سب مل کر کچھ نہیں کر سکتے تو وہ اکیلے تو کیا کر سکیں گے۔ اور میں یہ دعوی دل کھول کر اس لئے کر رہا ہوں کہ بت تو محض عاجز ہیں۔ ان سے میں تو اس لئے نہیں ڈرتا۔ رہ گئے تم تو اگر چہ تمہیں کچھ قدرت ہے، لیکن میں تم سے اس لئے نہیں ڈرتا کہ) میں نے اللہ پر توکل کرلیا ہے، جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے، جتنے بھی زمین پر چلنے والے ہیں، سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے (یعنی سب اس کے قبضہ میں ہیں، اس کے حکم کے بغیر کوئی کان نہیں ہلا سکتا، اس لئے میں تم سے بھی نہیں ڈرتا۔ اور اس تقریر سے ایک نیا معجزہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ایک شخص تنہا ایسے بڑے بڑے زور آور، طاقتور لوگوں سے ایسی کھلی کھلی مخالفانہ باتیں کرے اور وہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں، لہٰذا وہ جو کہتے تھے ﴿جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ یعنی آپ نے ہمارے سامنے کوئی دلیل پیش نہیں کی، اس سے ایک جواب اس کا بھی ہوگیا کہ اگر دوسرے معجزوں پر بھی نظر نہ کی جائے تو یہ لو یہ دوسرا معجزہ ہے۔ لہٰذا نبوت پر دلیل قائم ہوگئی۔ اور اس میں جو شبہ کا منشا تھا ﴿اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ﴾ یعنی "ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو خرابی میں مبتلا کردیا ہے" اس کا بھی جواب ہوگیا، لہٰذا نبوت ثابت ہوگئی۔ اس سے توحید کا واجب ہونا بھی ثابت ہوگیا۔ جس کی میں دعوت دیتا ہوں، اور تمہارا کہنا ﴿مَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا﴾ یعنی "ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں" باطل ہوگیا۔ اور صراطِ مستقیم یہی ہے۔ اور یقیناً میرا رب صراطِ مستقیم پر (چلنے سے ملتا) ہے (لہٰذا تم بھی اسی صراطِ مستقیم کو اختیار کرو، تاکہ مقبول اور مقرب ہو جاؤ) پھر اگر (اس واضح اور صاف بیان کے بعد بھی تم (سیدھے راستے سے) پھرے رہو گے تو میں تو) معذور سمجھا جاؤں گا، کیونکہ) مجھے جو پیغام دے کر بھیجا گیا ہے، وہ میں تمہیں پہنچا چکا ہوں (لیکن تمہاری کم بختی آئے گی کہ تمہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کردے گا) اور تمہاری جگہ میرا رب اس زمین میں دوسرے لوگوں کو آباد کردے گا، تو تم اس سے منہ پھیرنے اور کفر میں اپنا ہی نقصان کر رہے ہو) اور اس کا تم کچھ نقصان نہیں کر رہے ہو (اور اگر اس ہلاکت میں کسی کو یہ شبہ ہو کہ اللہ کو کیا خبر کہ کون کیا کر رہا ہے، تو خوب سمجھ لو کہ) یقیناً میرا رب ہر شے کی حفاظت کرنے والا ہے (اسے سب خبر رہتی ہے۔ غرض ان تمام حجتوں پر بھی ان لوگوں نے نہ مانا) اور (عذاب کا سامان شروع ہوا، تو) جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) پہنچا (اور بادِ صرصر یعنی تیز آندھی کا عذاب نازل ہوا تو) ہم نے ہود (علیہ السلام) کو اور ان کے ہمراہ جو اہلِ ایمان تھے، ان کو اپنی عنایت سے (اس عذاب سے) بچالیا۔ اور ان کو (کیسی چیز سے بچالیا) ایک بہت ہی سخت عذاب سے بچالیا (آگے دوسرے لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے فرماتے ہیں) اور یہ (جن کا ذکر ہوا) قوم عاد تھی، جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں (یعنی دلیلوں اور احکام) کا انکار کیا۔ اور اس کے رسولوں کا کہنا نہ مانا اور تمام تر ایسے لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے، جو ظالم (اور) ضدی تھے اور (ان افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی ان کے ساتھ رہے گی۔ چنانچہ دنیا میں اس کا اثر ہلاکت کا عذاب تھا اور آخرت میں ہمیشہ کا عذاب ہوگا) خوب سن لو۔ قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو (اس کفر کا یہ نتیجہ ہوا کہ) عاد کی قوم کو (دونوں

جہانوں میں) رحمت سے دور پھینک دیا گیا جو ہود (علیہ السلام) کی قوم تھی۔

فوائد:

۱- یہ جو فرمایا کہ عاد نے رسولوں کا کہنا نہ مانا، حالانکہ ان کے پاس صرف ہود علیہ السلام کا تشریف لانا ثابت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کے مسئلہ میں تمام رسول متفق ہیں، جب ہود علیہ السلام کا کہنا نہ مانا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے بھی پیغمبران سے پہلے گذرے تھے، بلکہ جو آئندہ بھی ہوئے کسی کا بھی کہنا نہ مانا، سب کی مخالفت ہوئی۔ ۲- اور احقر نے جو ﴿جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ میں کہا ہے کہ ان کا یہ قول عناد کے طور پر تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ معجزہ سے کوئی بھی نبی خالی نہیں ہوا، چاہے اس کی تعیین ہم تک نہ پہنچی ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے: ما من نبي إلا قد أعطي من الآيات ما مثله آمن عليه البشر: یعنی کوئی بھی نبی ایسا نہیں گذرا جسے کوئی ایسا معجزہ نہ دیا گیا ہو جس پر لوگ ایمان لائیں، متفق علیہ۔ ۳- اور دوسرے معجزہ کی تحقیق میں احقر نے جو لفظ "تنہا" لکھا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ کچھ مسلمان بھی ساتھ ہو گئے ہوں، پھر بھی ان کے مقابلہ کی قوت نہ تھی، لہٰذا یہ شبہ نہیں ہوسکتا کہ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ سے تنہا ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ اور ان کافروں نے جو یہ کہا تھا ﴿اعْتَرٰىكَ﴾ یعنی "ہمارے کسی معبود نے آپ کو خرابی میں مبتلا کر دیا ہے" تو عقل کے اعتبار سے یہ بھی فاسد و غلط ہے، کیونکہ وہ شرک سے روکنے کی وجہ خرابی میں مبتلا کرنے کو بتاتے ہیں یعنی ان کی نظر میں آپ اس خرابی کی وجہ سے شرک سے روکتے تھے، اور خرابی میں مبتلا ہونا شرک سے روکنے کی وجہ بتاتے تھے تو یہ بالکل بے تکی بات ہوئی۔ اور اگر کسی توجیہ سے اس بے تکے پن کو دور کر دیا جائے تب بھی اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ ۴- اور سورۂ مؤمنون کی آیت ۳۲ اور اس سے آگے جس قوم کا ذکر ہے بعض مفسرین نے اس کو قوم عاد قرار دیا ہے اور اس میں جو صیحة یعنی سخت و شدید آواز یا دھما کہ کے عذاب کا ذکر ہے تو ممکن ہے کہ یہ بھی ہوا ہو۔ واللہ اعلم

﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۫ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ

خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ ع

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کے پاس ان کے بھائی صالحؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، انھوں نے فرمایا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور تم کو اس میں آباد کیا تو تم اپنے گناہ اس سے معاف کراؤ، پھر اس کی طرف متوجہ رہو۔ بیشک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے صالح! تم تو اس کے قبل ہم میں ہونہار تھے، کیا تم ہم کو ان چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں؟ اور جس دین کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو، واقعی ہم اس کی طرف سے بڑے شبہ میں ہیں، جس نے ہم کو تردد میں ڈال رکھا ہے، آپ نے فرمایا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، سو اگر میں خدا کا کہنا نہ مانوں تو پھر مجھ کو خدا سے کون بچالے گا تو تم تو سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو۔ اور اے میری قوم! یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل ہے، اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرا کرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ مت لگانا، کبھی تم کو فوری عذاب آ پکڑے۔ سو انھوں نے اس کو مار ڈالا تو صالح نے فرمایا: تم اپنے گھروں میں تین روز اور بسر کر لو یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں۔ سو جب ہمارا حکم آ پہنچا ہم نے صالحؑ کو اور جو ان کے ہمراہ اہلِ ایمان تھے، ان کو اپنی عنایت سے بچالیا اور اس دن کی بڑی رسوائی سے بچالیا۔ بیشک آپ کا رب ہی قوت والا غلبہ والا ہے۔ اور ان ظالموں کو ایک نعرہ نے آ دبایا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے، جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے، خوب سن لو! ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو رحمت سے ثمود کو دوری ہوئی۔

ربط: قوم عاد کے قصہ کے بعد ثمود کا قصہ ہے جو صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔

صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا قصہ:

اور ہم نے ثمود (کی قوم) کے پاس ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انھوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا: اے میری قوم! تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اس کا تم پر یہ انعام ہے کہ) اس نے تمھیں زمین (کے مادہ) سے پیدا کیا، اور تمھیں اس (زمین) میں آباد کیا (یعنی ایجاد کرنا اور باقی رکھنا دونوں نعمتوں سے سرفراز کیا، جن میں سب نعمتیں آ گئیں۔ جب وہ ایسا نعمتیں دینے والا ہے) تو تم اپنے گناہ (کفر اور شرک وغیرہ) اس سے معاف کراؤ (یعنی ایمان لاؤ اور) پھر (ایمان لا کر) اس کی طرف (عبادت کے ذریعہ) متوجہ رہو (یعنی نیک عمل کرو) بیشک میرا رب (اس شخص سے) قریب ہے (جو اس کی طرف متوجہ ہو اور اس شخص کی عرض) قبول

کرنے والا ہے (جو اس سے گناہ معاف کراتا ہے) وہ لوگ کہنے لگے: اے صالح! تم تو اس سے پہلے ہم میں ہونہار (معلوم ہوتے) تھے (یعنی ہمیں تم سے امید تھی کہ اپنی لیاقت اور وجاہت کی وجہ سے قوم کے لئے فخر اور ہمارے لئے مایۂ ناز اور ہمارے سرپرست بنوگے، مگر افسوس! تم اس وقت جو باتیں کر رہے ہو ان سے تو ہماری ساری امیدوں پر پانی پھرتا نظر آتا ہے) کیا تم ہمیں ان چیزوں کی عبادت سے منع کرتے ہو، جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں (یعنی تم اس سے منع مت کرو) اور جس دین کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو (یعنی توحید) واقعی ہم تو اس کی طرف سے بڑے (زبردست) شبہ میں ہیں جس نے ہمیں ذہنی پریشانی میں ڈال رکھا ہے (کہ توحید کا مسئلہ ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا) آپ نے (جواب میں) فرمایا: اے میری قوم! (تم جو کہتے ہو کہ تم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے منع مت کرو تو) بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر (قائم) ہوں (جس سے توحید ثابت ہے) اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت (یعنی نبوت) عطا فرمائی ہو (جس سے مجھے اس توحید کی دعوت کا حکم دیا گیا ہے) تو اگر میں (اس حالت میں) اللہ کا کہنا نہ مانوں (اور توحید کی دعوت دینا بند کردوں، جیسا تم کہتے ہو) تو (یہ بتاؤ کہ) پھر مجھے اللہ (کے عذاب سے) کون بچالے گا (اس طرح تم تو اب برا مشورہ دے کر) سراسر میرا نقصان ہی کر رہے ہو (یعنی اگر خدانخواستہ میں تمہاری بات مان لوں تو سوائے نقصان کے مجھے کیا ملے گا؟ اور چونکہ انھوں نے رسالت کے ثبوت کے لئے معجزہ کی بھی درخواست کی تھی، اس لئے آپ نے فرمایا) اور اے میری قوم (کے لوگو! تم جو معجزہ چاہتے ہو تو) یہ اونٹنی ہے، جو اللہ کی طرف سے تمہارے لئے دلیل (بنا کر ظاہر کی گئی) ہے اور (اسی لئے ﴿ نَاقَةُ اللّٰهِ ﴾ یعنی اللہ کی اونٹنی کہلائی کہ اللہ کی دلیل ہے) تو (اس کے علاوہ یہ معجزہ ہونے کی وجہ سے میری رسالت پر بھی دلیل ہے، خود اس کے بھی کچھ حقوق ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ) اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں (گھاس، چارا) کھاتی پھرا کرے (اسی طرح اپنی باری کے دن پانی پیتی رہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے) اور اس کو برائی (اور تکلیف واذیت کے ارادہ سے) ہاتھ بھی مت لگانا، کبھی تمہیں قوی عذاب آ پکڑے (یعنی ذرا بھی دیر نہ لگے) تو انھوں نے (اس تمام ترجحت کے پورا ہونے کے باوجود) اس (اونٹنی کو) مار ڈالا۔ تو صالح (علیہ السلام) نے فرمایا: (ٹھیک ہے) تم اپنے گھروں میں تین دن اور گذار لو (تین دن کے بعد عذاب آجائے گا اور) یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا بھی جھوٹ کا (امکان یا احتمال) نہیں ہے (کیونکہ یہ اللہ کی جانب سے ہے) تو (تین دن گذرنے کے بعد) جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آپہنچا تو ہم نے صالح (علیہ السلام) کو اور ان کے ہم راہ جو اہل ایمان تھے، ان کو اپنی عنایت سے (اس عذاب سے) بچالیا۔ اور (انہیں کیسی چیز سے بچالیا؟) اس دن کی بڑی رسوائی سے بچالیا (کیونکہ اللہ کے قہر میں مبتلا ہونے سے بڑھ کر کیا رسوائی ہوگی؟) بیشک آپ کا رب ہی قوت والا، غلبہ والا ہے (جس کو چاہے سزا دیدے، جس کو چاہے بچالے) اور ان ظالموں کو ایک دھماکہ نے آدبایا (کہ وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آواز تھی) جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (اور ان کی یہ حالت ہوگئی) جیسے ان گھروں میں کبھی (لوگ) بسے ہی نہ تھے۔ خوب سن لو

ثمود (کی قوم) نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو (اس کفر کا انجام یہ ہوا کہ) ثمود کو رحمت سے دور پھینک دیا گیا۔

فائدہ: یہ قصہ سورۃ الاعراف کی آیت ۷۳ سے ۷۹ تک میں گذر چکا ہے، اور وہاں رجفة یعنی زلزلہ کے عذاب کا ذکر ہے، جبکہ یہاں صیحة یعنی دھماکہ کے عذاب کا ذکر ہے، ہم نے رجفة اور صیحة میں مطابقت سورۃ الاعراف میں ہی بیان کردی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ اور ثمود کے ظاہری حال سے توحید کا انکار معلوم ہوتا ہے، پھر جو اس کو شک سے تعبیر کیا تو اس سے مطلق انکار مراد ہے۔ اگرچہ یقین جانب مخالف کے ساتھ ہے۔

﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۚ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس بشارت لے کر آئے اور انھوں نے سلام کیا۔ ابراہیم نے بھی سلام کیا پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لائے۔ سو جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے تک نہیں بڑھتے تو ان سے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے۔ وہ فرشتے کہنے لگے کہ ڈرو مت ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیمؑ کی بی بی کھڑی تھیں پس ہنسیں، سو ہم نے ان کو بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق سے پیچھے یعقوبؑ کی۔ کہنے لگیں کہ ہائے خاک پڑے اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا ہو کر اور یہ میرے میاں ہیں بالکل بوڑھے۔ واقعی یہ بھی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو؟ اس خاندان کے لوگو تم پر تو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ بیشک وہ تعریف کے لائق بڑی شان والا ہے۔ پھر جب ابراہیمؑ کا وہ خوف زائل ہو گیا اور ان کو خوشی کی خبر ملی تو ہم سے لوط کی قوم کے بارے میں جدال کرنا شروع کیا۔ واقعی ابراہیمؑ بڑے حلیم الطبع، رحیم المزاج، رقیق القلب تھے۔ اے ابراہیمؑ! اس بات کو جانے دو، تمہارے رب کا حکم آ چکا ہے اور ان پر ضرور ایسا عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح ہٹنے والا نہیں۔

ربط: اوپر قوم ثمود کا قصہ بیان ہوا ہے، قرآنِ کریم میں اکثر مقامات پر اس قصہ کے بعد لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ بیان ہوا ہے۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں بھی زیادہ مقصود اسی قصہ کا بیان کرنا ہے، چنانچہ ﴿ فَمَا خَطْبُكُمْ ﴾ کے

سوال کے جواب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان فرشتوں کے آنے کا اصل اور اہم مقصد قوم لوط کو عذاب دینا تھا۔ اور بیچ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بعض خاص وجوہ سے آگیا ہے: ایک تو حضرت ابراہیم اور لوط علیہما السلام میں خاص تعلق ہے کہ دونوں قصوں میں فرشتوں کی ایک ہی جماعت تھی، پھر دونوں پیغمبر آپس میں رشتہ دار بھی تھے، اور رہنے کے مقام بھی دونوں کے قریب قریب ہی تھے۔ اور ان کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام نے بات بھی کی تھی۔ اور شاید مستقل صاحب شریعت حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی تھے، اور لوط علیہ السلام ان کی طرف سے نائب کے طور پر کام کر رہے تھے۔ دوسرے دونوں قصوں کے پاس پاس آنے سے اشارہ ہو گیا کہ رحمت اور قہر دونوں کی بنیاد طاعت اور معصیت ہے کہ وہی فرشتے اطاعت کرنے والوں کے لئے بشارت دینے والے تھے اور وہی فرشتے نافرمانی کرنے والوں کے لئے ڈرانے والے اور عذاب لانے والے تھے۔ تیسرے ایک قصہ دوسرے کی تکمیل کرتا ہے، وغیرہ، فوائد ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہ اصل مقصود لوط علیہ السلام کی قوم کا قصہ بیان کرنا ہے، جیسے دوسرے سارے قصوں میں ﴿ اَرْسَلْنَا ﴾ آیا ہے، اسی طرح اگلی آیت میں ﴿ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ بیان گیا گیا ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ لفظ ﴿ جَآءَتْ ﴾ لایا گیا ہے۔ اور اسلوب کی تبدیلی میں یہ اشارہ ہے کہ اس قصہ میں دوسرے قصوں کی طرح عذاب کا مضمون نہیں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مہمانوں کا قصہ:

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (انسانی شکل میں) ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس (ان کے فرزند اسحاق علیہ السلام کی) بشارت لے کر آئے (اگر چہ ان کے آنے کا اصل اور اہم مقصد قوم لوط کی ہلاکت تھا، جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَمَا خَطْبُكُمْ ﴾) اور (ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر) انھوں نے سلام کیا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی سلام کیا (اور پہچانا نہیں کہ یہ فرشتے ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴾ یعنی اجنبی یا معمولی مہمان سمجھے) پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک بھنا ہوا فربہ، موٹا تازہ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ سَمِیْنٌ ﴾) چرب بچھڑا لائے (اور ان کے سامنے رکھ دیا، ظاہر ہے کہ یہ تو فرشتے تھے، ان کا کھانے کا کوئی مطلب ہی نہیں تھا) تو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے کہ (یہ مہمان تو نہیں ہیں کوئی مخالف دشمن یا لٹیرے وغیرہ نہ ہوں کہ برے ارادے سے آئے ہوں، اور میں گھر میں ہوں کوئی پڑوسی یا دوست پاس نہیں۔ یہاں تک کہ بے تکلفی کے ساتھ اس خوف کو ظاہر بھی کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴾) وہ فرشتے کہنے لگے: ڈرو مت (ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں، آپ کے پاس بشارت لے کر آئے ہیں کہ آپ کے ایک فرزند اسحاق پیدا ہوگا۔ اور اس کے بعد اس کا ایک فرزند یعقوب ہوگا، اور بشارت اس لئے کہا کہ ایک تو اولاد خوشی کی چیز ہے، پھر ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے، بیوی بھی بہت بوڑھی تھیں، اولاد کی امید نہیں رہی تھی، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿ لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴾ اور ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ قَالُوْا لَا تَخَفْ، وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴾ آپ نے نور نبوت سے پہچان لیا کہ

واقعی فرشتے ہیں، لیکن فراست نبوی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مجھے بشارت دینے کے علاوہ اور بھی کسی بڑے کام کے لئے آئے ہیں، تو اس کی تعیین کے بارے میں سوال کیا، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ فَمَا خَطْبُكُمْ ﴾ الخ اس وقت انھوں نے کہا کہ) ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ انہیں کفر کی سزا میں ہلاک کر دیں۔ ان میں تو یہ گفتگو ہو رہی تھی) اور ابراہیم (علیہ السلام) کی بیوی (حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کہیں پاس ہی) کھڑی (سن رہی) تھیں۔ چنانچہ (اولاد کی خبر سن کر جس کی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام کے پیدا ہو جانے کے بعد انہیں اور بھی زیادہ تمنا تھی، مگر بوڑھاپے میں اولاد پیدا ہونے کی بات پر خوشی کے ساتھ شرم بھی، اس لئے وہ) ہنسیں (اور بولتی پکارتی ہوئی آئیں اور تعجب سے ماتھے پر ہاتھ مارا جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا ﴾ تو ہم نے (یعنی ہمارے فرشتوں نے) انہیں (دوبارہ) اسحاق (کے پیدا ہونے) کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی (جو کہ اسحاق کے فرزند ہوں گے، جس سے معلوم ہو گیا کہ تمہارے فرزند ہو گا اور یہاں تک زندہ رہے گا کہ وہ بھی صاحب اولاد ہو گا، اس وقت) کہنے لگیں: ہائے کیسی بات کر رہے ہو۔ اب میں بچہ جنوں گی، بڑھیا ہو کر اور یہ میرے میاں (بیٹھے) ہیں بالکل بوڑھے، واقعی یہ بھی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا (خاندان نبوت میں رہتے ہوئے اور ہمیشہ خلاف عادت، عجیب عجیب معاملات دیکھتے رہنے کے بعد بھی) تم اللہ کے کاموں کے بارے میں تعجب کرتی ہو؟ (اور خاص طور پر) اس خاندان کے لوگو! تم پر اللہ کی (خاص) رحمت اور اس کی (طرح طرح کی) برکتیں (نازل ہوتی رہتی) ہیں، بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) تعریف کے لائق (اور) بڑی شان والا ہے (وہ بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہے، لہٰذا تعجب کے بجائے اس کی تعریف اور شکر میں مشغول ہو۔ پھر جب فرشتوں نے کہا: ﴿ لَا تَخَفْ ﴾ یعنی ڈرو نہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کا فرشتے ہونا معلوم ہو گیا تو) ابراہیم (علیہ السلام) کا وہ خوف دور ہو گیا اور انہیں خوشی کی خبر مل گئی (کہ اولاد پیدا ہو گی) تو (ادھر سے بے فکر ہو کر وہ دوسری طرف متوجہ ہوئے کہ قوم لوط ہلاک کی جائے گی اور) ہم سے لوط (علیہ السلام) کی قوم کے بارے میں بحث شروع کی (جو اصل میں سفارش اور مبالغہ واصرار کے اعتبار سے بحث وجدال تھے، جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے کہ وہاں تو لوط علیہ السلام بھی موجود ہیں، اس لئے عذاب نہ بھیجا جائے کہ انہیں تکلیف ونقصان ہو گا۔ مطلب یہ تھا کہ اس بہانہ سے پوری قوم عذاب سے بچ جائے، جیسا کہ ﴿ فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴾ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ اور شاید ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ایمان لے آنے کی امید ہو) واقعی ابراہیم بڑے بردبار، نرم مزاج تھے (اس لئے سفارش میں مبالغہ کیا۔ ارشاد ہوا کہ) ابراہیم! (اگرچہ بہانہ لوط علیہ السلام کا ہے مگر اصل مطلب معلوم ہو گیا کہ پوری قوم کی سفارش مقصود ہے تو) اس بات کو جانے دو (یہ ایمان نہیں لائیں گے، اسی لئے اس سلسلہ میں) تمہارے رب کا حکم آ چکا ہے۔ اور اس لئے ان پر ضرور ایسا عذاب آنے والا ہے جو کسی طرح ٹلنے والا نہیں ہے (اس لئے اس بارے میں اب کچھ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جہاں تک لوط) علیہ السلام کے وہاں ہونے کا سوال ہے تو ان کو اور ان پر ایمان لانے والے سب لوگوں کو وہاں سے

علاحدہ کرلیا جائے گا، اس کے بعد عذاب آئے گا تا کہ انہیں کوئی تکلیف یا نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ اس پر بات ختم ہوگئی)

فوائد:

۱۔فرشتوں کے آدمیوں کی شکل میں آنے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں پہچانا نہیں، اس کی وجہ سے ان کے لئے کھانا لائے اور ان کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے جو خوف پیدا ہوا وہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے فطری تھا۔ اگر چہ اتنے لوگوں کے مقابلہ کے لئے آپ کے خادم موجود تھے، مگر اس وقت خاص طور سے گھر میں کوئی نہ تھا۔۲۔ پھر ان کو فرشتہ مان لینا اور یقین کرلینا صرف ان کے دعوی کی بنیاد پر ہی نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ادراک کی مقدس قوت کے ذریعہ سے متوجہ ہوکر یقین کیا جس سے شروع میں توجہ نہیں فرمائی تھی، جیسا کہ بعض اوقات محسوس ہونے والے معاملوں میں بھی ایسا ہوجاتا ہے۔۳۔ اور آپ کا یہ پوچھنا ﴿ فَمَا خَطْبُكُمْ ﴾ الخ یہ فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے نہ تھا جیسا کہ مشہور ہے: کیونکہ بشارت کے لئے کئی فرشتوں کا آنا کوئی عجیب بات نہیں ہے، چنانچہ حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام کی بشارت میں بھی جمع ہی کا لفظ ملائکہ آیا ہے، بلکہ آپ نبوت کی فراست سے سمجھے کہ انہیں کوئی اور مہم بھی سونپی گئی ہے۔ ۴۔اور ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سارہ پہلے اس جگہ نہیں تھیں، شاید پردہ میں ہوں، پھر جب معلوم ہوگیا کہ یہ فرشتے ہیں، ان سے کیا پردہ؟ تو سامنے چلی آئیں، جیسا کہ ﴿ فَاَقْبَلَتِ ﴾ سے معلوم ہوتا ہے۔۵۔ اور ہنسنا یہ عورتوں کا فطری معاملہ ہے کہ خوشی کی بعض باتوں پر مردوں کو ہنسی نہیں آتی، مگر عورتوں کو آجاتی ہے۔۶۔ اور اگر چہ بحث کے انداز میں یہ گفتگو فرشتوں سے ہوئی تھی مگر اصل مقصود تو حق تعالیٰ ہی سے عرض کرنا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ﴿ يُجَادِلُنَا ﴾ فرمایا۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ہمارے وہ فرشتے لوطؑ کے پاس آئے تو لوطؑ ان کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب تنگدل

ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری ہے۔ اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور پہلے سے نامعقول حرکتیں کیا ہی کرتے تھے، لوطؑ فرمانے لگے کہ اے میرے قوم! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں جو تمہارے لئے خاصی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھ کو فضیحت مت کرو، کیا تم میں کوئی بھی بھلا مانس نہیں۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو آپ کی ان بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں، اور آپ کو تو معلوم ہے کہ جو ہمارا مطلب ہے۔ لوطؑ فرمانے لگے کہ کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور چلتا یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا۔ فرشتے کہنے لگے کہ اے لوطؑ! ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں، آپ تک ہرگز ان کی رسائی نہیں ہوگی، سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر چلے جایئے اور تم میں سے کوئی پیچھا پھر کر بھی نہ دیکھے، ہاں مگر آپ کی بیوی نہ جاوے گی، اس پر بھی وہی آفت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آوے گی۔ ان کے وعدہ کا وقت صبح کا وقت ہے۔ کیا صبح کا وقت قریب نہیں۔ سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور اس سرزمین پر کھنگر کے پتھر برسانا شروع کئے جو لگاتار گر رہے تھے جن پر آپ کے رب کے پاس خاص نشان بھی تھا۔ اور یہ بستیاں ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ، جو گذشتہ قصہ کے تتمہ کے درجہ میں ہے:

اور (ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہوکر) جب ہمارے وہ فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے تو لوط (علیہ السلام) ان (کے آنے) کی وجہ سے (اس لئے رنجیدہ) ہوئے (کہ وہ بہت حسین نوجوان لڑکوں کی شکل میں آئے تھے، اور لوط علیہ السلام نے انہیں آدمی سمجھا اور اپنی قوم کی نامعقول حرکتوں کا خیال آیا) اور (اس وجہ سے) ان کے (آنے کی وجہ سے پریشان ہوئے، اور (انتہائی تنگ دلی و پریشانی کی وجہ سے) کہنے لگے کہ آج کا دن بہت پریشانی کا ہے (کہ ایک طرف ان کی ایسی صورتیں ہیں، دوسری طرف قوم کی یہ حرکتیں ہیں اور میں تن تنہا ہوں، دیکھا ہی جائے کیا ہوتا ہے) اور ان کی قوم (نے یہ خبر سنی تو) ان (یعنی لوط علیہ السلام) کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور (وہ) پہلے سے نامعقول حرکتیں کیا ہی کرتے تھے (وہ اس خیال سے اب بھی آئے) لوط (علیہ السلام بڑے گھبرائے اور خوشامد کے انداز میں) فرمانے لگے کہ اے میری قوم! (کے لوگو) یہ میری (بہو) بیٹیاں (جو تمہارے گھروں میں) موجود ہیں، وہ تمہارے (نفس کی ضرورت پوری کرنے کے) لئے (اچھی خاصی) پاکیزہ ہیں تو (لڑکوں پر بری نظر ڈالنے کے سلسلہ میں) اللہ سے ڈرو۔ اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو (یعنی ان مہمانوں سے تمہارا کچھ کہنا مجھے شرمندہ اور رسوا کرنا ہے، اگر تم ان کی رعایت نہیں کرتے کہ یہ مسافر ہیں تو میرا خیال کرو کہ میں تمہارے ساتھ رہتا سہتا ہوں، یہ تو بڑے افسوس اور تعجب کی بات ہے) کیا تم میں کوئی (معقول اور) بھلا آدمی نہیں ہے (کہ اس بات کو سمجھے اور دوسروں کو بھی سمجھائے؟) وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہمیں آپ کی ان (بہو) بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں (کیونکہ ہمیں عورتوں سے تو کوئی رغبت لگاؤ ہی

نہیں) اور آپ کو تو معلوم ہے (یہاں آنے کا) جو ہمارا مطلب ہے۔ لوط (علیہ السلام نہایت عاجز اور زچ ہو کر) فرمانے لگے کہ اچھا ہوتا اگر میرا تم پر زور چلتا (کہ خود تمہارے شر کو ختم کر دیتا) یا میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا (مطلب یہ کہ میرا کوئی قبیلہ ہوتا کہ وہ سب میری مدد کرتے۔ لوط علیہ السلام کو اس قدر پریشان دیکھا تو) فرشتے کہنے لگے: کہ اے لوط! (ہم آدمی نہیں ہیں جو آپ اس قدر گھبراتے ہیں) ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں (تو یہ لوگ ہمارا تو کیا بگاڑ سکتے ہیں، اور آپ اپنے لئے بھی اندیشہ نہ کریں) آپ تک (بھی) ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے (کہ آپ کو کچھ تکلیف پہنچا سکیں اور ہم ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں) تو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر (یہاں سے باہر) چلے جایئے اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے (یعنی سب جلدی چلے جائیں) ہاں! مگر آپ کی بیوی (مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے) نہ جائے گی۔ اس پر بھی وہی آفت آنے والی ہے جو دوسرے لوگوں پر آئے گی (اور ہم رات کے وقت نکلنے کی بات اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے عذاب کے) وعدہ کا وقت صبح کا وقت ہے (لوط علیہ السلام بہت زیادہ پریشان ہو گئے تھے، فرمانے لگے کہ جو کچھ بھی ہونا ہے، ابھی ہو جائے، جیسا کہ درمنثور میں ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ) کیا صبح کا وقت قریب نہیں؟ (غرض لوط علیہ السلام راتوں رات دور نکل گئے، صبح ہوئی تو عذاب کا سامان شروع ہوا) تو جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آ گیا تو ہم نے اس زمین (کو الٹ کر اس) کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا اور نیچے کا تختہ اوپر کر دیا) اور اس سرزمین پر کھنگر کے پتھر برسانے شروع کئے جو لگاتار گر رہے تھے، جن پر آپ کے رب کے پاس (یعنی عالم غیب میں) خاص نشان بھی تھا (جس سے دوسرے پتھروں سے وہ پتھر الگ قسم کے تھے) اور (اہل مکہ کو چاہئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں، کیونکہ) یہ (قوم لوط کی) بستیاں ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہیں (ہمیشہ ملک شام کو آتے جاتے ان کی بربادی کے آثار دیکھتے ہیں، لہٰذا انہیں اللہ و رسول کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے)

فوائد: ۱- لوط علیہ السلام کا ﴿ بَنَاتِيْ ﴾ یعنی میری بیٹیاں کہنے کا مطلب مجاز کے طور پر امت کی عورتیں ہیں، کیونکہ نبی اپنی امت کے لئے باپ کے درجہ میں ہوتا ہے، اور حقیقی معنی اس لئے مراد نہیں ہو سکتے کہ آپ کی دو یا تین بیٹیاں تھیں تو ان کا نکاح کس کس سے کر دیتے؟ وہ تو سارے اسی مرض میں مبتلا تھے۔ ۲- اور کنکریوں کو جو ممتاز یعنی الگ قسم کی کہا تو درمنثور میں منقول روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کچھ خاص رنگ اور ہیئت کے نقش بنے ہوئے تھے، جو دنیا کے پتھروں میں نہیں دیکھے جاتے۔ ۳- اور یہاں دو عذابوں کا ذکر ہے: ایک تختہ الٹ جانا، دوسرے پتھر برسنا، تو بعض نے یہ کہا ہے — اور زیادہ صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے — کہ پہلے زمین اٹھا کر الٹ دی گئی، جب وہ نیچے گرے تو اوپر سے ان پر پتھراؤ کیا۔ لیکن اگر زمین کا طبعی تقاضا اس قدر باقی رہے تو ثقل یعنی بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے مرکز کی طرف حرکت تیز ہونی چاہئے، تو اس پتھراؤ کے لئے اس کو لازم کر لیا جائے گا کہ زمین تھوڑی دیر کے لئے روک لی گئی، ورنہ پتھراؤ کی کوئی صورت نہ ہوگی، اور اگر طبعی تقاضہ کو باقی نہ سمجھا جائے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جو لوگ بستی میں تھے، وہ الٹ دیئے

گئے اور جو باہر گئے ہوئے تھے ان کے اوپر پتھر برسے۔۴- اور لوط علیہ السلام کا یہ فرمانا: ﴿ اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ﴾ یعنی "کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑ لینا" یہ طبعی تقاضہ تھا کہ اس درجہ میں ظاہری اسباب کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے کہ ان کے بعد تمام انبیاء جتھے والے خاندانوں سے ہوئے تاکہ پریشانی نہ ہونے پائے۔۵- اور اس قصہ سے متعلق ضروری مضامین سورۃ الاعراف آیت ۸۰ تا ۸۴ کے تحت لکھے جا چکے ہیں۔۶- اور ایک آیت میں ﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ ﴾ آیا ہے تو ممکن ہے کہ پہلے صیحہ ہوا ہو، پھر تختہ کا پلٹنا جیسا کہ اس آیت میں ﴿ فَجَعَلْنَا ﴾ پر حرف ف آنے سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۝ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۝ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ۝ وَیٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْٓ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ۭ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ۭ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝ وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ۝ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝ ﴾ ع

ترجمہ: اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ اور تم ناپ تول میں کمی مت کیا کرو میں تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں اور مجھ کو تم پر اندیشہ ہے ایسے دن کے عذاب کا جو انواع مصائب کا جامع ہوگا۔ اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو۔ اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔ اللہ کا دیا

ہوا جو کچھ بچ جائے وہ تمہارے لئے بدرجہا بہتر ہے اگر تم کو یقین آوے اور میں تمہارا پہرہ دینے والا تو ہوں نہیں۔ اور وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب! کیا تمہارا تقدس تم کو تعلیم کر رہا ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں تصرف کریں۔ واقعی آپ ہیں بڑے عقلمند دین پر چلنے والے۔ شعیبؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم! بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے ایک عمدہ دولت دی ہو تو پھر کیسے تبلیغ نہ کروں۔ اور میں یہ نہیں چاہتا ہوں کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے تم کو منع کرتا ہوں۔ میں تو اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک میرے امکان میں ہے۔ اور مجھ کو جو کچھ توفیق ہو جاتی ہے صرف اللہ ہی کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! میری ضد تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جاوے کہ تم پر بھی اسی طرح کی مصیبتیں آپڑیں جیسے قوم نوحؑ یا قوم ہودؑ یا قوم صالحؑ پر پڑی تھیں۔ اور قوم لوطؑ تو تم سے دور نہیں ہوئی۔ اور تم اپنے رب سے اپنے گناہ معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ ہو۔ بلاشک میرا رب بڑا مہربان بڑی محبت والا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب! بہت سی باتیں تمہاری کہی ہوئی ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تم کو اپنے میں کمزور دیکھ رہے ہیں اور اگر تمہارے خاندان کا پاس نہ ہوتا تو ہم تم کو سنگسار کر چکے ہوتے اور ہماری نظر میں تمہاری تو کچھ توقیر ہی نہیں۔ شعیبؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم! کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک اللہ سے بھی زیادہ باتوقیر ہے اور اس کو تم نے پس پشت ڈال دیا۔ یقیناً میرا رب تمہارے سب اعمال کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اے میری قوم! تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ اب جلدی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور وہ کون شخص ہے جو جھوٹا تھا اور تم بھی منتظر رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آپہنچا ہم نے شعیبؑ کو اور جو ان کے ہمراہی میں اہل ایمان تھے ان کو اپنی عنایت سے بچالیا اور ان ظالموں کو ایک سخت آواز نے آپکڑا، سو اپنے گھروں کے اندر اوندھے گرے رہ گئے، جیسے کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ خوب سن لو مدین کو رحمت سے دوری ہوئی جیسا ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے۔

ربط: ظاہر ہے۔

شعیب علیہ السلام کے ساتھ اہل مدین کا قصہ:

اور ہم نے مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انھوں نے (مدین والوں سے) فرمایا کہ اے میری قوم! تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (بننے کے قابل) نہیں (یہ حکم تو دیانتوں سے متعلق ان کے حال کے مناسب تھا) اور (دوسرا حکم معاملات سے متعلق ان کے مناسب فرمایا کہ) تم ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو (کیونکہ) میں تمہیں فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں (پھر تمہیں ناپ تول میں کمی کرنے کی (کیا ضرورت پڑی ہے، اگرچہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کمی کی ضرورت کسی کو بھی نہیں ہوتی) اور اس کے علاوہ کہ ناپ تول میں کمی

نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تقاضا ہے کہ خود نقصان کا خوف بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ اس میں) مجھے تمہارے سلسلہ میں ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جس میں مختلف قسم کی مصیبتیں جمع ہوں گی، اور (باوجودیکہ کمی نہ کرنے کے لئے پورا کرنا لازم ہوتا ہے، مگر تاکید کے لئے اس کی ممانعت کے بعد اس امر کی بھی تصریح فرمادی کہ) اے میری قوم! تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور ان لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو (جیسا کہ تمہاری عادت ہے) اور (شرک اور حقوق میں کمی کر کے) زمین میں فساد کرتے ہوئے (توحید اور عدل کی) حد سے مت نکلو (لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد) اللہ کا دیا ہوا جو کچھ (حلال مال) بچ جائے، وہ تمہارے لئے (اس حرام کمائی سے) بدرجہا بہتر ہے (کیونکہ حرام میں چاہے وہ زیادہ ہو، برکت نہیں اور اس کا انجام جہنم ہے اور حلال میں چاہے وہ کم ہو، برکت ہوتی ہے، اور اس کا انجام حق تعالیٰ کی رضا ہوتی ہے) اگر تمہیں یقین آئے (تو مان لو) اور (اگر یقین نہ آئے تو تم جانو) میں تمہارا پہرا دینے والا تو ہوں نہیں (کہ تم سے زبردستی یہ افعال چھڑا دوں، جیسا کرو گے خود بھگتو گے) وہ لوگ (تمام وعظ و نصیحت سن کر) کہنے لگے کہ اے شعیب! کیا تمہارا (مصنوعی اور خیالی و وہمی) تقدس تمہیں (ایسی ایسی باتوں کی) تعلیم کر رہا ہے کہ (تم ہم سے کہتے ہو کہ) ہم ان چیزوں (کی پرستش) کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں، یا اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں تصرف کریں۔ واقعی آپ بڑے عقلمند، دین پر چلنے والے ہیں (یعنی جن باتوں سے ہمیں منع کرتے ہو، دونوں میں کوئی برائی نہیں، کیونکہ ایک کی دلیل تو نقلی ہے کہ ہمارے بڑوں سے بت پرستی ہوتی آئی ہے اور دوسرے کی دلیل عقلی ہے کہ ہمارا اپنا مال ہے۔ اس میں ہمیں ہر طرح کا اختیار ہے، لہٰذا ہمیں منع نہیں کرنا چاہئے، اور حلیم (بردبار) رشید (سمجھدار و عقلمند) تمسخر کے طور پر کہا، جیسا کہ دین داروں کے سلسلہ میں بددینوں کی عادت ہوتی ہے، اور عقلی و نقلی دلیل کی خرابی ظاہر ہے، شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم جو مجھ سے کہتے ہو کہ میں تمہیں توحید اور عدل کی نصیحت نہ کروں تو (بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہوں (جس سے توحید اور عدل ثابت ہے) اور اس نے مجھے اپنی طرف سے ایک عمدہ دولت (یعنی نبوت) دی ہے (جس سے مجھ پر ان احکام کی تبلیغ واجب ہے، یعنی توحید اور عدل کا حق ہونا بھی ثابت اور ان کی تبلیغ بھی واجب) تو پھر کیسے تبلیغ نہ کروں؟ اور میں (جس طرح ان باتوں کی تمہیں تعلیم کرتا ہوں خود بھی تو ان پر عمل کرتا ہوں) یہ نہیں چاہتا ہوں کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے تمہیں منع کرتا ہوں (برخلاف سے یہی مراد ہے کہ تمہیں کوئی اور راہ بتاؤں اور خود کسی دوسری راہ پر چلوں، مطلب یہ ہے کہ میری نصیحت محض خیر خواہی اور دل سوزی سے ہے، جس کا قرینہ یہ ہے کہ میں وہی باتیں بتاتا ہوں، جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ غرض) میں تو جہاں تک میرے لئے ممکن ہے، اصلاح چاہتا ہوں، اور مجھے جو کچھ (عمل و اصلاح کی) توفیق ہو جاتی ہے، صرف اللہ ہی کی مدد سے ہے (ورنہ کیا میں اور کیا میرا ارادہ) میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور (تمام امور میں) اس کی طرف رجوع کرتا ہوں (خلاصہ یہ کہ توحید اور عدل کے واجب ہونے پر دلیلیں بھی قائم ہیں۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی تبلیغ

ہورہی ہے اور نصیحت کرنے والا ایسی دل سوزی اور اصلاح کرنے والا ہے، پھر بھی نہیں مانتے بلکہ الٹی مجھ سے امید رکھتے ہو کہ میں کہنا چھوڑ دوں، چونکہ اس تقریر میں دل سوزی اور اصلاح کی نسبت اپنی طرف ہے، اس لئے ﴿ مَا تَوْفِيْقِيٓ ﴾ الخ فرما دیا، یہاں تک تو ان کی بات کا جواب ہو گیا۔ آگے ترغیب دلاتے اور ڈراتے ہیں) اور اے میری قوم! میری ضد (اور دشمنی) تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی اسی طرح کی مصیبتیں آ پڑیں جیسے نوح علیہ السلام کی قوم یا ہود علیہ السلام کی قوم یا صالح علیہ السلام کی قوم پر پڑی تھیں۔ اور (اگر ان قوموں کا قصہ پرانا ہو چکا ہے اور اس لئے اس کا اثر نہیں لیتے تو) لوط کی قوم تو (ابھی) تم سے (زمانہ کے لحاظ سے بہت) دور نہیں ہوئی (یعنی ان قوموں کے مقابلہ میں ان لوگوں کا زمانہ قریب ہی گذرا ہے۔ یہ تو ترہیب یعنی ڈرانے کا مضمون ہو گیا، آگے ترغیب ہے) اور تم اپنے رب سے اپنے گناہ (یعنی شرک اور ظلم) معاف کراؤ (یعنی ایمان لے آؤ، کیونکہ ایمان سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اگرچہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے) پھر (عبادت کے ساتھ طاعت سے) اس کی طرف متوجہ ہو، بلاشبہ میرا رب بڑا مہربان بڑی محبت والا ہے (وہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور طاعت قبول کرتا ہے) وہ لوگ (یہ لاجواب اور دل کو لگتی تقریر سن کر اور معقول جواب سے عاجز ہو کر جہالت کے طور پر) کہنے لگے کہ شعیب! تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں (یہ بات یا تو اس وجہ سے کہی ہو کہ آپ کی باتیں اچھی طرح توجہ سے نہ سنی ہوں، یا تحقیر کے طور پر کہی ہو کہ نعوذ باللہ! بے کار باتیں ہیں سمجھنے کے قابل نہیں۔ چنانچہ بددین لوگ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں) اور ہم تمہیں اپنے (مجمع) میں کمزور دیکھ رہے ہیں، اور تمہارے خاندان کا (کہ وہ ہمارے ہی ہم مذہب ہیں، ہمیں) لحاظ نہ ہوتا تو ہم تمہیں (کبھی کا) سنگسار کر چکے ہوتے۔ اور ہماری نظر میں تمہاری تو کوئی عزت ہی نہیں ہے (لیکن جس کا لحاظ ہوتا ہے اس کی وجہ سے اس کے رشتہ دار کی بھی رعایت ہوتی ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ تم ہمیں یہ باتیں مت سناؤ۔ ورنہ تمہاری جان کا خطرہ ہے اس طرح پہلے مذاق اڑانے کے انداز میں تبلیغ سے روکا تھا جب کہا تھا کہ ﴿ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ ﴾ الخ اور اب دھمکی دے کر روکا) شعیب (علیہ السلام) نے (جواب میں) فرمایا کہ اے میری قوم! افسوس اور تعجب ہے کہ میری جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت ہے کہ میں اس کا نبی ہوں، وہ تو مجھے ہلاک کرنے میں رکاوٹ نہیں بنی۔ اور میری جو نسبت خاندان کے ساتھ ہے کہ ان کا رشتہ دار ہوں، وہ اس سے رکاوٹ بن گئی، تو اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ تم خاندان کا لحاظ (اللہ سے بھی زیادہ کرتے ہو، تو) کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک (نعوذ باللہ) اللہ سے بھی زیادہ عزت والا ہے (کہ خاندان کا تو لحاظ کیا) اور اس (یعنی اللہ تعالیٰ) کو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال دیا (یعنی اس کا لحاظ نہ کیا تو اس کا نتیجہ جلدی ہی بھگتو گے، کیونکہ) یقیناً میرا رب تمہارے سارے اعمال کا (اپنے علم میں) احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اے میری قوم! (اگر تمہیں عذاب کا بھی یقین نہیں آتا تو آخری بات یہ ہے کہ (تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو، میں بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہا ہوں (تو) اب جلدی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کونسا شخص ہے جس پر عذاب آنے والا ہے۔ جو اس کو رسوا کر دے گا، اور وہ کونسا شخص ہے جو جھوٹا تھا (

یعنی تم مجھے نبوت کے دعوی میں جھوٹا کہتے ہو اور حقیر سمجھتے ہو، تو اب معلوم ہو جائے گا کہ جھوٹ کا جرم کرنے والا اور ذلت کی سزا کا مستحق کون تھا، تم یا میں) اور تم بھی منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں (کہ دیکھیں عذاب واقع ہوتا ہے، جیسا کہ میں کہتا ہوں یا واقع نہیں ہوتا جیسے کہ تمہارا زعم ہے۔ غرض ایک زمانہ کے بعد عذاب کا سامان شروع ہوا) اور جب ہمارا حکم (عذاب کے لئے) آپہنچا (تو) ہم نے (اس عذاب سے) (شعیب علیہ السلام) کو اور جو ان کے ہمراہ ایمان والے تھے، ان کو اپنی (خاص) عنایت سے بچالیا، اور ان قاتلوں کو ایک سخت آواز نے (جو کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نعرہ تھا) آپکڑا تو وہ اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے رہ گئے (اور مر گئے) جیسے کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہیں تھے، خوب سن لو (اور عبرت پکڑو) مدین کو رحمت سے دوری ہوئی۔ جیسا کہ ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے۔

فائدہ: سورۂ اعراف کی آیت ۹۱ میں ان پر آنے والے عذاب کو رجفہ بتایا گیا ہے اور دونوں کا احتمال ممکن ہے جیسا کہ قوم ثمود کے سلسلہ میں بالکل ایسا ہی مضمون بیان کیا گیا کہ یہاں صیحہ کا ذکر ہے اور وہاں رجفہ کا، لہٰذا صیحہ اور رجفہ کو جمع کرنے میں دونوں قومیں متحد ہیں، اور مفسروں نے تشبیہ کی یہی وجہ ﴿ كَمَا بَعِدَتْ ﴾ میں بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے معجزات اور دلیل روشن دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، سو وہ لوگ فرعون کی رائے پر چلتے رہے اور فرعون کی رائے کچھ صحیح نہ تھی۔ وہ قیامت کے دن اپنی قوم سے آگے آگے ہوگا پھر ان کو دوزخ میں جا اتارے گا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے اترنے کی جس میں یہ لوگ اتارے جائیں گے اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ رہی، اور قیامت کے دن بھی برا انعام ہے جو ان کو دیا گیا۔

ربط: ظاہر ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ:

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (بھی) اپنے معجزے اور روشن دلیل دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو (نہ فرعون نے مانا اور نہ ہی اس کے سرداروں نے مانا، بلکہ فرعون بھی اپنے کفر پر اڑا رہا اور) وہ لوگ (بھی) فرعون (ہی) کی رائے پر چلتے رہے اور فرعون کی رائے صحیح نہیں تھی، وہ (فرعون) قیامت کے دن اپنی قوم سے آگے آگے ہوگا۔ پھر ان (سب) کو جہنم میں جا اتارے گا، اور وہ (جہنم) اترنے کی بہت ہی بری جگہ ہے، جس میں یہ لوگ اتارے جائیں گے، اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی، اور قیامت کے دن بھی (ان کے ساتھ ساتھ رہے گی۔ چنانچہ

یہاں قہر کی وجہ سے دریا میں غرق ہوئے اور وہاں جہنم نصیب ہوگی) برا انعام ہے جو انہیں دیا گیا۔

فائدہ: سلطان مبین سے یا تو عصا اور ید بیضا مراد ہے، جو سورۂ اعراف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان کی گئی نو نشانیوں میں سب سے عظیم نشانیاں ہیں۔ اور یا موسیٰ علیہ السلام کی تقریر بلیغ ہے جو آپ نے فرعون کے سامنے توحید کے سلسلہ میں فرمائی۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝﴾

ترجمہ: یہ ان بستیوں کے بعض حالات تھے جن کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں، بعض بستیاں تو ان میں قائم ہیں، اور بعض کا بالکل خاتمہ ہوگیا اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انھوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا، سو ان کے وہ معبود جن کو وہ خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے، جب آپ کے رب کا حکم آپہنچا۔ اور الٹا ان کو نقصان پہنچایا۔ اور آپ کے رب کی دارو گیر ایسی ہی ہے جب وہ کسی بستی والوں پر دارو گیر کرتا ہے جبکہ وہ ظلم کیا کرتے ہوں، بلاشبہ اس کی دارو گیر بڑی الم رساں سخت ہے۔

ربط: اوپر کئی قصے بیان کیے گئے ان کے فائدوں میں سے ایک فائدہ ڈرانے کی تاکید ہے دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی۔ اب اس پر تنبیہ فرماتے ہیں۔ اور ضمنی طور پر مومنوں کے کامیاب ہونے کا ذکر فرماتے ہیں۔

کفر کے دنیا میں برے نتائج کا ذکر:

یہ (اوپر قصوں میں جو کچھ بیان ہوا) ان (تباہ کی گئی) بستیوں کے بعض حالات تھے جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں (تو) ان میں سے بعض بستیاں تو (اب بھی) قائم ہیں (مثلاً مصر کہ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد بھی آباد رہا) اور بعض کا بالکل خاتمہ ہوگیا، اور (ہم نے ان مذکورہ بستی والوں کو جو سزائیں دیں تو) ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا (کہ بغیر قصور کے سزا دیدی جو کہ صورت کے لحاظ سے ظلم ہے) لیکن انھوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا (کہ ایسی حرکتیں کیں، جن سے سزا کے مستحق ہوئے) تو جب آپ کے رب کا حکم (عذاب کے لئے) آپہنچا ان کے وہ معبود جن کو وہ اللہ کو چھوڑ کر پوجتے تھے، انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے (کہ انہیں عذاب سے بچالیتے) اور (فائدہ تو کیا پہنچاتے) الٹا ان کو نقصان پہنچادیا (یعنی نقصان کا سبب ہوئے کہ ان کی پرستش کی وجہ سے عذاب کا شکار ہوئے) اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی (سخت) ہے جب وہ کسی بستی والوں کی پکڑ کرتا ہے جبکہ وہ ظلم (اور کفر) کیا کرتے ہوں۔ بلاشبہ اس کی پکڑ بڑی تکلیف دینے والی (اور)

سخت ہے (کہ اس سے سخت تکلیف پہنچتی ہے اور اس سے بچ نہیں سکتا)

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ؕ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ ۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ ۝ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ۝ؒ﴾

ترجمہ: ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو۔ وہ ایسا دن ہوگا کہ اس میں تمام آدمی جمع کئے جاویں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے۔ اور ہم اس کو صرف تھوڑی مدت کے لئے ملتوی کئے ہوئے ہیں۔ جس وقت وہ دن آوے گا کوئی شخص بدون خدا کی اجازت کے بات تک نہ کر سکے گا۔ پھر ان میں بعضے تو شقی ہونگے اور بعضے سعید ہونگے۔ سو جو لوگ شقی ہیں وہ تو دوزخ میں ایسے حال میں ہونگے کہ اس میں ان کی چیخ پکار پڑی رہے گی۔ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں، ہاں اگر خدا کو منظور ہو تو دوسری بات ہے۔ آپ کا رب جو کچھ چاہے اس کو پورے طور سے کر سکتا ہے۔ اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں سو وہ جنت میں ہونگے وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں، ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے، وہ غیر منقطع عطیہ ہوگا۔ سو جس چیز کی یہ پرستش کرتے ہیں اس کے بارے میں ذرا شبہ نہ کرنا۔ یہ لوگ بھی اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جس طرح ان کے قبل ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور ہم یقیناً ان کا حصہ ان کو پورا پورا بے کم وکاست پہنچا دیں گے۔

کفر کے آخرت میں برے نتائج کا ذکر:

ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو (عبرت کی وجہ ظاہر ہے کہ جب دنیا کا عذاب ایسا سخت ہے، حالانکہ یہ دارالجزا یعنی بدلہ کی جگہ نہیں تو آخرت کا عذاب جو کہ دارالجزا ہے، کیسا سخت ہوگا) وہ (یعنی آخرت کا دن) ایسا دن ہوگا کہ اس میں تمام آدمی جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری کا دن ہے اور (وہ دن اگرچہ ابھی تک) نہیں آیا، لیکن اس وجہ سے اس کے آنے میں کوئی شک نہ کرے، وہ ضرور آوے گا) ہم اس کو صرف تھوڑی مدت کے لئے (بعض مصلحتوں سے) ملتوی کئے ہوئے ہیں (پھر) جس وقت وہ دن آئے گا (لوگوں کا ہیبت کی وجہ سے یہ حال ہوگا کہ) کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بات تک نہ کر سکے گا (ہاں جب اجازت ہوگی اور جواب

طلب کرنا بھی اجازت میں داخل ہے، اس وقت یقیناً منہ سے بات نکلے گی چاہے وہ بات قبول کی جائے یا نہ کی جائے تو اس حالت میں تو (میدان حشر میں جمع تمام لوگ شریک ہوں گے) پھر (آگے) ان میں (یہ فرق ہوگا کہ) بعض تو شقی بد بخت (یعنی کافر) ہوں گے اور بعض نیک بخت وخوش قسمت (یعنی مؤمن) ہوں گے تو جو لوگ شقی ہیں، وہ تو جہنم میں ایسے حال میں ہوں گے کہ اس میں ان کی چیخ پکار پڑ رہی ہوگی (اور) وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہوں گے (یہ ہمیشگی کے لئے محاورہ ہے کہ ان کے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی) ہاں اگر اللہ ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے (کیونکہ) آپ کا رب جو کچھ چاہے اس کو پورے طور پر کرسکتا ہے (مگر قدرت کے باوجود یہ یقینی ہے کہ اللہ یہ بات نہ چاہے گا، اس لئے نکلنا بھی نصیب نہ ہوگا) اور رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں تو وہ جنت میں ہوں گے (اور) وہ اس میں (داخل ہونے کے بعد) ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، جب تک آسمان وزمین قائم ہیں (چاہے جانے سے پہلے گناہوں کی کچھ سزا بھگتی ہو، وہ بھی جنت سے کبھی نہ نکلیں گے) ہاں! اگر اللہ ہی کو (نکالنا) منظور ہو تو دوسری بات ہے (مگر یہ یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ بات کبھی نہ چاہے گا، لہٰذا نکلنا بھی نہ ہوگا، بلکہ) وہ کبھی ختم نہ ہونے والا عطیہ ہوگا (اور جب کفر کا وبال اوپر کی آیتوں سے معلوم ہو چکا) تو (اے مخاطب) جس چیز کی یہ پرستش کرتے ہیں، اس کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہ کرنا (بلکہ یقین رکھنا کہ ان کا یہ عمل باطل ہونے کی وجہ سے سزا کا سبب ہے اور باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ) یہ لوگ بھی اسی طرح (بغیر دلیل کے بلکہ دلیل کے خلاف، اللہ کے علاوہ کی) عبادت کر رہے ہیں، جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا عبادت کرتے تھے (اور دلیل کے خلاف ہر امر باطل اور سزا کا سبب ہوتا ہے) اور ہم یقیناً (قیامت کے دن) ان کا (عذاب کا) حصہ پورا پورا بغیر کسی کمی وزیادتی کے پہنچا دیں گے۔

فائدہ: ﴿لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ کی جو تفسیر کی گئی ہے، اس سے آیتوں میں اس مضمون سے متعلق کوئی شبہ نہیں رہا، جو دوسرے مقامات پر آئی ہیں: ﴿لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ، هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ، يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا، قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ﴾ جیسا کہ غور وفکر سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی، سو اس میں اختلاف کیا گیا۔ اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔ اور بالیقین سب کے سب ایسے ہی ہیں کہ آپ کا رب ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا حصہ دے گا۔ وہ بالیقین ان کے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ تو آپ جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہئے اور لوگ بھی جو کفر سے توبہ کر کے آپ کی ہمراہی میں ہیں اور دائرہ سے ذرا مت نکلو، یقیناً وہ تم سب کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے اور ظالموں کی طرف مت جھکو، کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے اور خدا کے سوا کوئی رفاقت کرنے والا نہ ہو، پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو۔ اور آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں۔ بے شک نیک کام مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو۔ یہ ایک نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے اور صبر کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

ربط: اوپر مذکورہ قصوں سے پہلے آیت ﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ ﴾ الخ میں آپ کے لئے تسلی اور آیت ﴿ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ ﴾ الخ میں مختصر طور پر عذاب کی تاخیر کی حکمت اور آیت ﴿ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ ﴾ الخ میں اپنے وقت پر عذاب کا واقع ہونا اور آیت ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا ﴾ الخ میں احکام پر عمل کی ترغیب اور فضیلت ان سب مضامین کا ذکر تھا، آگے قصوں اور ان سے متعلق باتوں کے بعد پھر انہی مضامین کا ذکر ہے۔

رسول اللہ کو تسلی، اور عذاب میں تاخیر کی حکمت اور اس کے اپنے وقت پر واقع ہونے کے یقینی ہونے کی اور احکام پر عمل کی ترغیب کے مضامین کی طرف واپسی

اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توریت) دی تھی، تو اس میں (بھی قرآن کی طرح) اختلاف کیا گیا (کہ کسی نے مانا، کسی نے نہ مانا، یہ کوئی آپ ہی کے لئے نئی بات نہیں ہوئی، لہٰذا آپ غم و رنج نہ کریں) اور (یہ انکار کرنے والے لوگ عذاب کے ایسے مستحق ہیں کہ) اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی ٹھہر چکی ہے (کہ ان کو پورا عذاب آخرت میں دوں گا) تو (جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں) ان کا (قطعی) فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا (یعنی وہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے، واقع ہو جاتا) اور یہ لوگ (دلیلیں قائم ہو جانے کے باوجود ابھی تک) اس (فیصلہ یعنی جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے) کی طرف سے ایسے شک میں (پڑے) ہیں جس نے انہیں فکر و الجھن میں ڈال رکھا ہے (کہ انہیں عذاب کا یقین ہی نہیں آتا، شک کا مطلب یہی ہے) اور (کسی کے شک و انکار سے یہ عذاب ٹلے گا نہیں، بلکہ) یقینی طور پر سب کے سب ایسے ہی ہیں کہ آپ کا رب انہیں، ان کے اعمال (کے بدلے، جزا) کا پورا پورا حصہ دے گا، وہ یقینی طور پر ان کے سارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (جب ان کی سزا کے معاملہ کا آپ سے کوئی تعلق نہیں) تو آپ (اور آپ کے ساتھ کے مسلمان اپنے کاموں میں لگے رہیں، وہ کام یہ ہیں کہ آپ) جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے

(اللہ کے دین کے راستہ پر) قائم رہئے اور وہ لوگ بھی (قائم رہیں) جو کفر سے توبہ کر کے آپ کے ساتھ ہیں، اور (دین کے) دائرہ سے ذرا مت نکلو، یقیناً وہ تم سب کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے اور (اے مسلمانو! ان) ظالموں کی (یا جو ان جیسے ہوں ان کی) طرف (دوستی یا احوال واعمال میں شرکت کے اعتبار سے) مت جھکو کہ کہیں تمہیں دوزخ کی آگ چھو جائے اور (اس وقت) اللہ کے سوا کوئی تمہارا ساتھ دینے والا نہ ہو، پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو (کیونکہ ساتھ ہونا تو حمایت کے مقابلہ میں آسان ہے، جب وہ نہ ہو تو اس کی کہاں گنجائش ہے) اور (اے محمد ﷺ) آپ نماز کی پابندی رکھئے، دن کے دونوں سروں پر (یعنی اس کے شروع و آخر میں) اور رات کے کچھ حصوں میں، بیشک نیک کام (نامۂ اعمال سے) برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں، یہ بات (کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں) نصیحت ماننے والوں کے لئے ایک (جامع) نصیحت ہے (کیونکہ ہر نیکی اس قاعدہ کلیہ میں داخل ہے، لہٰذا اس سے ہر نیکی کی رغبت ہونی چاہئے) اور (ان منکروں کی طرف سے جو معاملات پیش آتے ہیں، ان پر) صبر کیا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے (لہٰذا صبر بھی اعلیٰ درجہ کا نیک کام ہے، اس کا پورا اجر ملے گا)

فائدہ: دن کے دو سروں کا مطلب بعض کے نزدیک فجر اور عصر ہے اور بعض کے نزدیک دو سروں سے مراد دو حصے ہیں یعنی اول اور آخر کا۔ اول کے حصہ میں صبح کی نماز ہے اور آخر کے حصہ میں ظہر اور عصر ہے۔ اور رات کے حصوں سے مغرب اور عشاء کا وقت مراد ہے، لہٰذا ایک قول کے مطابق اس آیت میں پانچوں نمازیں مراد ہیں۔ اور ایک قول کے مطابق ظہر کے علاوہ چار نمازیں مراد ہیں، اور ظہر کا ذکر دوسری آیت میں ہے: ﴿وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ شاید ذکر میں چار کی تخصیص خاص اہتمام کے لئے ہو کہ فجر اور عشا کا وقت سونے کا ہے، عصر کا وقت کاروبار میں مشغول ہونے کا اور مغرب کا وقت کھانا کھانے اور گھر میں آنے کا ہے، برخلاف ظہر کے وقت کے کہ وہ بالکل فراغت کا وقت ہوتا ہے، چونکہ اصل میں ان احکام کا دوسروں کو سنانا مقصود ہے، اس لئے ان کی حالت کی رعایت سے یہ تخصیص ہوئی۔ واللہ اعلم۔ اور آیت میں سیئات سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، اور اس مسئلہ کی تحقیق سورۃ النساء آیت ۳۱ کے تحت گذر چکی ہے۔

﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۞ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۞ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۞ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۞﴾

ترجمہ: تو جو امتیں تم سے پہلے ہو گذری ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ نہ ہوئے جو کہ ملک میں فساد پھیلانے سے منع

کرتے بجز چند آدمیوں کے کہ جن کو ان میں سے ہم نے بچا لیا تھا۔ اور جو لوگ نافرمان تھے وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور جرائم کے خوگر ہو گئے۔ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو کفر کے سبب ہلاک کر دے اور ان کے رہنے والے اصلاح میں لگے ہوں۔ اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا اور ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے دونوں سے بھر دوں گا۔

ربط: اوپر کے قصوں میں ہلاک کی گئی امتوں کے وبال و عذاب کا حال بیان کیا گیا تھا، اب اس کے قریبی سبب یعنی ان کی نافرمانی اور دور کے سبب یعنی مشیت و حکمت کا بیان ہے۔ اور پہلے کے بیان سے اپنا رحم و کرم اور دوسرے کے بیان سے رسول اللہ ﷺ کی تسلی اور رنج و غم کا دور کرنا مقصود ہے۔

گذشتہ امتوں کی ہلاکت کے قریب اور دور کے سبب:

(اور اوپر جو ہلاک کی گئی امتوں کے قصے بیان کئے گئے ہیں) تو (اس کی وجہ یہ ہوئی کہ) جو امتیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں، ان میں ایسے سمجھدار نہیں ہوئے جو کہ (دوسروں کو) ملک میں فساد (یعنی کفر و شرک) پھیلانے سے منع کرتے، سوائے ان چند آدمیوں کے کہ جن کو ان میں سے ہم نے (عذاب سے) بچا لیا تھا (کہ وہ تو البتہ جس طرح خود کفر و شرک سے توبہ کر چکے تھے، دوسروں کو بھی منع کرتے رہتے تھے، اور انہی دونوں عملوں کی برکت سے وہ عذاب سے بچ گئے تھے، باقی اور لوگ چونکہ خود ہی کفر میں مبتلا تھے انھوں نے اوروں کو بھی منع نہیں کیا) اور جو لوگ نافرمان تھے وہ جس ناز و نعمت میں تھے، اسی کے پیچھے پڑے رہے اور جرموں و گناہوں کے عادی ہو گئے (کہ اس سے باز ہی نہ آئے، مطلب یہ کہ نافرمانی تو ان میں عام طور پر رہی اور منع کرنے والا کوئی نہیں ہوا، اس لئے سب ایک ہی عذاب میں مبتلا ہوئے ورنہ کفر کا عذاب عام ہوتا اور فساد کا خاص۔ اب منع نہ کرنے کی وجہ سے غیر مفسد بھی فساد کرنے والوں میں شامل قرار دیئے گئے۔ اس لئے جو عذاب کفر و فساد کے مجموعہ پر نازل ہوا، وہ بھی عام رہا) اور (اس سے ثابت ہو گیا کہ) آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو کفر کے سبب ہلاک کر دے اور ان کے رہنے والے (اپنی اور دوسروں کی) اصلاح میں لگے رہیں (بلکہ جب اصلاح کی بجائے فساد کریں اور فساد کرنے والوں کو منع نہ کریں، اس وقت خاص عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں) اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو سارے لوگوں کو ایک طریقہ کا بنا دیتا (یعنی سب کو مؤمن کر دیتا، لیکن بعض حکمتوں کی وجہ سے ایسا منظور نہیں ہوا، اس لئے دین کے خلاف مختلف طریقوں پر ہو گئے) اور (آئندہ بھی) ہمیشہ اختلاف (ہی) کرتے رہیں گے، سوائے اس کے جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو (وہ دین کے خلاف طریقہ اختیار نہیں کرے گا) اور اس اختلاف کا غم یا افسوس یا تعجب نہ کیجئے، کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس واسطے پیدا کیا ہے (کہ ان کے درمیان اختلاف رہے) اور (اختلاف کے لئے پیدا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں دونوں سے بھر دوں گا (اور

خود اس کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح ان لوگوں میں جن پر رحم کیا گیا، رحمت کی صفت کا ظہور ہوا، جن لوگوں پر غضب کیا گیا ان میں غضب کی صفت ظاہر ہو، پھر اس ظاہر ہونے کی حکمت یا اس حکمت کی حکمت اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور اس ظاہر ہونے کی حکمت کی غرض بعض لوگوں کا لازمی طور پر جہنم میں جانا ہے، اور جہنم میں جانے کے لئے کفار کا وجود تکوینی طور پر ضروری ہے اور کفار کے وجود کے لیے اختلاف لازم ہے، لہٰذا سب کے مسلمان نہ ہونے کی یہ وجہ ہے)

فائدہ: اس اختلاف سے مراد اتفاق کے بعد کا اختلاف ہے، لہٰذا آیت ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ سے اس آیت کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے کہ ایک سے اختلاف کا ہونا اور دوسری سے اختلاف کا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے، ٹکراؤ نہ ہونے کی وجہ دونوں کے زمانوں کا الگ ہونا ہے، اور اہل رائے کی تخصیص اس لئے کی کہ جب انھوں نے منع نہیں کیا تو اوروں کا منع نہ کرنا تو بدرجۂ اولیٰ سمجھ میں آ گیا۔ اور اس آیت سے جو ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ ہلاک کرنے کی اصل وجہ تو کفر تھا نہ کہ نہ روکنا، اس کا جواب ترجمہ کے دوران میں مطلب کی تقریر سے معلوم ہو گیا کہ نہ روکنا مطلق عذاب کا سبب نہیں بلکہ خاص عذاب کا سبب ہے۔

﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود بھی راست ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے۔

ربط: اوپر قصوں کے واقعات کی علت و حکمت کا ذکر تھا۔ اب قصوں کی حکمت کا ذکر ہے۔

بعض حکمتوں کا بیان:

اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے (مذکورہ) قصے آپ سے بیان کرتے ہیں، جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو طاقت و قوت پہنچا دیتے ہیں (قصوں کے بیان کرنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا، جس کا حاصل آپ کو تسلی دینا ہے) اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود بھی صحیح (اور واقعی) ہے اور مسلمانوں کے لئے (برے کاموں سے روکنے کی نصیحت ہے، اور (اچھے کام کرنے کے لئے) یاد دہانی ہے (قصوں کے بیان کا یہ دوسرا فائدہ ہوا، ایک فائدہ نبی کے لئے اور دوسرا امت کے لئے

فائدہ: حق، قرآن کی آیات کی ذاتی صفت ہے جو قصوں پر مشتمل ہیں، اور نصیحت و موعظت اور ذکر ان کی اضافی صفات ہیں، جن میں ایک تنبیہ کرنے والی اور ایک حکم دینے والی ہے۔

﴿ وَ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ ؕ اِنَّا عٰمِلُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَ انۡتَظِرُوۡا ۚ اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ لِلّٰہِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡہِ یُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ کُلُّہٗ فَاعۡبُدۡہُ وَ تَوَکَّلۡ عَلَیۡہِ ؕ وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ ﴾ ع

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو، ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں ان کا علم خدا ہی کو ہے اور سب امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے تو آپ اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے اور آپ کا رب ان باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو۔

ربط: اوپر پوری سورت میں توحید، رسالت، بعث، قرآن کی حقانیت اور وعدہ وعید کے ثبوت اور شبہات کی نفی کے ذریعہ دعوت کو مکمل کرنے اور حجت ودلیل کو لازم کرنے کا حق کافی طور پر ادا کر دیا گیا۔ اب جو لوگ اس پر بھی نہ مانیں، ان سے آخری بات کہہ کر سورت کو ختم کیا جاتا ہے۔

خاتمہ: انتہائی مخالف کے ساتھ کلام:

اور جو لوگ (ان واضح اور قطعی دلیلوں کے باوجود) ایمان نہیں لاتے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ (میں تم سے الجھتا نہیں) تم اپنی حالت پر عمل کرتے رہو، ہم بھی (اپنے طور پر) عمل کر رہے ہیں اور (ان اعمال کے نتیجہ کے) تم (بھی) منتظر رہو، ہم بھی منتظر ہیں (جلد ہی حق وباطل کھل جائے گا) اور آسمانوں اور زمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں، ان کا علم اللہ ہی کو ہے (تو بندوں کے اعمال تو غیب بھی نہیں ہیں، لہٰذا ان کا علم تو اللہ تعالیٰ کو بدرجہ اولیٰ ہے) اور بس سارے امور اسی کی طرف لوٹیں گے، یعنی علم واختیار دونوں اللہ کی صفت ہیں، پھر اس کے لئے کیا مشکل ہے، اگر وہ اعمال کی جزا وسزا دیدے، اور جب وہ ایسا علم واختیار رکھتا ہے) تو (اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اسی کی عبادت کیجئے (جس میں تبلیغ بھی داخل ہے) اور اسی پر بھروسہ رکھئے (اگر تبلیغ میں کسی اذیت کا اندیشہ ہو، یہ بیچ میں جملہ معترضہ کے طور پر آپ سے خطاب فرما دیا۔ آگے پھر وہی اوپر کا مضمون ہے، یعنی) اور آپ کا رب ان باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو (جیسا کہ اوپر علم غیب سے اعمال کا علم بدرجۂ اولیٰ ثابت ہو گیا)

فائدہ: اس آیت پر سورت کا حسن اختتام ظاہر ہے۔

﴿ بحمدہ تعالیٰ اس سورت کی تفسیر سے ۱۵ ر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۳۲ھ کو فراغت ہوئی ﴾

تفسیر ہدایت القرآن منظر عام پر آگئی ہے

اللہ کی توفیق سے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہم شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی مایہ ناز تصنیف "تفسیر ہدایت القرآن" ۸ جلدوں میں منظر عام پر آگئی ہے، ہندوستان میں مکتبہ حجاز دیوبند اور پاکستان میں مکتبہ غزنوی کراچی نے اُسے شائع کردیا ہے۔ واضح رہے! حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے تدریس وتصنیف اور تحقیق ومطالعہ کے میدان میں تقریباً پچپن سالہ تجربہ کے بعد تفسیر ہدایت القرآن تحریر فرمائی ہے، اس تفسیر میں ہر سورت کے شروع میں اُس کا تعارف وخلاصہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آیات وسورتوں کے درمیان ربط اور ہر لفظ کے سامنے اس کا لفظی واضح ترجمہ، پھر تفسیر اور آخر میں بامحاورہ ترجمہ کا اہتمام کیا گیا ہے، حواشی میں مشکل الفاظ کی لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق بھی اختصار کے ساتھ شامل کی گئی ہے۔

امید قوی ہے کہ اس تفسیر سے اساتذۂ کرام، ائمۂ مساجد، عزیز طلبہ اور عام مسلمان بھائی سب استفادہ کرسکیں گے۔ واللہ ولیُّ التوفیق.

عبد الرؤف غزنوی عفا اللہ عنہ
خادم حدیث نبوی
جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
۲۲/۷/۱۴۴۰ھ
۳۰/۳/۲۰۱۹ء